اسلام مکمل

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مستند اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات پر مشتمل مکمل ترین کتاب

تالیف

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رح

ناشر

رینہ پبلشنگ کمپنی۔ مشہور محل۔ میکلوڈ روڈ۔ کراچی

(کتابت نبی احمد خاں)

(مشہور پریس۔ کراچی)

الحمد للہ الذی ھدٰنا للاسلام ط والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خیر الانام ط وعلیٰ آلہ الکرام ط واصحابہ العظام ط صلوٰۃ دائمۃ وسلاماً سرمداً الیٰ یوم القیام ط

اما بعد، بانیٔ اسلام سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک پاک زندگی کے حالات بھی کس قدر پیارے حالات ہیں کہ کتنا ہی پڑھیئے مگر دل سیر نہیں ہوتا اور جتنا بھی بار بار دیکھئے قند مکرر کا لطف آتا ہے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کی ضرورت نہیں اور مشک وہی ہے جو اپنی خوشبو سے اپنا پتہ خود ظاہر کرے اس لئے آپ کی سوانح شریفہ ہر موافق و مخالف کے سامنے ظاہر کرنے میں اہل اسلام کو بالکل تامل نہیں ہے ایک کھلا مضمون ہے جو دنیا بھر کے سامنے پیش کیا گیا جس کا جی چاہے دیکھے اور عقل و تجربہ و تاریخی واقفیت کی کسوٹی پر جس پہلو سے دل چاہے پرکھے اور خوب پرکھے دعوے کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ انشاء اللہ کوئی مخالف بھی اپنے بانیٔ مذہب مقتدا کی سوانح مقابلۃً پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور نہ قیامت تک کریگا! اور اسی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے سرتاج سیدنا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین خلق اور سردار اولین و آخرین کہنے کا حق حاصل ہے عرصہ ہوا غالباً ۱۳۲۱ھ میں بندے نے عربی کی مشہور کتب سیر خصوصاً تاریخ الکامل اور آثار الاول سے خاص مضامین لے کر مکہ کی ابتدائی تاریخ یعنی چاہِ زمزم کے نمودار ہونے سے سلسلہ اٹھایا اور ۸ نبوی یعنی فتح مکہ تک کے حالات معتبرہ سند وار عام پسند سلیس اردو زبان میں مرتب کر کے تین حصوں پر منقسم کر دیا تھا۔ یہ تالیف اسلام کے نام سے ہندوستان میں شائع ہوئی اور الحمد للہ کہ قوم نے اس کو نہایت پیاری قدردان نگاہ سے دیکھ کر اسکے دوبارہ طبع ہونے کا موقع دیا۔ چونکہ اس تالیف کے وقت مؤلف کی عمر بیس سال چند ماہ کی تھی اس لئے یہ وسوسہ بھی نہ گذرتا تھا کہ برادرانِ مذہب میں اس کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوگی مگر جب میں نے دیکھا کہ اس ناتمام کتاب کے بقیہ حصہ چہارم کی فرمائش کثرت کے ساتھ ہوتی اور یگانہ و بیگانہ احباب و اقارب کا ہر طرف سے اصرار پر اصرار ہوتا ہے کہ اس کو مکمل کروں تو میں نے اس کو حق تعالیٰ شانہ کی قبولیت کی علامت سمجھا خصوصاً جب اسکی اطلاع بھی ملی کہ بعض اطراف میں بلا کسی تحریک کے دیندار اہل اسلام نے اپنے مدارس کے نصاب تعلیم کا اس کو جزو بنا دیا اور تاریخی و زبان دانی کے درجہ میں سچی مذہبی پیاری اور دلچسپ تاریخ اسلام کو انتخاب فرمایا ہے تو مجھے بہت مسرت ہوئی اور اپنے خدائے برتر کا شکر کرتے ہوئے نظر ثانی کرنے اور بالاختصار بعض مضامین کے اضافہ و ترمیم سے اس پرانی تالیف کو سنوارنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ تیسری بار کے طبع میں سیرۃ ابن ہشام جو اس فن میں مشہور و مستند کتاب ہے سامنے رکھ کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک حالات کی تکمیل کا قصد کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اتمام پر پہنچا کر مخلوق کیلئے نافع اور مؤلف گناہ گار کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ اہل علم و دیانت سے استدعا ہے کہ کہیں لغزش پائیں تو اصلاح فرما دیں اور مؤلف کم مایہ کے لئے غلطی کی مغفرت اور صواب کی قبولیت کی دعا فرما دیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ط

راقم محمد عاشق الٰہی عفی عنہ یکم رجب ۱۳۳۰ھ

۱۳۲۱۸ اوّل

فہرست مضامین تاریخ اسلام حصہ اوّل

فہرست حصہ اوّل ختم ہوا۔ اس حصہ میں ۳۱ باب ہیں

یہ سوال کہ حضرت سارہ جیسی ولیہ اور مقبولِ خدا کے بے کینہ سینے میں رشک کا مادہ کیوں پیدا ہوا ایسا سوال ہے جس کے جواب میں یہ کہنا تسلی بخش ہو سکتا ہے کہ جب انبیا علیہم السلام بشریت سے خالی نہیں تو اولیاء کرام کو

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اوّل

چاہِ زمزم

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی چچازاد بہن اور منکوحہ بی بی حضرت سارہ بنتِ ہاران صرف لاولد ہی نہ تھیں بلکہ قدرتی طور پر بانجھ اور عالمِ اسباب میں بظاہر ہمیشہ کے لئے اولاد سے مایوس ہوچکی تھیں اور گو آخر عمر میں حضرت اسحٰق علیہ السلام انھیں کے بطن سے پیدا ہوئے تاہم یہ معجزہ کے طور پر ولادت اس مایوسی کے ایک زمانہ کے بعد بھی جو حضرت سارہ علیہا السّلام کو اپنی عمر کے ڈھلتے وقت پیش آ ہوگئی تھی اور اسی حالت سے یہ ہمارا اصلی قصہ بھی شروع ہے اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن شہر بابل دار السلطنت اور حاکم وقت اللہ کا نافرمان بندہ نمرود بن کوش اُس کا پوتا نمرود بن کنعان تھا اسی نے ابراہیم علیہ السّلام کو اپنے دعویٰ ربوبیت کا مخالف پاکر تہہ بہ تہہ آگ کے ڈھیر میں ڈلوایا اور وہ آگ بحکمِ خدا گلزار بن گئی تھی جس کا مشہور قصہ عام اہلِ ادیان کے وِردِ زبان ہے۔

جب نمرود سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مطیع بنانے سے بالکل مایوس ہوگیا اور اندیشہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کا عام طور پر توحید کا اعلان دوسری رعایا کے خیالات پر بھی اثر ڈالے گا تو اس نے ابراہیم علیہ السلام کو معہ اہلِ خانہ کے جلا وطن ہوجانے کا حکم دیا۔ اِدھر سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر بُت تراش کو نہایت نرم و مہذب الفاظ میں توحید کی طرف بلایا اور جب اُس کا جواب بھی سخت بایں الفاظ سُنا کہ "اے ابراہیم! کیا تجھ کو میرے معبودوں سے نفرت ہے؟ سو یاد رکھ اگر باز نہ آیا تو تجھ کو سنگسار کر ڈالوں گا۔ اور جا یہاں سے چلا جا" تب سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دینِ حق سنبھالنے اور ایسا مقام تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی جہاں باامن و امان اپنے یکتا پروردگار کی عبادت کرسکیں۔ چنانچہ آپ مع اپنی بی بی حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے جو آپ پر ایمان لاچکے تھے، نہایت خوشی کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر فوراً کھڑے ہوگئے اور اس دار الکفر سے ہجرت کر گئے۔ اوّل مقامِ حران میں کچھ قیام ہوا اور اس کے بعد مصر پہنچے۔

اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

راقم محمد عاشق الٰہی عفی عنہ یکم رجب ۱۳۳۰ھ

شخص تھا۔ جب اس نے بی بی سارہ کے حُسن کا شہرہ سُنا تو طبیعت میں وَلولہ پیدا ہوا اور ابراہیم علیہ السلام سے کہلا بھیجا کہ "اگر زندگی چاہتے ہو تو سارہ کو بنا سنوار کر فوراً ہمارے حضور میں روانہ کرو۔"

ابراہیم علیہ السلام کو گو تشویش زیادہ ہوئی لیکن حاکم و محکوم کا مقابلہ کیا۔ قہرِ درویش بجانِ درویش سارہ کو فرعونِ مصر کی جانب روانہ کر دیا اور بارگاہِ لم یزلی میں دست بدعا ہوئے کہ بارِ الٰہا غریب بندوں کی عزت آبرو تیرے ہی ہاتھ ہے۔

بی بی سارہ فرعون کے پاس پہنچیں اور بدکار ظالم بادشاہ نے پاکدامن خاتون کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا کہ یک لخت اس کا ہاتھ شل اور تمام بدن بے حس ہو گیا گویا کسی سخت پکڑنے والے نے ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے۔ فرعون اپنی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور بی بی سارہ سے بعجز و انکسار التجا کی کہ اللہ واسطے مجھ پر رحم کرو اور دُعا کرو کہ میں اِس پنجۂ غضب سے نجات پاؤں۔

بی بی سارہ نے دُعا کی اور فرعون کے ہاتھ کھُل گئے لیکن اُس کے سر پر تو شیطان سوار تھا طبیعت میں ایک جوش تھا جس نے عقل و ہوش پر پردہ ڈال رکھا تھا پہلی بیجا حرکت کی سزا سے متنبّہ نہ ہوا اور پھر دست درازی شروع کی۔ ہاتھ کا بڑھانا تھا کہ پھر وہی حالت طاری ہوئی جو پہلی مرتبہ ہوئی تھی قصّہ مختصر تین مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا اور فرعونِ مصر نے بی بی سارہ کی یہ حیرت انگیز کرامت دیکھ کر اپنی ایک خاص اور خوبصورت لونڈی ہاجرہ نام ان کو دے کر رخصت کیا اور یہ ہنسی خوشی اپنے گھر واپس آئیں۔ بی بی سارہ کو چونکہ اولاد ہونے کی توقع نہ رہی تھی اس لئے انھوں نے واپس آکر اپنی مملوکہ اپنے پیارے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی جو در حقیقت قبطی النسل تھیں، اور تھوڑے ہی دنوں بعد ہاجرہ کے بطن سے ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے منقول ہے کہ اُس وقت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک کم سو برس کی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے نہ صرف اس وجہ سے زیادہ محبت تھی کہ یہ لختِ جگر بی بی سارہ کی جانب سے مایوس ہونے کے بعد پیدا ہوا تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اِس ہونہار بچّے کی ملاحت آمیز آنکھوں، خداداد حُسن اور قدرتی نورِ پیشانی سے جلوہ گر ہو رہا تھا کہ خلیل اللہ کا یہ پیارا بیٹا بھی اپنے زمانہ میں خلعتِ پیغمبری زیبِ تن کرے گا۔

اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے پیدا ہوتے ہیچے باپ کی توجہ اپنی ہی جانب زیادہ مبذول نہیں کی بلکہ اپنی ماں بی بی ہاجرہ کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی خاص محبت اور مخصوص عنایت کا مورد بنا دیا جو واقع میں حضرت سارہ کی عطا کی ہوئی لونڈی تھیں اور یہی ظاہر ہے بی بی سارہ کے ملال کا سبب ہوا۔

یہ سوال کہ حضرت سارہ جیسی ولیہ اور مقبولِ خدا کے بے کینہ سینے میں رشک کا مادّہ کیوں پیدا ہوا ایسا سوال ہے جس کے جواب میں یہ کہنا تسلی بخش ہو سکتا ہے کہ جب انبیا علیہم السلام بشریت سے خالی نہیں تو اولیائے کرام کو

ابراہیم علیہ السلام نے ایک تھیلی جس میں تھوڑے سے چھوارے تھے اور ایک چھوٹا سا مشکیزہ پانی کا ہاجرہ علیہا السلام کے پاس رکھ کر واپس ہونے کے ارادے سے مُنہ پھیر لیا۔ بی بی ہاجرہ کو اب تک خبر نہ تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے جب اپنے شوہر کو جاتے دیکھا تو دَوڑ کر دامن پکڑ لیا اور نہایت حیرت انگیز آواز سے کہا کہ ہم بیکسوں کو تنہا کس پر چھوڑتے اور تم ہم سے خفا ہو کر کہاں جاتے ہو؟

حضرت خلیل اللہؑ کے دل پر اس کلام کے سُننے سے جو کچھ چوٹ لگی ہوگی اُس کا اندازہ وُہی طبیعتیں کر سکتی ہیں جو دَرد آشنا ہوں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کا دل وہ دل نہ تھا جو اللہ کے مقابلے میں اپنے یا اپنے لڑکے کی جان کو عزیز سمجھے یا امتحان کے وقت کچھ ہراس اور ملال کا اظہار کرے اِس لئے نہایت استقلال کے ساتھ جواب دیا کہ "ہاجرہ میں تم کو اللہ کے سُپرد کرتا ہوں اور خوب سمجھ لو کہ جو کچھ کر رہا ہوں حق تعالیٰ کے حکم سے کر رہا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں ابراہیم کی جان ہے"

بی بی ہاجرہ نے یہ سُن کر فوراً دامن چھوڑ دیا اور ابراہیم علیہ السّلام وہاں سے روانہ ہوئے تاہم جب تک ابراہیم علیہ السلام نظر آتے رہے، بی بی ہاجرہ کی ٹکٹکی اسی جانب بندھی رہی لیکن جب بُعدِ مسافت نے ہاجرہ کی نظر کو تھکا دیا اور حضرت خلیل اللہ نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو اب وہ نظر شیر خوار بچّہ پر پڑی جس کی بےبسی و بےکسی کُھلی ہوئی حیرت زدہ آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ایک بچّہ جو نور کا مجسّم پُتلہ تھا اپنی ماں کو تک رہا تھا اور ماں بچّہ کو دیکھ رہی تھی۔

اَب بی بی ہاجرہ کے چہرہ پر اطمینان و سکون کے آثار نمودار ہو چکے تھے جو اپنے مہربان پروردگار پر جان فدا کرنے والے بندے کے چہرہ پر شہید ہوتے وقت نمودار ہونے چاہئیں غرض ہاجرہ نے تھیلی کھولی اور چند چھوارے کھا کر مشکیزہ میں رکھے ہوئے پانی سے سُوکھے لَب تر کئے اور بچّے کو دودھ پلانے کے لئے چھاتی سے لگا لیا۔

کہنے کے لئے ایک بات ہے مگر درحقیقت کلیجہ پھٹتا اور دل اُمنڈتا ہے جب اس سماں کا تصوّر باندھا جاتا ہے کہ ایک ضعیف و بےکس عورت اپنے دُودھ پیتے کمسن اور نہایت نازک بچّہ کو گود میں لئے ہوئے ایسے بیابان میں بیٹھی ہوئی ہے جہاں اُنسیت کے لئے نہ آدمی ہے نہ آدم زاد، نہ چرند ہے نہ پرند اور غذا کے لئے نہ کہیں گھاس کا پتہ ہے نہ پانی کا قطرہ۔ اللہ اللہ کس قدر قوی تھا وہ قلب جو بی بی ہاجرہ کو عطا ہوا تھا اور کیسا عالی تھا وہ ظرف جس میں اپنے حیّ و قیوم پاک خدا پر اعتماد کی وجہ سے نہ خوف و ہراس کی گنجائش تھی نہ خطرہ میں پڑجانے والی زندگی کا فکر تھا اور نہ اپنے خاوند کی طرف سے کچھ مَیل یا کدورت و رنجش کا اثر۔

چند روز گذرے تھے کہ تھیلی چھواروں سے خالی اور مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا اور وہ وقت بہت جلد آگیا کہ ہاجرہ کے کمر سے لگے ہوئے پیٹ اور پپڑی جمے ہوئے ہونٹوں نے تمام اعضاء کو کمزور اور بصارت تک کو ضعیف

بنا دیا ایسی حالت میں چھاتی میں دُودھ کہاں کہ بھوک کے پیاسے بیتاب بچّہ کو ایک دو قطرے ہی سے بہلا دیا جائے۔

آہ۔ اس وقت ماں نے حسرت بھری نظر سے تڑپتے ہوئے بچہ کو دیکھا اور گھبرا کر اس خیال سے مُنہ پھیر لیا کہ مصیبت زدہ بچّہ کی یہ تنگ حالت رنجوں کی ماری ماں کسی طرح اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے لیکن یہ بے چینی ایسی نہ تھی کہ بچّہ کی آنکھوں سے اوجھل ہونے میں کم ہو جاتی۔ کلیجہ میں ایک آگ سی اُٹھی جس کے سبب وہ نظر دوبارہ بچّہ پر پڑی اور حضرت ہاجرہ مایوسی اور گھبراہٹ کے جال میں تڑپ کر رہ گئیں۔

شیر خوار بچّہ کے گورے گورے چہرے کا رنگ آناً فاناً متغیّر ہوتا جاتا تھا اور بھوک کی بیتابی سے روتے روتے آواز پڑ گئی تھی۔ ہاجرہ کا بس نہ تھا کہ اپنے جسم و خون کا پانی بنا کر ان خشک ہونٹوں کو تر کر دیں اُن کا کلیجہ مُنہ کو آتا تھا اور یہ بھی خبر نہ رہی تھی کہ میں خود بھوکی پیاسی آب و دانہ کی محتاج ہوں اپنے لختِ جگر کا سِسکنا، تڑپنا، ایڑیاں رگڑنی اور جان دینے کے لئے ذرا ذرا سے نازک پاؤں ریتلی زمین پر دے مارتے آنکھوں سے دیکھتیں اور آنکھوں میں آنسو بھر لاتی تھیں آخر اس جانکنی کے دیکھنے کی تاب نہ لا کر وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اس اُمید پر کہ شاید کہیں قطرے دو قطرے پانی دیکھ سکوں یا کوئی رستہ چلتا مسافر نظر پڑ جائے کہ اس کے زادِ راہ سے اِس آخری وقت میں کچھ مدد پہنچے۔ کوہِ صفا پر چڑھیں جو وہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر ریت کا ساٹیلہ نظر آ رہا تھا لیکن افسوس نہ کہیں پانی کا پتہ ملا اور نہ کسی آدمی یا جانور کا نشان نظر آیا۔

بے قرار ماں کو اتنا بھی صبر نہ تھا کہ تڑپتے ہوئے بچہ کو اتنی دیر تنہا چھوڑے رکھے کہ اپنی عدم موجودگی میں وہ رُوح اللہ کے حوالے کرے اس لئے آخری صورت دیکھنے کے خیال سے بیتابانہ نیچے اُتر آئیں اور بچّہ اسی تڑپتی ہوئی حالت میں دیکھ کر پھر گھبرا اُٹھیں اور پہلے ہی خیال میں اِس دوسری مرتبہ کوہِ مروہ پر جا چڑھیں جو کوہِ صفا کے سامنے دوسری جانب واقع تھا لیکن وہاں بھی میدان صاف تھا کہ نہ کہیں آب تھا نہ دانہ۔

حضرت ہاجرہ کی کوشش تھی کہ میں نازپروردہ نورِ نظر کی رُوح نکلتے ہوئے اپنی غم زدہ آنکھوں سے نہ دیکھوں لیکن وہ ماں کی مادرانہ محبت جس نے نو مہینے پیٹ میں رکھوایا اور جب تک چھاتی میں خون دُودھ بنکر آتا رہا دُودھ پلوایا، کب یہ خیال پورا ہونے دیتی تھی۔ ایک آگ تھی کہ سینہ میں شعلہ زن تھی اور ایک دُھواں تھا کہ بار بار کلیجے اُٹھتا تھا۔ بچّہ کی یہ دگرگوں نزع کی حالت دیکھے صبر تھا اور نہ آنکھیں پھیر یا دُور چلے جائے بَن پڑتا تھا۔

اِس محبّت کے جوش اور بےچینی نے ہاجرہ کو سات بار صفا پر چڑھایا اور سات ہی بار صفا سے اُتار کر بیٹے کی ایک جھلک دِکھانے کے بعد کوہِ مروہ پر جا کھڑا کیا۔ گویا سات مرتبہ ہر دو پہاڑی کا طواف کرا دیا جو آج تک عمرہ کے نام سے مشہور اور قیامت کے دن تک کامل حج کا جُزو بنکر رائج رہے گا جس کا اللہ کے مسلمان بندوں کو حکم ہے۔

اِس طواف کی ساتویں دفعہ تھی اور بی بی ہاجرہ کی آزمائشی مصیبت کا آخری وقت تھا کہ مُربّی حقیقی خالق

برحق خدا کی بے پایاں رحمت کے بحرِ زخار نے اُبلنا شروع کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام زمین پر پڑے بے چینی سے ایڑیاں رگڑ رہے اور جان توڑ رہے تھے کہ مقدس فرشتے جبرئیلؑ کی وساطت سے ایڑی رگڑتے رگڑتے زمین سے ایک قدرتی چشمہ نمودار ہوا اور پانی اس طرح اُبلنے لگا جیسے بی بی ہاجرہ کا کلیجہ اپنے بچے کی بیتابی سے کوہِ مروہ پر اُمنڈ رہا تھا۔

ماں نے اپنی عادت کے موافق اس ساتویں مرتبہ پیارے بچہ پر اس گمان سے نظر ڈالی کہ غالباً اس کی رُوح نکل چکی ہوگی اور اس مرتبہ میری نظر اسمٰعیلؑ کی نعش پر پڑے گی جسے بے کفن مجھی کو اپنے ہاتھوں سے اس چٹیل میدان کے کسی حصہ میں مٹی کے نیچے دبانا پڑے گا کہ یکایک وہ مایوس نظر حیرت اور تعجب سے بدل گئی اور اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروں کے نیچے اُبلتا ہوا صاف اور شیریں پانی نظر آیا جو درحقیقت اسمٰعیل علیہ السلام کی حالتِ طفولیت کا ایک زندہ اور برقرار معجزہ تھا۔

بی بی ہاجرہ کی اس مسرت اور فرحت کا اندازہ نہیں ہوسکتا جو مایوس ہوئے پیچھے خلافِ امید مادہ حیات ہاتھ لگنے پر ان کو حاصل ہوئی: چنانچہ نہایت بیتابی اور شوق کے ساتھ غٹ غٹ پینا اور دونوں ہاتھوں سے اس کو اس خیال سے روکنا اور جلدی جلدی اس کی مینڈ کا بنانا شروع کردیا کہ کہیں بہہ نہ جائے اور ختم ہوجانے والی مصیبت دوبارہ اپنی صورت نہ دکھائے۔ یہی پانی آبِ زمزم کہلاتا ہے۔

زمزم کا پانی کوئی معمولی پانی نہ تھا جو صرف پیاس بجھانے کا کام دیتا بلکہ اس میں غذائیت تھی کہ جسم کو پروان چڑھاتا اور قوتِ ہاضمہ کو مدد دیتا تھا۔ اب ہاجرہ کی طبیعت کو معاش کی طرف سے بھی اطمینان ہوگیا اور یہ ہُو کا میدان ایک سرسبز باغ نظر آنے لگا جس میں گویا ہر قسم کے عیش و آرام کے سامان مہیا تھے۔ حضرت خلیل اللہؑ کی دُعائیں پھلنی تھیں اور رحمتِ خداوندی ظاہر ہونے کے لئے عالمِ اسباب میں کوئی سبب قائم ہونا لازمی تھا اس لئے چند ہی روز گذرے تھے کہ قبیلۂ جرہم کے چند تجارت پیشہ یمن سے آتے ہوئے مسافروں کا اس راستہ سے گذر ہوا اور اتفاقاً ریگستان کی کٹھن منزل طے کرنے کا وقت ختم ہوجانے کے سبب ان کا غیر معمولی قیام بھی اس موقع پر ہوا جس کے کچھ ہی فاصلہ پر بی بی ہاجرہ اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگائے چاہِ زمزم کے کنارے اپنے عزیز اوقات کو اللہ کی یاد میں صرف کیا کرتی تھیں۔

آبِ زمزم پر اللہ کی ہوائی مخلوق یعنی پرندوں کے اُڑنے اور چہچہانے کا ایک نیا عالم ان سوداگروں کی نظر پڑا تو متحیر ہو کے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم تجارت پیشہ لوگ مُلکِ یمن سے شام اور مُلکِ شام سے یمن آتے جاتے عموماً اسی راستہ سے گذرتے ہیں لیکن اس لق ودق میدان میں کہیں پانی کا نشان نہیں دیکھا پھر یہ پرند کیوں اُڑتے نظر آتے ہیں؟ دیکھو کیا قصہ ہے۔ چنانچہ ایک شخص اس کی ٹوہ میں ریگستان کے گرم ریت اور

اور پتھریلی زمین کے سخت پتھروں کو قطع کرتا ہوا اُس مقام پر آپہنچا جہاں پرند اُڑ رہے تھے اور ایک نو پید چشمے کے کنارے ایک خوبصورت عورت کو مجسّم نور، گلاب جیسا نازک بچّہ گود میں لئے ہوئے بیٹھا دیکھ کر حیران ہو گیا واپس آکر جب اُس شخص نے ہمراہیوں سے قصّہ بیان کیا تو ہر ایک نے بطورِ خود چاہِ زمزم کے دیکھنے کی خواہش کی اور چند منٹ بعد بی ہاجرہ کو عالمِ تنہائی میں ایک عرصہ کے بعد آدمیوں کی صورت نظر پڑی جن کا دیکھنا اس جنگل میں عنقا ہو گیا تھا۔

قافلے والے گو اس عجیب منظر سے حیران تھے لیکن یہ بھی سمجھ چکے تھے کہ یہ عفت مآب عورت کوئی معمولی عورت نہیں ہے بلکہ اللہ کی پیاری اور کوئی مقبول بندی ہے جس کی خاطر اس خشک ریتلی زمین سے چشمہ اُبل آیا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ جرأت کر کے آگے بڑھے اور ایک شخص نے بی ہاجرہ کو مخاطب بنا کر کہا "کیا آپ اجازت دے سکتی ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں اس متبرک چشمے کے کنارے رہنا اختیار کریں تاکہ آپ کو بھی چند ہمجنس شکلوں کے پاس رہنے سے اُنسیت حاصل ہو اور ہم اس ہونہار لڑکے کو جوان ہونے پر اپنا سردار بنا کر حلقۂ اطاعت کان میں ڈالنے کی عزّت حاصل کریں"۔

ہاجرہ علیہا السّلام نے جواب دیا کہ "تمہارے یہاں ٹھہرنے میں تو کچھ حرج نہیں البتہ اس کا اندیشہ ہے کہ تم اس چشمہ پر اپنا مالکانہ قبضہ کا استحقاق نہ قائم کرنے لگو"۔ اہلِ قافلہ نے عہد کیا اور کہا "آپ اطمینان رکھیں ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ ہم اس نونہال کے تابعدار بن کر رہیں گے اور جس وقت یہ بالغ ہو کر ہم کو یہاں سے نکالنا چاہیں گے تو ہم ضرور نکل جائیں گے"۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ نے اجازت دی اور قبیلۂ جرہم سے مکّہ کے آباد ہونے کی بُنیاد قائم ہو گئی

اس کے بعد اس قافلہ نے اپنے قبیلہ کو تمام معاملہ کی خبر دی اور وہ لوگ مع اپنی قوم اور بال بچّوں کے اپنے وطن سے منتقل ہو کر اس جگہ آرہے اور مکانات تعمیر کر لئے۔

اسمٰعیل علیہ السلام اپنی ماں کی تربیت میں نشوونما پاتے رہے اور جب جوانی کی عمر اور حدِّ بلوغ کو پہنچے تو جرہم کی خاص مادری عربی زبان کے نہایت فصیح و بلیغ ماہر ہوئے۔ یہی وہ عربی لُغت ہے جس میں کلامِ مجید نازل ہوا جرہم نے اپنے کثیر المقدار مال میں ان کا حصّہ لگا دیا اور اس تقریب سے اسمٰعیل علیہ السلام اس قوم کے سردار اور سب سے زیادہ متموّل شخص بن گئے۔ جرہم ہی کی ایک خوبصورت صاحب شرف و نسب عورت سے نکاح کیا اور تیر اندازی میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ بابرکت اوقات کا اکثر حصّہ اللہ کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد ماں کی اجازت سے شکار گاہ میں صرف ہوتا تھا۔

بابِ دوم

ذبیحُ اللہ کا خطاب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ سانحہ کے متعلق جو کچھ بھی کیا تھا چونکہ وہ محض اللہ پاک کے حکم کی تعمیل اور بی بی سارہ کی رضا جوئی کے لئے تھا اس لئے پدری شفقت نے خلیل اللہ کو اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ سے غافل نہیں ہونے دیا۔ بسا اوقات سال میں کئی کئی مرتبہ دونوں کو یہاں آکر دیکھ جاتے تھے تاہم وہ آنا جلتی مرکب یعنی براق پر کچھ ایسا روا روی کا ہوتا تھا جو بس حضرت خلیل اللہ ہی کی تسکین کے لئے کافی تھا۔

اسمٰعیل علیہ السلام سنِ بلوغ کو پہنچے تو خداداد حُسنِ صورت کو حُسنِ سیرت سے وہ مناسبت ظاہر ہونے لگی جو گُل کو بُو سے اور جسم کو رُوح سے ہونی چاہیئے۔ یہ کون کہہ سکتا تھا کہ یہی ہونہار مصیبت کا پالا ہوا ماں کا لاڈلہ وہ بچہ ہی جو اپنے بڑے جتھے والی اولاد یعنی اہلِ عرب کو "بنو ماء السماء" کے خطاب کا مستحق بنائے گا اور یہ کسے خبر تھی کہ اِس نونہال گلشنِ نبوت کی شریف نسل میں وہ گوہرِ یکتا پیدا ہوگا جس کی مرحومہ امت میں داخل ہونے کی آرزو تمام انبیاء علیہم السلام کریں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کے بعد جس قدر بھی نبی ہوئے وہ سب آپکے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد میں تھے۔ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں نبوت کا لباس پہننے والا صرف سیدِ عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے اور یہ تخصیص شاید اس لئے ہو کہ ایک مُبارک و متبرک صدف میں صرف ایک ہی بے بہا گوہر کی گنجائش ہو سکتی ہے اور اُس دُرِّ فرید کا ہم پلہ کئی انبیاء علیہم السلام کا مجموعہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کو سیّدِ ولد آدم کا بزرگ خطاب اور خاتم النّبیینؐ کا محترم لقب بارگاہ لم یزلی سے آدم ابوالبشر کے ذی روح ہونے سے پیشتر ہی عطا ہو چکا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کو خواب نظر آئی کہ کوئی غیبی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ "اے ابراہیم اللہ کے نام پر اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ذبح کر دو"۔ جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں باقتضائے بشریت گونہ پریشانی اور فکر کا اثر موجود پایا۔ یہ صبح آٹھویں ذی الحجہ کی صبح تھی اور شام تک آفتاب کا یہ حال رہا کہ ایک خیال جاتا اور دُوسرا آتا تھا کبھی تو وسوسہ ہوتا تھا کہ یہ خواب کوئی شیطانی خیال ہو اور کبھی خیال گذرتا تھا کہ منجانب اللہ رویائے صادقہ ہے جس کی تعمیل مجھے کرنی چاہیئے۔ چنانچہ تمام دن اِسی شک کی حالت میں گذر گیا اور کسی ایک خیال کو غلبہ نہ ہوا اس لئے اِس تاریخ کا نام اہلِ اسلام میں "یوم الترویہ" (شک کا دن) ہے۔

نویں ذی الحجہ کی شب تھی کہ پھر وہی خواب نظر آیا جس نے گذشتہ شب اضطراب میں ڈالا تھا جب صبح ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام کا وہ شک بالکل رفع ہو چکا تھا اور اس مذکری خواب نے بتلا دیا تھا کہ وحیِ ربانی کو وسوسہ شیطانی سمجھنا اللہ کے تابعدار بندے کی شان سے بعید ہے اسی وجہ سے اس دن کو مسلمان "یوم عرفہ" (علم وعرفان کا روز) کہتے ہیں۔

یہ تمام دن فرمانِ خداوندی کی تعمیل کے اہتمام میں خرچ ہوا اور دسویں کی شب میں تیسری بار پھر وہی خواب نظر آئی اور اگلا روز جس کا نام "یَوْمُ النَّحر" (قربانی کا دن) ہے اس کے لئے تجویز ہو گیا کہ آج پیارا بیٹا اسمٰعیلؑ باپ کے ہاتھ سے اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔

عالم کو منور کرنے والا آفتاب اُفقِ مشرق سے بر آمد ہوا اور سورج کی لمبی لمبی کرنیں عرب کے اونچے پہاڑ اور ٹیلوں سے ٹکرانے لگیں۔ حجازی ریگستان کے ذرے اپنی چمک اور جھلک دکھلا چکے تھے کہ حضرت خلیل اللہؑ اُس میدان میں آموجود ہوئے جہاں بارہ برس ہوئے اپنے شیر خوار بچہ کو بیکس ماں کی گود کے گہوارے میں لیٹا ہوا چھوڑ گئے اور تھوڑے پانی کے ساتھ کچھ چھواروں کا توشہ دے کر رخصت ہوئے تھے۔

اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ کو دیکھا اور مراسم تعظیم ادا کئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے اسمٰعیل چھری اور رسی لے آؤ اور چلو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لادیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام فوراً گھر میں گئے اور ایک تیز چھری اور لمبی سی رسی لے کر باپ کے ہمراہ اُس جنگل کی جانب ہو لئے جو کوہِ ثبیر کے نشیب میں واقع ہے۔

وہاں پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام نے اپنی سچی خواب کا ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا کہ "اے اسمٰعیلؑ! اب بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے اور تم اپنی جان اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لئے کہاں تک تیار ہو؟"

اسمٰعیل علیہ السلام نے گردن جھکالی اور عرض کیا کہ "در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا صاحبزادہ سے ایسے امر میں جس کو حکمِ الٰہی سمجھ چکے تھے مشورہ لینا ظاہر ہے اس نیت سے نہ تھا کہ تعمیلِ حکمِ الٰہی میں پس و پیش تھا بلکہ اس میں خاندانِ نبوت کے نونہال کی آزمائش مقصود تھی کہ دیکھوں اسمٰعیلؑ میرے کام میں مدد دینے کو کہاں تک آمادہ ہیں چنانچہ آپ کا خیال پورا ہوا اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ کی زبان سے اپنے ذبح کئے جانے کا مشورہ سن کر فوراً سرِ تسلیم خم کیا اور کہا کہ "ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل جلد کیجئے انشاء اللہ مجھ کو آپ متحمل اور صابر پائیں گے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدنا اسمٰعیلؑ کی زبان سے یہ کلمات سنکر نہایت خوش ہوئے اور اپنے فرمان بردار لختِ جگر کو اُس پتھر کے قریب لائے جو منیٰ کی پہاڑی پر واقع اور اب تک زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

عالمتاب آفتاب ایک نیزہ چڑھ چکا تھا اور ابراہیم علیہ السلام خوشی خوشی چھری کو پتھر پر رگڑ رگڑ کر تیز

کر رہے تھے فرشتوں میں ایک کھلبلی پڑی ہوئی تھی اور ملاءِ اعلیٰ میں تحیّر کا عالم۔ یہ ایسا عجیب منظر تھا جس کی کوئی مثال عالم میں اب تک نہ گذری تھی۔ نہ خلیل اللہ کے چہرہ پر کوئی پریشانی یا رنج کا اثر تھا نہ اسمٰعیل علیہ السلام کی صورت پر مایوسی یا فکر و غم کا کوئی نشان نظر آتا تھا۔ چھری تیز ہو چکی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جوان بیٹے کو ذبح ہونے والی بکری کی طرح زمین پر لا ڈالا۔ غیبی مخلوق میں ایک کہرام مچ گیا لیکن کس کی طاقت تھی کہ جبروتی بارگاہ میں سوال کر سکے کہ یہ جگر اندوز سانحہ کس مصلحت سے ہو رہا ہے؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیارے بیٹے کو ذبح کے لئے لٹا چکے تو اسمٰعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ "ابّا جان! مناسب ہوگا کہ اپنے مقدس کپڑے سمیٹ کر اور مجھے رسّی سے باندھ کر ذبح فرمادیں کہ تڑپنے کی وجہ سے خون کی چھینٹیں آپ کے کپڑوں پر نہ جائیں اور چھری کو خوب تیز کر کے یکبارگی سرعت کے ساتھ حلق پر چلائیں تاکہ مجھ پر جان نکلنا سہل ہو، اور کام سے فارغ ہو کر میری مادرِ مشفقہ کے پاس جائیں تو میرا اسلام پہنچادیں اور میرے بدن کا کُرتا ان کے حوالہ فرمادیں تاکہ اُن کو اپنے اکلوتے بیٹے کی مفارقت پر سکون کا سبب بنے اور یہ یادگار نشانی اُن کی تسلی کرتی رہے۔" یہ کلمات سُنکر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے صاحبزادے کے مُنہ پر بوسہ دیا اور یہ فرماکر کہ الحمدُ لِلّٰہ حق تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں کیسا مددگار بیٹا عطا ہوا مسرور ہو کر اپنا کام شروع کیا۔

حضرت خلیل اللہ کے دل میں ایک قدرتی جوش تھا کہ نورِ نظر کو ذبح کرنے کے لئے حلق پر چُھری چلادی اور جب دو تین بار تیز کرنے پر بھی چُھری نے کام نہ دیا تو دوبارہ بیٹے نے درخواست کی کہ ابّاجان مجھ کو مُنہ کے بل لِٹاکر ذبح کیجیئے تاکہ آپ ذبح ہوتے وقت مجھے نہ دیکھ سکیں اور میری نظر چُھری پر نہ پڑے مبادا آپکے دل میں شفقتِ پدری محبت جوش کرے اور میرے دل میں خوف یا پریشانی لاحق ہو اور یہ ہر دو امر تعمیلِ حکم خداوندی کے لئے مانع اور ہماری پاک نیتوں میں تکدر پیدا کر دینے کا سبب نہ ہو جاویں چنانچہ حضرت خلیل اللہ نے ایسا ہی کیا اور ہر دو شانے کے مابین کمر پر بیٹھ گئے اور ایک بلند آواز سے بسم اللہ کہہ کر تلوار جیسی تیز اور آبدار چُھری اسمٰعیل علیہ السلام کی گُدّی پر چلادی۔ اِدھر گلستانِ نبوت کے باغبان نے باغِ رسالت کے نازک پھول پر چُھری چلائی اور اُدھر عالمِ قدسی میں ایک شور برپا ہوا جبرئیل امین بے اختیار پکار اُٹھے: اَللّٰہُ اَکۡبَرُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ جس کے جواب میں ذبح ہونے والے اسمٰعیل پیغمبر نے بڑے بڑے جوشِ مسرت سے جواب دیا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے کہا: اَللّٰہُ اَکۡبَرُ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ۔ یہی مقدس اور پُر جوش کلمات کا مجموعہ سنتِ ابراہیمی ہو کر اب تک ہر سال کے یوم النحر یعنی عیدِ قربانی کے دن بلکہ اور اِدھر اُدھر کے چار یوم ملاکر نویں ذی الحجہ سے تیرہ ذی الحجہ تک ایامِ تشریق میں ہر فرض نماز کے بعد پکارے جاتے ہیں۔

دیکھئے فرماں بردار لاڈلے لیکن بہادر بیٹے کی نازک طبیعت کو کس قدرتی صبر نے ایسا سکون دے رکھا ہے کہ عجیب استقلال کے ساتھ سجدہ میں پڑا ہوا گردن کٹوا رہا ہے گویا ذبیح اللہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس فنا ہونے والی جان کا خالق کے نام پر قربان کرنا میری سعادت مندی اور اس فخر کا باعث ہے جو دنیا میں حاصل ہونا خوش قسمتی پر دلالت کر رہا ہے اس لئے کوشش ہے کہ کہیں تیز چھری جلد اپنا کام پورا کرے اور خون بہنے کی سرسراہٹ جلد وہ نئی خوشی پیدا کرے جس کا گھنٹہ بھر سے انتظار ہو رہا ہے۔

لیکن خدا جانے اس چھری کو کیا ہوگیا کہ خلیل اللہ کو دلی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیتی کچھ ایسی کُند اور بےکار ہوگئی ہے کہ ریشمی کھال بھی قطع نہیں کر سکتی۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب چھری کو گُدّی پر رکھا اور بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہہ کر زور سے چلایا تو غیب سے آواز آئی کہ "بس بس اے ابراہیمؑ! تم نے اپنا خواب سچّا کر دکھایا۔ اطاعت کا یہی منشا ہے جو تم سے ظاہر ہوا اور فرماں برداری اسی کا نام ہے جو تم نے کر دکھائی"

ابراہیم علیہ السلام اپنا کام پورا کر چکے تھے لیکن اللہ پاک کو جو صرف خلوصِ نیت کا دیکھنے والا ہے یہ مقصود نہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کی تیز کی ہوئی چھری سے اسمٰعیل علیہ السلام کا حلق کٹے اس لئے آسمانی مخلوق کی وساطت سے ایک آن میں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ ایک مینڈھا لا ڈالا گیا جو ذبیح اللہ کا فدیہ ہو کر خلیل اللہ کے ہاتھ سے ذبح ہوا اور سنّتِ ابراہیمی بن کر اُمتِ محمدیہ میں ہمیشہ کے لئے رائج و شائع ہوا۔

منقول ہے کہ یہ مینڈھا وہ قربانی کا مینڈھا تھا جو آدمؑ ابوالبشر کے بڑے بیٹے ہابیل نے اپنے چھوٹے بھائی قابیل کی مخاصمت پر تصفیہ ہونے کی علامت میں) اللہ کے نام کی نذر بنا کر پہاڑ پر چڑھایا تھا اور وہ مقبول ہو کر جنّت میں اُٹھا منگایا گیا تھا اور اب تک وہ جنّت کا آب و دانہ کھا کر فربہ ہوتا رہا۔ واللہ اعلم بالصواب

ابراہیم علیہ السلام اُٹھے اور فرحاں و شاداں بیٹے کا ہاتھ پکڑے واپس آئے +

باب سوم
خانۂ کعبہ کی دوسری بار تعمیر

بیتُ اللہ الحرام جو رُوئے زمین کے تمام مسلمانوں کا معبد ہے دنیا کا پہلا گھر ہے جس کو ابتداءً ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے یاقوتِ سُرخ کا تعمیر کیا تھا۔

جب نوح علیہ السلام کے زمانۂ نبوت میں اُن کی بددُعا سے عام طوفان آیا تو اس وقت اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دیا کہ خانۂ کعبہ آسمان پر اُٹھا لیا جائے۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا بیت اللہ کی بُنیادوں

پر مٹی نے جمتے جمتے سطحِ زمین کو اتنا اونچا کر دیا کہ کوئی صورت اصل بنیاد کے معلوم ہونے کی نہ رہی۔
جب اسمٰعیل علیہ السّلام کی عمر بیس سال ہوئی تو اُن کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ نے نوّے برس کی عمر میں انتقال کیا اور حجرِ اسود کے متصل یا بروایتے میزابِ رحمت کے نیچے سیدنا اسمٰعیل علیہ السّلام نے اپنی پیاری ماں کو آنکھوں سے آنسو بہا بہا کے مدفون کیا فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔
حضرت خلیل اللہ کو اللہ کا حکم ہوا کہ جس بے آب و گیاہ میدان میں تم اسمٰعیل اور ہاجرہ کو چھوڑ آئے تھے، وہاں جاؤ اور بیت اللہ کو اُس کی اصل بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرو۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السّلام فوراً اس مقام پر آپہنچے اور حضرت ذبیح اللہ کو دیکھا کہ چاہِ زمزم کے کنارے بیٹھے تیر سیدھے کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ "اے اسمٰعیل اللہ کا مجھ کو حکم ہوا ہے کہ خانۂ کعبہ کو اصل بنیادوں پر قائم کروں" پس اُٹھو اور میری اعانت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ اسمٰعیل علیہ السّلام فوراً کمرِ ہمّت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور ہر خدمت کے انجام دینے کو بسر و چشم آمادہ ہوئے۔
بڑی دقّت یہ تھی کہ امتدادِ زمانہ کے سبب خانۂ کعبہ کی بنیادیں زمین میں دب گئی تھیں اُن کا ظاہر ہونا اور اُن پر چنائی کے رَدّوں کا رکھنا ناممکن تھا۔ اس لئے حضرت خلیل اللہؑ نے دُعا کی کہ "بارِ الٰہا! تیرے مقدّس گھر کی بنیادیں نظر آئیں تو تیرے حکم کی تعمیل ہو" چنانچہ دُعا قبول ہوئی اور ایک اندھیاؤ چلا جس نے ریت کے تودے اِدھر سے اُدھر اُٹھا پھینکے اور آنکھوں دیکھتے جو کچھ مٹی بنیادوں پر آجمی تھی سب دوسری جانب جا پڑی۔
جب بیت اللہ کی اصل بنیاد نظر آنے لگی تو ابراہیم علیہ السّلام نے تعمیر کا کام شروع کیا اور اسمٰعیل علیہ السلام نے نواحیِ مکّہ معظّمہ کے پہاڑوں سے پتھر ڈھونے شروع کئے۔ اُس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی عمر تیس سال کی تھی۔
بڑے بڑے پتھروں کے رَدّے چند ہی رکھے گئے تھے کہ دیواریں قدِ آدم آگئیں اور اب ابراہیم علیہ السلام کو چنائی پوری کرنے کے لئے ایک سڈول پتھر پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہوئی۔
جس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ تعمیر کیا گیا اُس پر حضرت خلیلؑ کے متبرک قدموں کے ہو بہو نشان اب تک موجود ہیں اسی کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں اور اسی کے قریب دو رکعت پڑھنی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلّٰی ط سے ثابت ہیں۔ حضرت خلیل اللہؑ کا یہ پائدار معجزہ تاقیامت باقی رہے گا۔
اسمٰعیل علیہ السلام جن پہاڑوں کے پتھر ڈھو رہے تھے، وہ پانچ ہیں، یعنی کوہِ حرا، کوہِ لبنان، کوہِ ثبیر کوہِ جودی، کوہِ طور۔ اور بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ پتھر کوہِ حرا، کوہِ ابوقبیس، قدس، ورقان، رضوی

کے تھے۔ غرض دونوں باپ بیٹوں نے نہایت خلوص کے ساتھ تعمیر کو اختتام پر پہنچایا اور بارگاہِ ربّ العزّت میں دست بدعا ہوئے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ یعنی بارِ الٰہا ہماری اس خدمت کو قبول فرما بے شک تو بندوں کی دعا سُننے والا اور خلوصِ قلب کا جاننے والا ہے۔

تعمیرِ بیت اللہ سے فارغ ہوئے تو حضرت خلیل ؑ جبلِ ابوقبیس پر چڑھے اور بہ آوازِ بلند پکار کر کہا کہ "اے بندگانِ خدا! یہ اللہ کا مقدس گھر تمہاری زیارت گاہ ہے چلو اور یہاں آکر اس کا طواف کرو" خدا جانے یہ کس قسم کی آواز تھی کہ موجودہ بنی آدم اور قیامت تک آنے والی روحوں میں جس جس کی تقدیر میں حج کرنا روزِ ازل میں لکھا جا چکا تھا اپنے آبا کی اصلاب اور ماؤں کے پیٹوں میں بول اُٹھے کہ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ ؕ

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن واپس ہوئے اور اسمٰعیل علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کے متولّی بن کر اس کو صاف رکھنا، جھاڑو دینا، عبادت کرنا، دوسروں کو عبادت کی ترغیب دینا، طواف کرنا اور طواف کرانا اپنا فرضِ منصب اور نجات و برکتِ دارین کا وسیلہ سمجھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی پہلی بی بی کو حضرت خلیل اللہ ؑ کی مرضی کے موافق نہ ہونے کے سبب طلاق دے کر دوسری شادی رعلہ بنتِ مضاضہ سے کر لی تھی جن کے بطن سے ایک لڑکی اور بارہ ۱۲ لڑکے یعنی ثابت ۱، قیذار ۲، اذبیل ۳، میشا ۴، مسمع ۵، رما ۶، ماش ۷، آزر ۸، قطورا ۹، فافلس ۱۰، طمیا ۱۱، قیدمان ۱۲ پیدا ہوئے۔

حضرت ذبیح اللہ کی عمر ایک سو سینتیس ۱۳۷ برس کی تھی کہ وقتِ اخیر قریب آ گیا اور اللہ کے پیغمبر نے خانۂ کعبہ کی تولیت اپنے بڑے صاحبزادے ثابت بن اسمٰعیل کے حوالہ کر اور اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اس بات کی وصیت فرما کر میری لڑکی کا نکاح اپنے صاحبزادے عیص بن اسحٰق ؑ سے کر دینا دارِ فانی سے رحلت فرمائی اور میزاب و حجر کے مابین اپنی والدہ بی بی ہاجرہ کے پاس مدفون ہوئے۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ

باب چہارم

ہاشم کی مکہ پر حکومت

خانۂ کعبہ کی تولیت اولادِ اسمٰعیل ؑ میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی اور قبیلۂ جرہم جو حضرت ذبیح اللہ کی طفولیت ہی میں اس جگہ آباد ہو گیا تھا اولادِ اسمٰعیل ؑ سے عداوت و مخالفت کرنے لگا چونکہ اولادِ اسمٰعیل ؑ کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی اور جتھا بڑھ گیا تھا اس لئے دبنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ جرہم کے ساتھ

[illegible]

ننھیال کا رشتہ قائم تھا اس لئے جب کبھی کوئی جھگڑا کھڑا ہوتا تھا وہ فوراً ہی صلح سے طے ہوجاتا تھا۔
اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کا جتھا جب زیادہ ہوگیا اور وہ لوگ مکّہ میں باطمینان نہ رہ سکے تو خود متفرق ہوکر گردونواح کے جنگلوں میں جا بسے اور اس طرح پر حوالیٔ مکّہ میں کئی قصبے آباد ہوگئے آخر کار جتھے کے متفرق ہوجانے سے مکّہ کی حکومت اولادِ اسمٰعیل کے ہاتھوں سے نکل کر جرہم کے قبضہ میں آگئی اور سلسلہ اولادِ جرہم منتقل ہوتی رہی یہانتک کہ عمر بن حارث کی حکومت کا زمانہ آیا اور یہ ظالم سفاک خائن بدچلن شخص مکّہ کا بادشاہ ہوا۔
اوّل تو عام طور پر جرہم کی طبیعتوں میں حاکمِ وقت ہونے کے غرّہ پر ظلم و زیادتی کا مادّہ بڑھتا چلا تھا اور اب تو خود رعایا کے پاسبان بادشاہِ وقت کی نیت بگڑی ہوئی تھی اس لئے عمر بن حارث کے زمانۂ سلطنت میں جور و جفا کا وہ بازار گرم ہوا کہ خدا کی پناہ۔
جو بیش قیمت ہدیے اور جواہرات کے بے بہا تحفے خانۂ کعبہ کی نیاز چڑھانے کے لئے عام عقیدتمند بنی آدم دُور دراز سے بھیجا کرتے تھے وہ جرہمی باشندے خاص اپنی ذات کے لئے سمجھتے اور اپنی شان و شوکت اِن سے دوبالا کیا کرتے تھے۔ اوقاف پر مالکانہ قبضے اور آزادانہ تصرّفات ہونے لگے اور رعیت پروری سے غفلت ہوکر انتظام و سیاست ضائع و برباد ہوگیا۔ بیرونی رعایا اور تجارت پیشہ بندگانِ خدا کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا کہ ان پر کیا کیا زیادتیاں ہورہی ہیں اور ان کو کیا کیا نقصان و صدمہ پہنچایا جارہا ہے۔
جب حق تعالیٰ کی نذر و نیاز میں علی الاعلان اِس قسم کے بیجا تصرّف لوگوں نے دیکھے تو عام طور پر نواحی عرب کے قبائل میں لڑائی کا جوش پیدا ہوا اور چند ہی دنوں میں جرہم کے بچے بچے کو قتل کرڈالنے اور تمام قبیلہ کو نیست و نابود کردینے کا منصوبہ پختہ ہوتا چلا گیا۔
قبیلۂ جرہم کو بھی اس کی خبر لگی کہ ہر چہار طرف بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور تمام عرب میں جنگی جوش طوفان کی طرح اُمنڈ رہا ہے۔ اِس سیلاب کا روکنا کوئی آسان بات نہیں اور نہ تمام خطۂ حجاز سے مقابلہ کرنا سہل کام ہے اس لئے سب کا مشورہ ہوا کہ اَب اپنی جان کا بچانا غنیمت اور سلطنت و ملک و مال پر خاک ڈال کر جس طرح بن پڑے ملکِ یمن کی جانب بھاگ چلنا بہتر ہے اس خیال کے مصمم ہونے پر عمر بن حارث نے حجرِ اسود اُکھیڑ پھینکا اور ایک مجسّم طلائی ہرنی کی بیش قیمت مورت جو جواہرات سے مرصّع اسفندیار فارسی نے خانۂ کعبہ کو ہدیۃً بھیجی تھی اور جس کا نام غزال الکعبہ مشہور تھا مع ان چند جڑاؤ ہتھیاروں کے جو اسی طرح بیرونی ممالک سے تحفۃً آئے ہوئے تھے اور بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے وہاں سے نکال کر چاہِ زمزم میں ڈالدیئے اور اوپر سے اس میں مٹی ڈلوا کر زمین کی سطح کو ہموار بنادیا گویا کثیر المقدار مال اور بے بہا جواہرات کے ساتھ مقدس

چشمے چاہِ زمزم کا نشان ایسا مٹا دیا کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم کرنے کی بھی کوئی صورت نہ رہی کہ وہ شیرین پانی کس جگہ تھا جو حضرت ذبیح اللہ کی ایڑیاں رگڑنے سے پیدا ہوا تھا۔ حاکم کی اِس گستاخانہ حرکت اور عام خاندانِ جرہم کی بداعمالیوں پر اللہ کی طرف سے ایک وبا اُن میں پھیلی جس نے سیکڑوں کو ہلاک کر دیا اور بہتیرے جرہمی بطورِ خود یہ حیرت زدہ عالم دیکھکر حرمِ مکّہ چھوڑ بھاگے۔ غرض یوں بغیر مقابلہ کئے مکّہ کی حکومت بسہولت پھر اولادِ اسمٰعیلؑ کے ہاتھ میں آگئی۔

اس کے بعد اولادِ اسمٰعیل ہی میں سلسلۂ حکومت قائم رہا۔ البتہ قصی بن کلاب بن مرہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں دیکھا کہ عبد مناف اور عبد مناف کے دونوں بھائی اپنے اپنے قابل ہو گئے اور امور ریاست کو سنبھال بیٹھے لیکن اُن کا بڑا بھائی عبد الدار کبر سنی کے باعث ضعیف اور ان کا دست نگر اور محتاج ہے اس لئے سب کے مشورے اور رضامندی سے دار الندوہ اور حجابِ کعبہ اور حجاج کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی خدمت کا شرف اور لوا رجنگ عبد الدار کو بالمقطع دیدیا گیا لیکن عبد مناف کی اولاد یعنی عبد شمس ہاشم و مطلب و نوفل نے متفق ہو کر عبد الدار کی اولاد سے اس تمام میراث کو جبراً چھین لینا چاہا اور قصی کی اولاد میں گویا خانہ جنگی کا تخم قائم ہو گیا۔

عام عرب میں اِس کا شور مچ گیا اور مختلف قبائل نے جس کو برسرِ حق اپنے خیال میں سمجھا اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا اور ہر دو مخالف فریق کے اعوان و انصار میں قسما عہدی ہو گئی اور سخت جنگ کے لئے درپے ہو گئے لیکن چند دور اندیش تجربہ کاروں کی کوشش سے صلح کی گفتگو ہوئی اور اولادِ عبد الدار نے حجاج کی مہمانداری کی قابلِ عزت خدمت بطیبِ خاطر اولادِ عبد مناف کے حوالے کر دی اور قرعہ ڈالنے سے اس کا بھی تصفیہ ہو گیا کہ اس جدی میراث پر ہاشم بن عبد مناف کا قبضہ رہے گا۔ چنانچہ ہاشم بن بلوغ کو پہنچے اور آبائی ترکہ پر قابض و متصرف ہو کر ہر دلعزیز مہمان نواز بنے۔

باب پنجم

عبد المطلب کی مکّہ پر حکومت

ہاشم بن عبد مناف اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے اور مُطّلب سب سے چھوٹے تھے۔ ہاشم نہایت مہمان نواز اور وجیہ و خوبصورت جوان تھے۔ ایک مرتبہ کچھ مالِ تجارت لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں مدینہ قیام کرنے کا اتفاق ہوا اور قبیلۂ بنی نجار میں عمر بن لبید خزرجی کے مکان پر ٹھہرے۔

عمر کی بیٹی سلمٰی نہایت خوبصورت لڑکی تھی ہاشم نے اُس کا حُسن و جمال دیکھ کر عمر کو نکاح کا پیام دیا اور عمر بن ولید نے ہاشم کو اس شرط پر اپنا داماد بنانا منظور کیا کہ سلمٰی کے بال بچہ یہیں مدینہ میں پیدا ہوں یعنی ہر

حمل کی حالت میں میری پیاری اکلوتی بیٹی میرے پاس پہنچا دی جائے تاکہ اس کی اور اُس کے لختِ جگر کی غور و پرداخت اچھی طرح ہو سکے۔

ہاشم نے شرط کو منظور کر لیا اور نکاح سے فارغ ہوتے ہی ملک شام روانہ ہو گئے چند مہینے بعد واپسی میں مدینہ قیام کیا اور بیوی کو لے کر مکہ روانہ ہوئے۔

سلمیٰ بنتِ عمر کو حمل رہا اور ہاشم شرط کے بموجب ان کو مدینہ پہنچا کر خود ملک شام کی جانب راہی ہوئے لیکن افسوس ہاشم کی سلمیٰ سے یہ آخری ملاقات تھی کیونکہ اس سفر میں ہاشم کا بیس[2] اور بقولے پچیس[5] برس کی عمر میں جو عین جوانی کا زمانہ تھا انتقال ہو گیا اور ہاشم کی ریاست اُن کے بھائی مطلب کے ہاتھ میں آئی۔

بیوی سلمیٰ کے بطن سے ہاشم کے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا اور اس ہونہار یتیم بچے نے اپنے نانا عمر بن لبید خزرجی کے یہاں پرورش پائی۔

شیبہ بن ہاشم کی عمر سات سال کی تھی کہ بنی حارث میں سے ایک شخص کا مکہ سے ادھر آنے کا اتفاق ہوا اور اُس نے دیکھا کہ شیبہ چند لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی میں مشغول ہے اور جب اس نازپروردہ بچہ کا تیر نشانہ پر پڑتا ہے تو یہ خوش ہو کر فخریہ بآوازِ بلند بصورتِ رجز یہ کلمات کہتا ہے کہ "میں ہاشم کا لڑکا ہوں، میں سردارِ مکہ کا بیٹا ہوں"۔

حارثی مسافر شیبہ کی زبان سے یہ کلماتِ رجز سُن کر سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ بچہ سردارِ مکہ مُطلب بن عبد مناف کا بھتیجا ہے چنانچہ اس نے فوراً مکہ میں آ کر مُطلب سے جو اُس وقت حجر میں کھڑے ہوئے تھے کہا کہ "اے ہمارے سردار میں نے یثرب میں چند لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے تمہارے بھتیجے کو دیکھا ہے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے خوبصورت و حسین اور بہادر بھتیجے کی تم نے سات برس تک کچھ خبر نہ لی"۔

مُطلب گو بھتیجے کے پیدا ہونے سے بے خبر تھے مگر اس گفتگو سے سمجھ گئے کہ ضرور میرے متوفی بھائی نے اپنی نشانی چھوڑی ہے جس نے ننھیال میں پرورش پائی ہے اور باپ کا خاندان ابتک آگاہ نہیں ہوا اس لئے اُن کے قریشی خون میں جوش آیا اور وہیں قسم کھائی کہ جب تک اُس کو میں لے نہ آؤں گا اپنے گھر واپس نہ جاؤں گا۔ یہ کہا اور اسی حارثی شخص کی اونٹنی پر سوار ہو مدینہ کی جانب رُخ کیا۔

مُطلب جب مدینہ پہنچے ہیں تو شام کا ٹھنڈا وقت تھا بادِ نسیم کے جھونکے ماندہ طبیعتوں اور کسلمند حالتوں کو بھی آرام دے رہے تھے، طیور اپنے آشیانوں میں پہنچنے کی خوشی میں چہچہا رہے تھے برسرِ راہ ایک پر فضا میدان میں چند لڑکے دلیرانہ کھیل میں مشغول تھے مُطلب نے گو باپ کی صورت شباہت میں ملتی جُلتی اپنے بھائی ہاشم کی نشانی دُور سے دیکھتے ہی پہچان لی تھی تاہم بمزید احتیاط لڑکوں سے پوچھا کہ ہاشم کا بیٹا تم میں کون ہے؟

اجنبی سانڈنی سوار مسافر کی زبان سے یہ سوال سنکر شیبہ بن ہاشم آگے بڑھے اور جواب دیا کہ میں کہئے کیا کہنا ہے؟ مطلب کو کہنا سننا کیا تھا یہ تو اپنے متوفی بھائی کی نشانی اور نور نظر بھتیجے ہی کے طلبگار تھے اس لئے سانڈنی سے اتر کر شیبہ کو فوراً گود میں اٹھا لیا اور اونٹنی پر سوار ہو کر سیدھا مکہ کا راستہ لیا راتوں رات چلے اور صبح سویرے جب بادِ صبا کے خوشگوار فراٹوں سے دل کی کلیاں کھلی جاتی تھیں مکہ کے قریب آپہنچے۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ ماں کے پاس لیجا کر اصرار کے ساتھ باجازت لے کر آئے۔ واللہ اعلم۔

جفاکش عرب اور عالی حوصلہ و باہمت باشندگانِ حجاز کے نزدیک ایسے طویل سفر کا اس قدر مستعدی کے ساتھ جلد طے کر لینا کچھ قابلِ تعجب امر نہیں خصوصاً جب کہ پہاڑی راستوں اور کوہی نشیب و فراز سے واقف ہوں۔ غرض لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف تھے آفتاب افقِ مشرق سے نکل چکا تھا کہ مطلب اپنے پیچھے ایک لڑکے کو سوار لئے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے جس کسی نے بھی سوال کیا کہ آپ کے پیچھے کون سوار ہے اس کو مطلب نے یہی جواب دیا کہ میرا غلام ہے اس وجہ سے شیبہ کا لقب عبدالمطلب مشہور ہو گیا جس کے معنی ہیں مطلب کا غلام۔

مطلب اپنے بھتیجے کو لئے ہوئے گھر آئے اور چونکہ لاوارث یتیم بھتیجے کی حالت اس وقت شکستہ اور غریب بچوں کی سی تھی اس لئے مطلب کی غیرت مند طبیعت نے یہانتک احتیاط کی کہ اپنے اہل و عیال اور بی بی خدیجہ بنتِ سعید سے بھی اس بچہ کو اپنا غلام ہی بیان کیا اس کے بعد بازار گئے اور نوعمر بچہ کے جسم پر آجانے والا امیرانہ بیش قیمت حلہ خرید کر لائے۔ شام کا وقت ہوا تو عبدالمطلب کو یہ قیمتی لباس پہنایا اور بنا سنوار کر بنی عبد مناف کی اس مجلس میں لائے جہاں سرداران و رؤسائے مکہ جمع تھے اور اپنی ملکی وضع پر دل بہلانے میں مصروف تھے وہاں ظاہر کیا کہ یہ نور نظر میرا بھتیجا اور تمھارے سردار متوفی بھائی ہاشم کی نشانی ہے جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور مجھے بھائی سے زیادہ عزیز ہے۔ اس وقت سب کو عبدالمطلب یعنی شیبہ بن ہاشم سے واقفیت حاصل ہوئی اور اب ہر شخص ان کو خاص نگاہِ محبت و عظمت اور شفقت و توقیر سے دیکھنے لگا۔

چند روز بعد مطلب نے ہاشم کی وہ تمام ریاست جو ان کے انتقال پر اپنے قبضہ میں لے آئے تھے شیبہ بن ہاشم کے حوالے کر دی اور عبدالمطلب نے اپنی میراث پر پورا قبضہ کر لیا۔

عبدالمطلب کے ہاتھ میں مکہ کی حکومت نہایت سہولت سے آگئی لیکن کیا ضرور ہے کہ سارے چچا اپنے بھتیجے کو یکساں شفقت کی نگاہ سے دیکھیں اور انصاف و حفاظتِ حقوق کو جزوِ انسانیت و شرافت سمجھیں اس لئے مطلب کے انتقال کے بعد عبدالمطلب کو اس پریشانی کا سامنا ہوا کہ ان کے دوسرے چچا نوفل ابن عبد مناف نے ایک قطعہ زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور ہرچند کہ عبدالمطلب نے اس ظالمانہ کارروائی کا انسداد قریش سے چاہا اور درخواست کی

کہ مجھ مظلوم کی اعانت کی جائے اور میرا حق انصاف کے ساتھ مجھ کو واپس دلایا جائے لیکن کسی نے حامی نہ بھری اور سب نے جواب دیدیا کہ ہم چچا بھتیجوں کے معاملہ میں نہ بولینگے کیونکہ دوسرے کے پھٹے میں پاؤں ڈال دینا مفت کی مصیبت مول لینا ہے۔ مجبور ہو کر عبد المطلب نے اپنی ننھیال بنی نجار کو مدینہ میں لکھ بھیجا اور اطلاع دیدی کہ قریش نے میری مظلومیت پر نہ ترس کھایا اور نہ مدد کی۔ اہلِ مدینہ بھی شرافت و عصبیت اور قومی حمیت و پاسداری میں اہلِ مکہ سے کچھ کم نہ تھے۔ اس اطلاع نے ان کے خون میں حرارت پیدا کردی اور یوں سمجھ کر کہ بھانجہ کو لاوارث سمجھ کر اہلِ مکہ نے دبانا چاہا فوراً ہی ابو سعید بن عدس نجاری اپنے ہمراہ اسّی سوار لے کر مکہ میں آ موجود ہوئے برسرِ راہ عبد المطلب کھڑے انتظار ہی کر رہے تھے کہ اپنے ماموں کو دیکھ کر گلے سے چپٹ گئے اور درخواست کی کہ پہلے گھر چل کر راستہ کی تکان رفع کرلیجے۔ مگر ابو سعید نے انکار کیا اور سیدھے نوفل کے پاس پہنچے تاکہ کھانے پینے سے قبل اس کام سے فارغ ہوں جس کے لئے سفر اختیار کیا ہے۔

نوفل کو کچھ خبر نہ تھی کہ مظلوم بھتیجے کے ماموں، پھوپھا بھی بڑے جتھے اور دل جگرے کے لوگ ہیں اور عبد المطلب اپنی اعانت کے لئے ان کو بلا رہا ہے مگر جب ابو سعید نے تلوار سونت کر نوفل سے ایک سخت آواز اور ترش لہجہ میں خطاب کیا کہ "او ظالم جفا کیش! میرے یتیم بھانجے کا قطعۂ زمین جلد اس کے حوالہ کر ورنہ ابھی سر تن سے جدا کئے دیتا ہوں" تو نوفل کے ہوش پرّاں ہوگئے۔

نوفل نے اُسی وقت ربِّ کعبہ کی قسم کھائی کہ میں مغصوبہ قطعہ عبد المطلب کو دے چکا مگر جب تک اقرار نامہ تحریر ہو کر حاضرین کے دستخط اور شرفاء و سردارانِ قوم کی شہادت سے مکمل نہ ہو چکا اُس وقت تک نہ ابو سعید نے نوفل کو اس جگہ سے ہلنے دیا اور نہ اپنی چمکدار تلوار کو نیام میں رکھا۔

جب معاملہ ایسی سہولت کے ساتھ اِس قدر جلد طے ہو لیا تو ابو سعید عبد المطلب کے گھر گئے اور تین روز وہاں ٹھہر کر مدینہ واپس آئے ❊

باب ششم

خواجہ عبد اللہ کا ذبیح ہونا

جب عبد المطلب مکہ کی حکومت پر باطمینان قابض ہو چکے تو ایک رات ان کو خواب میں نظر آیا کہ ہاتفِ غیبی کہہ رہا ہے "اے عبد المطلب اپنے جدِ امجد حضرت اسمٰعیلؑ کا چاہِ زمزم جو عمر بن حارث ملیامیٹ کرگیا ہے ظاہر کرو"۔ عبد المطلب کی آنکھ کھلی اور اسی وقت سے اِس خواب کو رویائے صادقہ سمجھ کر چاہِ زمزم کے دوبارہ آشکارا کرنے کے درپے ہوئے لیکن چونکہ ہموار زمین پر بے نام و نشان کنویں کا پتہ لگنا اور بغیر

معلوم کئے ہوئے کنویں کے خیال میں تمام زمین کا کھودنا ناممکن تھا اس لئے حیران تھے کہ کیا کروں ؟ آخر یہ سوچ کر کر زمزم کھودنے کا غیبی حکم اگر حق ہے تو اُس کا مقام بھی خواب میں معلوم ہو جائے گا دوسری شب بھی اُسی جگہ سوئے جہاں پہلے دن سوتے تھے۔ چنانچہ پھر غیب سے ندا آئی اور بتایا گیا کہ اصاف و نائلہ بتوں کے مابین چاہِ زمزم کی وہ جگہ ہے جہاں صبح کو کوا ٹھونگیں مارتا تم کو نظر آئے۔ چنانچہ عبدالمطلب صبح کو اُٹھے تو یقین کر لیا کہ چاہِ زمزم ہونہ ہو قریش کے اُن دو بتوں کے مابین ہے جن کا نام اصاف اور نائلہ ہے۔

اصاف ایک مردانہ دیوتا کی شکل پتھر کا بنا ہوا بُت تھا جس کی قریش تعظیم کرتے اور اپنا معبود سمجھا کرتے تھے اور نائلہ عورت کی شکل پر بنی ہوئی مورت تھی جو اصاف کے کچھ فاصلہ پر قریش کی دیوی بنی کھڑی تھی۔

عبدالمطلب اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو اپنا ہمراز اور قوتِ بازو بنا کر ان دونوں بتوں کے درمیان کی زمین کھودنے کو آموجود ہوئے اور گو تمام قریش مانع آئے لیکن عبدالمطلبؓ ایک نہ سُنی دونوں باپ بیٹے اپنی دھن کے پکے بنے ہوئے اپنے کام میں لگے رہے یہانتک کہ غیبی نصرت سے یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑی سی زمین کھودنے پر وہ ہتھیار اور ہرنی کی مورت نکل آئی جو عمر بن حارث نے چاہِ زمزم میں ڈالدی تھی اور اس کے بعد کچھ ہی فاصلہ پر آبِ زمزم بھی نمودار ہو گیا۔

عبدالمطلب اس اتفاقیہ کامیابی پر خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور عام باشندگانِ عرب میں عبدالمطلب کی نام آوری کا نقارہ بج گیا۔ ۱۳۲۱۸

چونکہ اس واقعہ نے عبدالمطلب کی عزت کو دوچند کر دیا اور عبدالمطلب کو ہر بنی آدم پر فخر کرنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا اس لئے اس خوشی میں عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر میرے دس لڑکے ہوئے اور دسوں حدِ بلوغ تک پہنچ کر میرے قوتِ بازو بنے تو اُن میں سے ایک کو میں اللہ کے نام پر قربان کروں گا۔

جو بات ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔ عبدالمطلب جیسے راست گو حاکم مکہ کا اپنی عزت افزائی پر منت ماننا بے وجہ نہ تھا۔ حق تعالیٰ کو اس کی جانچ کرنی منظور اور اس خاندان کی خاندانی عظمت و شرافت کا اظہار مقصود تھا اس لئے عبدالمطلب کے یکے بعد دیگرے دس لڑکے پیدا ہوتے اور وہ سب زندہ و تندرست رہ کر سنِ بلوغ کو پہنچ گئے۔ یہاں تک زمانہ پہنچا مگر افسوس کہ عبدالمطلب کو اپنی مانی ہوئی منت یاد نہیں رہی کہ دس جوان لڑکوں کا باپ ہونے پر کیا کرنا چاہیئے ؟

ایک رات کعبۂ معظمہ کے قریب عبدالمطلب پڑے سوتے تھے کہ خواب میں کسی کہنے والے نے کہا : عبدالمطلب اِس مقدس گھر کے پروردگار کے لئے اپنی نذر پوری کرو۔ عبدالمطلب کی فوراً آنکھ کھل گئی اور

صبح ہوتے ہی ایک مینڈھا اللہ کے نام پر قربان کیا اور مسکینوں کو کھلا دیا۔ دوسری شب پھر یہی خواب نظر آیا کہ کوئی شخص نذر کا ایفا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے بہتر جاندار کو قربانی کرو۔ اب بیدار ہوئے تو صبح کو گائے قربانی کی اور محتاجوں کے پیٹ بھرے۔ تیسری شب پھر اسی مضمون کا خواب دیکھا اور صبح کو اونٹ ذبح کیا۔

چوتھی رات ہوئی اور عبد المطّلب کو پھر خواب نظر آیا تو اس وقت عبد المطّلب نے غیبی منادی سے نہایت بھولے پن کے ساتھ سوال کیا کہ "آپ ہی فرما دیجئے مجھ کو کیا چیز قربانی کرنی چاہئے؟" جواب ملا کر لے عبد المطّلب اپنے اُس بیٹے کو قربانی کر جس کے قربانی کرنے کی کئی برس ہوئے تم نے منّت مانی تھی۔

یہ چوتھا خواب دیکھ کر جس وقت عبد المطّلب کی آنکھ کھلی تو سخت پریشانی اور رنج و غم کا سامنا تھا اپنی تمام اولاد کو پاس بُلا کر اس وحشت ناک خواب کو ظاہر کیا اور جواب کے انتظار میں بچوں کی صورت تکنے لگے۔ اُس وقت سب سے زیادہ تشویش خواجہ عبدُ المطّلب کو اس کی تھی کہ دیکھئے کونسا نورِ نظر خوش کُن جواب زبان سے نکالتا ہے؟ اور کون اِس کو خیالِ محض کہہ کر ٹالتا ہے مگر شریف خاندان کی ساری اولاد باپ کی مطیع اور شریف تھی اِس لئے سارے بیٹوں نے باپ کا کلام سُنکر اپنے سر جُھکا لئے اور مؤدبانہ عرض کیا کہ ابّا جان! ہم سب ذبح ہونے پر راضی ہیں آپ کو اختیار ہے جس کو چاہیں اللہ کے نام پر قربانی کریں۔

چونکہ عبد المطلب کو اپنی زبان سے مانی ہوئی منّت کا پورا کرنا ضرور تھا اس لئے بیٹوں کی اس اطاعت پر خوش ہوئے اور کہا کہ تم دسوں کے نام پر قرعہ ڈالتا ہوں جس کا نام نکل آئے گا میں نہایت خوشی کے ساتھ اپنے پروردگار کے نام پر اُسی کو قربان کر دوں گا چنانچہ عبّاسؓ، حمزہؓ، عبدؔ اللہ، ابو طالبؔ یعنی عبد مناف، زبیرؔ، حارثؔ، حجلؔ، مقومؔ، ضرارؔ، اور ابو لہبؔ یعنی عبدُ العزیٰ کے ناموں پر قرعہ ڈالا گیا اور عبد المطّلب کے نزدیک سب سے زیادہ پیارے بیٹے خواجہ عبد اللہ کا نام نکلا جن کے صُلب میں نورِ محمدی جلوہ گر تھا۔

عبد اللہ کچھ ابتداء ہی سے نہایت شجاع اور خوبصورت شکیل اور ہمہ صفت موصوف شخص تھے قرعہ میں اپنا نام نکلنے پر بجائے اِس کے کہ متفکر یا رنجیدہ ہوں خوش ہوئے اور باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کو اپنی عزّت و سعادت سمجھ کر فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے کہ چلئے اور مجھ کو ذبح کر کے اپنی منّت پوری فرمائیے۔

ناظرین! سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں یہ دوسری جان ہے جو اپنے جدّ امجد حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد اللہ کے نام پر باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کے لئے کعبہ کے قریب اصاف و نائلہ کے پاس پہنچی۔ قریش یہ دیکھ کر کہ ہمارا سردار آج اپنے بیٹے کو قربانی کرنا چاہتا ہے مانع آئے اور خصوصاً عبد اللہ کی ننھیال بنی مخزوم نے عبد المطّلب کو عبد اللہ کے نازک گلے پر چُھری نہ رکھنے دی۔ لیکن جب مکّہ کے سردار عبدُ المطّلب کو اپنے قصد و ارادہ میں بے انتہا پختہ پایا تو مجبور ہو کر یہ مشورہ دیا کہ اُس کاہنہ عورت سے چل کر تمام قصّہ

بیان کرو جس کے فہم و فراست کا ڈنکا تمام حجاز میں بج رہا ہے اور جو کچھ وہ رائے دے اُس پر عمل کرو۔

عبدالمطلب اپنی سسرال کے رشتہ داروں سے بگاڑ نہ سکتے تھے اس لئے اس رائے کو مان لیا اور کاہنہ کے پاس آکر تفصیل کے ساتھ اپنی منّت اور چاروں خوابوں کا قصّہ اوّل سے آخر تک بیان کیا۔ کاہنہ عورت نے دریافت کیا کہ اگر تم میں کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو تم اس مقتول کی دیت قاتل سے کس قدر لیتے ہو؟ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میرے زمانہ حکومت میں ایک شخص کی دیت دس۱۰ اونٹ مقرر ہیں، کاہنہ نے کہا کہ چونکہ دیت ایک نفس کا عوض اور فدیہ ہے اس لئے جاؤ اور اس ہونہار لڑکے کے سامنے دس۱۰ اونٹ کھڑے کر کے دونوں میں قرعہ ڈالو، اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو اس کے عوض وہ اونٹ ذبح کر دو اور اگر لڑکے کے نام نکلے تو ان دس۱۰ اونٹوں کے ساتھ دس۱۰ اونٹ اور بڑھاؤ اور پھر بیس۲۰ اونٹوں میں اور اس لڑکے میں قرعہ ڈالو، اس طرح جب تک اونٹوں کے نام پر قرعہ نہ نکل آئے، اُس وقت تک ہر مرتبہ ایک نفس کی دیت یعنی دس۱۰ اونٹ بڑھاتے رہو۔

کاہنہ کی یہ رائے سُنکر تمام لوگ مکّہ واپس آئے اور کاہنہ کے حکم کی تعمیل شروع کی۔ جس وقت ہر مرتبہ دس۱۰ اونٹ بڑھاتے بڑھاتے دسویں مرتبہ سَو۱۰۰ اونٹوں اور ایک عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں اس اتفاقی امر کا اعتبار نہیں کرتا اس لئے دوسری بار پھر قرعہ ڈالو۔ جب دوسری مرتبہ قرعہ ڈالنے پر بھی اونٹوں کے نام نکلا تو تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈلوایا اور آخر کار تین مرتبہ اونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلنے پر عبدالمطلب نے وہیں کھڑے کھڑے تمام اونٹوں کو اللہ کے نام پر قربانی کر کے مساکین اور وحوش و طیور کو کھلا دیا اور پیارے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر شاداں و فرحاں گھر واپس آئے۔ اسی وقت ایک نفس کی دیت بجائے دس۱۰ اونٹ کے سَو۱۰۰ اونٹ مقرر ہوئے اور اسلام میں بھی اسی پر عملدرآمد قائم رہا۔

اس قصّہ کی وجہ سے احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِبنُ الذَّبِیحَین یعنی دو۲ ذبیح کا بیٹا کہا جاتا ہے کیونکہ ایک ذبیح اللہ آپ کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں اور دوسرے آپ کے جدِّ امجد حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما وعلیٰ نبیّنا السّلام ہیں

حدیث میں بھی وارد ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو کسی یہودی نے "یا ابن الذبیحین" کہہ کر پکارا تو آپ نے تبسم فرما کر صحابہؓ کو اپنے دو۲ ذبیح کے بیٹے ہونے کا قصّہ سُنایا۔ واللہُ اعلم بالصواب۔

عبدالمطلب کے چھ لڑکیاں تھیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں ہوئیں۔ یعنی صفیہؓ، ام حکیم، عاتکہ، امیمہ، اروی اور برّہ۔

بابِ ہفتم

عبدُاللہ کا آمنہ سے نکاح

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطّلب نہایت حسین اور خوبصورت جوان تھے اور اس پر طُرّہ یہ کہ سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا نور ان کی پیشانی میں جلوہ گر تھا اِس لئے کچھ طبعی طور پر زنانِ قریش کی طبیعتوں کا میلان عبداللہ کی جانب ہوتا تھا بہتیری حسین سے حسین اور مالدار عورتیں عبداللہ سے ہم صحبت ہونے کی خواستگار تھیں لیکن اوّل تو عبداللہ کی ذاتی شرافت فعلِ زنا کی اجازت نہ دے سکتی تھی اور پھر وہ گوہرِ یکتا جو عبداللہ کے صلب سے رحمِ آمنہ میں منتقل ہونے والا تھا اُس کی حفاظت اللہ کی طرف سے تھی اِس لئے عبداللہ کے دامنِ عفّت پر کوئی دھبّہ نہ آیا۔

عبداللہ کی شہرت اس ذبح کے قصّہ سے اور بھی زیادہ ہوگئی جو گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔

عبداللہ چونکہ بچپن سے عالی ہمّت، دلیر اور شکار کے شوقین تھے اِس لئے وقت کا اکثر حصّہ جنگل کی جھاڑیوں اور ریگستانی لق و دق میدانوں میں تنہا گذر جاتا تھا۔

اہلِ کتاب یعنی قومِ یہود جو اُس وقت عرب میں بکثرت آباد ہو گئے تھے، اپنی آسمانی کتاب یعنی توریت شریف میں خاتم النبیین کے وجود باجود کا عنقریب ظاہر ہونا معلوم کر چکے تھے اور اب ان کو علمی فراست اور ظاہری آثار سے اِس کا یقین ہوتا جاتا تھا کہ وہ نور عبداللہ سے ظہور کرنے والا ہے اور چند ہی دنوں بعد نبوّت کا سلسلہ خاندانِ بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر قریش میں پہنچا چاہتا ہے اِس بنا پر خواجہ عبداللہ سے قلبی بُغض رکھنے لگے تھے۔ کئی یہودی یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ عبداللہ کا اگر کسی بُت کی جانب گذر ہوتا ہے تو اُس سے یہ آواز آتی ہے کہ اے عبداللہ ہمارے پاس نہ آؤ کیونکہ تمہارے صُلب میں وہ نور موجود ہے جو ہماری ہلاکت و بربادی کا سبب ہوگا۔

ایک بار چند حاسد یہودیوں نے مشورہ کیا کہ جس طرح بن پڑے عبداللہ کو قتل کر ڈالو اور بہتر ہو کہ عبداللہ کا خون کسی ریگستان میں اُس وقت بہایا جائے جب کہ وہ شکار کھیلنے تنہا کسی جنگل کو قطع کر رہے ہوں تاکہ قاتل کا پتہ نہ چلنے پر قصاص کا کوئی مدعا علیہ بھی نہ بن سکے۔ چنانچہ عین اس وقت جب عبداللہ تنہا جنگل میں شکار کھیل رہے تھے دفعۃً چند یہودی تلواریں لٹکائے ہوئے شکار گاہ میں آپہنچے۔ وہب بن مناف یعنی آمنہ خاتون کے باپ بھی اتفاق سے اسی جنگل میں آئے ہوئے تھے اور عبداللہ

سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوئے دشمن یہودیوں کے بیجا حملے دیکھ رہے تھے۔

وہب بن مناف نے دیکھا کہ یہودی عبد اللہ پر ننگی تلواروں کے وار کرتے ہیں اور عبد اللہ کے مددگار چند سوار کھڑے ہوئے جفا کیش ظالم یہودیوں کے وار روک رہے ہیں مگر ان سواروں کی پوشاک کچھ اس قسم کی انوکھی ہے جس کو دنیا کے لباس سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔

ان غیبی سواروں کا یہ عالم تھا کہ دشمن قتل کا منصوبہ سوچ کر جس طرف آتے ہیں اس جانب اِن سواروں کے رُخ ہو جاتے ہیں اور بے باک ستمگاروں کو عبد اللہ کے قتل کر ڈالنے کا کوئی پہلو ہاتھ نہیں آتا۔ ہر چند کہ یہود نے اپنا خیال پورا کرنے کی انتہائی کوشش کی مگر کامیاب ہوتے پر نہ ہوئے۔

تھوڑی دیر میں وہ یہودی پسپا ہو کر خائب و خاسر واپس ہوتے اور غیبی سواروں نے بھی اپنے آپ کو غائب کر لیا عبد اللہ صحیح سلامت شکار گاہ سے لوٹ چلے۔

وہب بن مناف یہ حیرت انگیز معاملہ دیکھ کر گھر آئے اور اپنی بی بی سے قصّہ بیان کیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ میرے خیال میں پیاری بیٹی آمنہ کو عبد اللہ سے بہتر شوہر نہیں مل سکتا اِس لئے اگر عبد المطلب راضی ہو جائیں تو میں بے شک عبد اللہ کے ساتھ آمنہ کا نکاح کر دوں گا۔ آمنہ بنت وہب، شرف حسب و نسب میں ممتاز اور حُسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھیں۔ فوراً ہی ایک عورت کی وساطت سے عبد المطلب کو آمنہ کے پیغام دینے کی بابت رائے دی گئی اور گو یا طے کر دیا گیا کہ عبد اللہ کا نکاح آمنہ بنتِ وہب سے ہو۔

عبد المطلب بھی آمنہ کے محمودہ خصائل اور شرافت و حُسنِ ظاہری و معنوی کا شہرہ سُن چکے تھے، اور خوب جانتے تھے کہ مجھ کو آمنہ سے بہتر عبد اللہ کے لئے دوسری بہو نہیں مل سکتی اِس لئے بلا تاخیر عبد اللہ کے نکاح کا پیام وہب بن مناف کو دیدیا اور جانبین سے بات پختہ ہونے پر ساعتِ سعید میں عبد اللہ بن عبد المطلب کا آمنہ بنتِ وہب سے نکاح ہو گیا۔ آمنہ خاتون اپنے زمانہ میں قریش کی تمام عورتوں پر شرافتِ پدری و نجابتِ مادری میں فوقیت رکھتی تھیں اِس لئے کہ آپ کی والدہ برّہ بنتِ عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصّی بن کلاب اور والد وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب اور نانی اُمِّ حبیبہ بنت اسد بن عبد العزیٰ بن قصّی بن کلاب کا سلسلۂ نسب جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساتویں پُشت پر جا ملا ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

اَب اس کا بیان کرنا چنداں ضروری نہیں کہ ان عورتوں کا کیا حال ہوا جو عبد اللہ کے وصال کی عرصہ سے خواہشمند تھیں اور جب نور محمدی صُلبِ عبد اللہ سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں پہنچ گیا تو ان پر کیا گذری۔ عام ناظرین کے کانوں میں پڑ چکا ہوگا کہ دو سَو عورتیں اس رشک و افسوس میں دُنیا سے

اسلام
انتقال کرگئیں جو ان کو بی بی آمنہ کے اِس لازوال دولت سے مالا مال ہونے پر ہوا تھا۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّواب۔

بابِ ہشتم

اصحابِ فیل

جس زمانہ کا ہم حال بیان کرتے ہیں اس وقت حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا۔ حبشہ کی سلطنت وسعت پکڑ گئی تھی۔ مُلکِ یمن بھی اسی کا ایک صوبہ تھا جس پر نجاشی کی طرف سے ایک شخص نصرانی المذہب ابرہہ نام حکمران تھا۔ بیت اللہ صرف اہلِ مکّہ ہی کے نزدیک باعزت نہ تھا بلکہ عام طور پر مُلکِ حجاز کے باشندے اس کو محترم اور متبرّک جگہ سمجھتے تھے اور دُور دُور سے لوگ اُس کی زیارت کو آتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق نیازیں چڑھایا کرتے تھے۔ عام خلقت کا بیتُ اللہ کے ساتھ یہ محبت کا برتاؤ اور احترام کا طریقہ دیکھ کر ابرہہ کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اُس نے خانۂ کعبہ کے مقابلہ میں ایک گرجا اپنے دارالخلافہ یعنی شہر صنعاء میں بڑا عالی شان تعمیر کرایا اور لوگوں کو حکماً اس کی تعظیم و طواف کرنے اور بیت اللہ کی ہتکِ حرمت پر مجبور کیا۔ نجاشی کو بھی لکھ بھیجا کہ میں نے حضور کے لئے ایک قابلِ دید گرجا مکّہ کے مشہور گھر سے بہتر تعمیر کرایا ہے۔ میں اس کی آبادی میں انتہا درجہ کی کوشش کروں گا اور جب تک لوگ بیت اللہ کو چھوڑ کر اس کو اپنا معبد نہ سمجھ لیں گے اس وقت تک کوشش سے ہاتھ نہ روکوں گا۔

ابرہہ کی یہ نازیبا حرکت تمام باشندگانِ عرب اور خصوصاً اہلِ مکّہ کو سخت ناگوار گذری قبیلۂ بنی نعیم میں سے ایک شخص غصّہ میں آ کر صنعاء میں پہنچا اور تھوڑا سا رسوخ رؤسائے شہر سے پیدا کرنے کے بعد اپنا غصّہ اس طرح نکالا کہ شب کے وقت اُس جڑاؤ مرصّع گرجا میں جا کر بول و براز سے اس کے باعزت موقعوں کو نجس کر دیا اور جگہ جگہ نجاست ڈال کر وہاں سے فرار ہو گیا۔

اتّفاق سے اُسی شب میں اہلِ مکّہ کا ایک نو وارد قافلہ رات گذارنے کے خیال سے اسی گرجا کے نیچے مقیم تھا جس نے درندوں وغیرہ سے حفاظت کے لئے جنگل کے بڑے بڑے تنے جمع کر کے ایک بڑا الاؤ لگایا اور اُس میں آگ سُلگا رکھی تھی، شب کو ہوا چل رہی تھی نیز ایک اندھیاؤ سا چلا جس نے گرجا میں جا آگ لگائی۔ گرجا میں آگ کا لگنا تھا کہ تھوڑی دیر میں سب بھسم ہو گیا اور وہ عالی شان جگمگاتا ہوا امکان ایک جھلسا ہوا منارا معلوم ہونے لگا۔ ابرہہ کو اس کی خبر پہنچی تو غصّہ کے مارے سُرخ و سپید ہو گیا اور قسم کھائی کہ جب تک مکّہ کے متبرّک گھر یعنی خانۂ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجالوں گا اُس وقت تک آرام نہ کروں گا۔

حبشی لشکر میں شاہی حکم کی تیاری کے لئے مُنادی ہوگئی اور ایک مشہور جنگی ہاتھی جس کا نام محمود مشہور تھا خانۂ کعبہ کے گرانے کے لئے ساتھ لیا گیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کے علاوہ تیرہ ہاتھی جنگی اور بھی ہمراہ تھے۔ غرض ابرہہ کا لشکر مُلکِ یمن سے نکلا اور ملکِ حجاز کے دارالخلافہ یعنی مکّہ کی جانب طمطراق کے ساتھ طبل بجاتا ہوا روانہ ہوا۔ اہلِ عرب کو بھی اِس ہولناک جنگ کی خبر ہوئی اور عام طور پر مذہبی جوش نے ترقی کی۔ ہر شخص کا خیال تھا کہ بیت اللہ کے بچانے کو اپنی جان کا دینا ہم پر واجب اور ابرہہ سے جنگ کرنا ہر عربی النسل پر فرض ہے۔ شرفاء یمن میں سے ایک شخص جس کا نام ذونفر تھا مذہبی جوش میں اِس لشکرِ جرّار کے سامنے مقابلہ کے لئے آکھڑا ہوا لیکن فوراً ہی قید کر لیا گیا۔

ابرہہ کا لشکر مکّہ کی جانب بڑھا چلا جارہا تھا کہ راہ میں دوسرا شخص نفیل بن حبیب خثعمی سے آسامنا کیا۔ لیکن یہ لشکر ایسا نہ تھا کہ ایک یا دو آدمی کے بس میں آئے اِس لئے نفیل بھی گرفتار ہو کر حراست میں لے لیا گیا۔

قید ہونے پر نفیل کو رہبری کا ذمّہ لینا پڑا اور نفیل راستہ بتاتا ہوا سیدھے راستہ پر ابرہہ کے لشکر کو لئے چلا آیا۔ جس وقت طائف پر گذر ہوا تو قبیلۂ طائف نے ایک شخص ابورغال نامی کو رہبری کے لئے بطور خود بھیجا مگر ابورغال کی عُمر نے وفا نہ کی اور جس وقت لشکر مغمّس میں پہنچا تو ابورغال کا دَم نکل گیا۔ عرب نے اس کی قبر پر پتّھر مارے اور اب تک عرب کے ہاتھوں اس کی قبر سنگسار کی جاتی ہے۔ اِس بے باک لشکر نے مکّہ کے وادیٔ محرّبین میں آخیمے نصب کئے۔ اس وقت مکّہ والوں کے خوف و ہراس کی جو کچھ حالت ہوگی اُس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

ابرہہ نے اسود بن مقصود کو مکّہ میں بھیجا جس نے مکّہ میں گھُس کر دلخواہ لُوٹ کھسوٹ شروع کی چنانچہ مشہور ہے کہ سردارِ مکّہ عبدالمطّلب کے دو سَو اونٹ بھی اِسی لُوٹ میں شامل تھے جو اسود بن مقصود مکّہ سے اپنے ساتھ ابرہہ کی نذر گذارنے کے لئے بطور تحفہ خوش ہوتا ہوا لے گیا تھا۔

ابرہہ نے اِس کے بعد حناطہ حمیری کو مکّہ بھیجا جس نے شاہی سفیر بن کر اپنے لشکر کی طرف سے اہلِ مکّہ کو بآوازِ بلند پیام سُنایا کہ "اے اہلِ مکّہ شاہِ یمن کا یہ جرّار لشکر تم کو تباہ و ہلاک کرنے کے ارادے سے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصود صرف اُس اونچے گھر کا منہدم کرنا ہے جس کو تم بیت اللہ کہتے اور تعظیم کرتے ہو اگر تم اس کے گرا دینے میں مانع نہ آؤ گے تو تمھارا بال بھی بیکا نہ ہوگا ورنہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تم میں اس کے مقابلہ کرنے کی کس قدر ہمّت ہے"۔ عبدالمطّلب چونکہ مکّہ کے سردار تھے اِس لئے جواب دینے کے لئے اُٹھے اور بولے کہ "لشکر کو اطمینان رکھنا چاہئے، ہمیں لڑنے سے

کیا واسطہ ہے۔ یہ گھر جس کے گرانے کا تمھارا خیال ہے اللہ کا گھر اور اس کے خلیل حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا محترم مکان ہے اگر مالک مکان کو اپنا گھر بچانا ہی تو وہ خود بچالے گا اور اگر اُس کو گروانا ہی مقصود ہے تو ہمارے روکے رُک نہیں سکتا۔ حناطہ نے یہ کلام سُنکر عبدالمطّلب سے کہا کہ "اے عقلمند قریشی کیا اچھا ہو کہ یہ کلمہ تم خود ہمارے سردار ابرہہ سے کہہ کر سب کو مطمئن بنا دو۔ اور اپنی اور اپنے اہلِ وطن بھائیوں کی قتل و غارت سے جان اور مال بچالو"

عبدالمطّلب تنِ تنہا اس جگہ آئے جہاں لشکر پڑا ہوا تھا اور سپاہیوں سے ذونفر کو پوچھا، جو عبدالمطّلب کا پُرانا دوست تھا اور اب ابرہہ کی قید میں مقید تھا، معلوم ہوا کہ وہ باغی مقابلہ کرنے کے جُرم میں شاہی حراست میں ہے۔

عبدالمطّلب قید خانے میں گئے اور کہنے لگے کہ دوست اگر کچھ میری مدد کر سکتے ہو تو کرو۔ ذونفر نے جواب دیا کہ بھائی تم دیکھتے ہو کہ میں ایک ظالم بادشاہ کے ہاتھ میں گرفتار خود ہی مدد کا محتاج ہوں تمھاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟ البتہ ایک فیل بان جس کا نام انیس ہے میرا دوست ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ میں اس سے سفارش کر کے ابرہہ تک تم کو پہنچادوں تم خود اپنے لئے جو مناسب سمجھو بالمواجہہ کہہ لو۔ عبدالمطّلب نے اسی کو غنیمت سمجھا اور ذونفر کی سفارش اور انیس کی وساطت سے عبدالمطّلب ابرہہ کے سامنے پہنچے۔

عبدالمطّلب نہایت باوجاہت جسیم اور شکیل سردار جوان تھے۔ جس وقت دربار میں پہنچے تو ابرہہ کے قلب میں خود بخود ایک ہیبت پیدا ہوئی وہ اپنے تخت سے اُتر کر نیچے ہو بیٹھا اور عبدالمطّلب کو پاس بٹھا کر ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔

سب سے پہلے عبدالمطّلب نے مطلب کی بات زبان سے نکالی کہ "میرے دو سَو اونٹ جو اَسوَد بن مقصود لُوٹ لایا ہے واپس کر دیجیے"۔ ابرہہ یہ سُنکر مُسکرایا اور ترجمان سے کہلوایا کہ "اے عبدالمطّلب میں تو صورت دیکھ کر تمھیں نہایت فہیم سردار سمجھا تھا، لیکن افسوس میرے خیال نے غلطی کی تم کو اپنے معبد اور محترم بیت اللہ کا خیال نہ آیا۔ تم کو اپنے آبائی مذہب کا پاس نہ ہوا در حالانکہ میں بیت اللہ کو مُنہدم کرنے آیا ہوں لیکن تم نے اس کے بدلے اپنے اونٹ واپس کرنے پسند کئے"۔ عبدالمطّلب نے جواب دیا کہ "میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں البتہ اونٹوں کا مالک ہوں اور اسی وجہ سے اپنی چیز واپس مانگتا ہوں، اس گھر کا مالک دوسرا ہے اور وہ اپنے گھر کو خود بچالے گا"۔

ابرہہ نے مُسکرا کر اونٹوں کے واپس کرنے کی اجازت دیدی اور کہا کہ اب میرے یہاں تک آنے پر اس گھر کو بچا کون سکتا ہے؟ عبدالمطّلب اُٹھے اور اونٹوں کو وہاں سے ہنکا کر حرم میں لا کھڑا کیا

تمام اونٹوں کو تو اللہ کی نذر کر کے ہدیہ بنا دیا اور کُل باشندگانِ مکہ کو رائے دی کہ پہاڑ کے غاروں اور جنگل کی وادیوں میں پناہ گزیں ہو جاؤ اور اللہ پر نظر رکھو دیکھو پردۂ غیب سے کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ غرض تمام عورتیں، بچے اور بہتیرے مرد پہاڑوں میں جا چُھپے اور عبد المطلب نے چند قریشیوں کو ساتھ لے خانۂ کعبہ کے دروازہ کا کنڈا جا پکڑا اور سینے رو رو کر اللہ سے مدد مانگنی شروع کی۔ عبد المطلب نے حلقہ پکڑے پکڑے جو شعر پڑھے، اُن میں سے دو شعر یہ بھی ہیں:

یَا رَبِّ لَآ اَرْجُوْلَهُمْ سِوَاکَا ۔۔۔ یَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاکَا

اِنَّ عَدُوَّ الْبَیْتِ مَنْ عَادَاکَا ۔۔۔ اِمْنَعْهُمْ اِنْ یُّخَرِّبُوْا فِنَاکَا

اے میرے پروردگار! تیرے سوا اس لشکر کے مقابلہ کی مجھے کسی سے اُمید نہیں ہے، بارِ الٰہا تو ان سے اپنے حما یعنی بیت اللہ کو بچا لے۔ اس گھر کا دشمن وُہی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ اگر یہ تیرے صحنِ خانہ کو ویران بنائیں تو ان کو اس سے باز رکھ۔ اس کے بعد عبد المطلب بھی مع اُن ہمراہیوں کے پہاڑ میں جا چُھپے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عبد المطلب نے خوف سے چُھپنا گوارا نہ کیا تھا اور مکہ میں سوائے اُن کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا۔ بہر حال صبح ہوئی اور آفتاب افقِ مشرق پر نمودار ہوا۔ ابرہہ کے لشکر نے تیاری شروع کی اور محمود نامی ہاتھی آراستہ کیا گیا۔ نفیل بن حبیب خثعمی نے جو اب تک مقید تھا یہ دیکھ کر کہ اب بیت اللہ پر حملہ ہوا چاہتا ہے لپک کر محمود ہاتھی کا کان پکڑا اور یہ لفظ کہے کہ "ادجع محمود ارجع راشدا من حیث جئت فانك فی بلد الله الحرام" یعنی اے محمود لوٹ جا، اے محمود سیدھا جہاں سے آیا ہے واپس ہو جا کیونکہ تو اللہ کے باعزت شہر میں ہے۔

یہ کہنا تھا کہ ہاتھی گھٹنے ٹیک کر وہیں بیٹھ گیا۔ اور فیل بان نے ہر چند مار مار کر اُٹھانا چاہا، لیکن محمود نہ اُٹھا۔ فیل بان نے ہاتھی کا مُنہ ملک شام کی طرف پھیرا تو ہاتھی نے اُٹھ کر دوڑنا شروع کیا۔ پھر فیل بان نے یمن کی طرف متوجہ کیا تو ہاتھی اُدھر ہو لیا۔ پھر مشرق کی طرف رُخ کیا تو اُسی طرح چلنے لگا اور پھر جب جانبِ مغرب یعنی بیت اللہ کی طرف موڑا تو فوراً زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ نفیل تو ہاتھی کے گھٹنے ٹیکتے ہی بھاگ کر ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا اور یہاں ہاتھی نے اس پریشانی میں مُبتلا کر ہی رکھا تھا کہ دفعۃً جدّہ کی طرف سے چڑیاں جن کی چونچوں میں ایک ایک کنکری اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں چمگادڑوں کی طرح پرا باندھے نمودار ہوئیں اور کنکریاں لشکر پر بارنی شروع کیں وہ کنکریاں تو عذاب کی کنکریاں تھیں جس سوار کے بھی سر پر پڑیں اسی کا بھیجا پھوڑ کر پیٹ سے نکل کر گھوڑے کی کمر سے گذرتی ہوئی پیٹ سے باہر ہو کر زمین پر گریں۔ سیکڑوں یوں ہلاک

ہوئے اور ہزاروں اس طرح مرے کہ دریا کی طرف سے ایک پُرجوش سیلاب آیا جس نے لشکری سپاہیوں کو خس و خاشاک کی طرح سمندر میں لے جا ڈالا۔ جو بچے وہ شتر بے مہار کی طرح جدھر مُنہ اُٹھا بھاگ نکلے مگر عجیب بے سروسامانی تھی، نہ راہبر ساتھ، نہ راستہ معلوم۔ اب پوچھیں تو کس سے اور جائیں کدھر؟ نفیل نے پہاڑ کی چوٹی سے ہزیمت خوردہ فوج کی یہ حیرانی و کس مپرسی دیکھی تو ہنسا اور یہ شعر پڑھا ؎

اَیْنَ الْفَرُّ وَالْاِلٰہُ الطَّالِبُ وَالْاَشْرَمُ الْمَغْلُوْبُ غَیْرُ الْغَالِبِ

جب اللہ طلب کے درپے ہے تو اب جائے فرار کہاں؟ اور متکبّر مغلوب ہوا غالب نہ آیا۔

اِس نفسا نفسی کے عالم اور بھگدّڑ کی حالت میں ابرہہ کے جسم پر سخت چوٹ آئی اور عضو عضو کا چُورا ہو گیا۔ فوجی سپاہی اپنے مُحسن سردار کو یوں بے دست و پا جنگل میں چھوڑنا نمک حرامی سمجھے اور چڑیا کے بے بال و پر بچّہ کی طرح لوتھ کو کاندھوں پر لاد کر بدقّت ریگستان قطع کرتے دارالخلافت صَنعا میں پہنچے۔

چند دنوں بعد ابرہہ کا قلب بھی سینہ سے الگ ہو گیا اور اُس نے تڑپ کر جان مَلکُ الموت کے حوالے کی اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا یکسوم بن ابرہہ تخت نشین ہوا۔ اِس واقعہ کا نام واقعۂ فیل ہے۔ اس کے پچپن روز بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اللہ پاک نے قرآن مجید سورۂ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ میں بھی باشندگانِ عرب کو یہی احسان یاد دِلایا ہے۔

ابرہہ کی تباہی کے اگلے روز عبدالمطّلب ابومسعود ثقفی کو اپنے ساتھ لے کر گذشتہ دن کا نتیجہ دیکھنے پہاڑی سے نیچے اُترے اور کسی کی آہٹ نہ پا کر تعجّب کرتے ہوئے چھاؤنی کی طرف ہولئے وہاں جا کر سیکڑوں لاشوں کو ریت پر پڑا ہوا دیکھا تو خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور بڑے بڑے دو گڑھے کھود کر لشکری سپاہیوں کے گرے پڑے ساز و سامان سے چاندی سونے اور جواہرات سے اُن کو بھر دیا اور بآوازِ بلند اپنے اُن ہموطنوں کو بُلایا جو جرّار لشکر کے خوف سے چُھپے پہاڑیوں میں بیٹھے تھے، چنانچہ سب آموجود ہوئے اور حصّہ رسد اس غیبی مدد کے مالِ غنیمت سے بہرہ یاب ہوئے۔ عبدالمطّلب کے حصّہ میں جو مال آیا وہ بھی اِس قدر تھا کہ ایک آدمی نہایت تونگری کے ساتھ اُس میں مالدار بن کر زندگی بسر کرسکتا تھا ✣

بابِ نہم

قریش کی واقعۂ فیل کے بعد لن ترانیاں اور بدعتیں

ابرہہ کے خائب و خاسر شکست کھا کر صنعاء جانے سے عام طور پر اہلِ عرب کے دل میں قریش کی عزت اور توقیر پیدا ہوگئی اور ہر شخص قائل ہوگیا کہ قریش کی خاطر اللہ پاک نے بیت اللہ پر حملہ کرنے والے کو ذلیل و رسوا کیا۔

قریش نے اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر نخوت و غرور میں قدم رکھنا شروع کیا اور ایک مرتبہ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی کہ ہم ابراہیمؑ خلیل اللہ کی اولاد اور قریشی النسل ہیں عرب میں کسی کو ہم جیسا رتبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہم میں اور عام باشندگانِ عرب میں کوئی فرق اور امتیاز ضرور ہونا چاہیے۔ ہم اہلِ حرم ہیں، ہم بیت اللہ کے متولی ہیں، ہم اصل ساکنِ مکہ ہیں اس لئے ہم کو زیبا ہے کہ حرم کے علاوہ کسی دوسرے مقام کی عزت نہ کریں اور حج پورا کرتے وقت میدانِ عرفات میں ٹھہرنا بالکل چھوڑ دیں، نہ ہم کو عرفات میں جانا چاہئے نہ اُس میدان کی عزت کرنی چاہیے۔ چنانچہ تمام قریش نے عرفات کے میدان میں جانا چھوڑ دیا (اللہ پاک نے وَ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ میں اسی مخترعہ بدعت کے ترک کرنے کا حکم قرآن میں فرما کر متنبہ کیا ہے کہ عرفات میں دوسرے حجاج کی طرح قریش کو بھی ٹھہرنا ضروری ہے) الغرض قریش نے اپنی برابر کسی کو نہ سمجھا البتہ اگر کسی عرب کے قریشیہ عورت سے لڑکا پیدا ہوجاتا تو وہ اس سسرال کے رشتہ سے قریش میں شامل ہو کر اہلِ حرم بنجاتا تھا چنانچہ کنانہ اور خزاعہ اور عامر اسی بناء پر قریش کے ہم رتبہ اور ہم خیال تھے۔ اس کے بعد دوسری تجویز طے ہوئی کہ حج کا احرام باندھ کر سوائے چرمی خیموں کے اُون یا پشم کے بُنے ہوئے خیموں میں جانا نہ چاہیے اور جب تک حج یا عمرہ کا احرام باندھے رہیں اُس وقت تک حرم کے اندر حرم کے باہر سے لائی ہوئی چیز کا کھانا حرام سمجھیں اگر روٹی بھی کھائیں تو وُہی جو حرم کے اندر پکی ہو نیز بیت اللہ کا طواف قدوم کرتے وقت ہر شخص کو قریش کے کپڑے پہن کر طواف کرنا فرض ہے۔ اگر قریش کے کپڑے دستیاب نہ ہوں تو اُس کو اپنے تمام کپڑے اُتار کر اور ننگے ہو کر طواف کرنا چاہیئے۔ اور اگر بالفرض کوئی شرمیلا شخص قریشی کپڑے دستیاب نہ ہونے پر ننگا ہونا گوارا نہ کرے اور اس عذر کے سبب اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف کرلے تو اُس پر واجب ہے کہ طواف سے فارغ ہوتے ہی ان کپڑوں کو پھینکدے اور پھینکنے کے بعد وہ کپڑے کسی مصرف کے نہ رہیں گے کیونکہ نہ یہ خود اُن کو پہن سکے

کوئی دوسرا ان کو ہاتھ لگا سکے گا۔ البتّہ عورتیں صرف اوڑھنی سے بال چھپائے رہیں اور باقی تمام کپڑے اُتار کر مجبوراً برہنہ ہوکر طواف کریں۔ یہ جدید قوانین تمام اہلِ عرب کو ماننے پڑے اور گو شروع شروع میں کسی کو یہ باتیں ناپسند بھی ہوئی ہوں، لیکن تھوڑے دنوں بعد اِن رسوم کی ایسی عادت ہوگئی کہ آنے والی نسلیں اِن بیہودہ اور لغو باتوں کو اصل شریعت اور دینی مسائل سمجھنے لگیں۔

غرض اہلِ عرب کی حالت بگڑ چلی اور اپنی تجویز کردہ شریعت پر عمل اور باہم معاہدہ وقسما قسمی ہونے لگی۔ ہر قبیلے نے ایک نیا مذہب تجویز کیا اور نئے طریقہ پر چلنا دین معلوم ہونے لگا۔ شروع شروع میں محض بیت اللہ کی تعظیم اور حرم شریف کے احترام کی نیت سے جہاں کہیں سفر میں جاتے تو حرم شریف کا کوئی پتّھر تبرّکاً پاس رکھ لیتے اور ساتھ لیجایا کرتے تھے اِس کے بعد سفر میں طواف کو جی چاہتا تو اسی پتّھر کو بوسہ دینے اور بیت اللہ کی طرح اُس کے گرد پھرنے لگے۔ ہوتے ہوتے اِس عظمت کی نوبت شرک وکفر تک پہنچی اور کھلم کھلّا بُت پرستی ہونے لگی۔

عَمرو بن لحی کو ایک بار ملک شام کی جانب سفر کا اتفاق ہوا تو خطۂ بلقار میں مآرب مقام پر قیام ہوا، جہاں قومِ عمالقہ آباد اور بُتوں کی پرستش سے اپنے کو برباد کر رہی تھی۔ عمر بن لحی نے طرح طرح کے بنے سجے بُت دیکھے تو اُن سے خواہش کی کہ مجھ کو بھی ایک مورت دیدو تاکہ وطن لیجاکر تمھاری طرح ان سے مَدَد چاہنے اور قحط میں بارش مانگنے کا سلسلہ قائم کروں۔ چنانچہ ہُبَل نامی پتّھر کی مورت اپنے ساتھ لایا اور وسط کعبہ میں اُس کو قائم کرکے باشندگانِ مکّہ کو اُس کی عبادت وتعظیم کی ترغیب دے کر ترویج کی۔ شدہ شدہ لاتؔ وعزّیٰ اور مناۃ، اصافؔ، نائلہ نامی طرح طرح کے بُت قائم ہوگئے اور مجسّمہ وتصاویرِ مختلفہ سے ایامِ سال کی مقدار تین سو ساٹھ بُتوں سے نواح واندرونِ بیت کو لبریز کر دیا۔

معاشرت و معاملات میں بھی طرح طرح کی ایجادیں کیں اور ہر مضمون میں رسم داخل کرکے شریعتِ ابراہیمی کی جگہ اپنی نئی شریعت قائم کرلی۔ چونکہ اُن کی جائداد اور مال ومتاع کا بڑا ذخیرہ اونٹوں کے گلّے تھے اِس لئے بُتوں کی نیاز میں اُنھیں کے چڑھاوے چڑھتے اور مَن گھڑت خیالات کو عقائد بناکر متاثّر ہوا کرتے تھے جس اونٹنی کے پے درپے دس بارہ بچّے پیدا ہوتے وہ آزاد کر دی جاتی تھی کہ اس پر چڑھنا حرام اور ان کا کاٹنا ناجائز اور مہمان کے سوا دوسروں کو اُس کا دودھ پینا ممنوع تھا۔ ایسی اونٹنی کا نام "سائبہ" تھا اور جو مادہ بچّہ بھی اُس کے پیٹ سے پیدا ہوتا وہ بھی اپنی ماں کی طرح متبرّک بناکر سواری وانتفاع سے آزاد بنا دیا جاتا تھا۔ اور اس آزادی کی علامت

میں اس کا کان کاٹ کر چھوڑ دیا جاتا تھا کہ جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے، اس کا نام "بحیرہ" تھا اور عرب میں ایسے جانور بکثرت ہو گئے تھے۔

مُردار گوشت کھانے میں کوئی پرہیز نہ رہا تھا اور ذبح کی عادت ہی گویا جاتی رہی تھی اگر کسی بکری کے پانچ بطن میں دس بچے مادہ پیدا ہوئے کہ ایک بھی نر نہ ہو تو اُس کے بعد پیدا ہونے والا بچہ مَردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھا جاتا تھا۔ البتہ اگر مر جاتا تو عورت مَرد سب اس سے نفع اُٹھانے میں شریک ہو جاتے اور اُس مُردار کو حلال سمجھتے تھے۔

اِسی طرح جس نر اونٹ سے دس بارہ بچے پیدا ہوتے وہ بھی سانڈ بنا ہوا چھٹا پھرتا تھا کہ نہ کوئی اُس پر سوار ہو سکتا تھا اور بجز جُفتی کے اُون وغیرہ حاصل کرنے میں کسی قسم کا نفع نہیں پہنچا سکتا تھا۔

اِدھر میراث کو اولادِ ذکور کے ساتھ مخصوص بنا کر بہنوں اور لڑکیوں کو یہ کہہ کر محروم کر دیا تھا کہ جو تلوار لے کر میدان میں نکلے اور دشمن سے مقابلہ کر سکے وُہی پدری میراث کا مستحق ہے اور اُدھر ذکور کے حقِ وراثت کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ لڑکا اپنے متوفی باپ کی منکوحہ یعنی اپنی سوتیلی ماں کا وارث ہو کر صرف ایک چادر ڈال دینے سے خاوند بنجایا کرتا تھا۔

دُختر کشی کی رسم عام طور پر بڑھ چلی اور لڑکی کا پیدا ہونا اپنے لئے عار و ذلّت، اور رات دن کی خانہ جنگیوں میں مبتلا ہونے کے سبب کسی وقت میں ننگ و ناموس برباد کرنے والا سمجھا جاتا تھا اس لئے سخت بے رحمی کے ساتھ اس بے زبان لختِ جگر کو زندہ درگور کرتے اور اپنے ہاتھوں گڑھا کھود کر مَنوں مٹی کے نیچے دبا کر خوشی خوشی واپس چلے آیا کرتے تھے۔

یتیم و لاوارث بچیوں اور نابالغ بیکس لڑکیوں کے حقوق کا تو پوچھنا ہی کیا کہ کس سخت دِلی و بے رحمی کے ساتھ تلف ہوتے اور فریاد رسی کے نام سے ناآشنا ہو کر اِس ظلم و زیادتی کو نیک نامی و شجاعت سمجھا کرتے تھے۔

شعر و شاعری کے بیہودہ مشغلہ میں رات دن منہمک رہتے، قمار و جُوے بازی میں مال اُڑاتے اور شیخی و تفاخر کے ساتھ رات دن کی لڑائیوں میں خون بہایا کرتے تھے۔ حرمِ محترم میں آتے تو تالیاں بجاتے، سیٹیوں کے شور سے زمین سر پر اُٹھاتے۔ ہنسی مذاق کی مجالسیں وہیں قائم کرتے اور خوفِ خداوندی سے لرزنے کے قابل مقدس مقام کو بیٹھک و چوپال قرار دے کر ہر قسم کا مجمع وہیں منعقد کیا کرتے تھے۔

غرض ظلم و زیادتی کا ایک ظلمت خیز بادل تھا جو اُن کے سروں پر سایہ کئے ہوئے تھا اور جہالت و

بدراہی کی اندھیری و تاریک گھنگور گھٹا تھی جو اُن پر اُمڈی ہوئی تھی، جس نے اخوت و ہمدردی یکدم چھین لی اور حمیت و انسانیت قلوب سے بالکل نکال لی تھی۔ اُس وقت حق تعالےٰ نے اپنے مقدس گھر کو اِس گندگی و نجاست سے پھر صاف کرنا چاہا اور سیدِ اولادِ آدم سرورِ عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی و راہبر بناکر بھیجا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور ظاہر فرمایا کہ ہمیشہ بدعتوں کی ترویج اور ناجائز اُمور کے پسندیدہ ہونے کے ایسے ہی وسائل ہوتے ہیں۔

چالیس برس بعد جب کلام مجید نازل ہونے لگا تو اُن کی اصلاح ہوئی اور شریعتِ محمدیہ نے اللہ کا سیدھا راستہ دکھاکر اِن کج رفتاریوں سے لوگوں کو بچایا۔ چنانچہ قرآن شریف کی بہتیری آیتوں میں صراحۃً اِن مخترعہ رسوم کی اصلاح مذکور اور ہر قسم کی درستی و ہدایت کا طریق مسطور ہے۔

باب دہم

حضرتؐ کی ولادت اور عبدالمطّلب کی کفالت

فخرِ عالم سرورِ کائنات احمدِ مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں ہبوطِ آدم علیہ السلام سے چھ ہزار ایک سو تیرہ برس بعد بارھویں ربیع الاول سنہ ۴۲ کسروی مطابق ۲۹ اگست سنہ ۵۷۰ء کو دوشنبہ کے دن بوقتِ صبح پیدا ہوئے۔

آپ بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے دادا عبدالمطّلب نے آپکے والد خواجہ عبداللہ کو بغرض تجارت ملک شام کی جانب روانہ کیا لیکن افسوس خواجہ عبداللہ نے پچیس برس اور کئی مہینے کی عین شباب خیز عمر میں مدینہ پہنچ کر انتقال کیا اور اس احاطہ میں مدفون ہوئے جہاں آپ کی نھیال کے لوگ مدفون تھے۔

آپ کی والدہ آمنہ خاتون کو آپکے حمل کی تکلیف مطلق نہ ہوئی اور چھ مہینے تک یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ آمنہ حاملہ ہے حالتِ حمل میں وہ وہ عجائبات نظر آئے جن سے حیرت ہوتی تھی چلتی تھیں تو قدموں کے نیچے سخت پتھر نرم ہوجاتے تھے۔ نورانی ابر دھوپ کے وقت سر پر سایہ کرتے اور کنویں سے پانی لیتے وقت پانی خود بخود اُبل کر منہ کے کنارے آلگتا تھا۔

آپ فرماتی ہیں کہ جب وضعِ حمل کا وقت قریب پہنچا اور مجھ کو خواب میں کسی کہنے والے نے اس کی اطلاع دی کہ اے آمنہ اہم کو مبارک ہو تم خیر الانبیاء کے وجود باجود کی حاملہ ہوئیں اُس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مرنے والے شوہر خواجہ عبداللہ کی نشانی وجود کا خلعت پہننے والی ہے۔ غرض پورے نو مہینے گذرنے پر دردِ زہ محسوس ہوا تو میں دیکھتی تھی کہ ستارے آسمان سے جھکے آتے ہیں اور اندیشہ ہے کہ

مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ چند ساعت کے بعد جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تولّد ہوئے تو مجھ کو اپنے بدن سے ایک نور جدا ہوتا نظر آیا جس نے تمام گھر روشن کر دیا اور وہ نور آسمان کی طرف چڑھا اور مشرق و مغرب کے مابین پھیل گیا جس کے باعث بصرے اور روم کے محل مجھ کو نظر آنے لگے میں نے اپنے پیٹ سے جدا ہونے والے نور نظر پر نظر ڈالی تو سجدہ میں پڑا ہوا پایا۔ آپ کی انگلی آسمان کی جانب اٹھی ہوئی تھی گویا آپ کسی معاملہ میں انتہا درجہ کی عاجزی و انکساری کا اظہار کر رہے ہیں۔ آپ کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، آپ کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں اور آپ کی زبان پر تھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔

اس وقت ملک فارس میں نوشیروان عادل کی سلطنت تھی جس کا لقب "کسریٰ" تھا یکایک اس کا وہ عالیشان اور مضبوط محل جو سو گز اونچا تھا ایک سخت زلزلہ سے لرز اٹھا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اسی رات شاہ کسریٰ نے خواب میں دیکھا کہ چند عربی گھوڑے وحشی زبردست اونٹوں کو کھینچے لئے جاتے ہیں اور نہر دجلہ ٹوٹ کر تمام بلاد میں پھیل گئی ہے۔ معاً آنکھ کھل گئی اور نوشیرواں کے قلب میں ایک قدرتی ہیبت سا گئی۔ کسریٰ صبح کو نہایت پریشان اٹھا لیکن شاہی ہمت و شجاعت کے خلاف سمجھ کر اس قلبی ہیبت کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہوا شرمایا جو رات سے اس کے دل میں پیدا تھی لیکن یہ سمجھ کر کہ کہیں اس خواب کا اثر ظاہر نہ ہونے لگے اس نے دربار عام میں ارا کین سلطنت کو اپنی خواب کہہ سنائی۔

دربار ہی میں خبر پہنچی کہ اہل فارس کے بڑے آتشکدہ کی وہ آگ جو ہزار برس سے جل رہی تھی اور جس کی پرستش تمام پارسی کرتے ہیں، آج رات دفعۃً ٹھنڈی ہو گئی، نہ معلوم کیا سبب ہے؟

اسی وقت حاکم ایلیا کی عرضداشت موصول ہوئی کہ آج کی شب دریائے ساوہ یک لخت خشک ہو گیا۔ اور فوراً ہی دوسری اطلاع طبریہ کے عامل کی آئی کہ آج کی رات طبریہ کے دریا کی روانی بالکل بند ہو گئی اور یہ دریاچہ سوکھ گیا۔

یکے بعد دیگرے ان وحشتناک خبروں نے نوشیرواں کو ڈرا سہا اور مضمحل بنا دیا اور فوراً فارس کے قاضی القضاۃ موبذان کو تعبیر خواب کے لئے بلایا گیا۔ موبذان نے عرض کیا "حضور معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں کوئی بڑا ذی شان شخص پیدا ہوا ہے جس سے نواح عرب میں کسی بڑے حادثہ کے ظاہر ہونے کی توقع ہے۔"

نوشیروان شاہ ایران کی تسلی نہ ہوئی اور اس نے نعمان بن المنذر کے نام فرمان جاری کیا کہ کسی مشہور اور زبردست عالم کو فوراً ہمارے پاس بھیجو۔ چنانچہ ایک جہاندیدہ ڈیڑھ سو برس کی عمر کا زبردست عالم عبدالمسیح نام نعمان کی طرف سے آیا اور اس نے بھی وہی تعبیر بیان کی جو موبذان بیان کر چکا اور

نوشیروان سُن چکا تھا۔ عبدُالمسیح نے دیکھا کہ بادشاہِ وقت کی تسلّی نہ ہوئی اور خواب کی تعبیر سے اطمینان حاصل نہ ہوا اِس لئے عرض کیا کہ جہاں پناہ اگر اجازت ہو تو اِس کی تعبیر میں اپنے ماموں سطیح سے دریافت کروں جو آجکل مُلک شام میں مقیم ہے یقین ہے کہ وہ اِس کی تعبیر قابلِ تسکین دے گا کیونکہ اُس سے بہتر عالم دارالسلطنت میں نہیں ہے۔ غرض شاہی اجازت سے عبدالمسیح، سطیح کے پاس پہنچا لیکن افسوس کہ اُس وقت پہنچا جب کہ وہ نزع کی حالت میں گرفتار اور آخرت کے لیے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔

غنیمت تھا کہ سطیح پر ابھی بیہوشی طاری نہیں ہوئی تھی اِس لئے عبدُالمسیح کو شاہی خواب بیان کرنے اور اپنی سفارت کا کام انجام دینے کی ہمّت ہوگئی چنانچہ سطیح اپنے بھانجے عبدالمسیح کا کلام سُنکر ہمّت باندھ کر اُٹھ بیٹھا اور تمام ماجرا سُنکر کہنے لگا کہ "اے عبدُالمسیح اس رات عرب میں ایک اللہ کا پیارا ذیشان بندہ پیدا ہوا ہے جس وقت شاہی محل کے کنگروں کی مقدار کے موافق یعنی چودہ بادشاہ اِس تخت پر نہ بیٹھ لیں گے اُس وقت تک تو یہ سلطنت بادشاہانِ فارس کی طرف منسوب ہوتی رہے گی لیکن اس کے بعد ایسی کایا پلٹ جائے گی کہ گویا کبھی بابل پر کوئی آتش پرست پارسی قابض ہی نہ ہوا تھا"۔ اِس کے بعد سطیح کا انتقال ہوگیا اور عبدالمسیح نے انوشیرواں کے پاس آکر تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ انوشیرواں یہ سمجھ کر کہ چودہ نسل کی سلطنت ختم ہونے کے لئے مدّتِ مدید اور زمانہ بعید کی ضرورت ہے مطمئن ہوگیا لیکن یہ کسے خبر تھی کہ زمانہ گذرتے کیا دیر لگتی ہے اور یہ باقی ماندہ سلطنتیں کیسی جلد جلد گذریں گی۔ چنانچہ نصف صدی کے اندر یہ سلطنت تمام ہوگئی اور انوشیرواں کی اولاد میں اِس پایۂ تخت کے چودھویں حاکم یزدجرد نے اپنی وسیع سلطنت ۳۱ھ ہجری نبوی میں خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر اپنی جان مَلَکُ الموت کے حوالہ کی۔

عبدُالمطلب اُس وقت کعبہ میں تھے یکایک دیکھا کہ خانۂ کعبہ کی دیواریں دفعۃً جُھک گئیں اور پھر خودبخود سیدھی ہوگئیں۔ یہ تعجب خیز معاملہ دیکھ کر گھر آئے تو ہونہار پوتے کے پیدا ہونے کی خوشخبری کانوں میں پڑی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناف بُریدہ اور مختون پیدا ہوئے اور چونکہ آپکے والد خواجہ عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا اِس لئے آپ کی کفالت آپکے دادا عبدُالمطلب نے اپنے ذمّہ لی اور اِس پر فخر کیا کہ یہ دُرِّ یتیم اور پیارا فرزند ارجمند میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر میرے پاس رہے گا۔ ساتویں روز عبدُالمطلب نے ایک ذبیحہ قربانی کرکے آپ کا عقیقہ کیا اور تمام قریش کی دعوت کی۔ اسی روز آپ کا اسم مُبارک محمد تجویز ہوا۔

باب یازدہم

حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ پلانا اور شق الصدر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سات روز اپنی والدہ آمنہ کا دودھ پیا اور پھر ابولہب کی آزاد شدہ کنیزک ثویبہ نے آپ کو آٹھ دن دودھ پلایا۔ یہ ثویبہ وہی ہیں جنھوں نے آپ کے چچا ابولہب کو آپ کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی تھی اور ابولہب نے اس خوشی میں ان کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔ ثویبہ ہی نے آپ کے دوسرے چچا حضرت حمزہ رضؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضؓ آپ کے رضاعی بھائی ہوئے۔

بعد ازاں خولہ بنت المنذر نے اور پھر حلیمہ کے علاوہ ایک دوسری عورت نے جو قبیلۂ بنی سعد میں سے تھیں اور اس کے بعد تین اور عورتوں نے آپ کو دودھ پلایا جن سب کا نام عاتکہ تھا۔ غرض جب آپ کی عمر شریف کم و بیش ایک ماہ کی تھی تو آپ دائی حلیمہ کی تحویل میں گئے۔

عرب میں قحط کی عالمگیر وبا نے بڑے بڑے متمول سرداروں کے بھی چھکے چھڑا رکھے تھے۔ بارش بند تھی صحرا میں سبزہ کا نام و نشان نہ تھا۔ تمام ریگستان آگ کا تودہ بنا ہوا تھا جس میں سوائے لُو اور تپش کے پھل یا پانی کا پتہ نہ تھا۔ عربی رواج کے موافق قبیلۂ بنی سعد کی عورتیں شیرخوار بچوں کی تلاش اور اجرت پر دودھ پلانے کی غرض سے صاحب ثروت بچوں کی جستجو میں آئی ہوئی تھیں انھیں عورتوں میں ابوذویب کی بیٹی حلیمہ سعدیہ بھی اپنے شوہر حارث بن عبد العزیٰ کے ہمراہ بھوکی پیاسی دبلی پتلی سواری پر سوار ہو کر مکہ میں دوشنبہ کو داخل ہوئیں۔

قریب قریب سب عورتوں نے سرداران مکہ اور متمولان قریش کے بچے لے لئے اور صرف حلیمہ باقی رہ گئیں جن کو کوئی بچہ دلخواہ اور منشاء کے موافق نہ ملا۔

حلیمہ کو خبر لگی کہ سردار مکہ مطلب بن عبد مناف کا پوتہ محمدؐ ابن عبد اللہ کو بھی دایہ کی ضرورت ہے لیکن بچہ یتیم ہے اور باپ کا سایہ سر سے اٹھے ہوئے کئی مہینے ہو چکے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی دایہ ایسی نہ تھی جس پر آپ پیش نہ کئے گئے ہوں مگر آپ کی یتیمی کے سبب کسی نے آپ کو قبول نہیں کیا اس لئے کہ ہر مرضعہ اپنے حق الخدمت کی متوقع ہوتی ہے اور بھرپور معاوضہ باپ ہی سے ملا کرتا ہے۔ حلیمہ حیران تھیں کہ کیا کروں، خالی ہاتھ واپس ہونے کی ہمت تھی نہ یتیم بچہ کو لینے کی رغبت مگر ان کو کیا خبر تھی کہ سلطنت دنیا کو حقیر بنا دینے والی نعمت اور ہر قسم کی دینی و دنیوی برکات کا بھرپور خزانہ کاتب ازل نے ان کی تقدیر میں لکھا ہے جس کو بادل ناخواستہ بھی انھیں منظور کرنا پڑے گا۔ اس لئے حلیمہ نے اپنے شوہر سے

مشورہ لیا اور آخرکار کچھ پس و پیش کے بعد آمنہ کے گھر روانہ ہوئیں۔ یہاں آکر دیکھا کہ یتیم بچہ خواب استراحت میں ہے، اور چمکدار پیشانی سے ایک ایسا نور جلوہ گر ہے جو ہر واقف و ناواقف کے دل میں آپ کی محبت پیدا کرتا ہے۔ آپ کے خداداد حُسن نے حلیمہ کو بھی متحیّر بنا دیا اور بے اختیار انھوں نے نہایت محبّت کے ساتھ آپ کو گُدگُدا کر اپنی آغوش میں لے لیا۔ اِس کے بعد آمنہ خاتون کی اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہوئیں اور قیام گاہ پر آئیں تو سُوکھی ہوئی دونوں پستانوں کو دُودھ سے لبریز پایا کہ آپ کے طفیل میں آپ کا شیرخوار بھائی بھی سیر ہو کر کئی دن کے بعد آرام کی نیند سویا۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم سب گھر والوں کو کئی وقت کا فاقہ تھا اور بچے تک بھوک کی تکلیف سے بلک رہے تھے رات بھر سوئے نہ تھے، بکری کونے میں کھڑی ہوئی تھی جس کے تھن فاقوں کے سبب بالکل خشک اور سُوکھے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی چھاتی میں دُودھ دیکھا تو خاوند سے کہا کہ جاؤ بکری کو بھی دیکھو شاید اس بچّہ کی برکت سے وہ بھی دُودھ دیدے۔ چنانچہ حارث نے تھنوں کو ہاتھ میں لیا تو شیر سے لبریز پایا، خوشی خوشی دُوہا اور سارے گھر نے اچھی طرح سیر ہو کر پی لیا۔ اُس وقت سب پڑ کر میٹھی نیند سوئے اور عسرت و تکلیف کی زندگی کو نعمت و رفاہیت سے بدلا ہوا پا کر بچّہ کی برکت کے معترف ہوئے اس کے بعد ہمیشہ خلافِ معمُول برکت کے وہ آثار ظاہر ہوتے رہے جو حلیمہ کی حیرت اور مسرّت ہر وقت بڑھاتے رہتے تھے۔

صبح ہوتے قافلہ نے کوچ کیا اور حلیمہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگائے اپنے لاغر مرکب پر سوار ہوئیں یہی مرکب تھا جو آج سے دُو دن پہلے چابک پر چابک کھاتا اور مار مار کر ہنکایا جاتا تھا اور آج اس کی صبا رفتاری کا یہ عالم ہے کہ لوگ پیچھے چیخ رہے ہیں کہ حلیمہ ذرا آہستہ چلو آہستہ چلو اور یہ ٹھہرنا نہیں جانتا۔ سب کو حیرت تھی کہ آج اِس گھسٹنے اور مار کھانے والے گدھے کو کیا ہو گیا کہ ہوا سے باتیں کرتا اور پرند کی طرح اُڑتا چلا جا رہا ہے قافلہ سے علیحدہ ہونا خطرناک ہونے کے علاوہ انسانی مروّت کے بھی خلاف تھا اس لئے ہر چند حلیمہ اور حلیمہ کے شوہر باگ کھینچتے اور سواری کو روکتے تھے لیکن اِس وقت تو وہ نبی کا مرکب بنا ہوا کسی دوسرے ہی سہارے پر جا رہا تھا انسان سے یہ مرکب کیسے رک سکتا اور اپنے ہم جنس سواریوں کے مساوی کیونکر رہ سکتا تھا غرض حلیمہ اپنے قبیلہ کی تمام بدوی عورتوں سے پہلے اپنی جائے سکونت یعنی اُس پہاڑی درّے میں پہنچ گئیں جو سلسلۂ طائف سے جنوب کی طرف چلا گیا ہے۔

انھیں دنوں میں وہ قحط بھی رفع ہو گیا جس نے عورتوں کو اپنے پیارے بچّوں کے کھانے تک پر مجبور کر دیا تھا حلیمہ کے مال اور مواشی میں وہ برکت ہوئی کہ تمام قبیلہ حیران تھا۔ ہر صاحب مواشی اپنے چرواہے کو تاکید کیا کرتا تھا کہ اسی جنگل میں چراؤ جس میں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ صبح کو بھوکی کوکھ لگی جنگل کو جاتی

اور شام کو پیٹ بھری دُودھ سے لبریز ہو کر واپس آتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشو ونما دوسرے بچوں کی طرح نہ تھا بلکہ جو بالیدگی اطفال کو ایک برس میں ہوتی تھی اس قدر آپ کو ایک دن میں ہوتی تھی، آپ دوسرے مہینے اشارہ کرنے اور تیسرے مہینے گھٹنیوں چلنے لگے، چوتھے مہینے اُٹھ کر اپنے پاؤں سے کھڑے ہوتے اور پانچویں مہینے ہاتھ دیوار پر ٹیک کر ایک دو قدم چل لیتے تھے۔ چھٹا مہینہ تھا کہ آپ میں طاقتِ خرام آگئی اور ساتویں مہینے تیز رفتاری بھی پیدا ہو گئی۔ آٹھویں مہینے دوڑنے لگے اور نویں مہینے استعدادِ گفتار پیدا ہو گئی۔ دسویں مہینے فصیح اور دل آویز گفتگو کرنے لگے اور گیارھویں مہینے باتوں کا دانشمندانہ جواب دینے اور تیر و کمان لیکر جنگل میں بچوں کے ساتھ جانے لگے۔ بارھواں مہینہ تھا کہ آپ اپنی عُمر سے کئی حصّہ بڑے لڑکوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتے تھے اور طبعی جُرأت و دلیرانہ قوت سے ہوشیار بچوں کو پسپا کر دیتے تھے۔

جس وقت سے آپ میں طاقتِ گفتار پیدا ہوئی، کوئی چیز آپ نے بسم اللہ کہے بغیر ہاتھ میں نہ لی آپ کو کبھی بستر پر بول و براز کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوئے۔

حلیمہ سعدیہ کو ہمیشہ اس بات پر فخر رہا کہ میرے ہونہار منصف مزاج بچہ نے کبھی بائیں پستان کا دُودھ نہیں پیا کیونکہ پہلے روز آپ کو دائیں پستان سے لگایا گیا اور بائیں جانب کی پستان حلیمہ کے بیٹے مسرود کے لئے رہی تھی چنانچہ جبتک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دُودھ پیا تو ہمیشہ اِس تقسیم کا خیال رکھا اور گویا بچپن کے عہد کا نباہ فرمایا۔

دوسرے برس کے اختتام پر آپ کا دُودھ چھڑایا گیا اور تیسرے سال حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آئیں تاکہ آمنہ خاتون کا دُرِّ فرید اُن کے حوالہ کریں۔

حلیمہ سمجھ چکی تھیں کہ میرے گھر کی تمام خیر و برکت محمدؐ ہی کی وجہ سے ہے اور قبیلہ بنی سعد کا تمام جنگل اسی بچّہ کے فیضان سے آباد و فیض یافتہ ہے اِس لئے آمنہ خاتون سے درخواست کی کہ "بی بی اگر آپ اس لاڈلے نورِ نظر کو تا حینِ بلوغ میرے ہی پاس رہنے دیں تو میں آپ کی احسان مند رہوں گی"۔

مکّہ میں اُن دنوں وبا کا چرچا تھا اور بہتیرے آدمی چھیچ رہے تھے۔ صبح کو تندرست اُٹھے اور شام کو راہی دارالبقا ہوئے شام کو اچھے بھلے سوئے اور صبح ہوتے ہی خبر سُنی گئی کہ فلاں شخص مر گیا۔ اس نازک وقت میں آمنہ خاتون نے غنیمت جانا کہ پیارے بچہ کو اِس آفت سے محفوظ رہنے کے لئے حلیمہ ہی کے پاس چھوڑ دینا مصلحت ہے غرض آمنہ خاتون نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگا لیا اور حلیمہ کے اصرار و نیز وبا کے اندیشہ سے حلیمہ کی درخواست منظور فرما کر اجازت دیدی کہ چند روز اپنے پاس محمدؐ کو اور رکھو۔ حلیمہ سعدیہ خوشی خوشی آپ کو لے کر اپنے گھر واپس آئیں اور روز بروز برکت کے اثر زیادہ دیکھ کر آپؐ کو دل سے پیار اور آپ پر جان تک نثار کرنے لگیں۔

تیسرے برس آپ نے درخواست کی کہ "اماں ہم کو بھی اجازت دیجیے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل جایا کریں" اور گو حلیمہ سعدیہ کو یہ مفارقت گوارا نہ تھی لیکن آپ کی دل شکنی کے اندیشہ سے انکار بھی نہ کیا اور صبح کو آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل روانہ ہوئے وہاں فرشتوں نے آپ کو زمین پر لٹا کر جبریل امین نے سینہ مبارک چاک کیا اور آپ کا دل نکال کر صاف کیا وہ سیاہ خون جو بنی آدم میں زمانہ آدم علیہ السلام سے پُشت در پُشت چلا آتا ہے اور درحقیقت گناہ کی وہی اصل و بنیاد ہے نکال پھینکا۔ پھر آپ کے دلِ عرش منزل کو معرفت و نبوت کا نور بھر کر اپنی جگہ رکھ دیا اور سینہ برابر کر دیا اور ٹانکے لگا دیئے۔ سیون کی سیاہ دھاری آپ کی چنبر گردن سے ناف تک مدت العمر باقی رہی۔ یہ کیفیت دیکھ کر حلیمہ کا لڑکا مسرود لرزتا کانپتا اور دوڑتا ہانپتا ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اماں! جلد دوڑو دیکھو ہمارے قریشی بھائی کو سنسان میدان میں دو سپید پوش آدمیوں نے پکڑ لیا اور جنگل میں لٹا کر پیٹ پھاڑ ڈالا۔

یہ وحشت اثر خبر سنکر حلیمہ اپنے شوہر حارث کو ہمراہ لے کر روتی ہوئی اُس جانب روانہ ہوئیں حلیمہ کا رنج و پریشانی کے مارے بُرا عالم تھا۔ پیر رکھتی کہیں تھیں اور پڑتا کہیں تھا۔ چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں رنگ فق تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ہائے افسوس میں لُٹ گئی۔ لوگو! میری چار برس کی کمائی برباد ہوگئی اور میں مکہ جانے کے قابل بھی نہ رہی، اب آمنہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔

حلیمہ پریشان و سراسیمہ جنگل میں پہنچیں اور دیکھا کہ ایک ہرے بھرے درخت کے نیچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و سالم بیٹھے ہیں۔ حلیمہ نے دوڑ کر آپ کو چھاتی سے لگایا اور نورانی رخساروں پر بوسے لے کر اپنی بے قراری بیان کی۔ آپ نے تمام قصہ من و عن بیان فرما کر سب کی تسلی کی۔ اور فرمایا کہ نہیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں

گو اُس وقت حلیمہ کے بے چین دل کو تسکین ہوگئی لیکن یہ خیال پیدا ہوگیا کہ اِس خطرناک حالت میں آمنہ کے نونہال کو اپنے پاس رکھنا نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بننا ہے۔ حلیمہ کے شوہر حارث نے بھی اپنی بی بی سے کہا کہ تم جاؤ اور عبد المطلب کی امانت عبد المطلب کے حوالہ کر آؤ کیونکہ کسی آسیب کے خلل اور بھوت یا پری کے سایہ سے پہلے پہلے آمنہ کا لاڈلا بچہ آمنہ کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔

آپ کی عمر کچھ کم چار برس کی تھی کہ حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آئیں اور آمنہ کو شق القدر کا خوفناک ماجرا سُنا کر درخواست کی کہ محمد کو لیجیے اور مجھ کو واپس ہونے کی اجازت مرحمت فرما دیجیے۔ آمنہ مسکرائیں اور یہ کہہ کر چُپ ہو رہیں کہ اس ذی شان ہونہار بچہ پر آسیب یا جنوں کا اثر نہیں ہو سکتا۔

آپ کے دادا عبد المطلب نے حلیمہ سعدیہ کو ایک ہزار اونٹنی اور پچاس رطل سونا حقِ خدمت گذاری میں بطورِ انعام دے کر نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ اور آپ اپنی ماں بی بی آمنہ کے پاس

ام ایمن کی پرداخت میں ہے جو درحقیقت خواجہ عبداللہ کی لونڈی تھیں اور آپ کو ترکۂ پدری میں ملی تھیں ؞

باب دوازدہم

آمنہ وعبدالمطلب کا انتقال اور آپ کا شام کی جانب پہلا سفر

آپ کو چھٹا سال تھا کہ آمنہ خاتون نے اپنے خسر عبدالمطلب سے چند روز کے لئے اپنے میکہ قبیلۂ بنی نجار میں جانے کی اجازت لی اور ام ایمن کو مع محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کر مدینہ پہنچیں۔ ممکن ہے کہ بی بی آمنہ کا یہ سفر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دادھیال قبیلۂ بنی عدی بن نجار کی جانب ہو کیونکہ عبدالمطلب ابن ہاشم کی والدہ سلمیٰ بنتِ عمر اسی قبیلہ کی تھیں اور ان کے سارے رشتہ دار عبدالمطلب کی ننھیال اور اور ان کی اولاد کی دادھیال ہوئے۔ واللہ اعلم

عبدالمطلب کو کیا معلوم تھا کہ بہو کا یہ سفر سفرِ آخرت کی تمہید ہے کیونکہ آمنہ خاتون مدینے میں ایک ماہ ٹھہر کر مکہ واپس ہوئی تھیں کہ راستہ میں موضع دوان کے قریب ابوا مقام میں راہیِ ملکِ بقا ہو کر وہیں مدفون ہوئیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی دایہ ام ایمن لے کر مکہ پہنچیں۔

آپ کو والدین کے کنارِ عاطفت میں جو بچپن کے لئے ایک بڑی نعمت ہے تربیت پانے کا اتفاق نہ ہوا کیونکہ چھٹے سال کے ختم ہونے سے پہلے آپ بے ماں کے بھی ہو گئے اور آپ کو ام ایمن نے عبدالمطلب کے پاس مکہ پہنچا دیا۔ عبدالمطلب کا زخمی دل اس عالمِ ضعیفی میں چند سال ہوئے ساری اولاد سے پیارے بیٹے عبداللہ کا صدمہ اٹھا ہی چکا تھا اور اس اتفاقیہ لائق بہو کے انتقال نے رہا سہا اور کمر کو شکستہ کر دیا۔ عبدالمطلب آٹھ آٹھ آنسو روئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے لگا کر بیٹے کا جانشین سمجھا اور درحقیقت محبت وحفاظت میں کوئی دقیقہ باقی بھی نہیں چھوڑا لیکن مشیتِ ایزدی کچھ اسی طرح واقع ہوئی تھی کہ خواجہ عبدالمطلب کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہوتا جاتا تھا۔

عبدالمطلب مکہ کے حاکم تھے اور ان کے لئے حرم شریف میں کعبہ کے نیچے فرش بچھایا جاتا اور اس ممتاز جگہ پر جس وقت آکر بیٹھتے تو ان کی ساری اولاد اس کے کنارے اردگرد آبیٹھا کرتی تھی سردارانِ مکہ یا اولادِ عبدالمطلب میں کسی کی ہمت نہ تھی کہ فرش پر آکر بیٹھتا یا قدم رکھتا البتہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بزمانہ طفولیت تشریف لاتے تو بے تکلف اس فرش پر جا بیٹھتے تھے ہرچند کہ آپ کے چچا تائے آپ کو وہاں سے ہٹاتے اور پیچھے بٹھانا چاہتے تھے مگر عبدالمطلب آپ کی اس جرأت کو بہ نگاہِ شفقت دیکھتے اور اپنے بچوں سے کہتے کہ رہنے دو رہنے دو تمہیں کیا خبر کہ یہ بچہ کس مرتبہ کا ہے یہ کہہ کر آپ کی کمر ٹھونکتے

سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے اور اپنے پاس بٹھالیا کرتے تھے۔

ساتویں سال آپ کی آنکھیں خوش کر آئیں اور عبد المطّلب دوائی علاج سے افاقہ نہ دیکھ کر آپ کو ایک راہب کے پاس لائے جو اپنے گرجا میں دروازہ بند کئے بیٹھا تھا۔ عبد المطّلب نے دستک دے کر اُس کو پُکارا۔ لیکن راہب نے جو خلوت میں بیٹھا اپنی مذہبی عبادت میں مشغول تھا جواب تک نہ دیا۔ چند ہی منٹ گذرے تھے کہ کلیسہ کو سخت زلزلہ آیا اور راہب گھبرا کر بدحواسی کے عالم میں جھٹ دروازہ کھول باہر آ کھڑا ہوا۔ عبدُ المطّلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے کیا اور آنکھوں کا علاج چاہا۔ راہب سمجھ چکا تھا کہ کلیسہ کا لرز اُٹھنا میرے ایک ذی رُتبہ حاجتمند شخص کے بُلانے پر بھی باہر نہ آنے کی وجہ سے تھا اس لئے فوراً ہی راہب نے غسل کیا اور اندر سے ایک پاک صحیفہ نکالا اس کو کھول کر پڑھنا شروع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدیم پیشین گوئیاں آپ کے چہرے سے مطابق کرکے عبدُ المطّلب سے کہنے لگا کہ "اے عبدُ المطّلب یہ لڑکا پیغمبر آخر الزماں ہونے والا ہے، اگر میں گرجا سے ذرا دیر اور نہ نکلتا تو یقیناً کلیسہ مجھ پر گر جاتا، میں اللہ کے رسول کا کیا علاج کر سکتا ہوں، جاؤ اور انہیں کا لعابِ دہن ان کی آنکھوں کو لگا دو اور ہمیشہ اس ہونہار کی خبر گیری کو سبب عزت سمجھو" عبد المطّلب آئے اور لعابِ دہن مبارک دُکھتی آنکھوں کو لگایا چنانچہ شفا ہوگئی اور پھر آپ کو آنکھیں دُکھنے کی تکلیف نہ ہوئی۔

آمنہ خاتون سے دو سال دو ماہ اور دس یوم بعد جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی عبدُ المطّلب ایک سو بیس برس کی عمر میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حسرت بھری شفقت بھری نظر سے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اسی وقت اپنی اولاد کو بُلا بھیجا تاکہ آپ کو ان پر پیش کریں اور جس کی تربیت میں آپ بخوشی رہنا چاہیں اپنی زندگی میں اس کے حوالہ کرکے خیر خواہی و خبر گیری کی وصیت کر دیں۔ چنانچہ بوجوہات چند در چند ابو طالب اس خدمت کے اہل سمجھے گئے۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو انتخاب فرمایا اور چونکہ ابو طالب آپ کے والد عبد اللہ کے حقیقی بھائی تھے کیونکہ دونوں کی ماں فاطمہ بنت عمر ایک ہی تھیں اس لئے عبد المطلب کو بھی دُرِّ یتیم کی کفالت کے لئے یہی بھلے معلوم ہوئے اور عبد المطّلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے حوالہ کرکے اس طرح وصیت کرنی شروع کی کہ،

"اے ابو طالب! یہ دُرِّ یتیم نہیں جانتا کہ باپ کی آغوش کا کیا لُطف اور ماں کی تربیت کا کیا مزہ ہوتا ہے۔ اِس گوہر یکتا کی خدمت درحقیقت خوش نصیبی ہے۔ افسوس میں اِس دولتِ عظمیٰ سے زیادہ مدت بہرہ یاب نہ ہو سکا۔ تجھ کو مناسب ہے کہ اس کو اپنی اولاد سے زیادہ سمجھ کر اس برتاؤ سے کام لے جس کے باعث یہ مجھ کو بھی بھول جائے"

عبد المطلب نے یہ کہکر آہِ سرد کھینچی اور محبت کی آخری نگاہوں سے ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر نظر نیچی کرلی اور اس کا جواب بھی نہ سُنا تھا کہ ناک کا بانسا پھر گیا، آنکھیں پتھرا گئیں، جلد جلد سانس آنے لگا گویا وہ حالت طاری ہوگئی جو آخرت کا دشوار گذار راستہ طے کرنے والے پر نمایاں ہوتی ہو

اسی سال ایران کا مشہور بادشاہ نوشیروانِ عادل مرگیا اور اسی برس شہرۂ آفاق کریم و سخی حاتم طائی نے قضا کی، گویا دونوں نام آور شخص عبد المطلب سردارِ مکّہ کے شریکِ سفر ہوئے۔

درحقیقت ابوطالب نے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا حق ادا کردیا اور باپ کی آخری وصیّت ہر وقت نظر کے سامنے رکھی۔ آپ کو ہمیشہ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے اپنے پاس سُلاتے ہر جگہ اپنے ہمراہ لے جاتے اور ہر وقت میٹھی باتوں سے آپ کا دل بہلاتے رہتے تھے۔

ابوطالب علاوہ اس بزرگی جو خانۂ کعبہ کی تولیت کے سبب ان کو حاصل تھی، قریش کے بڑے تاجر اور خصوصاً اس قافلہ کے معاون تھے جو ملک شام سے یمن کی طرف جاتا اور آپکے جدِّ امجد ہاشم کا جاری کیا ہوا تھا۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک نو برس کا تھا کہ ابوطالب نے ملک شام کے سفر کا قصد کیا اور مصائبِ سفر کے خیال سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لڑکوں کے ساتھ مکہ میں چھوڑ جانا چاہا جب ابوطالب اونٹ پر سوار ہونے لگے تو حضرتؐ ان کے زانو سے لپٹ کر رونے لگے اور کہا کہ چچا مجھے یہاں کس پر چھوڑے جاتے ہو؟ یہ سُنکر ابوطالب کا دل بھر آیا اور آپ کو اس سفرِ تجارت میں اپنے ساتھ لے لیا اور دونوں چچا بھتیجوں نے ملک شام کی طرف باگ اُٹھادی۔

سرحدِ شام پر شہر بصریٰ کے قریب قافلہ ٹھہرا اور اس جگہ بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی جو ابوطالب کا دوست اور اپنے مذہب نصرانیت کا بڑا زبردست عالم تھا۔

بحیرا گرجا میں بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ آپؐ پر ابر سایہ کئے ہوئے ہے اور درختوں کی ٹہنیاں آپ پر جھکی پڑتی ہیں۔ اِس سے قبل یہ خلوت گزیں راہب کسی آئندہ و روندہ مسافر سے بات بھی نہ کرتا تھا مگر اب کی بار بحیرا نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور کہلا بھیجا کہ اے جماعتِ قریش مناسب ہے کہ بچّے اور بوڑھے حُر اور غلام تم سب ہی آؤ اور میری دعوت میں شریک ہو۔ چنانچہ سب گئے اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچّہ ہونے کے سبب قافلہ میں درخت کے نیچے بٹھا گئے۔ جس وقت بحیرا نے دیکھا کہ قریش آگئے مگر وہ نور و برکت نہیں ہے جس کی توقع میں دعوت ہوئی تھی تو دریافت کیا کہ کس کو چھوڑ آئے ہو چنانچہ حضرتؐ بُلائے گئے اور آپ کو بحیرا نے نہایت شوق و عظمت کے ساتھ اپنی گود میں بٹھا لیا آپ کی پشت پر مُہرِ نبوّت دیکھی اور ابوطالب سے آپ کا نام اور بچپن کے کُل حالات بھی دریافت کئے۔ غرض

انجیل شریف کی بشارتوں کے بالکل موافق پاکر آپ کے نبی آخر الزمان ہونے سے ابوطالب کو مطلع کیا اور بڑے زور سے نصیحت کی کہ خبردار ابوطالب اِن کو ملک شام میں نہ لے جانا، یہودی دیکھ پائیں گے تو بُری طرح پیش آئیں گے اور آئندہ ہر جگہ اور ہر وقت اِس لڑکے کی حفاظت کرتے رہنا کیونکہ یہ اپنے ملک کا آزاد کرنے والا اور اپنے زمانہ میں نبی ہوگا۔ چنانچہ ابوطالب نے اپنا سفر جلد ختم کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بعافیت مکّہ واپس ہوئے۔ غرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی تربیت میں پرورش پاتے اور چچازاد بھائی علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ دِل بہلاتے رہے ؛

باب سیزدہم

امین کا خطاب اور مُلک شام کا دُوسرا سفر

نخلہ اور طائف کے مابین شہر فتق کی طرف بڑے میدان میں ایک بازار لگتا اور میلہ ہوتا تھا اِس مشہور بازار کا نام سُوقِ عکاظ تھا اس میں دُور و نزدیک کے قبیلے جمع ہوتے اور خرید و فروخت کرتے اور اپنے آباو اجداد کی فضیلت کے فخریہ اشعار بآوازِ بلند پڑھ پڑھ کر ایک دوسرے پر تفاخر ظاہر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اسی قسم کی جہالت آمیز باتوں میں اکثر کٹ مرتے تھے۔ برسوں لڑائیاں چھنتی اور ہزاروں خون ہو جایا کرتے تھے۔

اِسی قسم کی لڑائی کنانہ و قریش اور بنی ہوازن کے درمیان چھڑ گئی اور کامل نو برس تک ٹھنی رہی اِن لڑائیوں میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن چودہ[۱۴] پندرہ[۱۵] برس کا تھا مگر اپنے چچا کے ساتھ ملکر شریک ہوئے اور آپنے لوگوں پر ثابت کر دکھایا کہ محافظینِ کعبہ کے خاندان میں آپ بھی ایک نبرد آزما اور دلیر شخص ہیں کیونکہ آپ اپنے چچا زبیر کو تیر دل کے دینے اور وقت پر ڈھال و تلوار حوالے کرنے میں بڑی پھرتی کے ساتھ اپنی جوانمردی کا اظہار کر رہے تھے۔ اِس جنگ کا نام عرب میں حربُ الفجار کے نام سے مشہور ہے۔

گو آپ نے اس زمانہ سے پچیس[۲۵] برس کی عُمر تک کوئی ایسا مشہور رفاہِ عام کا کام نہیں کیا جس کو تخصیص کے ساتھ بیان کیا جائے تاہم آپ کی رحمدلی، اخلاق، وفاداری، سچائی، دیانتداری نیک چلنی، غربا نوازی، قومی ہمدردی اور انصاف پسندی نے آپ کو ہر دلعزیز بنایا اور قوم سے "امین" کا خطاب دلایا۔

عبدالمطلب کا تمام خاندان متموّل اور شریف مکّہ سمجھا جاتا تھا لیکن عزت و آبرو کے مصارف

اور آمدنی سے زیادہ امیرانہ خرچ نے اِس خاندان کی حالت عرصہ ہوا کمزور کردی تھی اور خصوصاً ابوطالب کثرتِ عیال کے سبب اور بھی زیادہ فکرِ معاش میں پریشان و مغموم رہتے تھے۔

ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہنے لگے کہ بھتیجے اگر تم بھی خدیجہ سے مالِ تجارت لے کر ملک شام کی طرف جاؤ اور میرے بارِ فکر کو ہلکا کرو تو بہتر ہے کیونکہ میرا حال اس وقت یک انار صد بیمار کا مصداق ہے اور میری نظر تمھاری ہی جانب جاتی ہے کیونکہ تم سچائی وصفائی معاملات میں مشہور اور برکت وخوارقِ عادات کے مظہر ہو اور ایسی حالت میں خدیجہ کا تم کو مال دیدینا کوئی مشکل بات نہیں ہے، اور امید ہے کہ تمھارے معاملہ میں برکت بھی ہوگی۔

خدیجہ مکّہ میں قومِ قریش کی ایک مالدار بیوہ عورت نہایت حسینہ اور عاقلہ تھیں، اِن کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان کے آخری شوہر بھی جو بڑے متموّل مشہور تاجر تھے انتقال کر چکے تھے اِس لئے اِن کو اپنی تجارت کی ترقی کے لئے تنخواہ اور حصّہ منافع کی صورت پر مالِ تجارت دینے کو دیانت دار اور امین آدمیوں کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔

خدیجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و تدیّن کے حالات خود بھی سُن چکی تھیں اور اپنے بھتیجے فہیم کی زبانی آپ کے ذاتی اوصافِ حمیدہ پورے طور پر اُن کے ذہن نشین ہو گئے تھے اِس لئے وہ بطورِ خود آپ کی خواہشمند تھیں اور اتفاقاً جب کہ ابوطالب کا یہ خیال بھی خدیجہ نے سُن پایا تو اپنی طرف سے خدیجہ کو درخواست کرنے میں بھی کچھ تامّل نہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ اگر محمد اس کام میں مشغول ہوں گے تو میں ان کو دوسروں کی بہ نسبت المضاعف اُجرت دوں گی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے خاص غلام میسرہ اور ایک عزیز خزیمہ بن حکیم کی ہمراہی میں مالِ تجارت لے کر خدیجہ کی طرف سے مُلکِ شام روانہ ہوئے اور اِس مرتبہ بصرہ کے قریب بحیرا کے قائم مقام نسطورا راہب سے ملاقات ہوئی اور نسطورا نے آپ کا جمال باکمال دیکھ کر جسم کی دیکھ بھال شروع کی اور آخر پکار اُٹھا کہ ہو نہ ہو یہی نبیِّ آخر الزّماں ہیں۔ دیکھو یہ درخت جس کے نیچے محمد بیٹھے ہیں وہ مبارک درخت ہے جس کے نیچے نبی کے سوائے کوئی دوسرا آدمی کبھی نہیں بیٹھا۔

غرض آپ مالِ تجارت میں دوچند نفع پیدا کر کے واپسی میں دوپہر کے وقت مکّہ کے اندر داخل ہوئے چنانچہ خدیجہ نے جو اپنے بالاخانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں دُور سے آپ کی جہاں آرا صورت دیکھی اس وقت آپ کے سر پر نورانی غیبی پرند ٹکڑی باندھے سایہ کئے ہوئے تھے اس کے بعد خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ سے حالاتِ سفر اور آپ کی عجیب کرامتیں اور نسطورا کا قول بھی سُنا تو آپ کے

ساتھ نکاح کرنے کا خیال دل میں پیدا ہو گیا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ربّ المال کے حوالے کیا اور اپنا حق جو معاملہ مقررہ میں آپؐ کو خدیجہ کی طرف سے دیا گیا، لے کر اپنے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور اپنی کمائی ان کے سامنے رکھ دی۔

یہ پہلا اتفاق تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے ذریعہ سے حلال مال طلب فرمایا اور اپنے مُربّی و مُحسن چچا کو اپنا بڑا سمجھ کر اس سعادت مندی کا ثبوت دیا جو ہر شریفُ النّسل کو زیبا ہے ✣

باب چہاردہم

خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح!

خدیجہ نے اپنے خاوند ابو ہالہ کے انتقال پر ایک شب خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور وہ روشن ماہتاب میرے گھر میں اُتر آیا اُس کا نور تمام گھر میں پھیل گیا اور مکّہ کا کوئی گھر ایسا باقی نہ رہا جس میں اس کے عالمتاب نور کی روشنی نہ گئی ہو۔ جب آنکھ کھلی تو خواب کی تعبیر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے پوچھی جو توریت کے زبردست عالم تھے۔ ورقہ نے کہا کہ تم نبی آخر الزّماں کے نکاح میں آنے والی ہو اس لئے باوجودیکہ اکثر متموّلانِ قریش اور سردارانِ عرب خدیجہ کے ساتھ نکاح کرنے کے خواہشمند تھے لیکن خدیجہ کوئی رشتہ منظور نہیں کرتی تھیں۔

بی بی خدیجہ جس طرح مال کے اعتبار سے اپنی قوم میں افضل تھیں اسی طرح شرافتِ نسب کے لحاظ سے بھی ممتاز و اشرف تھیں کیونکہ آپ کا نسب باپ کی طرف سے یاں ہے یعنی کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔ نویں پشت پر اور ماں کی طرف سے یاں وجہ کہ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن اصم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوئی دسویں پشت پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی دسویں پشت کے ساتھ لوی بن غالب بن فہر پر جا ملتا ہے۔ بی بی خدیجہ کی نانی کا نام ہالہ بنت عبد مناف بن حرث بن عمر بن منقذ بن عمر بن معیص بن عامر ابن لوی ہے اور ہالہ بنت عبد مناف کی والدہ کا نام قلابہ بنت سعید بن سعد بن سہم بن عمر بن معیص ابن کعب بن لوی ہے۔

میسرہ کی زبانی سفرِ شام کے حالات سُن کر خدیجہ کے دل میں خیال گذرا کہ معلوم ہوتا ہے میری خواب کی سچائی کے واقع ہونے کا وقت آگیا اور کیا عجب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی نبوت کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے، مجھے اپنی زوجیت میں قبول کرلیں اس لئے تاخیر کو خلافِ مصلحت سمجھ کر خود ہی اپنے نکاح کا پیام دیا اور ایک عورت نفیسہ نام کی معرفت ابو طالب کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد مجھ سے نکاح کرنا چاہیں

تو میں راضی ہوں کہ اپنے نفس کو اُن کی زوجیت میں دوں اور اس شرف و فضیل کو اپنی عزت سمجھوں۔

ابوطالب کو خود بھی خیال تھا کہ آپ کا کسی شریف زادی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے اس لئے اِس موقع کو غیبی نصرت سمجھ کر فوراً راضی ہو گئے اور حمزہ بن عبدالمطلب آپ کو لے کر خدیجہ کے والد خویلد بن اسد کے پاس آئے تاکہ باقاعدہ ادھر سے پیام دیا جائے۔ چنانچہ منگنی اُن کے باپ کی مرضی سے اور بروایتے باپ کے انتقال ہو جانے کے سبب بی بی خدیجہ کے چچا عمر بن اسد کی تولیت سے چارسو درہم مہر پر حضرت خدیجہ کو پیغمبر آخر الزمان کے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ اِس تقریب سے فارغ ہونے کے بعد ابوطالب نے ایک اونٹ کا ولیمہ کیا اور تمام سرداران مکہ اور اشرافِ قریش کی دعوت کی۔

خدیجۃ الکبریٰ کی عمر اُس وقت چالیس برس کی تھی لیکن تناسبِ اعضا، اور قدرتی حُسن کے سبب جوان معلوم ہوتی تھیں۔ اِنھیں کے عفّت مآب بطن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں، رقیہ رضؓ۔ زینب رضؓ۔ اُم کلثوم رضؓ۔ فاطمہ رضؓ اور چار صاحبزادے عبداللہ طیب طاہر اور قاسم تولّد ہوئے۔ البتہ ایک صاحبزادے ابراہیم ماریہ قبطیہ رضؓ سے پیدا ہوئے جو شاہِ اسکندریہ مقوقس نے آپ کو ہدیۃً بھیجی تھی۔ بعض مورّخین نے لکھا ہے کہ طیب اور طاہر قاسم ہی کا لقب ہے جن کے نام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ کو بی بی خدیجہ رضؓ سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور جب تک بی بی خدیجہ رضؓ زندہ رہیں آپ نے نکاح ثانی کا خیال بھی نہیں کیا۔ اِس عقد سے آپ کی عزت ہم وطنوں میں اور زیادہ ہو گئی اور آپ نے سسرال کی تمام ریاست کو نہایت معقول انتظام اور طبعی لیاقت کے ساتھ تھام لیا۔

اِس کے بعد آپ حوائجِ ضروری سے آزاد ہونے کے سبب ہمہ تن رُوحانی ترقی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ کی مرضعہ حلیمہ سعدیہ نے بھی آکر اپنی غربت کا حال بیان کیا اور حضرت خدیجہ رضؓ نے اُن کی چالیس بکریوں سے مدد کی۔

باب پانزدہم

حلف الفضول اور کعبہ کی تعمیر!

عبدالمطلب کے بعد مکہ کی حکومت چونکہ کم و بیش تقسیم ہو گئی تھی اِس لئے کوئی عدالت یا محکمہ ایسا نہ رہا جس سے عام باشندوں کے مال اور حقوق کی حفاظت رہتی۔ حرمِ مکہ میں وہ بے ضابطگی اور بدعنوانی

پھیل گئی جس نے دن دھاڑے برملا ایسی حرکتیں سرزد کرانی شروع کردیں جن کو سنکر ہر وہ انسان جس کے دل میں تھوڑی سی بھی انسانیت ہو کانپ اُٹھے۔

یہ ظلم کا عالم دیکھ کر مکّہ کے بڑے خاندانوں یعنی بنو ہاشم، بنو مطلب، اسد بن عبد العزیٰ، زہرہ ابن کلاب اور تیم وغیرہ میں "حلف الفضول" کے اِس معاہدہ کی تجدید و توثیق کا خیال پیدا ہوا، جو فضیل بن حارث ابن وداعہ قطوری نے قائم کیا تھا یعنی یہ کہ کمزور اور مظلوم بندگانِ خدا کی سرپرستی اور اعانت کی جائے اور جس پر بھی حرم میں زیادتی دیکھی یا سُنی جائے اُس کی دستگیری اپنا فرضِ منصبی سمجھا جائے چنانچہ یہ لوگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور باہم قسما عہدی کرکے یہ معاہدہ مکمل کیا اِس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف شریک ہی نہیں ہوئے بلکہ اس معاہدہ کا استحکام درحقیقت آپ ہی کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کی عُمر شریف پینتیس ۳۵ سال کی تھی کہ اہلِ مکّہ میں خانۂ کعبہ کو ازسرِ نو تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ موجودہ خانۂ کعبہ بناءِ ابراہیم پر غیر مسقف قائم تھا اور اُس کی دیواریں چھوٹی تھیں بارش کا پانی اندر آجاتا تھا اور اس مقدس مکان میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اِس کے علاوہ کعبہ میں نذر و نیاز کی بیش قیمت اشیاء کا کچھ حصّہ خاندان بنی ملیح بن عمر کے غلام دُوَیک نامی شخص کے پاس پایا گیا جس سے پتہ چلا کہ خزانۂ بیت اللہ میں چوری ہوئی اور یہ غلام یا چوری میں شریک تھا اور یا چوروں نے اُس کے پاس مال امانۃً رکھ دیا بہر حال اس کی حفاظت بھی آئندہ کے لئے ضروری سمجھتے تھے اِس لئے کم و بیش ہر شخص تعمیرِ بیت اللہ کا خواہاں اور خواہشمند تھا۔

اُنھیں دنوں جدّے کے کنارے کسی بڑے تجارتی جہاز کے ٹوٹ کر تباہ ہو جانے کے سبب لکڑی اور لوہے کا سامان مُفت ہاتھ لگ گیا تھا اِس لئے اِس خیال میں پختگی پیدا ہوگئی۔ لیکن اس کنویں میں جس کے اندر خانۂ کعبہ کی نیاز اور نذریں قبولیت کی اُمید پر ڈالدی جاتی تھیں، ایک زہریلا خونخوار اژدہا رہتا تھا جس کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کو کنویں سے نکل کر کعبہ کی دیوار پر آبیٹھتا اور جو کوئی اس کے پاس جاتا وہ پھن اُٹھاتا اور مُنہ پھاڑ کر اس پر حملہ آور ہوتا تھا اس لئے رہی سہی ہمتیں پست ہوگئیں اور کسی نے خانۂ کعبہ کے پاس جانے کا نام نہ لیا۔

اللہ کی شان ایک روز صبح کے وقت وہ اژدہا حسبِ معمول دیوار پر بیٹھا اپنی خوفناک نظروں سے اہلِ مکّہ کو خوف زدہ بنا رہا تھا کہ دفعۃً ایک پرندہ آسمان سے اُترا اور اژدہے کو اپنے سخت پنجوں میں داب کر اُڑا لے گیا۔ اس وقت مکّہ کے ہر فرد بشر کا خوف زدہ دل مطمئن ہوا اور جگہ جگہ تذکرے ہونے

لگے کہ ربّ البیت کو اپنے گھر کا دوبارہ تعمیر کرانا چونکہ منظور ہے اس لئے اس بلائے بے درمان سے قدرتی طور پر ہم کو نجات ملی، تاہم یہ کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ محترم گھر کی دیوار پر کھڑا ہو اور اُس پر پھاوڑا چلائے۔

ایک بار ابو وہب بن عمر نامی ایک شخص جرأت کرکے آگے بڑھے اور بیت اللہ کا ایک پتھر اکھاڑ کر زمین پر ڈالنا چاہا بھی مگر کامیابی نہ ہوئی کیونکہ پتھر ابو وہب کے ہاتھ سے چھوٹ کر دوبارہ اپنی جگہ جا چسپاں ہوا گویا کسی نے چھین کر اس کو اس کی جگہ پہنچا دیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر رہی سہی ہمت سب کی جاتی رہی اور یہ خیال ذہن میں جم گیا کہ حق تعالیٰ کا گھر تعمیر کرنا ہر شخص کا کام نہیں چند روز اسی حالت پر گذر گئے کہ کبھی تعمیر بیت اللہ کی ہمت باندھتے اور کبھی مایوس ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے جو ایک دل چلا بہادر جوان تھا، اس کا بیڑہ اُٹھایا اور پھاوڑا لے کر یہ کہتا ہوا کعبہ کی دیوار پر جا چڑھا کہ "یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہماری نیت بجز بھلائی کے اور کچھ نہیں اور ہم تا امکان تیرے گھر کا ادب پورا ملحوظ رکھ کر اس خدمت کو انجام دیں گے"۔ یہ کہہ کر ولید نے سب سے پہلے رُکنِ یمانی کے متصل پھاوڑا چلایا اور خانہ کعبہ کو شہید کرنا شروع کر دیا۔

رات بھر باشندگانِ مکہ اس کے منتظر رہے کہ دیکھو ولید پر کوئی آسمانی آفت نازل ہوتی ہے یا نہیں اور صبح ہوتے جب دیکھا کہ ولید پھاوڑا لئے ہوئے ہنستا اور خوش ہوتا کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب نے مل کر بنیادوں تک خانہ کعبہ کو شہید کر دیا۔

یہ بات پہلے طے ہو چکی تھی کہ لُوٹ کھسوٹ یا کسی کا ناجائز پیسہ کعبہ کی تعمیر میں ہرگز نہ لگایا جائے اور صاف ستھری کمائی سے اس کی تعمیر ختم ہو غرض بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی اور جب وقت آیا کہ حجرِ اسود اپنی جگہ رکھا جائے تو قبائلِ مکہ میں پھوٹ پڑ گئی کیونکہ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ یہ پاک پتھر میرے ہاتھوں اپنے مقام تک پہنچے۔

عرب کی ضد اور جہالت کو سب جانتے ہیں کہ ان میں جھگڑا پڑے پیچھے بات کا سلجھانا کوئی آسان بات نہ تھی اس لئے خانہ کعبہ کی تعمیر تو یہیں رُک گئی اور اب ہر قبیلہ کو لڑ کر اپنی جان کا دے دینا آسان نظر آنے لگا۔ بنو عدی و بنو عبد الدار نے خون کے بھرے پیالہ میں ہاتھ ڈبوئے اور گویا عملی طور پر قسم کھائی کہ خون بہا دیں گے مگر حجرِ اسود کو دوسروں کے ہاتھوں رکھتے ہوئے نہ دیکھ سکیں گے۔

اللہ پاک کو چونکہ اپنے پیارے پیغمبر کے ہاتھوں اس بڑے جھگڑے کا طے کرنا منظور تھا جو اس تعمیر میں شریک اور پتھر اُٹھا اُٹھا کر لانے میں قریش کا معاون بنا ہوا تھا، اس لئے پانچ دن بعد مسجدِ حرام میں کمیٹی ہوئی اور باہمی مشورہ سے منصفانہ فیصلے ہونے لگے۔ بہتیری ردّ و بدل کے بعد آخر

چند بوڑھے سرداروں اور قوم کے سربرآوردہ تجربہ کاروں نے مشورہ دیا کہ اچھا صبح ہوتے سب سے پہلے جو شخص حرم شریف کے اِس دروازہ سے ہو کر گذرے اُس کو منصف قرار دے لو جس کو وہ شخص کہے وُہی حجرِ اسود اس کی جگہ رکھدے۔ چنانچہ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور اگلے دن پر اپنی اپنی تقدیر کا آخری فیصلہ محول کر کے سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

صبح کو اس جانب سب سے پہلے گذرنے والے شخص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو بچپن ہی سے اپنی سچائی کا سکہ جما اور قوم میں ہمدردی و عزّت کی شہرت حاصل کر چکے تھے اِس لئے سب نے آپ کا حکم ہونا بطیب خاطر پسند کیا اور آپ سے درخواست کی کہ حجرِ اسود کو اس مقام تک پہنچانے کی جو مناسب تدبیر آپ چاہیں وہ عمل میں لاویں۔ چنانچہ آپ نے سَرپنچ بن کر اس طرح فیصلہ کیا کہ ایک بڑی چادر میں حجرِ اسود رکھ لیا جائے اور ہر قبیلہ کا صاحبِ عزّت سردار اس چادر کو تھام لے تاکہ تمام قبائلِ مکّہ کے ہاتھوں یہ پتھر اپنی جگہ پہنچے۔

اِس عجیب خوش تدبیری پر چاروں طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی اور قبائل کے سرداروں نے اِس طرح حجرِ اسود کو اُس کی جگہ پہنچایا۔ اِس کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور بہ نفسِ نفیس خود اس پتھر کو چادر سے باہر نکال کر اُس جگہ رکھ دیا جس جگہ وہ پہلے رکھا ہوا تھا۔

غرض بیتُ اللہ کی تعمیر قریش کے ہاتھوں پُوری ہوگئی لیکن سامان کم ہو جانے کے سبب حطیم کا تھوڑا سا حصّہ چھوڑنا پڑا جو موجودہ تعمیرِ بیت اللہ میں اب بھی چھوٹا ہوا ہے اور طواف کرتے وقت اس حصہ کو اندر لے لیا جاتا ہے۔

بابِ شانزدہم

آپ کی خوش تدبیری، احسان کی مکافات، صبر و تحمّل اور رحم دلی

اِس سے فراغت کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑا کام اور بھی کیا جس کا احسان درحقیقت عرب کے بچہ بچہ پر ہے وہ یہ کہ حویرث کا بیٹا عثمان ایک عرب تھا جس نے قسطنطنیہ میں عیسائی دین قبول کر لیا اور حجاز میں آکر اِس فکر میں لگا ہوا تھا کہ مکّہ کی حکومت کو رُومیوں کے ہاتھ میں دیدے اور اِس مقدس خطہ پر نصرانیوں کا خاطر خواہ قبضہ ہو جائے لیکن اس کی تمام کوششیں بیکار ہو گئیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ہوشیاری اور تدبیر و دُور بینی کے سبب اُس کی ساری دغابازی و شرارت ظاہر ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ عرب نے اپنی ملکی حفاظت کا

پورا انتظام کرلیا اور اپنی عزت و حکومت کے ساتھ ملک و مذہب کو بھی بچالیا اس کے بھید کا کھل جانا غنیمت ہوا۔ ورنہ اہلِ عرب کا عیسائیوں کے ہاتھ قتل ہونا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اپنے ملک کی خدمت کی اور اس کی بھی کوشش کی کہ اپنے چچا ابو طالب کے احسانات کا معاوضہ ادا کریں چنانچہ ایک مرتبہ مکہ میں سخت قحط پڑا جس سے لوگ بلبلا اُٹھے اور ابو طالب نہایت مغموم اور پریشان ہوئے کیونکہ ابو طالب کا کُنبہ زیادہ تھا اور اُن کی وسعت و مقدرت لڑکوں کی تربیت کے لئے کافی نہ تھی۔ البتہ حضرت عباسؓ ابو طالب کے بھائی خوش حال تھے اپنے محسن و مہربان چچا کی پریشان حالی دیکھ کر آپ کا دل بھر آیا اور آپ نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ ابو طالب کے ایک بیٹے کو آپ متبنّیٰ بنا لیجیے اور ایک کی تربیت میں اپنے ذمّہ لئے لیتا ہوں چنانچہ عباسؓ نے جعفرؓ کو لے لیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ لائے عقیل اپنے باپ کے ساتھ رہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کُل لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے صرف حضرت علیؓ کی محبت سے آپ کے محزون دل کو تسلّی رہتی تھی۔ یہ بات یقینی ہے کہ آپ نے اپنی قوم پر ہمیشہ جان نثار کی، لیکن افسوس آپ کی قوم کے اکثر افراد نے آپ کے احسان نہ مانے بلکہ بدلہ دیا تو یہ کہ آپ کے معصوم بچوں کے مرنے پر آپ کو ابتر کہا جس کے معنی دُم بُریدہ یعنی بے اولاد اور مقطوع النّسل کے ہیں۔

اوّل تو اس متواتر اولاد کے انتقال اور دوسرے قریشیوں کے ان نازیبا، دل افسردہ کرنے والے کلمات سے آپ کے دل پر رنج کا بڑا اثر پڑا مگر پھر بھی آپ کے متحمّل قلب نے اپنے کنبہ قبیلہ اور قوم کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی، ہمت کے ساتھ صدمات برداشت کرتے اور قریش کی سنگدلی و سخت زبانی کا تحمّل فرما کر سچے معبود کی تلاش اور سیدھی راہِ ہدایت کی جستجو میں بدستور سعی فرماتے رہے۔

آپ کی انسانیت و رحمدلی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حارث کے بیٹے زید کو (جو ظلماً دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلاموں کے زُمرہ میں بیچ دیئے گئے تھے اور اُمّ المومنین خدیجہؓ کے چچازاد بھائی نے انھیں خرید کر حضرت خدیجہؓ کو تحفہ دیا تھا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ سے مانگ لیا اور آزاد کر دیا اور ایک زمانہ کے بعد زید کا باپ حارث جو بیٹے کے فراق میں روتا اور نورِ نظر کی جستجو میں اِدھر اُدھر مارا پھرتا تھا مکہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ "یہ میرا نورِ نظر ہے آپ فدیہ لے کر اس کو رہا کر دیجیے میں عمر بھر آپ کا احسانمند رہوں گا" تو آپ نے زید سے فرمایا کہ "ہاں اگر تمھارا جی چاہے تو بلا فدیہ دیئے اپنے باپ کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو چکے ہو یا چاہو تو یہاں میرے پاس رہو۔"

اگرچہ زیدؓ نے اپنے محسن ہی کے پاس رہنا پسند کیا اور ایسی دولت چھوڑ کر باپ کے ساتھ جانا ہرگز پسند نہ کیا تاہم آپ کی رحمدلی جو کچھ اس سے ظاہر ہوئی اس کو ہر انصاف پسند طبیعت سمجھ سکتی ہے۔

اِس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کے ساتھ مدت العمر وہ برتاؤ رکھا جو باپ اپنے بیٹے کے ساتھ رکھتا ہے اور اسی بنا پر صحابۂ کرام رضؓ میں اِس ناز پرور دہ شامی غریب الوطن لڑکے کا نام زید ابن محمد ہو گیا۔ غرض ان نیک کاموں میں گو آپ مصروف رہتے تھے لیکن آپ کا دل اپنی قوم کے لئے رویا ہی کرتا تھا۔ آپ گھر میں رہتے یا باہر ہمیشہ اور ہر جگہ دریائے فکر میں غرق رہتے تھے۔ آپ کو تنہائی سے عشق تھا ہر سال ماہِ رمضان میں آپ مع اہل وعیال کوہِ حرا پر جا کر رہتے اور شب و روز دُعا مانگتے اور غریب اور بھولے بھٹکے مسافروں کی مدد کرتے تھے بسا اوقات دوسرے مہینوں میں مکہ سے باہر جانے اور کسی غار یا خالی میدان میں بھی آپ کو کچھ دن گذارنے کا شوق تھا۔ ایسی حالت میں خدیجۃ الکبریٰ رضؓ چند روز کا کھانا پکا کر باندھ دیتیں اور مناسب مقدار توشہ ساتھ کر دیا کرتی تھیں۔

آپ کو چالیسواں سال شروع ہوا اور اب سچی خوابیں اور اللہ کے نورانی فرشتے نظر آنے لگے گویا اُس وقت کے عنقریب آجانے کی خبر دی گئی جس کی طرف ایک عالم کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور آپ کو بارِ رسالت کے متحمل ہونے کے لئے مستعد اور تیار ہو جانا تھا۔

رات کی سُنسان گھڑیوں میں صبح کے سُہانے وقت میں تنہائی کے عالم میں بادِ صبا کی طرح ایک آواز سُنائی دیتی کہ "تم بشر ہو لیکن اللہ کے پیغمبر" جس جانب آپ جاتے اُس طرف ہر شے پر جبروتی جلال کے آثار ہویدا اور بتوں کو یہ کہتا پاتے تھے کہ ہم سے علیحدہ رہئے کیونکہ آپ اللہ کے پیغمبر ہماری نگونساری و ہلاکت کا باعث ہوں گے آپ کی عادت تھی کہ قضائے حاجت کے لئے جنگل جاتے تو آبادی سے بہت دور ایسی جگہ نکل جاتے جہاں آدمی نہ ہو۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو جاتے اور آتے وقت درخت اور پتھروں سے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُولَ اللّٰہ" آواز سُنائی دیتی اور آپ حیران ہو ہو کر دائیں بائیں آگے پیچھے چار طرف نظر دوڑاتے مگر بجز درخت اور پتھروں کے کچھ نظر نہ آتا تھا غرض ہر طرح آپ پر وہ حقائق منکشف ہونے لگے جس سے آپ نے جہان کو منوّر کیا۔

ابن الہیبان ایک شامی یہودی اپنے مذہب کے صاحب کرامت درویش تھے قحط سالی میں مخلوق اُن کے پاس جمع ہوتی اور بارش کی دُعا کرایا کرتی تھی۔ یہ خلوت گزیں عبادت گزار شخص مستجاب الدعا ہونے میں مدینہ کے اندر مشہور اور مرجعِ عوام و خواص بنا ہوا تھا جس وقت ان کا پیمانۂ حیات لبریز ہوا اور خود ان کو بھی یقین ہو گیا کہ میں دنیا چھوڑ رہا ہوں تو اپنی قوم کو پاس بُلایا اور کہنے لگے کیا تمھیں معلوم

ہے کہ میں نے شام کا سرسبز ملک چھوڑ کر یثرب میں کیوں سکونت اختیار کی ؟ سُن لو عیش و آرام پر بھوک و پیاس اور حُبِّ وطن پر جلا وطنی کی صعوبت کو ترجیح دینا محض نبی آخر الزماں کی زیارت و خدمت کا شرف حاصل کرنے کی طمع میں تھا۔ یاد رکھو ان کا زمانہ بہت قریب آگیا ہے اور یثرب کی یہ پاک زمین اُن کی ہجرت گاہ قرار پائی ہے سو افسوس کہ میں اس دَولتِ لازوال سے محروم دُنیا سے چلا مگر تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اُس پاک پیغمبر کے قدم لینا اور دوسری مخلوق سے پہلے اِس نعمت کی طرف لپکنا ۔"
یہ کہہ کر انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

عام طور پر یہود اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے آپ کے زمانۂ نبوت کا قرب یقینی سمجھے ہوئے تھے اور جب کسی حجازی یا قریشی باشندے سے کوئی نزاع ہوتا تو اس طرح دھمکایا کرتے تھے کہ "اچھا صبر کرو، اب عنقریب پیغمبر آنے والے ہیں ہم اُن کے خادم بن کر تم کو عاد و اِرم کی طرح قتل کریں گے اور بتائیں گے کہ بُت پرستی و جہالت کیسی بُری بلا ہے"۔

حضرت عمرؓ اسی زمانۂ جہالت میں ایک بار کسی بُت کے پاس کھڑے تھے اور کسی بُت پرست نے ایک گوسالہ نیاز چڑھا کر قربانی کی تھی۔ حضرت عمرؓ جو اس وقت کے خیالاتِ باطلہ کی بنا پر اُس گوشت کو تبرک سمجھے ہوئے تھے اس کے تقسیم ہونے اور اپنا حصّہ لینے کے منتظر تھے کہ گوسالہ کے پیٹ میں سے یہ آواز آئی کہ "ہاں ہاں عنقریب کامیابی کا وقوع ہوگا اور وہ شخص آئے گا جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی پکار بلند کرے گا"۔ حضرت عمرؓ نے بغور اس کلام کو سُنا اور یاد بھی رکھا مگر اُس وقت اُس کی طرف کوئی توجہ نہ ہوئی اور نہ مطلب سمجھ میں آیا کہ کیا مُراد ہے۔

عرب کے کاہن اور منجم جن کو حجازی باشندوں نے غیب دان اور مشکلات کا حل کنندہ سمجھ رکھا تھا قربِ زمانۂ نبوت سے اِس طرح باخبر ہوئے کہ شیاطین کا وُرود اُن پر دن بدن کم اور آسمانی خبروں کی اطلاع نایاب ہونے لگی۔ جنّات آسمانی دروازوں کی محافظت کے سبب خود پریشان اور سبب کی جستجو میں اِدھر اُدھر سرگردان پھرنے لگے۔

سنگستانِ عرب کی بلند پہاڑیاں جب اس آواز سے گونجنے لگیں اور ہر چار طرف اس کا چرچا بڑھا تو یمنی لوگ جمع ہو کر اپنے اس مشہور اور زبردست کاہن کے پاس پہنچے جو کہ اونچے پہاڑ پر خلوت میں رہا کرتا تھا آخر طلوعِ آفتاب کے بعد جب وہ خلوت خانہ سے نکلا تو کمان پر سہارا لگا کر کھڑا ہو گیا اور دیر تک آسمان کی جانب ٹکٹکی باندھ کر مبہوت و ششدر بنا ہوا تکتا رہا۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ "لاریب خدا نے محمدؐ کو منتخب فرمایا اور ان کا قلب پاک کر کے صلاحیت سے پُر کر دیا

لوگو اُس لوکہ تمھارے اندر اُن کا قیام چند روزہ ہوگا"۔ اس کے بعد تیزی کے ساتھ اُلٹے پاؤں پھرا اور لپکتا ہوا اپنے خلوت خانہ میں گھس گیا۔

غرض ریگستانی زمین کی ریت کا ہر ذرّہ اور اونچے اونچے پہاڑوں کا ہر پتھر نصاریٰ کے گرجا اور یہود کے کلیسا گویا آپ کے وجود باجود کی ہر وارِد و صادر کو بشارت دے رہے اور بزبانِ حال پکار رہے تھے کہ جہالت و کفر کی ظلمت کو مٹانے والا پیغمبروں کا سردار اور ساری زمین کو آفتابِ ہدایت کی روشنی سے منوّر بنا دینے والا نبی بہت جلد دُنیا میں آنے والا ہے ۔

بابِ ہفتدہم

خلعتِ نبوّت

جبروتی جلال اور ربّانی رافت کے ظہور کا وقت قریب آ لگا کیونکہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کا چالیسواں سال شروع ہو گیا۔ چونکہ زمانہ کی کایا پلٹنے والی تھی اور کفر کی تاریکی کے کافور ہونے کا زمانہ آ گیا تھا صحفِ سابقہ کی پیشین گوئیاں اور آسمانی کتابوں کی خوش کن خبریں پوری ہوتی تھیں۔ مذاہبِ متفرقہ کے ذی ہوش موحدانہ[1] علماء، عبادت کیش صوفی، راہب منش درویش اور زاہد قوم کے خاص افراد بُت پرستی کی غلامی سے آزاد کرنے والے پیغمبر کے منتظر تھے کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ کے فیضان ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

آپ حسبِ عادت مکّہ سے تین کوس کے فاصلہ پر کوہِ حرا کے غار میں سوچ اور فکر کا کمل اوڑھے

---

[1] توحید کا باشندگانِ مکّہ میں قبل از زمانۂ نبوتِ محمدیہ قدرتی طور پر چرچا ہو گیا اور بُت پرستی سے لوگ بیزار ہو چلے تھے چنانچہ ورقہ بن نوفل نے اوّل یہودیت قبول کی اس کے بعد نصرانی ہوئے آخر بانیِ اسلام کی زیارت کی تمنا و آرزو میں قبل اعلانِ رسالت انتقال کیا خود بھی امیہ بنت عبد المطلب کے لڑکے عبید اللہ بن جحش بھی بت پرستی چھوڑ چکے اور زمانۂ رسالت میں مسلمان اور حبشہ کے مہاجر بنے مگر افسوس کہ حبشہ میں نصرانی ہو کر انتقال کیا۔ عثمان بن حویرث نے بھی بت پرستی چھوڑی اور شاہِ رُوم کے پاس آ کر نصرانیت قبول کر لی اور قبل زمانۂ محمدیہ انتقال کیا۔ عمر بن نفیل جو سیّدنا عمرؓ کے والد یعنی خطاب کے ماں شامل سوتیلے بھائی کے لڑکے تھے خود بخود تارکِ بُت پرستی بن کر علی الاعلان اپنی قوم کو دھمکاتے اور بُت پرستی پر لعن طعن کیا کرتے تھے آخر اُن کے چچا خطاب نے اُن کو مکّہ سے نکال کر کوہِ حرا میں نظر بند کیا اور آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ مکّہ میں آ کر قومی مذہب کو بگاڑ نہ دیں۔ عمر بن نفیل نے تنگ آ کر موصل کا راستہ لیا اور پھر ملک شام میں ایک راہب سے دینِ ابراہیمی طلب کیا۔ راہب نے جواب دیا کہ جاؤ نبیِ آخر الزماں کا زمانہ قریب آ لگا۔ چنانچہ عمر بن نفیل عجلت کے ساتھ وطن واپس ہوئے مگر افسوس کہ بلادِ لخم تک پہنچے تھے کہ اہلِ عرب نے اُن پر حملہ کیا اور آخر مقتول ہو کر میفعہ مقام میں مدفون ہوئے۔ اور بعض مورخین کا قول ہے کہ کوہِ حرا کی جڑ میں قبر ہے۔ وَاللہُ اعلم ۱۲۔

کسی گہرے فکر میں مستغرق بیٹھے تھے رمضان کا مبارک مہینہ تھا کہ اللہ کے بزرگ فرشتے جبرئیلؑ نے بصورتِ بشر سامنے آکر ریشمین کپڑے پر لکھی ہوئی سب سے پہلے وحی "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ سامنے کی اور کہا پڑھو" سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ محض اُمّی یعنی اَن پڑھ تھے، نہ کسی معلّم کے سامنے آپ نے کبھی کتاب رکھی تھی اور نہ کسی سے ایک حرف پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اِس لئے جواب دیا کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا"

جبرئیل امینؑ نے آپ کو چھاتی سے لگایا اور معانقہ میں خوب بھیچ کر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو" آپ نے پھر وہی جواب دیا اور پے در پے تین بار ایسا ہونے پر آپؐ نے بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر وحیِ ربّانی کو پڑھا اور جبرئیلِ امینؑ نے سمجھا دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول پیغمبر ہیں، خلق کی ہدایت آپ کا فرضِ منصب اور توحید کی تعلیم آپ کا مہتم بالشان کام ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رُوح القدسؑ کے دبانے اور بھیچنے کے سبب ایک کشف کی خاص حالت طاری ہو چکی تھی، آپ کا سینہ علمِ لدُنّی کا گنجینہ بن گیا تھا۔ آپ سب کچھ پڑھ اور سیکھ گئے تھے اور آپ کا قلب نزولِ اجلالِ الٰہی کا مُورد بننے کے سبب لرز اُٹھا تھا اور آپ کے ریاضت و مجاہدہ کیش جسم پر کپکپی پیدا ہو گئی تھی گویا آپ کو جاڑا چڑھ آیا تھا اِس لئے خوف زدہ ہو کر آپ اپنے گھر واپس آئے اور خدیجہؓ سے یہ کہہ کر کہ مجھ کو جلد کچھ اُڑھاؤ" لیٹ رہے۔ اِس حالت سے جب کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے سارا قصّہ بی بی خدیجہؓ سے حرف بحرف بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ بی بی خدیجہؓ کوئی معمولی عورت نہ تھیں، اوّل تو خود سمجھ دار تھیں دوسرے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کی زبانی خواب کی تعبیر سُنکر اِس بابرکت زمانہ کی متوقّع تھیں اِس لئے صورتِ حال سمجھیں اور آپؐ کو تسلّی دینے کے لئے عرض کیا کہ آپ یتیم بچّوں پر ترس کھانے، بیوہ اور رانڈ عورتوں پر رحم کرنے اور ہمیشہ سچ بولنے والے ہیں، آپ کی نیک عادت، آپ کے پاکیزہ خصائل اور آپ کی محمودہ صفات ہر شخص جانتا ہے اور آپ کی مہمان داری، غربا نوازی، برادر پروری ضرور اچھا اور بہتر نتیجہ دکھائے گی۔ پس آپ ہرگز خوف نہ کریں اور بالکل اطمینان رکھیں، آپ کا مُحافظ خداوند تعالیٰ جو اِن پسندیدہ اوصاف کا قدر دان ہے، آپ کا بال بھی بیکا نہ ہونے دے گا۔

اِس کے بعد بی بی خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور سارا قصّہ اُن سے بیان کیا۔ چونکہ ورقہ بن نوفل مذہب یہودیت و نصرانیت کے بڑے زبردست عالم

علاماتِ نبوّت کے ماہر، اصولِ دین کے شناسا، توریت و انجیل کا سُریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے اور بوجہ ضعفِ بصارت سوائے نیک نفس باخبر علماء کی صحبت میں وقت صرف کرنے کے کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ اِس لئے یہ مبارک قصّہ سُنتے ہی "قدّوس قدّوس" پُکار اُٹھے اور کہا یہ وہی "ناموس" یعنی جبرئیلؑ فرشتہ تھا جو موسیٰؑ ابن عمران علیہ السّلام کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اعتکاف و خلوت سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو مساکین کو کھانا کھِلاتے اور سب سے پہلے بیت اللہ کا سات بار طواف کیا کرتے تھے اِس کے بعد گھر پہنچتے اور دیگر مشاغل میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اِس مرتبہ بھی جب بی بی خدیجہؓ نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کا قول آکر سُنایا اور تسلّی دی تو آپؐ اُٹھے اور کعبہ کے طواف میں مشغول ہو گئے۔ آپؐ طواف کر رہے تھے کہ ورقہ بن نوفل بھی حرم شریف میں داخل ہوئے اور آپکے پاس آکر سارا قصّہ آپ کی زبانی سُنا۔ اِس کے بعد آپ کے سر مبارک پر جُھک کر بوسہ دیا اور کہا کہ "اے محمدؐ! گھبراؤ نہیں تم کو پیغمبری کا خلعت مرحمت ہوا ہے اور بیشک تم وہی نبی ہو جن کی بشارتوں سے آسمانی کتابیں تمام اہلِ مذاہب کو تمہارا انتظر بنا رہی تھیں، تم کو مبارک ہو یہ جاوید دولت تم کو عطا ہوئی۔ تم کو یاد رکھنا چاہیئے وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ تمھاری قوم تم کو جُھٹلائے گی اور تمھاری مخالف اور دشمن ہو کر تم سے لڑے گی، تم کو ستائے گی اور آخر تم کو جلا وطن کرے گی۔ پس تم کو مکّہ چھوڑنا پڑے گا اور اگر اُس وقت میں زندہ رہا تو دل و جان سے تمھاری مدد کرکے عزّت حاصل کروں گا۔"

ورقہ کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی اِس لئے کہ چند روز بعد اُن کو دُنیا چھوڑنی پڑی اور راہیِ دارُالبقاء ہوئے۔

اِس کے بعد پھر آپ کو جبلِ حرا پر جانے کا اتّفاق ہوا تو غیب سے ندا آئی کہ "اے محمدؐ! تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبرئیل فرشتہ ہوں۔" اِس موقع پر آپنے جبرئیلِ امین کو نظر بھر کر دیکھا ایسی صُورت میں کہ ایک عجیبُ الخلقت بڑا جسم اپنے بازو پھیلائے آسمان کے دونوں کنارے گھیرے ہوئے۔ پس آپ ڈرے اور کانپتے ہوئے اپنے مکان پر واپس تشریف لائے۔

بی بی خدیجہ رضؓ آپ پر ایمان لا چکی تھیں اور ہمیشہ اِس خوش قسمتی پر ناز کرتی تھیں کہ اللہ کے سچّے اور پیارے پیغمبرؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے اور حبیب خدا کی پہلی بی بی بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب و روز نماز و عبادتِ الٰہی میں مشغول اور مفتول خانۂ کعبہ کے طواف میں مصروف رہنے لگے اسی اثناء میں چند روز کے لئے وحی کا نزول رُک گیا

اور اس کی وجہ سے حضرتؐ پر قبض کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ کو خودکشی سہل معلوم ہوتی تھی آخر چند روز بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ سورۂ فاتحہ اُتری اور سورۂ مزمل کا نزول ہوا پھر متواتر قرآن شریف اُترنا شروع ہوگیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کے مُہتم بالشان امر میں پوری ہمت صرف کرنی شروع کردی تھی۔ اِدھر حضرت خدیجہ رضؓ نے اسلام کی ترغیب اور اپنے محترم خاوند کے پاکیزہ خیالات کی ترویج میں سعی و کوشش کرنا ثمرۂ ایمان سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے چند روز میں دس بارہ آدمیوں کا مجمع گروہِ اسلام کہلانے لگا اور سچ پوچھو تو انھیں کو سابق الایمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

جس طرح عورتوں میں سب سے پہلے اُم المومنین حضرت خدیجہ رضؓ ایمان لائیں اسی طرح بالغ مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ مشرفِ باسلام ہوئے جن کی عمر اُس وقت کم و بیش اڑتیس برس کی تھی، ہاں لڑکوں میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب اور آزاد شدہ غلاموں میں زیدؓ ابن حارثہ کو سبقت و پیش قدمی کا اعزاز حاصل ہوا۔

سیدنا ابوبکر رضؓ قوم قریش میں نہایت مالدار تاجر اور متموّل سوداگر ہونے کے علاوہ مُدبّر، منتظم، عقیل، فہیم اور ذکاوت و دُور اندیشی میں شہرۂ آفاق تھے معزز محفلوں میں میرِ مجلس بنائے جاتے اور عام باشندگانِ عرب میں قابلِ وقعت سمجھے جاتے تھے۔ جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر معجزہ دیکھے بغیر صرف اصولِ دین اور دل لگتے عقائد و پاکیزہ خیالات سُنکر ایمان لے آئے تو تمام قوم میں اِس کا شور مچ گیا اور عام طور پر جگہ جگہ برحق دین کا ذکر ہونے لگا۔

سیدنا ابوبکر رضؓ کی ترغیب کا نتیجہ جلد ظاہر ہوا کیونکہ ان کے سمجھدار احباب اور پاس اُٹھنے بیٹھنے والے مُصاحبین میں سے عثمانؓ بن عفان رضؓ۔ زبیرؓ بن عوام رضؓ۔ طلحہؓ بن عبداللہ رضؓ۔ سعدؓ بن ابی وقاص رضؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ غرض سلسلہ بڑھتا رہا اور جس جس صاحبِ نصیب شخص کی تقدیر میں ابتدائے اسلام کی دولتِ تصدیق مقدر تھی وہ مسلمان ہوتے اور حضرتؐ کے ساتھ مخفی طور پر نماز پڑھتے رہے۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ بن جراح۔ ابوسلمہؓ۔ ارقمؓ بن ابی ارقم اور مظعون ابن حبیب کے تینوں بیٹے عثمانؓ۔ قدامہؓ و عبداللہؓ۔ عبیدہ بن حرث۔ سعید بن زید اور اُن کی بی بی یعنی حضرت عمر رضؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب۔ سیدنا ابوبکر رضؓ کی صاحبزادیاں اسماءؓ و عائشہؓ۔ خبابؓ ابن ارت۔ عمیرؓ بن ابی وقاص۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ مسعودؓ بن قاری۔ عیاشؓ بن ابی ربیعہ اور ان کی

بی بی اسمار بنت سلامہ۔ خنیشؓ بن حذافہ۔ عامرؓ بن ربیعہ۔ عبداللہ بن جحش اور اُن کے بھائی۔ ابو احمد حضرت علی کے بھائی جعفرؓ اور اُن کی بی بی اسمار بنت عمیس۔ حاطبؓ بن حارث اور ان کے بھائی خطابؓ اور اُن کی بی بی فکیہہ بنت یسار۔ معمرؓ بن حارث۔ سائبؓ بن عثمان بن مظعون۔ مطلبؓ بن ازہر اور ان کی بی بی رملہ بنت ابی عوف مسلمان ہوئے اور پھر اسی سلسلہ میں نعیم بن عبداللہ۔ عامر بن فہیرہ۔ خالد بن سعید اور ان کی بی بی امینہ بنت خلف۔ حاطب بن عمر۔ ابوحذیفہ۔ واقد بن عبداللہ اور بکیر بن عبد یالیل کے بیٹے اسحاق۔ خالد۔ عامر۔ عاقل۔ ایاس۔ عمار بن یاسر۔ صہیب بن سنان نے بھی مذہب حق قبول کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے باہر پہاڑی وادی میں کھڑے تھے کہ جبریلؑ نازل ہوئے اور وادی کی ایک جانب پاؤں مارا جس سے چشمہ نمودار ہوا۔ رُوح الامین نے اس میں وضو کیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے رہے۔ جب اِس طرح وضو کی تعلیم ہو چکی تو حضرتؐ نے بھی وضو کیا۔ اس کے بعد جبریلؑ نے نماز پڑھائی اور آپ نے اقتدا کیا۔ پہلے دن پانچوں نمازیں اوّل وقت اور دوسرے دن آخر وقت میں پڑھا کر ارشاد فرمایا کہ اے محمدؐ! نمازوں کے اوقات اِن دُو وقتوں کے درمیان ہیں جو تم نے دُو دن میں دیکھے ؛

وضو اور نماز کی تعلیم حاصل فرما کر آپ اپنے گھر تشریف لائے اور بی بی خدیجہؓ کو عملی حالت سے اس کی تعلیم فرمائی چنانچہ بی بی خدیجہ اپنے گھر میں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہؓ کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنی قوم اور تمام باشندگانِ مکہ سے چھپ کر کسی پہاڑی درّہ میں چلے جاتے اور نماز ادا فرماتے رہے ؛

باب ہشتدہم

سنہ ۴ نبوی تک کی حالت اور کفّار کی برملا مخالفت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ابھی تک خفیہ اور خاص لوگوں میں محدود تھی جس کو آپ اپنے خیال میں سمجھدار پاتے اُس کو نہایت نرمی سے توحید کے اُصول سمجھاتے اور ایمان کی رغبت دِلاتے تھے تاہم آپکے ہر نئے پاکیزہ خیالات آپ کی قوم میں قابلِ ملامت سمجھے جاتے تھے اور اسی بنار پر ان خیالات کے اتباع کرنے والے مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ایذائیں دی جاتی تھیں۔

حضرتؐ مومنین کی تعداد بڑھتی دیکھ کر خوش ضرور ہوتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی مغرور و سرکش باشندگانِ عرب کی طرف سے فکر بھی لاحق ہوتا تھا کیونکہ بنی اُمیہ اور قومِ قریش کا سردار ابوسفیان

ابن حرب آپ کا سخت دشمن اور اِس امر پر تُلا ہوا تھا کہ جو شخص مذہب اسلام اختیار کرے اُس کو بالُو کے میدان میں گرم ریت پر لٹایا جاوے اور کہدیا جائے کہ یا بُت پُوجے یا ملکِ عدم کی راہ لے۔

آپ کے اغراض و مقاصد چونکہ نہایت پاکیزہ تھے اِس لئے تھوڑی بہت آپ کو کامیابی ہوتی رہی اور چند ہی سال میں اہلِ اسلام کی شمار انتالیس ۳۹ پر پہنچ گئی۔

پورے تین برس تک آپ اپنی قوم کو بُت پرستی سے بچانے کے لئے مخفی کوشش کرتے رہے کمزور مسلمان آپ کی ہمراہی یا علیحدگی میں اپنی قوم سے چھپ کر پہاڑوں کے غاروں یا کسی گھاٹی میں پانچوں وقت کی دُو دُو رکعت نماز پڑھ لیا کرتے تھے کیونکہ اُس وقت ہر وقت میں ۲ دُو رکعت ہی فرض تھیں۔ اِس کے بعد سفر میں دُو رہیں اور حضر میں چار کر دی گئیں۔

ابو طالب کو شروع میں یہ حال معلوم ہو چکا تھا کیونکہ ایک مرتبہ سیّدنا محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت علی رضؓ کو ساتھ لئے نماز کو جا رہے تھے کہ ابو طالب نے دیکھا اور پوچھا کہ بھتیجے یہ کون مذہب ہے جس پر تم چلتے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ چچا جان! یہ خدا کا، اُس کے فرشتوں کا، پیغمبروں کا اور ہمارے دادا ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔ اللہ نے مجھے پیغمبر بنایا ہے کہ اس کے بندوں کے پاس جاؤں اور اُن کو حق کی طرف بُلاؤں، اے میرے چچا! تم سب سے زیادہ مستحق ہو چاہئے کہ تم سب سے پہلے حق کو قبول کرو اور اُس کے پھیلانے میں میری مدد کرو۔ ابو طالب نے کہا کہ میں اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ نہیں سکتا لیکن قسم ہے خدا کی جب تک میں زندہ ہوں کوئی تم کو ضرر بھی نہیں پہنچا سکتا۔ پھر ابو طالب نے اپنے بیٹے علی رضؓ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ تمھارا مذہب کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اسی کے ہمراہ جاتا ہوں۔ ابو طالب نے کہا جاؤ اس کے پیچھے رہو وہ بھلائی کے سوا بُرائی کی طرف نہیں بُلائے گا۔

تین برس بعد آیتِ کریمہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ؕ کا نزول ہوا جس سے آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریب تر رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں اور توحید کا مسئلہ سمجھائیں۔

چونکہ آپ اپنی قوم کی سرکشی و ناعاقبت اندیشی سے اچھی طرح واقف تھے اِس لئے گو تعمیلِ حکم میں پس و پیش نہ ہوا، تاہم بشری حیثیت سے آپ کی طبیعت کچھ گھبرائی اور خیال ہوا کہ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا پیدا ہو۔ اِس کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے حالت ظاہر کی اور سامانِ ضیافت مہیّا کر کے سردارانِ قریش کی دعوت کر دی۔

آپ کے قریبی رشتہ دار عبّاس، ابو جہل، ابو لہب، ابو طالب وغیرہ تقریباً چالیس نفر شریک

طعام ہوئے اور وہ کھانا جو صرف ایک آدمی سیر ہو کر کھا سکتا تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے چالیس آدمیوں کو کافی ہو گیا۔ فراغت کے بعد آپ نے حرفِ مطلب زبان پر لانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ابولہب یہ کہہ کر کہ "بھائیو! محمدؐ نے کھانے پر جادو کر دیا" کھڑا ہو گیا اور دوسری باتوں کا سلسلہ شروع کر تا لوگوں کو اُٹھا لے گیا۔ اِس طرح جلسہ کے منتشر ہونے پر ع "دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی"

آپ نے چند روز بعد دوسری مرتبہ سامانِ ضیافت فراہم کیا اور پھر صنادیدِ قریش کو مدعو کیا۔ اِس مرتبہ بھی وہ لوگ کھانا کھانے آئے اور سیر ہونے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ سکوت یہ کہہ کر توڑا کہ "اے بنی عبدُالمطّلب! اللہ کے اِس وسیع ملک میں اَب تک مجھ سے بہتر دین اور دینِ اسلام سے بہتر آئین لیکر کوئی بشر نہیں آیا۔ میں اللہ کا وہ فرمان لے کر آیا ہوں جو تمھاری دینی ضروریات کو حاوی اور تمھاری آخرت کی بہبودی کو کافی ہے۔ مجھ کو اللہ کا حکم ہے کہ میں وہ بہتر طریقے تم کو سکھاؤں۔ دیکھئے تم میں کون اِس سعادت کو حاصل کرتا اور میرا کہا مان کر اللہ کا پیارا اور اللہ کے رسول کا مددگار بنتا ہے؟"

یہ نصیحت کے سیدھے سیدھے کلمات درحقیقت انصاف پسند طبیعت میں پورا اثر کرنے والے تھے، لیکن ازلی بدبخت ابولہب نے قہقہہ مارا اور یہ کہہ کر کہ "لو ابوطالب تمھارا بھتیجا جو تم کو بیٹے سے زیادہ عزیز ہے تمھیں کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے تابعدار بنجاؤ" مذاق اُڑانا شروع کیا، دوسرے لوگوں نے اُس کا ساتھ دیا اور یہ لوگ حق بات کا مخول بنانے لگے، یہ سماں بھی عجیب سماں تھا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم تعجّب اور حیرت کی نظر سے ایک ایک کو تکتے تھے اور اُدھر فرمائشی قہقہہ پر قہقہہ اُڑ رہا تھا۔ غرض وہ لوگ کھڑے ہو گئے ابوطالب پر آوازے کستے وہاں سے چلے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نازک طبیعت پر ملال و تکدّر اور خاطرِ عاطر پر عجیب انقباض پیدا ہوا یہاں تک کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ الآخر کا نزول ہوا اور اَب آپ کو علی الاعلان تبلیغ اسلام کا حکم ہوا چنانچہ آپ تعمیلِ حکمِ خداوندی کے لئے فوراً کھڑے ہو گئے اور تمام اہلِ مُلک و اہلِ وطن قوم کو کھلّم کھلا عذابِ الٰہی سے ڈرانے کی غرض سے کوہِ صفا پر جا چڑھے۔

عرب کا رواج تھا کہ جس وقت کوئی قومی یا ملکی مشکل پیش آتی تھی تو خیر خواہِ قوم کسی اونچی جگہ پر چڑھ کر چیختا اور لوگوں کو بہ آوازِ بلند پکار کر یکجا جمع کرتا اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا کہدیا کرتا تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت کوہِ صفا پر چڑھنا بھی عرب کے اِسی عام دستور کے موافق تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کی چوٹی پر سے "اے جماعتِ قریش" "اے بنی فہر" "اے بنی غالب" "اے بنی عدی" کہہ کر عرب میں ہلچل ڈالدی اور آپ کی اِس آواز پر تھوڑی ہی دیر میں سب چھوٹے بڑے کوہِ صفا کے چار طرف آ جمع ہوئے۔

جس وقت آپؐ نے دیکھا کہ صفا پہاڑی کے نیچے کا میدان گھبرائی ہوئی آنے والی مخلوق سے بھر گیا اور آنے والا ہر شخص پریشانی کی صورت بنائے گویا بصورتِ حال دریافت کر رہا ہے کہ جلدی بتاؤ کیا مصیبت پیش آئی؟ تو آپؐ نے کمرِ ہمت باندھی اور محض حق تعالیٰ کے بھروسہ پر کھڑے ہو کر اس طرح وعظ شروع کیا کہ "اے باشندگانِ عرب! اور اے سردارانِ قریش! اگر میں تم سے کہوں کہ اِس پہاڑ کی پشت پر اونچے اونچے پتھروں سے چھپا ہوا تمھارا مخالف لشکر اِس تاک میں بیٹھا ہوا ہے کہ موقع پائے تو تم پر حملہ کرے اور تم کو ہلاک و برباد کر دے، تو کیا تم میری بات سچ سمجھو گے؟" چاروں طرف سے آواز آئی کہ "بیشک بیشک اے محمدؐ ہم تمھاری بات کا یقین مان لیں گے۔ کیونکہ تمھاری سچائی کا بارہا تجربہ کر چکے اور یقین کر چکے ہیں کہ تم جھوٹ بولنا جانتے ہی نہیں۔" یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا کہ "اچھا سُنو! تمھارے پیچھے سخت عذاب آنے والا ہے، میں تم کو جلد آنے والی تباہی سے ڈراتا ہوں اور وہ آنے والی مصیبت اللہ پر ایمان لائے بغیر ٹل نہیں سکتی اس عذاب سے تمھارے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بُت تم کو کسی طرح نہیں بچا سکتے۔ اِن پتھروں کی مورتوں میں ہرگز قابلیت نہیں کہ انسان اپنے باعزت عضو یعنی پیشانی کو ان کے سامنے جھکائے یا ناک رگڑے اور اُن کو دُعاؤں کا سُننے والا یا مُرادوں کا پورا کرنے والا سمجھے۔ پس اے قوم! میرا کہنا مانو، مجھ پر ایمان لاؤ اور اللہ کو ایک سمجھو اور خوب سن لو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مجھ کو پیغمبر جانو اور شرک و بُت پرستی سے توبہ کرو تاکہ آخرت کی کٹھن منزل بسہولت طے ہو، اور قادرِ مطلق کے ناقابلِ برداشت عذاب سے چھٹکارا ملے۔"

حاضرین یہ سُن کر ہنس پڑے کوئی ترش رُو ہوا اور کسی نے قہقہہ مارا ابولہب نے غصّہ میں جواب دیا کہ "تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا" یعنی اے محمدؐ! تم ہلاک ہو کیا اسی لئے تم نے ہم کو بلایا تھا؟ یہ کہہ کر سب چلے گئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا کھڑے رہ گئے۔

ابولہب تھا تو حضرتؐ کا رشتہ کا چچا لیکن اس مذہبی مخالفت کے سبب آپ کا جانی دشمن ہو گیا تھا اس کو اس کی تونگری و سرداری نے انتہا درجہ کا مغرور اور تُند مزاج بنا دیا تھا اس کی سختی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس کی عداوت کے یوماً فیوماً زیادہ ہونے کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ اُس کی بی بی اُم جمیل ابو سفیان کی بہن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی پیاسی تھی اس کی ہمیشہ کوشش تھی کہ زن مُرید شوہر کی آتشِ عداوت کو شعلہ زن کرتی رہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا علی الاعلان جھنڈا نصب کر کے جس طرح بن پڑے اِس نئے دین کا گلا گھونٹ دے۔ یہی بی بی حضرتؐ کی آمد و رفت کے راستہ میں کانٹے بچھاتی تھی تاکہ آپ شب کے وقت آتے جاتے ٹھوکر کھائیں اور گر کر چوٹ کی ایذا پائیں

ایک وقت یہ بھی تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یعنی اُمِ کلثوم اور رُقیّہ کا نکاح ابولہب کے دونوں بیٹوں عُتبہ اور عُتیبہ کے ساتھ زمانۂ رسالت کے پیشتر کمسنی ہی میں ہو چکا تھا اور ان بے زبان نبی زادیوں پر اس گھر میں جو سختیاں ہوتی تھیں وہ پیارے باپ کو زیادہ صدمہ پہنچانے والی تھیں علی الاعلان وعظ کے سُننے سے عام مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی اور اُمِ جمیل نے ابولہب کو مشورہ دیا کہ میں اپنی دونوں بہوؤں کو گھر میں رکھنا نہیں چاہتی مناسب ہے کہ عُتبہ اور عُتیبہ اپنی اپنی بیوی کو طلاق دے کر محمدؐ کو صدمہ پہنچائیں۔ چنانچہ عُتبہ اور عُتیبہ نے والدین کی اطاعت کی اور اس طرح حضرت اُمِ کلثومؓ اور حضرت رُقیہؓ مطلّقہ ہو کر اپنی والدہ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس آگئیں۔

درحقیقت اِس میں اللہ کی بڑی مصلحت تھی کیونکہ اس صورت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن تکالیف و مصائب سے آرام مل گیا جو آپ کو معصوم بچیوں کی طرف سے اُٹھانے پڑتے تھے یہ دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان رضؓ کے نکاح میں آئیں اور اِسی امر نے خلیفۂ سوم کو ذوالنورین کے خطاب کا مستحق بنایا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا بُتوں کا ضعف و عجز اور بُت پرستوں کی کوتاہ نظری و حماقت بیان کرنی شروع کی، تو آپ کی قوم بھی علانیہ آپ کی مخالفت کرنے لگی۔ آپ کو کعبہ میں وعظ کہنے سے روک دیا اور آپ کو ہر طرح پر ایذا پہنچانے کے درپے ہوئے لیکن ابوطالب آڑے آتے اور آپ کو شریر کافروں کی دست درازی سے ہمیشہ بچاتے رہتے۔ آخر کفارِ قریش نے باہم مشورہ کیا اور کہا کہ محمدؐ کو اس نئے طریقہ کی ترویج سے کسی طرح روکنا چاہئے ورنہ ایک دن مکہ کے اندر خون بہے گا اور مذہبی تفریق قومی تفریق بن کر بہن کو بھائی سے اور ماں کو بیٹے سے جُدا کر دے گی۔ اِس لئے متفق ہو کر سردارانِ مکہ یعنی ربیعہ کے دونوں بیٹے عُتبہ اور شیبہ ابوالبختری ہشام اسود بن مطلب ولید بن مغیرہ ابوجہل بن ہشام عاص بن وایل اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ مع ان عوام النّاس کے جو ان کے ہم خیال و ہم زبان تھے ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ "اے ابوطالب! ہم لوگ تمہاری عُمر اور تمہارے درجہ کی تعظیم کرتے ہیں لیکن آخر ہماری تعظیم کی کوئی حد بھی ہے؟ ہم سے نہیں ہو سکتا کہ تمہارا بھتیجا ہم کو اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہے اور ہمارے باپ دادوں کو گالیاں دے گمراہ بتائے اور ہم خاموش بیٹھے سُنتے جائیں، تم اُس کو اِن باتوں سے روکو نہیں تو اُس کو ہمارے حوالے کر دو اور تم بیچ میں نہ بولو تاکہ ہم اپنا بدلہ لے کر دل کی سوزش رفع کر لیں۔" ابوطالب نے ملائم الفاظ اور اخلاق کے برتاؤ سے کام لے کر ان کو ٹالا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسی تن دہی سے اپنا فرضِ منصب ادا کرتے رہے

ازلی بدبخت اور اسلام کے دشمن کافر ہر وقت مختلف تدبیریں سوچتے رہے۔ جگہ جگہ کمیٹیاں ہونے لگیں، زبان زبان پر یہی ذکر پھیل گیا اور آپ کوئی گھر یا کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی جہاں نئے مذہب اسلام کا چرچا اور بانیِ اسلام سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہ ہو۔

یہ لوگ جھنڈ کے جھنڈ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ "اے ابوطالب! آپ محمدؐ کی زبان درازی حد سے گذر گئی تم باوجودیکہ ہماری طرح اس جدید مذہب کے مخالف اور اپنے آبائی دین یعنی لات و عزّیٰ کی تعظیم اور بت پرستی کے عقیدے پر مستحکم ہو مگر افسوس ہے کہ نہ اس کا انسداد کرتے ہو نہ اس کی تدبیریں ہمارے ہم خیال ہوتے ہو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ تم اپنے بھتیجے کو روکو، نہیں تو اُس کے شریک ہو جاؤ تاکہ اس کا تصفیہ جنگ سے ہو جائے اور معاملہ یکسو ہو۔"

یہ کہہ کر وہ لوگ تو چلے گئے اور ابوطالب کو عجیب تشویش پیدا ہوئی کہ نہ اپنی قوم سے جُدا ہو سکتے تھے اور نہ اپنے پیارے بھتیجے کو کفّار کی بے رحمیوں کے حوالے کر سکتے تھے نہ اتنی طاقت تھی کہ بھتیجے کے موافق بن کر باشندگانِ عرب کا مقابلہ کریں اور نہ غیرت و حمیّت اس کی مقتضی تھی کہ جس لاڈلے بچّہ کی معاونت کا بیڑا اُٹھایا اور متوفی باپ کی وصیّت پر کاربند رہنے کا وعدہ کر چکے ہیں اس کو چھوڑ دیں کہ دشمن جو چاہیں کریں۔ آخر انھوں نے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا بھیجا اور نہایت فکر و یاس کے الفاظ میں قوم کی ساری تقریر سُنا کر کہا کہ "اے محمدؐ! تم اپنے مقصد سے باز آجاؤ اور میرے بُڑھاپے کی لاج رکھ کر اپنی جوانی پر ترس کھاؤ۔"

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے کہ آج چچا کی نظر بدلی ہوئی اور ارادہ میری حفاظت سے ہاتھ اُٹھا لینے کا ہے۔ لیکن اس سے آپ کے مضبوط ارادہ میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی اور آپ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ "اے میرے چچا! اگر کفّار میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب دیں اور مجھ سے اس کام کو چھوڑ دینے کو کہیں، تب بھی اپنے ارادے سے باز نہ آؤں گا میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا میں اپنے مقصد سے ڈگنے والا نہیں ہوں یہانتک کہ اللہ جلّ جلالہٗ اپنے مقصد کو پورا کر دکھائے یا میں اسی کوشش میں شہید ہو جاؤں۔ آپ اگر میری حفاظت سے گھبرا گئے ہیں تو میرا معاملہ میری تقدیر کے حوالے کیجئے اور آپ اپنے آرام میں خلل نہ آنے دیجئے، بس میں جانوں اور میرا کام"

تاہم آپ کو اپنے اس مہربان محافظ سے چھوٹنے کا افسوس ہوا جس کے کنارِ عاطفت میں آپ تیس برس سے کچھ اوپر گذار چکے تھے، اس لئے آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور چچا کے پاس سے اس طرح اُٹھ چلے گویا یہ محبّت بھری نظریں پلٹ گئیں اور یہ دینی خیالات سرسری ملاقات کو آخری

ملاقات بنا چکے۔

ابوطالب کے قلب پر ایک چوٹ لگی اور آپ کو زور سے پکارا جب آپ واپس آئے تو کہا کہ "اے میرے بھائی کے بیٹے! جو کچھ تمھارا جی چاہے سو کہو اور جو دل میں آئے بے کھٹکے کرو، قسم ہے خدا کی میں تم کو نہیں چھوڑوں گا، ہاں ہرگز نہیں چھوڑوں گا"۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ ہر چار طرف دشمن چھائے ہوئے ہوں اور ملک و قوم کا بچہ بچہ خون کا پیاسا بنا ہوا ہو، اپنے دعوے پر قائم رہنا معمولی ہمت والے کا کام ہے آج دنیا کی تاریخ کے ورق اُلٹے جائیں تو یہ نظیرِ استقلال جس نے محض حق تعالیٰ پر اعتماد و وثوق کی بدولت بیکسی و تنہائی میں ملک بھر کی دشمنی کو مچھر کی عداوت کے برابر بھی نہیں سمجھنے دیا اور پاک ارادہ میں ذرّہ برابر بھی لغزش یا جھجک پیدا نہیں ہوئی نبوّت اور رسالت کی کھلی دلیل ہے۔

قریش نے تیسری مرتبہ ابوطالب سے پھر استدعا کی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑدیں بلکہ مخزوم خاندان کے ایک خوبصورت نوجوان کو جن کا نام عمارہ بن ولید تھا آپکے عوض دینا میں قبول کیا۔ لیکن ان کی کوشش نے کچھ نتیجہ نہ دکھایا اور ابوطالب نے یہ جواب دے کر کہ "واہ میں اپنے پالے ہوئے بیٹے کو تمھارے حوالے کروں تاکہ تم اس کا خون بہاؤ اور تمھارے لڑکے کی پرورش کا بار اُٹھاؤں تاکہ موٹا تازہ میرے روپے سے ہو اور جوان تمھارا کہلائے"۔ قریش کو اپنا بھی دشمن بنا دیا اور اب مخالفت کھلم کھلا ہونے لگی۔

ابوطالب قبیلۂ بنی ہاشم کو ان کی خاص عظمت، ان کا خیال و عزت ہمیشہ یاد دلاتے رہے تاکہ قریش اُن کے خاندان کے ایک معزز امین اور اُن کی برادری کے ایک بہادر اور منتخب شخص کو نہ قتل کرنے پائیں قصائد تصنیف کئے اشعار بنائے اور جلسوں میں محفلوں میں یہاں تک کہ کعبہ کے متصل مسجد حرام میں آوازِ بلند ان کو پڑھ کر حمیّت و عصبیت کی آگ بھڑکا دی اور گویا قریش کے دلوں میں ہلا دیا کہ اگر کسی کا کوئی قبیلہ محمد بن عبداللہ کو ترچھی نظر سے بھی دیکھے گا تو تمھاری شرافت اصالت اور قومی اعزاز پر حرف گیری کرے گا۔ ابوطالب کی جادو بیانی خالی نہ گئی اور اس قومی جوش کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک ابولہب کے سوا کُل بنو ہاشم ابوطالب کے شریکِ حال رہے۔

ہر روز اہلِ مکہ کا غصہ بڑھتا جاتا تھا اور گو شروع شروع میں ابوطالب کی وجہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر کوئی حملہ نہ ہوا پھر بھی جو جو آفتیں صحابہ رضا پر پڑیں نہایت خوفناک تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضا اپنے رفقاء کی مختصر جماعت کو ساتھ لئے پہاڑ کی گھاٹی میں نماز پڑھنے جارہے تھے کہ کفار کو اس کی اطلاع ہوئی اور جھنڈ کے جھنڈ ان پر آچڑھے یہاں تک نوبت آئی کہ حضرت سعد رضا نے مرے ہوئے اونٹ کی ہڈی اُٹھا کر کسی دشمن کے ایسی ماری کہ وہ زخمی ہوگیا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ

وسلم پر کھلّم کھلّا حملہ آور ہونے کی گو کسی میں ہمّت نہ تھی مگر پھر بھی جہاں آپ عبادت میں مشغول ہوتے دشمن آپ پر پتھر پھینکتے، نجاست ڈالتے اور جب آپ کھانا کھاتے، کھانے میں گرد ڈالتے تھے کعبہ کے پاس آپ کو نماز پڑھنے سے روک دیا۔ غرض ستانے میں ان لوگوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں اُٹھا رکھا۔ آپ کو سجدہ کی حالت میں ایذا زیادہ دی جاتی تھی، جسم مبارک پر نجاست ڈالی جاتی تھی۔ آپ کو شاعر، ساحر، کاہن، مجنون پکارا جاتا تھا اور جو آپ کا رفیق بن کر اعانت کرتا تھا اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر کھینچے جاتے اور اتنا مارا جاتا تھا کہ وہ بیہوش ہو ہو جاتا تھا۔

باب ۱۹

مسلمانوں پر ایذا رسانی اور حبشہ کی جانب ہجرت

اسلام کی شروع تاریخ میں ایسے درد انگیز حادثے بہتیرے ملیں گے جن کو سن کر یا پڑھ کر رونگٹا کھڑا ہوتا اور آٹھ آٹھ آنسو رونا آتا ہے۔ بت پرست اہلِ مکہ جس عورت یا مرد کو تارکِ بُت پرستی پاتے اس کو نظرِ حقارت سے دیکھنے یا بدزبانی و فحش کلامی کی ایذا رسانی پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ قابو پاتے ہی بالو کے میدانوں میں نکال دیتے اور ہر طرح سے بھوک پیاس کی تکلیف دے کر صاف کہدیا کرتے تھے کہ یا بُت پوجو یا ملکِ عدم کی راہ لو۔

ہم چند نومسلم صحابہؓ کے حالات لکھنا چاہتے ہیں جس سے مختصراً اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ مقدّس مذہب کس کس مصیبت سے پھیلا ہے اور اس کے پیشوا کیسے متحمّل اور مصیبت کے برداشت کرنے والے اور اللہ کے نام پر جان نثار کرنے والے تھے۔

مکہ کے متموّل و تونگر کافروں میں اُمیّہ بن خلف جمحی بھی ایک تجارت پیشہ مالدار شخص تھا جس کو اللہ پاک نے ہر طرح فارغ البال اور نقدی و مواشی اور غلام باندیوں سے بہرہ یاب کر رکھا تھا اس کے پاس ایک حبشی غلام تھا جس کا نام تھا بلال بن رباح۔

بلال کی سلیم طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مذہبِ اسلام کے پاک اصول سُننے کے بعد ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتوں کی پرستش کریں اس لئے سچے دل سے ایمان لائے اور کلمۂ طیّبہ پڑھ چکے تھے چونکہ اس زمانۂ جہالت میں ہر کلمہ گو مسلمان "صابی" (دین سے پھر جانے والا) کہا جاتا تھا اس لئے اُمیّہ کو خبر لگی کہ آج بلال حبشی بھی صابی ہو گیا

یہ خبر سُن کر اُمیّہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اُس نے نہایت غصّہ میں بلالؓ کو بلا کر کہہ دیا

۔اوکم بخت یا تو اِس نئے مذہب سے توبہ کر ورنہ اپنے آپ کو تکلیفوں کا تختۂ مشق بنانا قبول کرے۔ بلال رض
ایمان ایسا نہ تھا کہ دھمکیوں میں اُڑ جاتا۔ اِس لئے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں سیّدنا محمد
لی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کھرا جواب سُنکر اُمیّہ میں تاب کہاں تھی کہ ضبط کر جاتے
ں نے غلاموں کو حکم دے دیا کہ دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہو جایا کرے تو بلال رض کو بالو کے میدا
ں بدن پر ببول کے کانٹے چبھو کر کبھی مُنہ کے بَل اور کبھی پیٹ کے بَل لٹاؤ اور سینہ پر ایک بھاری جُھلستا
ا پتھر رکھدو، چاروں طرف آگ سُلگا دو اور اس سے کہہ دو کہ پتھر اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے یہاں تک
، وہ مَر جائے یا محمد ص کا کفر کرے، اِس پر بھی اگر باز نہ آئے تو شب کو زنجیروں میں جکڑ کر تنگ و
ریک حجرے میں بند کرو اور باری باری کمر پر دُرّے لگاؤ تاکہ زخمی ہو جائے اور یہ زخم اگلے دن
ھوپ کی تپش میں دوبارہ تکلیف زیادہ پہنچائیں۔

اُمیّہ ظالم کا حکم ایسا نہ تھا جس کی تعمیل نہ کی جاتی۔ چنانچہ اگلے ہی دن سے سیّدنا بلال حبشی رض پر
ں ظالمانہ کارروائی کا عمل شروع ہو گیا اور متواتر کئی دن اِس حالت سے گذر گئے کہ بدن زخموں
ے چُور تھا، خون کبھی بہتا اور کبھی فوارے کی طرح اُبلتا تھا مگر بلال رض کی زبان سے بجز اَحد اَحد کے دوسرا
نہ نکلتا تھا۔ ورقہ بن نوفل کا ایک بار اسی حالت میں بلال رض پر گذر ہوا اور وہ یہ حالت دیکھ کر ٹھہرا اُٹھے
ور کھڑے ہو کر ان کی اَحد اَحد کی چیخ پُکار سُنی اور کہنے لگے کہ بخدا سچ ہے اے بلال اَحد اَحد کے سوا کوئی نہیں
سیّدنا ابوبکر رض بھی چونکہ صاحبِ مال اور مشہور تاجر تھے اِس لئے ہم پیشہ تجار سے گو دینی حیثیت میں منافقت
ی تاہم آبرو اور وقعت وہی قائم تھی جو اسلام لانے سے پہلے تھی حضرت صدیق رض کو خبر لگی کہ بلال حبشی رض
ض اسلام کے سبب سخت تکلیف میں مبتلا ہے تو اُمیّہ کے پاس آئے اور اوّل اسلام کی خوبیاں بیان کیں
ں کے بعد سلسلۂ گفتگو میں بلال رض کا ذکر چھیڑا اور کہدیا کہ اگر تم اس کو مجھے دینا پسند کرو تو میرے غلاموں
ں سے جس غلام کو پسند کرو اس کے عوض لے لو۔ اُمیّہ دل سے چاہتا تھا کہ بلال علیحدہ ہو اور ابوبکر کا
ی سمجھدار غلام ہاتھ لگے اِس لئے منظور کر لیا اور سیّدنا ابوبکر رض نے فسطاس رومی غلام کو مع چالیس اوقیہ نقدی کے
یّہ کے حوالہ کیا اور سیّدنا بلال رض کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔

جن دنوں حضرت دامنِ کوہِ صفا میں ارقم ابن ابی ارقم کے گھر تشریف فرما تھے اور کچھ اوپر تیس آدمی
یمان لا چکے تھے۔ حضرت عمار مع اپنے والدین یعنی یاسر اور سمیّہ کے اسلام سے مشرف ہوئے سیّدنا عمار قومِ
نی مخزوم کے حلیف تھے ایمان لائے پیچھے ان حضرات کے ساتھ اس کارروائی کا معمول ہو گیا کہ چاشت کے
قت ان کو ریگستان میں نکالا جاتا اور رمضا پہاڑی کی لُو اور گرم ہواؤں کی تپش سے ان کو جُھلسا جاتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر گذر ہوتا تو آپ کے قلب پر ایک صدمہ گذرتا تھا۔ لیکن عجب بے بسی تھی کہ کسی قسم کی اعانت نہ کرسکتے تھے۔ آخر اپنے دوستوں کی مصیبت جب نہ دیکھ سکتے تو یہ فرما کر کہ "اے آلِ یاسر صبر صبر" چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت یاسرؓ اس تکلیف کے متحمل نہ ہوسکے اور چند دن بعد اسی حالت میں انتقال کرگئے۔

عمّارؓ کی والدہ حضرت سُمیّہؓ اپنے خاوند کے انتقال کے بعد اس مصیبت میں بیٹے کی شریک رہیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابوجہل کا اس طرف گذر ہوا اور اس کی نازیبا گفتگو پر ضبط کی قدرت نہ رہنے کے سبب حضرت سمیّہؓ نے سخت کلامی سے کام لیا تو ابوجہل نے جھلّا کر مظلومہ کی پیشاب گاہ میں برچھی ماری اور حضرت سمیّہؓ نے رُوح اپنے مولیٰ کے حوالہ کی۔

اب ایک عمّارؓ کا دَم صدمہ اُٹھانے کو باقی رہ گیا اور اُن کے ساتھ روزانہ نئی تکلیف کے سامان پیدا ہونے شروع ہوئے۔ کبھی بالُو کے میدان میں ان کو لٹایا جاتا تھا کبھی سخت گرم پتھر آگ جیسا سُرخ اُن کی چھاتی پر رکھا جاتا اور کبھی ان کو ندی یا نالے میں ڈبویا جاتا اور گہرے پانی میں اُچھالا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ "یا تو محمدؐ کا انکار کرو یا ملکِ عدم کی راہ لو۔"

عرصہ تک یہ ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے لیکن کہاں تک آخر تقیہ کرنے کی نوبت آئی اور یہ ظاہری اجرائے کلمۂ کفریہ کافروں کے ہاتھ سے نجات پاکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زار زار رونے لگے۔ حضرتؐ نے آنسو پوچھے اور تسلّی دے کر فرمایا کہ "کیا ہوا ایسے موقع پر زبان سے اجرائے کلمہ کفر جائز ہے۔ اُسی وقت اللہ پاک نے اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَـئِنٌّ ۢ بِالۡاِيۡمَانِ نازل فرما کر اطمینان دلایا کہ جو شخص کسی جبر کے باعث زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دے اور قلب اُس کا ایمان سے مطمئن ہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں۔

خبابؓ بن ارت جن کو قوم ربیعہ کے چند ظالم ظلماً پکڑ لائے اور غلام بنا کر مکّہ میں سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی کے ہاتھ بیچ گئے تھے اور یہ خفیہ مسلمان ہوگئے تھے۔ کافران کو رمضا پہاڑ پر لیجاتے ننگا کر کے اس پر لٹاتے اور آگ میں خوب گرم کیے ہوئے پتھر سے اُن کے دماغ اور تمام بدن کو داغتے تھے۔ یہ ان مصیبتوں کو جھیلتے اور خاموش پڑے اللہ اللہ کیے جاتے تھے یہاں تک کہ ہجرت کا وقت آیا اور یہ ضعیف مسلمانوں کے ساتھ مکّہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔

صُہیب بن سنان رُومی بھی اِسی مصیبت میں گرفتار تھے جس وقت ہجرت کرنے لگے تو قریش نے روک لیا اور کہا کہ "ہمارا غلام ہماری بلا اجازت کیوں کر جا سکتا ہے" اس پر انھوں نے اپنا سارا

ل فدیہ میں دے کر پیچھا چھڑایا اور ان مصیبتوں سے نجات پائی جو اُن کو مکّہ میں کافروں کے ہاتھوں پیش تی تھیں۔

عامر بن فہیرہ بھی اپنے ظالم آقا کے پنجۂ ظلم میں گرفتار اور ایسی ہی ناقابلِ برداشت مصیبتوں کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے یہاں تک کہ سیّدنا ابوبکر رضؓ نے اِن کو بھی خریدا اور مصیبتوں کی قید کے ساتھ لامی سے بھی لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔

ابوفکیہہ اُمیّہ بن خلف کے بیٹے صفوان کے غلام حضرت بلالِ حبشیؓ کے ساتھ خفیہ ایمان لائے تھے مّیہ مطلع ہونے پر حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں رسّی باندھو اور گھسیٹتے ہوئے رمضا پر لیجاؤ۔ چنانچہ لاموں نے اُن کو پابزنجیر کیا اور کشاں کشاں لے چلے۔ پتھروں کنکروں سے ان کا سر ٹکراتا تھا اور ظالم کافر اُن کو مُردہ جانور کی طرح گھسیٹتے لئے جاتے تھے یہاں تک کہ گرم پہاڑ پر لٹا کر ان کے سینہ رگرم پتھر رکھدیا گیا، زبان مُنہ سے باہر نکل پڑی اور مجنونانہ وار پڑے پڑے ایک ایک کا مُنہ تکتے ہے نہ کسی بے رحم کو ترس آیا اور نہ کسی نے انسانیت کا برتاؤ برتا۔ اگر کہا تو یہ کہا کہ لات وعزیٰ پہ ایمان لاؤ مگر یہ یہی کہتے رہے کہ میرا اور تمھارا اور ساری مخلوق کا پروردگار تو "اللہ" ہے۔

ایک مرتبہ اُمیّہ اپنے بھائی اُبیّ بن خلف کی ہمراہی میں اِن کے پاس گیا اور کفر کرانا چاہا۔ لیکن نھوں نے زبان سے وُہی کلمۂ توحید نکالا جس پر ان کا دل مستحکم ہو چکا تھا۔ اُبیّ نے کہا کہ بھائی صاحب یہ کمبخت باز آنے والا نہیں ہے رسّی کا پھندا اس کے گلے میں ڈال کر جھٹکا دلوائیے، اور تکلیف بڑھاتے رہا کیجئے یہاں تک کہ اُس کا آقا اپنے جادُو کے زور سے اِس کو چھڑا لے جائے۔ چنانچہ اُس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور ان کا گلا یہاں تک گھونٹا گیا کہ لوگوں کو ان کے مرجانے کا یقین ہوا۔ اِسی حالت میں مبتلا تھے کہ سیّدنا ابوبکر رضؓ کا اُدھر گذر ہوا اور انھوں نے اُمیّہ کو خاطرخواہ قیمت دے کر ابوفکیہہ رضؓ کو خرید لیا اور اللہ واسطے آزاد کر دیا۔

بہتیری بیکس عورتیں اور بے زبان باندیاں بھی انھیں مصیبتوں میں گرفتار تھیں، چنانچہ زنیرہؓ جو بنی مخزوم کے قبضہ میں تھیں دولتِ اسلام سے مشرف ہوئیں اور ابوجہل نے ایذا رسانی شروع کی یہاں تک کہ اُن کی آنکھیں جاتی رہیں اور ابوجہل نے طعنہ دیا کہ دیکھ لات وعزیٰ نے تیری آنکھیں چھین لیں۔ زنیرہؓ یہ کہہ کر کہ لات وعزیٰ کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی کون پرستش کرتا ہے چپ ہو رہیں اور اس کے بعد کہا کہ ہاں میرے خدا کا حکم سب پر غالب ہے اسی کا نام تقدیر ہے اور میرا سچا معبود بینائی دوبارہ دینے پر بھی قادر ہے۔" اللہ کی شان صبح ہوتے ہی ان کی آنکھوں کا

نور آنکھوں میں آگیا اور زنیرہ بھلی چنگی جیسی بینا تھیں ویسی ہی ہوگئیں۔ ابو جہل نے زنیرہ کو دیکھا تو حیر
ہوگیا اور بولا کہ محمدؐ کا جادو چل گیا۔ غرض لبینہ، ام عبیس، نہدیہ اور بہتیری عورتیں کافروں کے
ہاتھوں میں پڑی ہوئی مصیبتوں کا نشانہ اور تکالیف کی تختۂ مشق بنی ہوئی تھیں اور کوئی اُن
کی حالت پر ترس کھانے والا نہ تھا یا تھا مگر بے بسی اور خود اپنی خطرناک حالت کے سبب کچھ نہ کرسکتا

یُوں تو عداوت و مخالفت کی آگ عام طور پر بھڑکی ہوئی تھی لیکن جس قدر ایذا رسان ابو لہب[1]
اسود بن عبد یغوث[2]، حرث بن قیس[3]، ولید[4] بن مغیرہ، اُمیہ[5] بن خلف، اُبی[6] بن خلف، ابو قیس[7]، عاص
بن وائل[8]، نضر[9] بن حارث، ابو جہل[10] بن ہشام، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ[11] و منبہ[12]، زہیر[13] بن ابی امیہ
عقبہ بن ابی معیط اور اسود[14] بن مطلب تھے دوسرے اس قدر نہ تھے اِن کو بغیر مسلمانوں پر مص
یا رنج پہنچائے کھانا ہضم نہ ہوتا تھا۔ ان کے خیالات ان کے ارادے اور ان کے منصوبے رات د
یہی تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل یا جلاوطن کر دیا جائے اور ان کے ساتھیوں کو ایذائ
پہنچا کر یا تو حضرتؐ کا دشمن اور اپنا ہم خیال بنالیا جائے یا ملکِ عدم پہنچا دیا جائے۔ مگر کسی
ارادے سے کیا ہوتا ہے ان کے مکر و حیلے سب ناکام رہے اور ترقی کرنے والے مقدس مذہ
کے خلاف کسی کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔

جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کافروں کی ایذا رسانی ضعیف مسلمانوں پر دن بدن ز
ہی ہوتی جاتی ہے تو آپؐ نے اپنے لوگوں کو ہدایت کی کہ جب تک قریش کا دل بہتری اور بھلائی کی ط
مائل نہ ہو اُس وقت تک مکہ میں رہنا خطرناک ہے، جاؤ ملکِ حبش میں جا رہو وہاں کا حاکم گ
نصرانی ہے لیکن سُنا ہے کہ نہایت رحمدل، حق شناس اور علم دوست ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ
بیوی یعنی حضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضؓ کے اور ابو حذیفہؓ بن عتبہ مع اپنی بیوی سہلہ بنت سہیل
کے اور زبیر بن عوام رضؓ وغیرہ قریب پندرہ آدمیوں کے ماہ رجب ۵ سنہ نبوی مطابق ۶۱۵ عیسوی
میں ملکِ حبش کی طرف چلے گئے۔ اِن حضرات کا دار الکفر چھوڑ کر دار الامن میں جانا اور مکہ کو خیر
کہہ کر حبشہ کی جانب ہجرت کرنا اسلام کی پہلی ہجرت کہلاتا ہے۔

اِن لوگوں کو حبشہ گئے ہوئے تیسرا مہینہ تھا کہ افواہ اُڑی جس کو اُنھوں نے بھی سُنا کہ اہل
مشرف باسلام ہوگئے اور اب مکہ دار الکفر نہیں رہا۔ اس خبر کے سُنتے ہی یہ لوگ وہاں سے مکہ کی
روانہ ہوئے لیکن ان کو اپنے خیال کی غلطی اور اس بازاری خبر کی تکذیب اُس وقت معلوم ہو
جب کہ وہ مکہ کے قریب پہنچ چکے تھے اور اب اُلٹے پاؤں پھرنا آسان نہ تھا۔

یہ وقت عجیب پریشانی کا تھا کہ نہ واپس ہوتے بن پڑتا تھا نہ مکہ میں داخل ہونے کی ہمت ہوتی تھی آخر بدرجۂ مجبوری مکہ میں آنا ہی سہل سمجھا گیا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ جو کوئی بھی مکہ میں گھسا وہ کسی دوست یا رشتہ دار کی پناہ میں امن کا طالب ہو کر داخل ہوا تاکہ اس کے جوار اور اس کے ذمہ کا لحاظ کیا جائے اور بیچارے بھوکے پیاسے مصیبت زدہ بندگانِ خدا کو ایذا نہ پہنچائی جائے اور یا خفیہ داخل ہوا اور اپنے اسلام کو چھپائے رہا کہ ظالم قریشیوں کے ظلم کا تختۂ مشق نہ بنے۔

غلط افواہ پر مکہ آنے والے مہاجرینِ حبشہ میں جو حضرات تھے انھیں میں حضرت عثمانؓ ذی النورین مع اپنی بی بی حضرت رقیہؓ بنت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ زبیرؓ بن عوام۔ عثمانؓ بن مظعون اور ابو سلمہؓ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہم بھی داخل تھے۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ کی پناہ لے کر مکہ میں آئے اور امن وامان کے ساتھ زندگی گذارنے لگے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ میرے دوسرے دینی بھائی کافروں کے تختۂ مشق بنے ہوئے اور اللہ کی راہ میں اُس کا دین قبول کرنے کی بدولت صبح وشام نئی مصیبت کا نشانہ بن رہے ہیں تو اُن کو غیرت آئی اور اپنی عافیت وقابلِ اطمینان زندگی کانٹا بن کر نظر میں چبھنے لگی۔ آخر ولید بن مغیرہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے ولید! تمھاری ذمہ داری ختم ہو چکی اور اب میں تمھاری حفاظت وپناہ تم کو واپس کرتا ہوں۔

عرب میں پناہ وامن کی ذمہ داری ایک ایسی عجیب وفاداری تھی کہ کوئی شخص کسی ملکی شخص کے پناہ دیئے ہوئے شخص کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتا تھا اور اگر کسی نے بُری نگاہ سے دیکھا تو پناہ دہندہ شخص کے لئے اِس سے زیادہ ہتک وبے عزتی کسی دوسری صورت میں نہ تھی اور اسی وجہ سے بدسلوکی کرنے والا شخص قوم میں بڑے جرم کا مرتکب اور سخت گناہ کا مجرم سمجھا جاتا تھا۔ ولید نے حضرت عثمانؓ سے واپسیِ ضمانت کا حکم سُنا تو حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ کیوں خیر تو ہے کیا کسی نے کچھ ایذا پہنچائی اور میری عزت وشرافت میں بٹہ لگا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ نہیں الحمدللہ تمھاری پناہ میں مجھے ہر طرح امان ملا مگر اس کو کیا کروں کہ مجھے تمھاری پناہ میں رہنا گوارا نہیں اور میں اپنے لئے اپنے سچے خدا کی پناہ کافی سمجھتا ہوں۔

غرض ولید وسیدنا عثمانؓ مسجدِ حرام میں آئے اور ولید نے بآوازِ بلند پکار دیا کہ یہ عثمان بن مظعون موجود ہیں جس نے میری پناہ میں رہنا ترک کیا اور میں نے اپنا ذمہ واپس لے لیا۔ حضرت عثمانؓ نے فوراً جواب دیا کہ بیشک سچ ہے ولید کو میں نے وعدہ کا پکا اور عہد کا پورا پایا مگر چونکہ مجھے بجز خدا کے کسی دوسرے کی پناہ میں رہنا منظور نہیں ہے اِس لئے میں نے بخوشی ولید کی ذمہ داری واپس

کردی، اب ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے میرے ساتھ سلوک کرے۔" یہ کہہ کر وہاں سے چلے اور قریش کی اُس بھری مجلس میں آبیٹھے جہاں سردارانِ قوم بیٹھے ہوئے ملک کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کے اشعار سُن رہے تھے۔

لبید کے شعر سُنکر حضرت عثمان رضؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور اعتراض کر بیٹھے۔ حاضرین جلسہ کو کہاں تاب تھی کہ خلافِ مذہب کسی گرفت کی برداشت کر جائیں اس لئے نزاع شروع ہو گیا اور کسی شقی نے حضرت عثمان رضؓ کے مُنہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آنکھ پھوٹ گئی یا سخت صدمے سے مصدوم ہو کر پھوٹنے کے قریب ہو گئی۔

ولید بن مغیرہ پاس کھڑا ہوا یہ سانحہ دیکھ رہا تھا اس لئے خاموش نہ رہ سکا اور کہنے لگا کہ دیکھا تم نے اے عثمان رضؓ تم کو میرے ذمّہ وجوار کی قدر نہ ہوئی اور میری پناہ سے باہر نکلتے ہی مصیبت اُٹھانی پڑی حضرت عثمان رضؓ اب وہ عثمان نہ تھے کہ خدا کے راستہ میں اُٹھائی ہوئی تکلیف کو مصیبت سمجھتے اس لئے مسکرائے اور جواب دیا کہ اے ولید آج عثمان تم سے زیادہ زبردست اور عزّت والی ذات کی پناہ میں داخل ہے اور میری دُرست آنکھ بھی بصد تمنا اس مصیبت کی مشتاق ہے جو اُس کی ساتھن کو خدا کے راستہ میں پہنچی ہے جاؤ اپنا کام کرو اور اس کی اُمید نہ رکھو کہ میں ایسی تکلیفوں سے گھبرا کر پھر تمھاری پناہ میں آنا پسند کروں گا۔

ابو سلمہ بن عبد الاسد چونکہ ابو طالب کے بھانجے اور ان کی بہن بَرّہ بنت عبد المطلب کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اس لئے اپنے ماموں ابو طالب کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ قریش نے دیکھا کہ ابو طالب نے بھتیجے کے ساتھ بھانجے کو بھی ہمارے پنجۂ ظلم سے بچایا اور اپنی پناہ میں لے لیا تو جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو کر ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ "اے ابو طالب اے ہمارے سردار کیا غضب ہے کہ تم ہمارے دشمنوں کو پناہ میں لیتے اور امن وامان کی زندگی گذارنے کا موقع دیتے ہو تاکہ یہ آہستہ آہستہ اپنا دین پھیلانے اور ہمارے آباد و اجداد کے لائے ہوئے مذہب کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش میں لگے رہیں آخر اس کا انجام کیا ہونا ہے اور تم باوجود ہمارے ہم مذہب اور ان کے خلاف ہونے کے اپنے دین کی پاسداری ولحاظ نہیں کرتے۔"

ابو طالب پریشان تھے کہ کیا جواب دوں، آخر یہ تو اتنا کہہ کر کہ "ایک بھائی کا بیٹا ہے اور دوسرا بہن کا بس میرے ذمّہ بھتیجے اور بھانجے دونوں کے حق برابر ہیں" خاموش ہو گئے مگر ابو لہب باوجود شدید الکفر ہونے کے اپنے بھائی پر قریش کے بار بار حملے نہ دیکھ سکا اور غصّہ میں بیتاب ہو کر کہنے لگا کہ "اے قریش! کیا سبب ہے کہ بار بار میرے بھائی کے سر ہوتے اور جو چاہتے ہو بُرا بھلا سُنا جاتے ہو کیا ہم عبد المطلب کے بچے تمھاری نظروں میں ذلیل بن گئے اگر ایسا ہے تو صاف کہو تاکہ میں بھی کُھلم کُھلا اپنے بھائی کا ساتھ دوں اور دیکھوں کہ

م کتنے پانی میں ہو" لوگوں نے جو ابولہب کا غصہ دیکھا تو سب لرز اُٹھے اور یہ کہہ کر کہ "نہیں نہیں اے عتبہ کے
الدِ بزرگوار! آپ ناراض نہ ہوں جو بات آپ کو ناگوار گذرے ہم کبھی اُس کی جرأت نہیں کر سکتے" سب نے
پنا اپنا راستہ لیا۔

ایک دو شخص کے علاوہ باقی تمام مسلمانوں پر کفّار کی ایذا رسانی کا معیار اسی حالت پر قائم تھا کہ اسلام
انے والوں کو کپڑوں کی جگہ لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جانے اور گردنوں میں رسّیاں ڈلوا کر
بچوں کے ہاتھوں گلی کوچوں میں گھسیٹا جانے لگا۔ نماز کا پڑھنا اللہ والوں کو کلام مجید کی تلاوت کرنی خفیہ طور
پر بھی مشکل اور دشوار ہوگئی اس لئے دوبارہ پھر مسلمانوں نے حبشہ کا راستہ لیا اور اس مرتبہ یکے بعد دیگرے
کثر مسلمان مکّہ چھوڑ گئے یہانتک کہ بیاسی یا تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کو جائے پناہ بنایا +

باب ۲۰

نجاشی شاہِ حبشہ کا اسلام

جب سنگدل کافروں نے دیکھا کہ ان مسلمانوں کو اچھی پناہ مل گئی کہ جو مسلمان ہوتا ہے وہ حبشہ جا آباد ہوتا ہے
حسد کی آگ میں جل مرے اور یوں خیال کیا کہ اگر یہی حال رہا تو اسلام ترقی پکڑ جائے گا اور ہمارے سکار مفت
ہمارے پنجہ سے نکلتے رہیں گے اس لئے اس تدبیر میں مصروف ہوئے کہ کسی طرح ملکِ حبش دارالامن نہ رہے، اور
مسلمان بذلت وخواری حاکمِ حبشہ ہی کے حکم سے وہاں سے نکلے جائیں تاکہ ہم کو آوازے کسنے اور دل کی بھاپیں
نکالنے کا موقع ملے۔ چنانچہ ان لوگوں نے مجلس منعقد کی اور اس خیال کو مشورہ میں ڈالا۔ آخر حاضرین جلسہ
میں اس تدبیر کی فکر طے ہوگئی اور بالاتفاق کفارِ مکّہ میں سب کی رائے سے یہ منصوبہ پختہ ہوگیا۔

چنانچہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ قریش کی طرف سے حاکمِ وقت شاہِ حبشہ اور ارکینِ دولت کے
لئے بہت کچھ تحفے تحائف ساتھ لے کر حبشہ آئے اور وہ بیش قیمت ہدیے اُن ارکینِ سلطنت کی نذر گذارے جن
کی وساطت سے آخر شاہی دربار تک رسائی پائے اور بارگاہِ سلطانی میں پہنچکر مطلب براری کے متوقع تھے
انہوں نے اہلِ حبشہ سے ظاہر کیا کہ یہ بد دین بے وقوف لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں گو رشتہ میں ہمارے
بھائی بند ہیں لیکن ایک بیہودہ مذہب کے موجد اور محض لغو باتوں کے قائل ہو کر چاہتے تھے کہ ہم شرفاءِ
قوم ان کے تابعدار غلام بن جائیں اور جب ہماری طرف سے مایوس ہوگئے تو مقدس مذہب عیسویت
پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ صاحبوں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ ان کا مَن گھڑت مذہب نہ ہمارے دین

کے موافق ہے نہ آپ لوگوں کے پاک اصول سے ملتا اور نصرانیت کی تائید کرتا ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ ہمارے اِن فراری مجرموں کو یہاں سے جلاوطن کرادیں اِس لئے کہ شاہی حکم سے اُن کا ہمارے قبضہ میں آجانا شاید اُن کی حالت سنوار دے اور ہم کو اور ہماری قوم کو دعائے ترقی دولت و اقبال کا موقع ملے۔ چنانچہ رشوت لینے والے ارکینِ دولت نے ہاں میں ہاں ملائی موافقت ظاہر کرکے کامیابی کی اُمید دِلاکر مطمئن بنادیا۔

صبح کو حبشہ کے بادشاہ جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا جس وقت دربار میں بیٹھا تو قریش کے بیش قیمت تحفوں کے ساتھ سفیرانِ قریش کی درخواست بھی پیش ہوئی اور منصف مزاج نجاشی یہ کہہ کر کہ "جو لوگ میرے انصاف اور رحمدلی کی امید پر اپنا وطنِ مالوف چھوڑ کر میرے ملک میں آ بیٹھے ہیں ان کو ہرگز نہیں نکال سکتا" امورِ سلطنت میں مشغول ہوگیا البتہ اتنی امید دلائی کہ فریق کی گفتگو جس وقت بالمواجہ ہوگی تو معلوم ہوجائے گا کہ کون برسرِ ناحق ہے اور کون برسرِ حق؟

غرض مہاجرین مسلمین کے پاس شاہی حکم پہنچا اور تمام مسلمان یہ خیال پختہ کرکے کہ جو کچھ بھی ہو سچ بولنا بہتر ہے دربار میں آموجود ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں کا دربار میں آنا نرالی ادا اور رسید سادہ طریقہ پر اہلِ دربار کے بالکل ناپسند تھا کیونکہ نہ اِن لوگوں نے شاہی آداب کو ملحوظ رکھا نہ بادشاہ کو سجدہ کیا نہ تخت کو بوسہ دے کر عاجزی و ذلت کا اظہار کیا بلکہ محض اسلامی قاعدے پر سلام کرکے جہاں جگہ پائی وہاں بیٹھ گئے۔

شاہی مصاحبوں میں سے ایک ندیم آگے بڑھا اور مسلمانوں کو مخاطب بناکر پوچھا کہ تم بے ادب گنواروں نے جہاں پناہ کو سجدہ کرنے کی تعظیمی رسم کو کیوں نہیں اَدا کیا؟ مسلمانوں میں سے حضرت جعفر طیار رض آگے بڑھے اور دلیرانہ اسلامی قوت سے جواب دیا کہ ہم اللہ کے مسلمان بندے اُس کی مخلوق کو سجدہ نہیں کرتے کیونکہ ہمارے پیغمبر کی ہم کو سب سے پہلی نصیحت یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی قابلِ پرستش نہیں ہے۔

اِس صاف جواب نے حاضرینِ جلسہ کی طبیعتوں پر گو کیسا ہی اثر کیا ہو لیکن نجاشی کے دل پر وہ پاک اثر کیا جو درحقیقت انصاف پسند پاک قلب پر ہونا چاہیے چنانچہ نجاشی نے ایک وقعت کی نظر سے مسلمانوں کے گروہ کو دیکھا اور ترجمان کی معرفت محض امتحان کی غرض سے سوال کیا کہ بتاؤ وہ کونسا مذہب ہے جس کے لئے تم نے اپنے آبائی دین کو ترک کردیا اور نہ میرے مذہب کو قبول کیا نہ دوسروں کے حضرت جعفر بن ابی طالب حضرت علی رض کے بھائی سب کی طرف سے وکیل بن کر آگے بڑھے اور اس طرح

تقریر فرمائی کہ اے منصف بادشاہ! ہم جہالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم لوگ بتوں کو پوجتے تھے مُردار کھاتے تھے، جھوٹ بولتے اور زنا و فسق و فجور کو اچھا سمجھتے تھے، انسانیت سے ناواقف تھے مسافر و مہمان نوازی کی رسم سے آگاہ نہ تھے، ہم لوگ ظلم کے سوائے دوسرا قانون نہ جانتے تھے کہ یکایک ہمارے مہربان پروردگار نے ہم پر رحم فرمایا اور ہماری شریف تر قوم میں ایک ہر دلعزیز شخص کو کھڑا کیا جس کی نجابت، سچائی، ایمانداری اور نیک چلنی سے ہم سب لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ اُس پر اللہ کا پاک کلام نازل ہوا اس نے ہم کو اللہ کی وحدانیت بتلائی شرک سے روکا، بتوں کے پوجنے، امانت میں خیانت کرنے اور پڑوسیوں پر ظلم کرنے سے منع کیا، سچ بولنے کی ہدایت کی، اللہ کے کمزور بندوں پر رحم کرنا سکھایا، مروّت اور انسانی ہمدردی سے آگاہ کیا اور کہا کسی پر جھوٹی تہمت نہ دھرو، یتیموں کا مال ظلماً نہ کھاؤ، اُس نے یہ حکم کیا کہ گناہوں سے بچو، نماز پڑھا کرو، خیرات دو، روزہ رکھو، جھوٹ نہ بولو، کسی کی غیبت نہ کرو، انصاف کرو اور ہمیشہ ایک اللہ لاشریک کے قائل رہو۔ چونکہ ہم لوگ اُس پر ایمان لے آئے، ہم نے اس کو سچا پیغمبر سمجھا، اس کی تمام ہدایتوں کو مان لیا اور شرک سے کنارہ کش ہو گئے اس لئے ہمارے ہموطن اور کُنبہ کے بھائی جو جہالت و بُت پرستی کے دریا میں ڈوبے ہوئے اور نخوت و تکبّر کا جامہ پہنے ہوئے تھے ہم لوگوں کے دشمن بن گئے ہم کو ہمارے قومی و وطنی بھائی اس وجہ سے تکلیف پہنچاتے اور ایذا دیتے ہیں کہ ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کو چھوڑ کر ان کی کاٹھ کی مورتوں کو پوجنے لگیں ان لوگوں نے ہم کو یہانتک ستایا اور اس قدر ایذا پہنچائی کہ ہم تاب نہ لا سکے اور اس کو برداشت نہ کر سکے آخر مجبور ہو کر آپکے مُلک میں آئے ہم کو اپنا وہ وطن چھوڑنا پڑا جس میں ہم پیدا ہوئے، بڑھے، پھولے پھلے ہم نے اپنے مال کی پروانہ کی ہم نے اپنی جان کا خیال نہ کیا ہمیں ہماری جائداد مُلک اور مال و متاع کی محبت نے نہ روکا البتہ یہ بات کہ دین کا بھی خیال نہ کریں، ہم سے نہیں ہو سکتا۔ ہمیں گوارا نہیں کہ جس آگ سے اللہ نے ہم کو نکال لیا ہے ہم پھر اُس میں آنکھوں دیکھتے کُود پڑیں۔ ہم یہاں تک صرف اِس امید پر آئے تھے کہ منصف رحمدل بادشاہ کی رعایا بن کر ظالم بُت پرستوں کے شر سے محفوظ رہیں گے اور کافروں کے پنجۂ ظلم سے نجات ملے گی۔ سو ہمارا دشمن قبیلہ یہ بھی نہ دیکھ سکا اور چاہتا ہے کہ جس رحمدل بادشاہ کی سلطنت میں حیوان اور طیور تک ظلم سے امن میں رہیں ہم دُور افتادہ مسافروں کو وہاں بھی پناہ نہ ملے اور تنگ آکر دوبارہ اُنھیں ظالم پنجوں کا شکار بنیں جن کے تختۂ مشق عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ سو تقدیر کا حکم ٹل نہیں سکتا اور ہمارے لئے جو کچھ مشیّتِ الٰہی سے صادر ہو، ہمیں بخوشی اُس کے منظور کرنے میں تامّل نہیں ہے، هُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْر۔

نجاشی نے یہ پُر اثر تقریر سُنی تو حیران رہ گیا اور سچّائی کے سچّے اثر سے متاثر ہو کر سوال کیا کہ وہ کلامِ الٰہی جو تمھارے پیغمبر پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے سُننا چاہتا ہوں چنانچہ سیّدنا جعفرؓ دو زانو ہو بیٹھے اور سورۂ مریم کی شروع آیتیں سُنائیں۔ نجاشی کا دل بھر آیا اور آنکھوں میں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ارکینِ سلطنت پر بھی ایک وجد کی سی حالت طاری ہوئی اور سُلطانِ حبش نے کہا کہ سُبحان اللہ سُبحان اللہ کس قدر شیریں اور پیارا کلام ہے اور اس لذیذ کتاب کی آیتوں کو انجیل شریف سے کیسی کچھ مُشابہت ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں اِن بندگانِ خدا کو اپنے رحم و انصاف سے محروم و مایوس بناؤں اور ان کو قریش کے حوالہ کروں۔ سو اَے سفیرانِ قریش! تمھاری درخواست نامنظور ہے جاؤ اور آئندہ کبھی ایسی بے موقع توقع مجھ سے نہ رکھو۔

سفیرانِ کذب نیل مرام دربار سے لوٹے تو شرم و ندامت کے مارے سر نیچے اور غصّہ و ملال کے سبب بے چین تھے۔ آخر عَمرو بن عاص اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں کل یہاں پھر آؤں گا اور دوسری چال چلوں گا۔ عبداللہ بن ابی اُمیّہ نے منع بھی کیا لیکن اس نے ایک نہ سُنی اور اگلے روز شاہی مراسمِ تعظیم ادا اور سجدہ کرنے کے بعد مودّبانہ عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ ہمارے فراری مجرم حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بُلایا اور دریافت کیا کہ سیّدنا عیسٰی ابن مریم کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ "ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبرؐ نے ہم سے کہا ہے کہ ھُوَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ" یعنی وہ اللہ کے بندے اور اُس کے پیغمبرؑ ہیں اور اُس کے حکم ہیں جو مریمؑ کی طرف کہلا بھیجا تھا اور اس کی جانب سے خاص رُوح ہیں۔

نجاشی نے کہا سچ ہے انجیل شریف کا بھی یہی مفہوم ہے اور گو عُلمائے نصاریٰ اِس کے خلاف ہوں لیکن میرا عقیدہ اِسی کو حق مانے ہوئے ہے۔ مسلمانو! تم پر اور تمھارے رسولؐ پر صد مرحبا۔ بیشک وہ سچّے نبی ہیں اور میرا جہاں تک خیال ہے محمدؐ وہی رسول ہیں جن کی تعریف میں نے انجیل شریف میں دیکھی اور پڑھی ہے خدا کا شکر ہے کہ عیسٰی بن مریمؑ کی بشارت پوری ہوئی اور میرا زمانۂ حکومت خاتم النّبیین کے زمانۂ رسالت کے موافق ہوا۔ بخدا اگر انتظام سلطنت میرے سپرد نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کے ہمراہ ضرور چلتا اور ان کی جوتیاں اُٹھا کر سر پر رکھتا۔ آفتابہ لے کر وضو کراتا اور اُن کی قدمبوسی کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھتا۔ اس پر ارکینِ سلطنت میں ایک مخالفانہ جوش پیدا ہوا اور نجاشی نے بات ٹال کر سلسلۂ گفتگو بدل دیا تاہم نجاشی کا اسلام مذکورہ بالا کلمات سے ثابت ہو گیا اور ان کے انتقال پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ اُن کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی۔

نجاشی نے قریش کے تحفے واپس کر دیئے اور کہہ دیا کہ جاؤ مجھ سے یہ اُمید ہرگز نہ رکھو کہ میں دینی

معاملہ میں رشوت قبول کروں گا۔ یا مال کے لالچ میں اللہ کے اِن بندوں کو جو میرے رحم کی اُمید پر میری مملکت میں آرہے ہیں ظالموں کے حوالے کر دوں گا۔ نجاشی شاہِ حبشہ نے اظہارِ اسلام کی وجہ سے اپنی قوم اور رعایا کا رُخ پھرا ہوا دیکھا تو ایک کاغذ پر کلمۂ توحید لکھ کر کُرتہ کے نیچے سینہ پر چُھپا لیا اور برسرِ دربارِ عام رعایا سے سوال کیا کہ آخر کس بات پر تم لوگ کشیدہ اور مجھ سے ناراض ہو؟ قوم نے جواب دیا کہ آپ نے مذہب بدل دیا اور خدا کے بیٹے عیسٰے کو ابن اللہ نہیں سمجھتے اِس سے ہمارے دل دُکھے اور ہماری محبت آپکے ساتھ جاتی رہی۔ اُس وقت شاہِ حبش نے توریہ کیا اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بس میرا یہی عقیدہ ہے کسی کو کیا خبر تھی کہ سینہ پر کیا تحریر ہے جس پر عقیدہ ہونے کا بادشاہ نے اقرار کیا ہے۔ یوں سمجھ کر کہ ہمارے عقیدہ سے موافقت کی اور سیدنا عیسٰے کو ابن اللہ سمجھ لیا سب راضی ہوگئے اور بغاوت کا جوش فرو ہوگیا۔

سلطانِ حبش کی اِس صاف نامنظوری پر سفیرانِ مکہ بے نیل مرام واپس ہوئے اور چند روز بعد نجاشی کو ایک اتفاقیہ غنیم سے مقابلہ کرنا پڑا جس کو چند ناعاقبت اندیش نصرانی نووارد مسلمانوں کی نحوست اور سردارانِ مکہ کو ناکام واپس کر دینے کا وبال سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کو بھی اپنے رحمدل آقا کی اِس تشویش سے فکر ہوا اور ان کا جی چاہا کہ کاش نجاشی کو نمایاں فتح اور دشمن پر کھلا غلبہ حاصل ہو چنانچہ راتوں رو رو کر اللہ سے دُعائیں مانگنے لگے بلکہ حضرت زبیرؓ ابن عوام کو لشکر کے ساتھ اس غرض سے بھیجدیا کہ ان کی وساطت سے جنگ کی خبریں باقی ماندہ مسلمانوں کو پہنچتی رہیں۔

سُلطانِ حبش کا پلہ غیبی نصرت کے سبب بھاری تھا اور مسلمانوں کی مخلصانہ دُعائیں خالی جانے والی نہ تھیں اِس لئے چند ہی روز میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور فتحمندی کے نقارے بجاتا ہوا لشکر حبش میں واپس ہوا چاروں طرف خوشی کے نعرے اور شادی و خرّمی کے شادیانے بجنے لگے۔ اِس موقع پر نجاشی کی فتح سے جو خوشی خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو ہوئی ہوگی اُس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔

درحقیقت حضرت جعفرؓ نے اپنے مذہب کے لوگوں کے لئے ایسی جرأت اور جوش سے بحث کی تھی جو بہت کم کسی نے کی ہوگی۔ اَب مسلمان حبش میں نہایت عزّت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور کامل اطمینان کے ساتھ اپنی معاش کے حصول میں جو سبب قائم کرنا چاہتے کر سکتے تھے۔

باب ۲۱

اسلام کی حقّانیت

جس وقت مسلمان اپنے دشمنوں کی ایذا رسانی کے سبب غیر مُلک میں جا بسے تھے اُس وقت بھی سیدنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہایت دلیری سے اپنی جگہ قائم اور مستعدی سے اپنی رسالت کے کام پر جمے ہوئے تھے۔

ایسی نازک حالت میں جب کہ چار طرف سے مخالفت کے بادل اُمڈے ہوئے چلے آتے ہوں بچہ بچہ جان کا دشمن اور خون کا پیاسا بنا ہوا ہو، بغض و عداوت کے شعلے بھڑک رہے ہوں، متمول سردار قتل کے بار بار بیڑے اُٹھاتے ہوں، اہلِ ملک اور اہلِ وطن قوم اور قبیلہ کنبہ اور برادری ایک سرے سے سب ہی بر سرِ پرخاش اور آمادۂ فساد ہوں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سچے ارادوں پر مستقل رہنا اپنی تنہائی کا خیال نہ کرنا اپنے معتقدین متوسلین کی آسائش کو مقدم رکھنا، اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں رکھنا اور ساتھیوں کو دار الامن میں روانہ کر دینا انصاف پسند طبیعت کو بتلا سکتا ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اور کس استقلال کے ساتھ اس کے سچے اُصول قائم ہوتے ہیں اِس مقدس مذہب کا محافظ و حامی کون زبردست ذات تھی اور اس چمنستانِ توحید کا مالی کیسا باہمت متحمل بردبار عالی حوصلہ شخص تھا جس نے اس کے نیولانے سینچنے اور بار آور ہونے کی طمع میں کمتر اور ذلیل غلاموں کی بھی گالیاں سُنیں۔

ایک دن کا ذکر ہے آپؐ حرم شریف میں تنہا بیٹھے تھے کہ ایک قریشی سردار عُتبہ بن ربیعہ آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اے میرے بھائی کے لڑکے بیشک تم شرافت و لیاقت میں مشہور ہو لیکن افسوس تم نے ہم لوگوں میں تفرقہ ڈالدیا ہمارے گھروں میں جھگڑا پھیلا دیا تم ہمارے دیوتاؤں اور دیبیوں کو بُرا کہتے اور ہمارے باپ دادا کو گنہگار اور بد دین، مشرک ٹھہراتے ہو۔ اِس لئے ہم لوگ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں تم اس پر غور کرو اور اس کو منظور کر لو" آپؐ نے فرمایا کہ "اے ولید کے باپ کہو میں سُنتا ہوں"۔ ابوالولید نے کہا کہ "اے میرے بھائی کے بیٹے! اگر تم اپنی ان باتوں سے دولت پیدا کرنی چاہتے ہو تو ہم لوگ چندہ کر کے تمھارے لئے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ اس قدر ہم میں سے کسی امیر سے امیر قریشی کے پاس بھی نہ ہو گی اور اگر اس سے تم اپنی عزت اور نام چاہتے ہو تو ہم لوگ تمھیں اپنا سردار بنالیں کہ کوئی کام تمھاری رائے کے ہرگز خلاف نہ کریں اور اگر تم ملک چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ قرار دیں اور اگر تم کو آسیب کا خلل ہے اور وہ بھوت جو تم پر سوار ہے اِس سے نہ اُترے تو ہم لوگ روپیہ خرچ کر کے حکیم لائیں اور حاذق طبیب سے تمھارا علاج کرائیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نہ مجھ کو تمھارا روپیہ چاہیے نہ تمھاری سلطنت درکار ہے نہ تمھارا جاہ و حشم میری نظر میں کوئی چیز ہے، میں تم کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں"۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور سورۂ سجدہ کی شروع آیات تلاوت فرمائیں آپؐ چلتے جاتے اور اخلاص کے ساتھ قرآن کی یہ مبارک آیتیں تلاوت فرماتے جاتے تھے جن کا مضمون یہ ہے کہ "یہ کتاب رحمٰن رحیم کی اُتاری ہوئی ہے اس کے دلائل صاف صاف ہیں

قرآن ہے جس کی زبان عربی ہے، یہ سمجھ والوں کے لئے ہدایت ہے، یہ خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی ہے، لیکن اِس سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اور اِس کو سُنتے نہیں اور کہتے ہیں ہم تمہاری باتوں کو نہ سمجھ سکتے ہیں، نہ سُن سکتے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان ایک پردہ ہے اِس لئے کرو تم جیسا کہ تم مناسب سمجھو اور کریں گے ہم جو ہم مناسب سمجھیں گے۔ کہہ دو اے (محمد) کہ میں تمہاری ہی طرح پر ایک آدمی ہوں، یہ بات مجھ پر کھول دی گئی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے اِس لئے سیدھے اُسی کی طرف جاؤ اور گذشتہ کے لئے معافی مانگو اور افسوس ہے اِن بُت پرستوں پر جو صدقہ نہیں دیتے اور آنے والی زندگی کا یقین نہیں کرتے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں وہ ابد الآباد کے لئے انعام پائیں گے۔"

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی یہ آیات سُنا چکے تو فرمایا کہ "اب تم نے سُن لیا کہ میرا مقصود کیا ہے مطلب تم پر ظاہر ہو گیا اور میرا منشا تم معلوم کر چکے سو اب جو مناسب سمجھو کرو۔"

عُتبہ بن ربیعہ آسمانی وحی سے اِس قدر متاثر ہوا کہ آپ کی تلاوت شروع کرتے ہی دونوں ہاتھ پیچھے کی جانب زمین پر ٹیک کر مبہوت بنا سُنتا رہا اور جب تک آپ نے آیت سجدہ تک تلاوت ختم نہ کی اسی طرح بے حس و حرکت بنا رہا آخر اپنے رفقاء قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "اے قوم! آج میں نے محمدؐ کی زبان سے ایسا شیریں کلام سُنا کہ واللہ نہ اُس کو سحر و کہانت کہہ سکتا ہوں نہ شعر و شاعری۔ اے قوم میرا کہنا مانو محمدؐ کی بات نہ کرو اور جس کام میں لگے ہوئے ہیں اِس کے مزاحم مت بنو یاد رکھو مجھے اُس کے کلام سے اُس کے مقصد میں کامیابی کی بُو آتی ہے سو اگر کسی عربی دشمن نے اُن کو ہلاک کر دیا تو اچھا ہے کہ تمہارا کام دوسرے نے کیا اور اگر محمدؐ کو غلبہ حاصل ہوا جیسا کہ متوقع ہے تو اُن کی عزت تمہاری عزت ہے اور اُن کا ملک تمہارا ملک ہوگا۔" قریش نے عُتبہ کی یہ تقریر سُنی تو ہنسے اور جواب دیا کہ معلوم ہوتا ہے محمدؐ کے جادو نے تم پر بھی اثر کر دیا اور شیریں بیانی کے جال میں تم بھی پھنس گئے۔ ابو الولید نے یہ لایعنی جواب سُن کر سکوت کیا اور یہ کہہ کر کہ میرا تو جو خیال تھا ظاہر کر چکا اب تم جانو اور تمہارا کام۔ بات کو ٹال دیا۔

کفّار ایک مرتبہ اور بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور دولت و عزت کے لالچ دلائے مگر پھر آپ نے یہی جواب دیا کہ میں نہ دولت کا بھوکا ہوں نہ مجھے نام کی خواہش ہے نہ مملکت کی ہوس۔ میں تو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں کہ تمہیں خوش خبریاں سُناؤں، میں تم کو خدا کا کلام سُناتا اور نصیحت کرتا ہوں، اگر تم نے میرا کہا مانا تو اِس دُنیا میں بھی چین سے رہو گے اور آئندہ بھی۔ اور اگر تم نے نصیحتوں پر کان نہ دھرا تو میں صبر کروں گا اور اپنے معاملہ کو خدا پر چھوڑوں گا وہ تمہارے اور ہمارے درمیان تصفیہ کر دے گا۔

سُبحان اللہ، اِن جلالت مآب باتوں سے کیسی عظمت اور عالی حوصلگی ظاہر ہوتی ہے لیکن افسوس ہٹ دھرم قوم نے جواب بھی دیا تو ایسا نامعقول جس سے عناد ٹپکتا تھا یعنی یہ کہ اے محمدؐ! تم خوب سمجھ لو ہم لوگ تم کو کبھی وعظ نہ کہنے دیں گے یہاں تک کہ تم فنا ہو جاؤ یا ہم۔

اللہ کے محبوب پیغمبر کو باوجودیکہ ہر طرح کی سختیاں پیش آتیں اور مزاحمتیں ہوتی تھیں لیکن آپ اللہ کی مدد پر بھروسا کئے ہوئے وعظ و نصیحت کے کام پر اسی تندہی سے مستعد اور مصروف رہے آپ کو ذرا لغزش نہیں ہوئی آپکے خیال نے ذرا پلٹا نہیں کھایا آپ کو کبھی ہراس نہیں ہوئی، اگر آپنے اپنی رسالت کی حقانیت پر دلیل پیش کی تو یہی کہ میری پسندیدہ نصیحتیں عقلِ سلیم کے موافق اور میرے پاکیزہ اقوال انسانی سمجھ کے مطابق ہیں کلام جو مجھ پر نازل ہوتا ہے اللہ کا کلام ہے اس جیسا فصیح کلام بنانا بشری طاقت سے باہر ہے اگر کسی کو دعویٰ ہے تو اس جیسی ایک سُورت بنا کر لائے، سورت نہ سہی پوری ایک آیت ہی بنائے اپنے حمایتیوں کو بلائے اور اُس وقت مُلک عرب حالانکہ فصحاء کا معدن اور بلاغت کا گنجینہ بنا ہوا تھا لیکن کسی سے نہ ہو سکا باوجود اس سخت مخالفت اور بار بار دعوئے مزاحمت و مقابلہ کے کوئی اپنا قصیدہ یا مسجع مضمون پیش کرتا اور کہتا کہ یہ قرآن جیسا فصیح کلام سیّدنا محمّد صلّی اللہ علیہ وسلم کو بند کرنے کے لئے ہے۔

باب ۱۲

حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کا اسلام اور اسلام کی قوت

جب کافروں کو مال و عزت کے لالچ دلانے میں بھی ناکامی ہوئی تو اُنھوں نے معمول سے زیادہ آپ کا مضحکہ اُڑانا شروع کیا۔ جدھر آپ جاتے اپنے متعلق نازیبا اور سخت الفاظ سُنتے تھے بازاری اوباش آپ پر پھبتیاں اُڑاتے، طعن کرتے، شریر بچے کنکریں مارتے، خاک اُڑاتے اور بیہودہ طریقہ سے آپ کو پریشان کرتے تھے۔ غلام اور باندیاں آپ کو دیکھتیں تو مذاق اُڑاتیں، ہنستیں اور دل آزار تشنیع سے بار بار دل دُکھایا کرتی تھیں۔ سب کچھ تھا مگر اللہ رے ہمّت و حوصلہ کہ باوجود ذی عزت و شرفِ خاندان و ننہال اور قریشی حاکم مکّہ کے نازپروردہ پھول ہونے کے کبھی کسی رذیل سے رذیل شخص کی بدگوئی کا جواب بھی بدگوئی سے نہ دیا اور معاملہ سپردِ خدا کر کے صبر فرما کر واپس تشریف لے آتے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کوہِ صفا کے دامن میں ارقم بن ابی ارقم کے مکان پر تشریف رکھتے تھے ابوجہل بن ہشام کا اس جانب گذر ہوا اور اُس نے آپ کو کوہِ صفا کے پاس کھڑا دیکھ کر بہت کچھ

نت سُست کہا۔ حضرت نے سب کچھ سُنا اور حسب عادت تحمّل سے کام لے کر خاموش ہو رہے اور جواب میں زبان
سے ایک کلمہ بھی نہ نکالا۔ عبداللہ بن جدعان کی باندی ابوجہل کے یہ ناشائستہ کلمات سُن رہی اور سیدنا محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کا صبر دیکھ رہی تھی، تھوڑی دیر گذری تھی کہ حضرت کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب جو اس وقت تک
اپنے مذہب کے معتقد تھے، کمان کندھے پر ڈالے شکار گاہ سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں اس باندی نے
دیکھ پایا اور کہنے لگی کہ اے حمزہ نہایت افسوس اور شرم کی بات ہو کہ تمھارا بھتیجا تمھارے بھائی عبداللہ
کا بیٹا عام لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل بن جائے مکہ کے بازاروں میں جس کا بھی جی چاہے اُن کو گالیاں
سنائے اور تم کو کچھ شرم و حیا نہ آئے اگر آج تم دیکھتے کہ ابوجہل نے اُس شریف زادے کو کیسی گالیاں دیں اور
اُس نے کس قدر صبر کیا اور چپکا گھر چلا گیا تو تم کو حیرت ہوتی، کیا دنیا کے خون سپید ہو گئے یا قومی حمیّت
کوئی چیز نہیں رہی؟ کیا محمدؐ، عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا نہیں ہے یا عبداللہ تمھارا بھائی نہ تھا، لے
قریشی سردار! تم تو بڑے شریف اور خاندانی کہلاتے ہو، کیا اہلِ عرب کی نظروں میں تمھارا کُنبہ یعنی
ہاشم کی اولاد بالکل ہی ذلیل اور بے وقعت ہو گئی۔"

سیدنا حمزہؓ جو رشتہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ثویبہ کی وساطت سے
رضاعی بھائی ہوتے تھے نہایت غُصیارے اور غیور طبیعت شخص تھے، یہ کلمات سُن کر غصّہ کے مارے
سُرخ ہو گئے آنکھوں میں خون اُتر آیا اور سیدھے مسجدِ حرام میں ابوجہل کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ
"او خبیث! تو محمدؐ کو گالیاں دیتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ میں اُس کے دین پر ہوں؟" کمان کندھے
سے اُتار کر ایسے زور سے سر پر ماری کہ دماغ پر کاری زخم لگا۔

سیدنا حمزہؓ کا معمول تھا کہ شکار گاہ سے واپس ہو کر سب سے پہلے خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور راستہ میں قومی
مجلسوں میں ٹھہرتے، سلامٌ علیک کرتے بیٹھتے، کچھ دیر باتیں کرتے اور پھر گھر واپس آتے تھے لیکن اس غصّہ
کی حالت میں یہ عادت ترک ہو گئی اور سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ ابوجہل سے اپنے بھتیجے کا انتقام لیا اور
یہی جوش و حمیّتِ قومی دولتِ ایمان کا سبب بن گئی۔

حمزہ کی یہ حرکت دیکھ کر حاضرینِ مجلس اپنے سردار ابوجہل کی طرف داری میں بھڑکے اور چاہا کہ حمزہؓ
سے انتقام لیں مگر اوّل تو حمزہ بھی آبرو دار شخص اور قریشی سردار تھے دوسرے خود ابوجہل نے یہ کہہ کر ٹھنڈا
کر دیا کہ حمزہ معذور ہیں میں نے ان کے بھتیجے پر حقیقت میں زیادتی کی اور ایذا پہنچائی ہے اگر یہ اس کا بدلہ
مجھ سے نہ لیتے تو اس وقت قابلِ ملامت ہوتے اور بے حیائی کا دھبہ ان کی ذات پر لگایا جاتا۔

اس کے بعد سیدنا حمزہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ

میں ایمان لایا اللہ پر اور اللہ کے سچے رسول محمدؐ پر۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مہربان چچا اور سردار قریش کی زبان سے کلمۂ توحید سُن کر نہایت مسرت ہوئی اور اب قریش کا بھی زور ٹوٹ گیا، کیونکہ حمزہ رضؓ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان امر نہ تھا۔

قریش کی ہمتیں پست ہو چلیں اور کمریں ٹوٹنے لگیں، لیکن چند لوگوں نے پھر آخری کوشش پر کمر ہمت کو چست کیا اور مجلس منعقد ہوئی جس میں بڑے بڑے تاجر، مالدار، متموّل، سردار، بہادر، اولو العزم دلیر اور سفّاک لوگ جمع ہوئے۔ ابوجہل نے میرِ مجلس بن کر کہا "اے اہلِ عرب! اور اے سردارانِ قریش سخت افسوس اور شرم کی بات ہے کہ تم جیسے بہادر جنگ جُو مالداروں کی جماعت میں ایک ضعیف لڑکا نکل کر تمہاری مخالفت کا جھنڈا کھڑا کرے اور تم اُس کا کچھ نہ کرسکو، تمہاری عزت کہاں گئی؟ تمہاری ہمت کیا ہوئی؟ کیا تم سے نہیں ہوسکتا کہ اس کا سر کاٹ لاؤ؟ کیا کوئی شریف تم میں ایسا نہیں رہا کہ اُس کا سر تن سے جدا کرکے میرے پاس لائے اور سَو اونٹ کے علاوہ ہزار اوقیہ نقرہ کا انعام مجھ سے لے۔"

یہ سُن کر کمیٹی کے ایک معزز ممبر عمر بن خطاب جو دلیری و پختگی عزم میں مشہور اور اپنے عقائد میں مضبوط مستحکم ہونے کی وجہ سے اسلام اور بانیٔ اسلام کے دشمن تھے، کھڑے ہوئے اور کہا کہ تم اطمینان رکھو میں بہت جلد اُن کا سر کاٹ کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔ یہ سُنکر تمام حاضرینِ جلسہ کو خوشی ہوئی کیونکہ ان کو یقین ہوگیا تھا کہ اپنی دُھن کا پکا عمر جیسا بہادر شخص بیشک ناکام واپس نہ آئے گا۔

عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لی اور اپنی دُھن میں مستغرق مجلس سے اُٹھ کر سیدھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں نعیم بن عبداللہ ملے جو اپنی قوم کے خوف سے اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ انھوں نے عمر بن خطاب کو تیوری چڑھائے، تلوار لٹکائے غضبناک چہرہ میں دیکھا تو پوچھا کہ اے عمر کہاں جاتے ہو؟ عمر بن خطاب نے جواب دیا کہ محمدؐ کا سر کاٹنے جا رہا ہوں کیونکہ انھوں نے قریش میں پھوٹ ڈال دی، اُن کے معبودوں کا ہتک کیا۔ ان کے بزرگوں کو گمراہ اور بڑوں کو جہنمی بتایا اور ان کے قدیمی دین کو بُرا کہہ کہہ کر سردارانِ قریش کے دل دُکھا رہے ہیں۔ میں نے آج بیڑا اُٹھایا ہے کہ اس فساد کی جڑ بنیاد کاٹ دوں۔ نعیم نے کہا کہ اے عمر! تم کو تمہارے نفس نے دھوکہ دیا بھلا محمدؐ کے قتل ہونے پیچھے عبدمناف کی اولاد تم کو زندہ چھوڑ دے گی؟ جاؤ اور اپنی جوانی پر رحم کھاؤ۔

عمر بن خطاب کے غصّہ کا دریا اُس وقت جوش زن اور طوفان کی موجوں کی طرح متلاطم تھا آنکھوں میں سُرخی کے ڈورے نمودار تھے نعیم کی زبان سے یہ کلمات سُن کر اور بھڑکے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر محمدؐ کے طرفدار اور صابی بن گئے ہو بہتر ہے کہ اول تمہارا ہی معاملہ طے کردیا

نعیم نے جواب دیا کہ اے عمرؓ ہوش میں آؤ اور محمدؐ یا میرے قتل سے پہلے اپنے گھر کی حالت تو درست کر لو دیکھو تمہاری حقیقی بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید کس دین پر ہیں کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہ بھی اسی مذہب کے پیرو ہیں جس کی جڑ کاٹنے کا تم قصد کرکے اُٹھے ہو۔ یہ خبر سُنکر عمر بن خطابؓ کی حالت متغیر ہوگئی اور یہ اُس راستہ کو چھوڑ آپ اپنے گھر کی طرف چلے۔

فاطمہ بنت خطابؓ اور اُن کے شوہر سعید بن زیدؓ ایمان لاچکے تھے لیکن خوف کے سبب اظہار نہ کر سکتے تھے حضرت خباب بن ارت اُن کو خفیہ طور پر قرآن مجید پڑھانے اور علم دین سکھانے آجاتے تھے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اُس وقت جب کہ عمرؓ غصہ میں بھرے ہوئے اپنے گھر آرہے تھے، حضرت خبابؓ کلام مجید باوازِ بلند پڑھ رہے اور فاطمہؓ و سعید مؤدب بیٹھے سُن رہے تھے۔ عمر بن خطابؓ نے کواڑ کھٹکھٹائے تو سب گھبرا اُٹھے اور خوف کی وجہ سے دل کانپنے لگے آخر حضرت خبابؓ تو جلدی سے لپک کر گھر کے گوشہ میں چھپ گئے اور فاطمہؓ نے مقدس صحیفہ کو اپنی ران سے چھپالیا۔ سعید بن زیدؓ نے کواڑ کھول دیئے۔ چونکہ عمر بن خطابؓ کے کانوں میں کلامِ الٰہی کے چند کلمے پڑچکے اور ان کو نعیمؓ کے قول کی تصدیق ہوچکی تھی اس لئے گھر میں قدم رکھتے ہی غصہ کے ساتھ للکار کر پوچھا " بتاؤ یہ بھنبھناہٹ جو میرے کانوں میں پڑی، کس چیز کی تھی؟" بہن نے بھائی کی تیوری بے طور دیکھی تو بات کو ٹالا اور کہا بھائی جان! کچھ بھی نہیں تھا آپ کو وہم ہوا۔

یہ سُنکر عمر بن الخطابؓ کے غصہ کی آگ بھڑک اُٹھی اور اُنھوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ پر دست درازی شروع کی، حضرت فاطمہؓ اپنے بھائی کے ہاتھوں بلا وجہ خاوند کی اِس ذلت کو کب گوارا کرسکتی تھیں، اُٹھیں اور بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر عمر بن خطابؓ غصہ میں ایسے مدہوش تھے کہ نہ بہن کا امتیاز تھا نہ بہنوئی کا۔ اس لئے حضرت سعیدؓ کو چھوڑ کر اب بہن پر ٹوٹ پڑے۔

عمر بن الخطابؓ نے اپنی بہن پر معمولی زیادتی نہیں کی بلکہ اس قدر مارا کہ فاطمہ کے نازک بدن پر زخم آئے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔

فاطمہ نے جب دیکھا کہ بھائی نے غصہ اور سختی کے برتاؤ میں حد کردی تو سمجھ لیا کہ اب حق کا چھپانا کمزوری ہے اُنہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ" ہاں ہاں بیشک ہم دونوں اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں، تم کو جو کچھ کرنا ہو کر گذرو، ہمیں اپنا ایمان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے، ہم مرجائیں گے لیکن تمہارا کہنا کبھی نہ مانیں گے۔"

عمر بن خطابؓ کے غصہ کا دریا اِدھر لہریں مار رہا تھا اور اللہ جل جلالہٗ کی بے پایاں رحمت کا سمندر اُدھر جوش زن تھا۔ یہ بہن اور بہنوئی کے ساتھ تلخ و ناگوار برتاؤ پر تُلے ہوئے تھے اور بارگاہِ

احدیت سے اُن کے سخت قلب میں ایمان کی حلاوت ڈالی جارہی تھی۔ بہن کو مارنے کے بعد جوش فرو ہوگیا اور غبار نکل چکا تھا خصوصاً جب کہ بہن کے جسم سے خون بہتا دیکھا تو رحمدلی اور نرمی کے ساتھ اپنی بیجا حرکت پر ندامت ہو چلی تھی اِس لئے ہوش و حواس درست کرکے کہا کہ اچھا وہ صحیفہ مجھ کو دکھا دو جو تم لوگ پڑھ رہے تھے۔ فاطمہ رضؓ نے عمرؓ کے دل میں رقّت و نرمی کا اثر دیکھا تو خوشی پیدا ہوئی اور جواب دیا کہ "نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم اُس کے ساتھ گستاخی کروگے۔ وہ پاک صحیفہ میرے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور تمھارے ہاتھ میں جاکر پُرزے پُرزے ہوجائے گا"۔ عمر بن خطابؓ نے قسم کھائی اور کہا کہ میں تمھارا صحیفہ تم کو واپس کردوں گا۔ تم جانتی ہو کہ عمرؓ وعدہ خلاف اور بات کا کچا نہیں ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی حالت تو اُس وقت کچھ اور ہی تھی اُن پر بھائی کی ہیبت و خوف کا نشان تک نہ تھا اِس لئے بے تکلف جواب دیا کہ ہمارا مقدّس صحیفہ ہمارے مہربان خدا کا پاک کلام مُشرک اور بُت پرست کافروں کے نجس ہاتھوں میں کیونکر جاسکتا ہے۔ تمھارا قلب نجس، تمھارا بدن ناپاک، تمھارے ہاتھ پلید ہیں وَلَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ط (اور اس کو سوائے پاک بندوں کے کوئی چھو نہیں سکتا) عمر بن الخطّابؓ اُس وقت ایک علیحدہ مکان میں گئے اور وہاں غسل کیا اور کہا لاؤ اب دکھاؤ کہ صحیفہ میں کیا لکھا ہے؟ فاطمہؓ بنت الخطّاب وہ صحیفۂ شریفہ اُٹھا لائیں جس میں سُوْرَۃُ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی چنانچہ عمر بن الخطابؓ نے چند آیتیں پڑھیں اور بے اختیار بول اُٹھے کہ "کیا شیریں کلام ہے اس کی حلاوت اور اس کی بزرگی میری رگ رگ میں سرایت کرتی جاتی ہے"۔ سیدنا عمر بن خطّابؓ کے یہ پیارے کلمات حضرت خبّابؓ مکان کے گوشے میں چھپے ہوئے سُن رہے اور حق تعالےٰ کی قدرت و رحمت کا کرشمہ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے آخر باہر نکل کر کہا "مرحبا مرحبا خوش ہوا عمرؓ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا تمھارے بارے میں قبول ہوئی کیونکہ میں نے کل آپ کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سُنا تھا کہ بارِ الٰہا! اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ساتھ عزت دے اِن دونوں میں سے جس کو تو چاہے مسلمان بنا اور دولتِ ایمان سے مالا مال فرما"۔

سیّدنا عمر بن خطّابؓ کا دل نورِ ایمان سے منوّر ہوچکا اور ابوجہل سے قبل اِس نعمت کی طرف لپکنے کا شوق بھڑک اُٹھا تھا اِس لئے مخلصانہ طور پر درخواست کی کہ "اے خبّاب! محمدؐ کہاں ہیں مجھ کو اُن کے پاس لے چلو اور مسلمان کرالاؤ"۔

غرض عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لی اور اس دارِ ارقم کی طرف اب ایمان کی نیت سے چلے جس کی جانب ابھی چند گھنٹے ہوئے کسی گستاخ اور ناز یبا ارادہ سے جارہے تھے۔ یہاں حاضر ہوکر دروازہ پر دستک دی اور اندر آنے

ی اجازت چاہی۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُس وقت ابوبکر صدیقؓ عثمان بن عفانؓ، علیؓ بن ابی طالب اور حضرت حمزہؓ وغیرہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ کواڑ کی درزوں میں سے دیکھا تو تلوار لٹکائے ہوئے عمر بن خطابؓ نظر آئے۔ صحابہؓ پریشان ہوئے اور کواڑ کھولنے میں تردد ہوا۔ حضرت حمزہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! عمر کو اندر آنے کی اجازت دیجئے اگر اُن کا ارادہ بھلائی کا ہے تو ہم بخوشی اطاعت کریں گے اور اگر کسی گستاخانہ حرکت کے قصد سے آئے ہیں تو انھیں کی تلوار ان کا خون بہائے اور گردن اڑائے گی۔

غرض حضرتؐ نے اجازت دی اور دروازہ کھول دیا گیا۔ عمر تلوار کو میان میں کئے گردن میں ڈالے اندر آئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور عمرؓ کی چادر کا کونہ پکڑ کر زور سے جھٹکا دے کر یہ کلمات ارشاد فرمائے کہ "اے عمر! کیا تو باز نہ آئے گا یہاں تک کہ کوئی کھڑکھڑا ڈالنے والی مصیبت تیری آنکھیں کھولے؟" خدا جانے اس جھٹکے میں کیسی مقناطیسی قوت تھی کہ عمر بن خطابؓ کا نورِ ایمان چمک اٹھا اور دینداری کے ماہتاب کی شعاعیں پھوٹنے لگیں ایمان کی دبی ہوئی محبت مشتعل ہوئی اور ان کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ یا رسول اللہؐ میں تو ایمان ہی لانے کے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں۔

یہ سُن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوشِ مسرت سے آوازِ تکبیر بلند کی اور سارے گھر والوں کو اطلاع مل گئی کہ عمر مسلمان ہو گئے۔ اب مسلمانوں کی مسرت کا کیا پوچھنا ہر شخص اپنے پاک خدا کے احسان کا شکر گذار بنا ہوا اس نعمتِ غیر مترقبہ کے حصول پر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتا تھا۔ عمر بن خطابؓ نے سب سے پہلے جمیل بن معمر کو اپنے اسلام کی اطلاع دی کیونکہ عرب میں یہی ایک شخص پیٹ کا انتہا درجہ کا ہلکا اور بات کا زیادہ مشہور کرنے والا تھا۔

جمیل نے یہ حیرت انگیز اطلاع پائی تو چادر کندھے پر ڈال گھبرایا ہوا حرم محترم کے دروازہ پر آیا اور باوازِ بلند پکارا کہ "اے جماعتِ قریش اور اے مکہ کے باشندو! عمر بن خطاب صابی ہو گیا" سیدنا عمر بن خطابؓ نے جو برابر ہی کھڑے تھے فوراً جواب دیا کہ "جھوٹا ہے کمبخت، بخدا میں تو مسلمان بنا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے دوسرا کوئی معبود نہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور رسولؐ ہیں"۔ غرض فوراً ہی یہ بات ہوا کی طرح اُڑی اور چند منٹ میں تمام اہلِ مکہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عمر جو محمدؐ کا شکار کرنے گئے تھے خود شکار ہو گئے اور سردارانِ مکہ کی قوت کا فرد اُن سے منتقل ہو کر اسلام کی طرف چلی گئی۔ یہ خبر پا کر کفارِ قریش جھنڈ کے جھنڈ آتے اور جھگڑتے شور مچاتے اور بحث و مباحثہ کرتے رہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا سب کے لئے صرف ایک جواب تھا اور وہ یہ کہ تم سے جو ہو سکے کر لو میں تو ایمان لا چکا اور اب کسی طرح اس برحق مذہب کو چھوڑنے والا ہوں نہیں عزت جائے،

مال جائے، جان جائے، جو کچھ بھی ظہور میں آوے، سب گوارا ہے۔ مگر قسم ہے خدائے برتر کی کہ اسلام کو نہ چھوڑوں گا اور کبھی نہ چھوڑوں گا۔

آفتاب ایک نیزہ چڑھ گیا دھوپ کی تیزی نے دماغ پریشان کر دیئے مگر لوگوں کا غصہ ابل ابل کر آتا اور جوش و طیش میں اُمڈ ناکم نہ ہوا یہاں تک کہ عاص بن وائل آیا اور اپنی قوم کو مخاطب بنا کر کہا کہ اے قوم! آخر تمھارا مقصود کیا ہے کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ عمر کا کنبہ بنی عدی بن کعب اپنے بہادر شیر کو تمھارے حوالہ کردیں گے کہ تم جو چاہو کرو؟ اے قوم ہوش میں آؤ اور عقل سے کام لو جو ہونا تھا وہ ادا ہو چکا۔ عمر نے اپنے لئے جو بہتر سمجھا اختیار کیا تم اپنے لئے جو بہتر سمجھو وہ اختیار کرو۔ باقی قتل و قتال اور نزاع و جدال کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اُس وقت سب لوگ واپس ہوئے اور سیدنا عمر بن الخطابؓ اپنے گھر کا راستہ لیا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام نے درحقیقت کافروں کا زور توڑ دیا اور مسلمانوں کی کمر اِس قدر مضبوط کردی کہ اب علی الاعلان اسلامی وعظ ہونے لگے۔ خانہ کعبہ میں کھلم کھلا نماز پڑھی جانے لگی۔ گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ کفار کے ارادے پست اور منصوبے بے بنیاد ہوگئے اسلام کا آفتاب دن کے شروع حصہ کی طرح اوپر چڑھنے اور حجازی ذرے روشن کرنے لگا۔ مسلمانوں کے گروہ میں روز بروز ترقی اور کافروں کی جماعت میں دن بدن تنزل کے آثار نمایاں ہونے لگے مسلمانوں کی تعداد چالیس ۴۰ سے متجاوز ہو چلی اور حق تعالیٰ نے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ نازل فرمائی +

باب ۹

قریش کا باہمی اتفاق اور خاندانِ بنی ہاشم کی خطرناک مصیبت

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا آفتاب اُن کے خاک ڈالنے سے مکدّر نہیں ہوتا اور ابو طالب اپنے بھتیجے محمدؐ کو جنھیں بانیٔ فساد سمجھے ہوئے ہیں ہمارے حوالے نہیں کرتے، اِدھر نجاشی شاہِ حبش نے بھی رُوکھا جواب دیدیا اور دین اسلام نہایت اطمینان کے ساتھ قدم بڑھائے چلا جا رہا ہے تو یکم محرم الحرام ۷ نبوی کو ایک بڑا جلسہ منعقد کیا جس میں تمام قبائلِ مکہ کے رؤساء و سردارانِ قریش نے مشورہ سے یہ تجویز پختہ کی کہ ابو طالب اور تمام بنو ہاشم کے خاندان کو برادری سے گرادو۔ اُن سے شادی بیاہ اور خرید و فروخت کا معاملہ قطعی نہ کرو، نہ ان کی موت و زندگی کے ہم ساتھی اور نہ ہماری موت و زندگی کے یہ شریک، نہ اُن کے پاس بیٹھو نہ اُن سے بات کرو، نہ اُن کے ہاتھ کوئی چیز بیچو، نہ دوسری جگہ کے آنے والے تاجروں کو اُن کے ہاتھ

کوئی چیز بیچنے دو۔ اور جس بھاؤ بھی جو چیز ملے نقد قیمت پر سب کی سب خرید لو۔ ایسا کرنے سے یہ لوگ تنگ آجائیں گے اور پھر ان کو ہماری خوشامد اور اطاعت کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

یہ معاہدہ محض زبانی معاہدہ نہ تھا بلکہ تحریر ہوکر ٹھہروں کے لئے سرداران مکّہ کے سامنے لار کھا گیا، اور آخر کار دستخطوں سے مکمّل ہوکر پابندی کی غرض سے خانۂ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا اگرچہ اس ظالمانہ معاہدہ کے لکھنے والے یعنی منصور بن عکرمہ عبدی کو اس کی پاداش اسی وقت مل گئی تھی کہ اس کا ہاتھ شل اور آلۂ کتابت ہمیشہ کے لئے بیکار ہوگیا لیکن آبرودار حاضرینِ جلسہ کے لحاظ و دباؤ نے کسی کو ہدایت نہ ہونے دی اور اس وقت سے یہ کاغذ گویا رجسٹری شدہ دستاویز بن گیا جس کا انکار کرنا گویا تمام مکّہ کا مخالف بننا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابوطالب نے اپنی قوم بنو ہاشم کو اُن کی خاندانی عزّت بار بار یاد دلا کر اس امر میں اپنا ہم خیال بنا لیا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالے نہ کیا جائے اس لئے سوائے ابولہب کے جس نے حضرت کی مخالفت وعداوت کی وجہ سے اپنے کنبہ کی علیحدگی اختیار کی باقی تمام بنو ہاشم یک زبان ومتفق ہوگئے اور قریش کے اس معاہدہ پر جو کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا بطور رسد ہمراہ لے کر مع سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب محمد ابوطالب کے اس وسیع میدان میں جا بسے جو مکّہ کی شرقی جانب ایک تنگ پہاڑی کے پرے واقع تھا اور جس کو پہاڑی چٹانوں اور کوہی درّوں نے شہر سے بالکل علیحدہ کر دیا تھا۔ اس کی آمد و رفت ایک درّہ کوہ سے تھی اور یہ حصاری مقام ایک مختصر قلعہ کی طرح نہایت حفاظت کی جگہ بنا ہوا تھا۔ اسی جائے پناہ کا نام "شعبِ ابی طالب" ہے۔

خاندانِ بنی ہاشم کی یہ علیحدگی درحقیقت ایسی تھی جیسے ہندوستان کی اکثر پنچ قومیں کسی قومی جرم کی سزا دینے کے لئے ہوا کرتی ہے بلکہ اس میں ظلم و بے رحمی کا زیادہ اثر تھا اس لئے کہ یہ اہلِ شعب کسی بیرونی تاجر سے بھی غلّہ نہ خرید سکتے تھے اور نہ ان کو یہ اجازت تھی کہ موسمِ حج میں اپنے شعب سے باہر نکل کر مکّہ دیکھ سکیں اور اگر وہ لوگ آتے بھی تو کیا نتیجہ تھا اس لئے کہ جس سے وہ بات کرنی چاہتے وہ اِن سے منہ پھیرتا اور جس سے رحم کے خواستگار ہوتے وہ خون بہانے کی خواہش ظاہر کرتا تھا۔

چونکہ یہ مخالفت مذہبی مخالفت کی جگہ قومی لڑائی بن گئی تھی اور اہلِ شعب میں سے جو کوئی کسی ضرورت سے پریشان ہوکر باہر نکلتا تھا وہ مارا پیٹا جاتا اور ایذا پہنچایا جاتا۔ قلیل غلّہ ختم ہو چلا تھا اس لئے چند ہی روز بعد ان کی حالت نازک ہوگئی اور فاقہ کشی پر نوبت پہنچ گئی۔ کوئی رحم دل رشتہ دار اگر اپنے کسی ناتے والے ہاشمی شخص کو چھپا کر کوئی چیز بھیج بھی دیتا تو اس کی اطلاع ہونے پر وہ بھی عہد شکن مشہور ہوتا

اور قریب قریب برادری سے خارج سمجھا جاتا تھا۔

ہاشمی بےکس عورتیں اور مطلبی معصوم مظلوم بچّے بھوک پیاس سے بیتاب ہو ہو کر شور مچاتے تھے اور اُن کے مصیبت زدہ خاوند اور جان نثار والدین ان کی آہ وزاری اپنے کانوں سے سُنتے، اور آنکھوں میں آنسو بھر بھر لاتے تھے۔ اہلِ شعب سب مسلمان نہ تھے تاہم قومی حیثیت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، تائے اور خاص کنبہ کے لوگ تھے۔ آپکے ساتھ آپ پر ایمان لانے والے مسلمان اور سارا خاندان سب ہی اِس مصیبت کے شریک رہے۔ نہ کسی سے یہ ہوسکا کہ عہد و پیمان توڑ دے اور نہ اِس کو گوارا کیا کہ قوم سے جا ملے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے۔ کامل تین برس یہی حالت رہی اور بنو ہاشم فاقوں کی تکلیف سے گھبرا اُٹھے۔ قریش اِس حصار کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور مسلمان اپنے دین پر اسی مضبوطی سے قائم تھے کہ اگر فاقہ ہوتے ہوتے دَم نکل جائے گا تب بھی اسلام سے نہ پھریں گے بھوک کے مارے پاؤں زمین پر تھرّاتے اور لغزش کھاتے تھے لیکن دین سے نہ ڈِگے تھے۔

آخر بنو ہاشم کے ان قریبی رشتہ داروں کو بھی جنھیں محض قومی حیثیت سے اپنے کنبہ کو علیحدہ کرنا پڑا تھا اپنے بھائیوں کی اس بھوک و پیاس کے نازک حال کو دیکھ کر رونا آگیا اور حکیم بن حزام بن خویلد اپنی پھوپی حضرت خدیجہ رضؓ کے لئے کچھ گیہوں لے کر شعب کی جانب روانہ ہوا۔ اکثر تجربہ ہوا ہے کہ چھپا کر جو کام کیا جائے تو چھپتا نہیں، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حکیم بن حزام کو جاتے ہوئے ابوجہل نے دیکھ لیا اور اس بدنصیب سنگدل نے حکیم کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ کیا مخالفانہ کارروائی ہے میں تجھ کو رسوا کئے بغیر چھوڑوں گا کیونکہ شعب والوں اور خصوصاً بانیِ فساد محمدؐ کی بی بی خدیجہ رضؓ کو غلّہ پہنچانا تو سخت بغاوت ہے۔

اتفاقاً ابو البختری بن ہشام بھی ادھر سے آگیا اور اُس نے اِن دونوں کی تُوتُو مَیں مَیں دیکھ کر ابوجہل سے کہا کہ تو حکیم کو چھوڑ کیوں نہیں دیتا اس سے اپنی پھوپھی کا فاقہ نہیں دیکھا جاتا۔ پس اگر وہ انسانی مروّت سے کام لیتا اور اُس کو غلّہ پہنچائے دیتا ہے تو اس میں دخل دینے والا تو کون ہے؟

ابوجہل ابو البختری کا کلام سُنکر غصّہ سے بھڑک اُٹھا اور اس کو بھی سخت سُست کہنے لگا۔ ابو البختری بھی آخر اسی کا بھائی تھا غصّہ سے اس کا چہرہ بھی تمتمانے لگا۔ قریب ہی اونٹ کی ایک بڑی ہڈی پڑی دیکھ کر اس کو اُٹھا لیا اور اس زور سے ابوجہل کے ماری کہ خون کا فوارہ چھوٹ گیا اور زمین پر ڈال کر گھونسوں اور لاتوں سے بُرا حال کر دیا۔

ابوجہل کو مار کھانے سے زیادہ اس کی غیرت تھی کہ اتفاقاً حضرت حمزہ رضؓ کھڑے اِس معاملہ کو دیکھ رہے تھے اُس کو خیال تھا کہ یہ سارا معاملہ اہلِ شعب کو سُنا دیں گے اور میرے دشمنوں کو مجھ پر آوازے کسنے کا موقع ملے گا۔ مگر اُس کی اختیاری ہی کیا بات تھی۔ آخر نادم و پشیمان ہو کر وہاں سے چل دیا اور حکیم بن حزام نے اپنا خیال پورا کیا

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زمانہ میں بھی پے در پے وحی نازل ہوتی رہی اور آپ چھپے اور ظاہر سرًّا و جہرًا تبلیغ رسالت میں مصروف رہے آپ کو آپکے پاک ارادوں سے نہ طعن و تشنیع نے روکا اور نہ فاقہ کشی کی تکلیف نے۔
اہل مکہ نے دیکھا کہ اس پر بھی آپ اپنے کام سے باز نہ آئے تو مذاق و استہزا، اور استخفاف و تحقیر کے کلمات و برتاؤ سے آپکے دل کو صدمہ پہنچایا مگر یہ دل وہ دل نہ تھا کہ ایسی باتوں سے اپنے کار منصب میں سُست یا مضمحل ہوتا آپ برابر اسی استقلال کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے اور اسی دلیری کے ساتھ ان سزاؤں کا اظہار فرماتے رہے جو ان کافروں کے لئے حق تعالےٰ نے تجویز فرما کر کلام اللہ میں ذکر فرمائیں +

باب سنہ ۱۰ نبوی

ظالم صحیفہ کا نقض اور عہد نامہ کی مخالفت

سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ہشام بن عمر بن حارث کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہائے افسوس ہم اور ہمارے بال بچے کھائیں پئیں اور ہمارے بھائی بنو ہاشم دانہ دانہ سے ترسیں اور فاقہ پر فاقہ اُٹھائیں کیسی بے حیائی ہے اِس نفس پروری میں اور کیسا بے غیرت ہے وہ شخص جو اس کو گوارا کرے۔ اِس خیال کے آتے ہی ہشام بن عمر کا تو معمول ہو گیا کہ شب کے وقت غلہ سے بھرا ہوا اونٹ شعب کی جانب ہنکاتا اور درّہ کوہ میں پہنچ کر باگ چھوڑ دیتا چنانچہ وہ اونٹ شعب میں پہنچتا اور فاقہ کش بنو ہاشم میں تقسیم ہو جایا کرتا تھا۔

چند روز اسی حالت پر گذرے تھے کہ ہشام بن عمر کو خیال ہوا کہ اس طرح خفیہ اعانت کرنا کب تک مفید ہوگا کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیئے کہ چند رحمدل قریش اِس ظالم صحیفہ کی مخالفت پر میرے ہم خیال بنجائیں اور اُن کے اتفاق سے کھُلم کھُلا اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنے کا دروازہ کھُل جائے یہ سوچ کر ہشام اُٹھا اور سیدھا زہیر بن ابی اُمیہ مخزومی کے پاس گیا جس کی ماں عاتکہ عبد المطلب کی بیٹی اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھی۔ ہشام نے زہیر کو غیرت دلائی اور کہا کہ "اے زہیر! تم کیونکر کھاتے پیتے اور کس طرح کپڑے پہنتے ہو جب کہ تمھارے ماموں اور تمھاری ننھیال دانہ دانہ سے محتاج اور آنے جانے تک سے معذور ہے واللہ اگر ابو جہل کے ماموں، خالو اس تنگ حال میں ہوتے تو وہ اِس عہد نامہ کا کبھی لحاظ نہ کرتا اور جس طرح بن پڑتا اپنی ننھیال کا مددگار بنتا"

زہیر نے کہا کہ "اے ہشام! حقیقت میں یہ بے رحمی مجھے ناگوار ہے مگر تمہیں سوچو کہ میں تنہا کیا کر سکتا ہوں قوم کو چھوڑ کر علیحدہ ہو بیٹھنا سہل نہیں ہے۔ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا اِسی خیال کا ہوتا تو میں جی چاہتا کر گذرتا۔ ہشام نے کہا مرحبا مرحبا تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ ایک تمھارا ہمخیال تمھارے پاس بیٹھا ہے اور تم

گفتگو کر رہا ہے۔ زہیر نے کہا اچھا ایک آدمی اپنا ہم خیال اور کر لو تاکہ مطلب پورا ہو اور کامیابی منشا کے موافق ہو جائے ہشام بن عمرو وہاں سے اُٹھ کر مطعم بن عدی کے پاس پہنچا اور کہا کہ لے نوفل بن عبد مناف کے پوتے بڑی شرم کی بات ہے کہ ہاشم بن عبد مناف کا خاندان بھوکا پیاسا تباہ ہو اور تم لوگ عیش کرو کیا دنیا میں رشتہ ناتا کوئی چیز ہی نہیں رہا اگر تمھارے ساتھ وہ کارروائی ہوتی جو بنو ہاشم کے ساتھ ہوئی اور بنو ہاشم تمھارے قائم مقام عہد کے موافق ہوتے تو ذرا سوچو تو سہی کہ تم کو کیسا کچھ خیال ہوتا اور سچ تو یہ ہے کہ بنو ہاشم کی غیرت یہ تقاضا بھی نہ کرتی جو تمھاری غیرت کر رہی ہے کبھی کے عہد نامہ کو چھوڑ بیٹھے ہوتے اور جس طرح بن پڑتا تم کو کھانا پانی پہنچاتے۔

مطعم نے کہا کہ ہشام بات تو بالکل صحیح ہے بھلا میں تنہا کیا کر سکتا ہوں کوئی ہمخیال پیدا ہو تو میری بھی ڈھارس بندھے اور شاید کچھ کر سکوں۔ ہشام نے یہ جواب سنکر اپنا مددگار ہونا ظاہر کیا اور یہ بھی کہا کہ زہیر ابن ابی اُمیہ بھی ہمارے موافق ہے۔ مطعم نے جواب دیا کہ بہتر ہے میں بھی تمھارا ساتھی ہوں مگر ایک آدمی ہمخیال اور کر لو ہم چار آدمی مل کر جو ارادہ ہے اُس کو بے تامل کر گذرو۔ چنانچہ ہشام وہاں سے اُٹھا اور اب ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا۔ یہاں بھی وُہی گفتگو کی جو مطعم بن عدی سے کی تھی۔ غرض ابو البختری نے بھی ہم خیال پیدا ہونے کی درخواست کی اور یہ معلوم کر کے کہ مطعم و زہیر و ہشام متفق ہو چکے ہیں کہا کہ پانچواں مددگار اور بناؤ۔

ہشام وہاں سے روانہ ہو کر زمعہ بن اسود کے پاس آیا اور بنو ہاشم کی قرابت و رشتہ داری اور مصیبت و تکلیف کے ساتھ ذلت و خواری یاد دلا کر اس کو بھی اپنا ہمخیال بنایا۔ اس کے بعد پانچوں یک زبان و ہمخیال شخص مقام حجون میں جمع ہوئے اور باہم عہد و پیمان کیا کہ اس ظالم عہد نامہ کا پاس و لحاظ بالکل نہ کیا جائے اور زہیر بن ابی اُمیہ نے ذمہ لیا کہ اس کی ابتدا میرے ہاتھوں ہو گی۔

صبح ہوئی اور اہل مکہ اپنی عادت کے موافق بن ٹھن کر مجالس میں آ بیٹھے زہیر بھی گھر سے نکلا اور خانۂ کعبہ کا طواف کر کے سرداران قریش کے پاس آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ "اے اہل مکہ میری بات غور سے سنو! تمھیں معلوم ہے کہ ہمارے کنبہ قبیلہ اور باپ دادا کی اولاد بنو ہاشم کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کر رکھا ہے بھلا تمھیں بتاؤ ہمیں کھانا کیونکر ہضم ہو جب کہ ہمارے بھائی ہاشمی بھوک پیاس سے ہلاک ہوں، قسم ہے خدا کی میں نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالم معاہدہ کو نہ پھاڑ دیا جائے"۔ ابو جہل نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں یہ عہد نامہ نہیں پھاڑا جا سکتا۔ زمعہ بن اسود جو وہیں بیٹھا ہوا تھا اُس نے للکار کر کہا کہ "او دغاباز جھوٹے جس وقت تو نے اس کو لکھا تھا ہم جب ہی اس پر راضی نہ تھے"۔ اس کے بعد ابو البختری نے کہا "بے شک زمعہ سچ کہتا ہے کچھ شک نہیں کہ ہم اس تحریر کے برضائے خود قائل نہیں ہوئے"۔ پھر مطعم بن عدی نکلے اور کہا کہ "بے شک تم دونوں سچے ہو میں بھی اس کا ہمیشہ مخالف رہا مگر لحاظ کے سبب کچھ

پکا" ادھر سے ہشام بن عمر نے کہا" واقعی یہ صحیفہ پھاڑے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس کی بے رحمی سے
بھری ہوئی دفعات سب کی مرضی کے خلاف ہیں"۔
ابو جہل کے بعد دیگرے سرداران قبائل کی یہ گفتگو سُن کر حیران ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یہ رات کا طے کیا ہوا
معاملہ ہے اور خدا جانے کون کون اِس رائے میں شریک ہو چکا ہے۔ ابو طالب بھی خانۂ کعبہ کے کسی گوشہ میں بیٹھے
تمام گفتگو سُن رہے تھے اس لئے جرأت کر کے سامنے آئے اور کہا کہ "بھائیو! رات محمدؐ نے مجھ سے کہا ہے
اِس عہد نامہ کے تمام الفاظ دیمک چاٹ گئی ہے صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے اور اس کے علاوہ تمام
کاغذ صاف ہو گیا اور یہی اِس بات کی علامت ہے کہ اس تحریر کا منشا بے خطاؤں پر صرف ظلم و زیادتی کرنا ہے
پس میری بات سُنو اور مانو کہ ذرا اس صحیفۂ عہد نامہ کو منگاؤ اور دیکھو اگر محمدؐ کا قول سچا ہے تو ہم کو نجات
دو کہ تمام مخلوق کی طرح ہم بھی کھائیں پئیں اور زندگی کے دن بسر کریں، ورنہ تم کو اختیار ہے محمدؐ کے ساتھ
جو سلوک چاہو کرو، میں بھی اُس کی بیجا طرف داری نہ کروں گا"۔ یہ عجیب خبر سُن کر سارا مجمع حیران ہو گیا اور اسی
وقت صحیفہ منگایا گیا۔ دیکھا تو حقیقت میں سوائے "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" جو بطور عنوان ہر صحیفہ کے شروع میں
لکھا جانا ان کے یہاں بھی مروّج تھا اور علاوہ اللہ کے اِن ناموں کے جو اثنائے تحریر میں کسی موقع پر لکھے
ہوئے تھے باقی حروف ندارد ہو گئے اور کاغذ میں کچھ بھی باقی نہیں رہا۔
ابو طالب کا خیال بارہا تجربہ کے بعد پختہ ہو چکا تھا کہ محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ یقیناً سچ ہوتا ہے اور اسی بنا پر
اِس پختگی کے ساتھ صحیفہ کے متعلق یہ گفتگو بھی کی تھی اور جب اپنے خیال کے موافق اِس کو بھی سچا دیکھا تو ڈھارس
بندھ گئی اور اب وہ زبان نہایت تیزی اور سرعت سے چلنے لگی جو کچھ خوف و ہراس اور کچھ فکر و تامل کے ساتھ بول
رہی تھی۔ ابو طالب نے خوشی کے لہجہ میں نہایت بلند آواز سے کہا "دیکھو دیکھو اب تو تم کو معلوم ہو گیا کہ بر سر ناحق تم
ہی ہو قطع رحمی تم ہی نے کی"۔ اِس پر سب کی گردنیں نیچے جھک گئیں اور تھوڑی دیر سکوت کا عالم رہنے کے
بعد ہٹ دھرم کافروں نے کہا تو یہ کہا کہ ہو نہ ہو یہ بھی محمدؐ کا جادو ہے جو اس تحریر پر چلایا گیا ہے۔
وہی پانچوں مخالف پھر کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ ہم اِس ردّی پر کیونکر کاربند ہو سکتے ہیں جس کے
حروف تک ندارد ہیں، وہاں سے چل دیئے۔ اِس طرح عام طور پر عہد نامہ باطل ہوا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ
وسلم سنہ ۶۲۰ء میں نبوت کے دسویں برس مع اپنے خاندان بنی ہاشم و بنی مطلب کے پہاڑ کی گھاٹی سے نکل کر پھر
مکہ میں آ بسے۔ باہمی خرید و فروخت جاری ہو گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدستور وعظ
و نصیحت میں مشغولیت ظاہر فرمائی +

باب ۲۵ سنہ ۱۰ نبوی

غم کا برس اور خدیجہؓ و ابو طالب کا انتقال

مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ ابو طالب نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے انتقال کیا یا بعد بہرحال کثرتِ رائے اس جانب ہے کہ اول ابو طالب نے قضا کی۔ اور بعد میں بی بی خدیجہ رضؓ کا وصال ہوا۔

نبوت کے دسویں سال ماہ شوال تھا۔ بنو ہاشم شعب سے نجات پا چکے تھے کہ ابو طالب سخت بیمار ہوئے اور ان کو خود اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مہربان چچا سے محبت تھی کیونکہ آپ کو آٹھ سال کی عمر سے انھیں کی آغوشِ عاطفت میں پرورش پانے کا اتفاق ہوا تھا۔ آپ دل سے چاہتے تھے کہ کاش ابو طالب مشرف باسلام ہوں تاکہ آخرت میں ان کے ان احسانات کی تلافی اللہ کی طرف سے ہو سکے جو اُنھوں نے اللہ کے رسول کے ساتھ دُنیا میں کئے ہیں۔

سرداران قریش ابو جہل، ابو سفیان اور عُتبہ و شیبہ مع دیگر شرفاءِ قوم ابو طالب کی عیادت کے لئے آئے اور کہنے لگے کہ "اے ابو طالب، اے ہمارے سردار! تم جانتے ہو کہ تمھاری قوم تم کو کیسی قعت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتی رہی۔ اور یہ بھی تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے بھتیجے نے ایک فضول دعویٰ کر کے قوم میں پھوٹ ڈال دی کہ بھائی بھائی میں عداوت ہو گئی، بیٹا ماں کو چھوڑ بیٹھا اور بی بی نے میاں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ تم بسترِ مرگ پر پڑے ہو اور کیا خبر ہے کہ انجام کیا ہو اس لئے جی چاہتا ہے کہ تم اپنی زندگی میں اپنے بھتیجے کے ساتھ مصالحت کرا کر جاؤ اور ہر دو فریق کو اُن کے حقوقِ واجبہ دے کر پابند بناؤ کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔" ابو طالب کو آخری وقت میں اس سے زیادہ خوش کُن کونسی بات تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ سلم کی راحت کا فکر کریں اس لئے اُنھوں نے فوراً آپ کو بُلا بھیجا اور جب آپ تشریف لے آئے شرفاءِ قوم اور سردارانِ قریش کی درخواست بیان کر کے کہا کہ "باہمی حقوق کی محافظت کے ساتھ اگر صلح ہو تو میرے لئے اِس سے زیادہ خوشی کی کوئی بات نہیں۔" سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت توجہ سے چچا کی آخری وصیت سُنی اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ "چچا جان! یہ لوگ میری ایک درخواست قبول کر لیں تو سارا عرب اور سارا عجم ان کی اطاعت کے لئے حاضر ہے۔" اِس سے قبل کہ ابو طالب کچھ جواب دیں ابو جہل بولا "ہاں ہاں، اے محمدؐ! ایک بات نہیں ہم تمھاری دس باتیں ماننے کو موجود ہیں کسی طرح یہ نزاع رفع بھی ہو۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ صرف یہ درخواست ہے کہ بُت پرستی چھوڑ کر

اب خدا کو مان لو اور کہہ دو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

سرداران قریش نے یہ جواب سُنا تو ندامت و غصہ سے کانپ اُٹھے اور تعجب کے ساتھ تالیاں بجا کر کہنے لگے واہ واہ محمدؐ کیونکر ہو سکتا ہے کہ متعدد معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود قرار دے لیں تمہاری یہ بات عجیب انوکھی ہے جو کبھی نہیں مانی جا سکتی۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ اگر یہ منظور نہیں تو مصالحت کا نام نہ لو اور جو تم کو کرنا ہے۔ اِس کے بعد آپ چچا کی طرف متوجہ ہوئے اور نہایت نرم و محبت آمیز انداز سے کہا کہ چچا جان! اب آپ کا آخری وقت ہے دنیا کے معاملات ختم ہو چکے آخرت کی کٹھن منزلیں آپ کے سامنے ہیں، دائمی عذاب و ثواب کا معاملہ درپیش ہے اگر آپ ایک بار کلمہ طیبہ زبان سے نکال کر میرے ہاتھ پر حجت دیدیں تو مجھے اپنے مہربان پروردگار کے روبرو شفاعت کرنے کا اور آپ کو جنت میں لیجانے کا موقع مل جائے۔ ابوطالب نے سکوت کیا اور کچھ سوچنے کے بعد جواب دیا کہ بھتیجے مجھے تیرا دل خوش کر دینے میں کوئی تامل نہ تھا لیکن اندیشہ یہ ہے کہ زنانِ قریش مجھ پر طعن کریں گی اور کہیں گی کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا اور آخری وقت میں بھتیجے کا کلمہ پڑھ لیا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات سُن کر مایوسانہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالب کی ستّاسی برس کی عُمر میں رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ دُنیا کا تماشہ ختم ہو لیا اور طعن سُننے والے کان بند ہو گئے۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سکراتِ موت کی بیہوشی میں ابوطالب کی زبان پر کلمہ جاری ہوا لیکن تھوڑی دیر بعد افاقہ ہونے پر ابوجہل نے ملامت کی کہ افسوس ابوطالب تم موت سے ڈر گئے اور آخری وقت میں اپنے سامنے کے پیدا ہوئے لڑکے پر ایمان لائے۔ تو ابوطالب نے انکار کیا اور حاضرین کو اس پر گواہ کیا کہ وہ اپنے آبائی دین پر قائم ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

غرض حضرتؐ کو خوشی کے بعد مایوسی ہوئی اور آپ یہ کہہ کر "چچا جان بیشک تم نے دُنیاوی سلوک میں میرے ساتھ کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا لیکن افسوس آخرت سے بالکل بے بہرہ رہے، میں تمھاری ابدی تکلیف کو حبّہ برابر کم نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے" وہاں سے کھڑے ہو گئے۔

حدیث میں آیا ہے کہ کافروں میں سب سے کم عذاب ابوطالب پر ہے کہ پاؤں میں جہنمی آگ کی دو جوتیاں پہنے ہوئے ہے جس کی تپش تلوؤں سے دماغ تک پہنچتی اور بھیجا جُھلس دیتی ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کُنبہ کا سردار ہی نہیں بلکہ وہ مہربان محافظ دنیا سے اُٹھ گیا جس کی وجہ سے آپ کو ہر طرح کی اعانت ملتی تھی۔ اس وقت حضرتؐ کا سنِ شریف اُنچاس برس آٹھ مہینے گیارہ روز کا تھا ان کے انتقال کے بعد جو جو مصیبتیں آپ پر پڑتی گئیں ان میں اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ سے آپ کو

بڑی تسکین ملتی تھی۔ آپ کا پریشان دل خدیجہ رضؓ کی وجہ سے ٹھہر جاتا اور تسلی پاتا تھا لیکن بی بی خدیجہ رضؓ کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہو چکا تھا اور ابو طالب سے چند روز بعد اسی سال پاک بی بی خدیجہ رضؓ نے بھی رحلت فرمائی فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ نے پینسٹھ برس کی عمر میں ماہِ شوال انتقال فرمایا۔ اس روایت میں اس قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ بی بی خدیجہ رضؓ کے انتقال کا حادثہ ابو طالب کے انتقال کے قبل ہوا۔ وَاللّٰہُ اَعلم

ان دونوں مہربان مددگاروں کے یکے بعد دیگرے مرنے سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو جس قدر رنج و غم ہوا اُس کو بیان کرنا فضول ہے آپؐ غایتِ حزن کے سبب غمکدہ سے باہر کم نکلتے تھے اور چند روز کے لئے تو رنج کے سبب سوائے احکامِ الٰہی اور ضروری اُمور کی سرانجامی کے تمام کام قریب قریب متروک ہو گئے اہلِ اسلام میں اس سال کا نام "عام الحزن" یعنی غم کا برس ہے۔

اسی سال اس حادثہ سے پہلے شاہِ روم اور والیٔ فارس میں ملکی جنگ ہو چکی تھی اور خسرو پرویز شاہِ فارس نے اپنے دو بہادر سپاہیوں شہر یار اور فرخان کی ماتحتی میں ایک لشکرِ جرار روانہ کر کے روم پر حملہ کیا اور روم کے چند سرحدی شہر فتح کر لئے تھے۔ اس اطلاع پر کفارِ قریش کو خوش ہونے اور اہلِ اسلام پر آوازے کسنے کا موقع مل گیا تھا کہ جس طرح نصاریٰ روم کو باوجود اہلِ کتاب ہونے کے آتش پرست فارس کے ہاتھوں مغلوب ہونا پڑا اسی طرح بُت پرست باشندگانِ مکہ بھی کوئی دن میں محمدی اہلِ کتاب پر غالب آئیں گے۔ یہ اس لئے کہ رومی اہلِ کتاب کی مغلوبیت و ہزیمت حجازی اہلِ اسلام کی مغلوبیت و خواری کی فال ہے۔

اللہ جل جلالہٗ نے سورۂ روم کے شروع آیتیں الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ نازل فرما کر مسلمانوں کو خبر دی کہ دس برس کے اندر اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو جائے گا۔ چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ نے عام طور پر اس کا اعلان کر دیا بلکہ اُبی نے ابو بکر سے شرط بھی کی کہ اگر ایسا ہو گیا یعنی دس سال کے اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو گا تو میں سو اونٹ ہار جاؤں گا۔ چنانچہ پورے ۹ سال کے بعد دونوں سلطنتوں میں دوبارہ لڑائی ہوئی اور اب کی مرتبہ نصاریٰ روم نے اہلِ فارس پر کھلی فتح پائی یہ مژدہ خطۂ عرب میں عین اُس دن پہنچا جس روز مسلمانوں نے جنگِ بدر میں کفارِ مکہ پر فتح پائی تھی۔

اُبی کا انتقال اس سے پہلے غزوۂ اُحد میں ہو چکا تھا اس لئے ابو بکر صدیق رضؓ شرط کے بموجب اُبی کے باقی ماندہ ورثہ سے سو اونٹ کے طالب ہوئے اور چونکہ قمار کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے اور اس وقت کافروں سے دار الحرب میں اس قسم کے معاملات جائز تھے اس لئے کہتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق نے سو اونٹ پر مالکانہ قبضہ بھی کر لیا۔ واللہ اعلم۔

درحقیقت یہ واقعہ ایک مستقل معجزہ سچی پیشین گوئی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق نبی ہونے کی دلیل تھی اس لئے کہ دو زبردست سلطنتوں کے بارے میں برسوں پہلے ایسے وثوق کے ساتھ ایک قطعی فیصلہ دیدینا بغیر وحی کے ممکن ہے اور نہ پیغمبر کے سوائے دوسرے سے ہوسکتا ہے لیکن ازلی بدبختوں کو اس سے ہدایت کیونکر ہوسکتی تھی اور اب تو ابو طالب کا مرنا گویا قریش کے واسطے اجازت تھی کہ وہ اپنی ایذا رسانی کو دوچند کردیں اور سیدنا محمدؐ و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمات و تکالیف کا تختۂ مشق بنالیں۔ اس لئے ظالم قوم کا ظلم و ستم بڑھ گیا اور مسلمانوں پر ناگفتہ بہ زیادتیاں ہونے لگیں۔

بنو ہاشم بھی اپنے سردار ابو طالب کے نہ رہنے کے سبب آپ کی حفاظت نہ کرسکے۔ ابو لہب نے قومی حمیت کی بنا پر کچھ سرپرستی کا ارادہ کیا بھی تھا لیکن ایک دوست کی زبانی یہ سنکر کہ محمدؐ تو عبد المطلب اور عبد المطلب کی قوم کو دوزخی بتاتے ہیں صرف بیزار اور کنارہ کش ہی نہیں ہوا بلکہ ہر وقت نئی ایذا رسانی کے درپے ہوگیا۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد اُسی سال آپ نے پہلا نکاح زمعہ کی بیٹی حضرت سودہؓ سے بعوض چار سو درہم مہر اور چند روز بعد بماہ شوال دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی صاحبزادی عائشہ صدیقہ رضؓ سے جن کی عمر اُس وقت چھ سال چند مہینے کی تھی کیا۔ سودہ بنت زمعہ بیوہ تھیں کیونکہ ان کے مسلمان شوہر سکران بن عمر جو ان کے چچازاد بھائی بھی تھے ایک لڑکا عبد الرحمٰن نامی چھوڑ کر حبشہ میں بعد ہجرت حبشہ انتقال کرگئے تھے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خصوصاً ابتدائی زمانہ کے ایسے عجیب اور دردانگیز ہیں جن کی نظیر تاریخ کے اوراق میں مل نہیں سکتی باوجودیکہ آپؐ دنیا میں بے بس اور بے کس تھے آپکے دعوی رسالت نے قوم اور ملک کو آپؐ کا دشمن بنا دیا تھا۔ پیارا وطن جس کو راحت کا گھر کہنا چاہئے مصیبت کے تیروں کا ترکش بنا ہوا تھا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس نازک وقت میں آپؐ کو عزت و نام آوری اور حکومت یا نیک نامی کے ساتھ شہرت حاصل ہونے کی کچھ بھی طمع یا توقع ہوگی۔ جس وقت آپنے توحید کی تعلیم اور ان واہی تباہی رواج اور رسموں کے چھوڑنے کی ترغیب شروع کی ہے جس میں آپؐ کا ملک ڈوبا پڑا تھا تو آپ چار طرف نظر اُٹھاتے مگر ایک نفس پر بھی آپ کو اطمینان نہ تھا کہ یہ میرا ساتھ دیگا اور کہنا مان لے گا۔ دن گذر کر ہفتے ہوتے اور ہفتے گذر کر مہینے بنے مہینے گذر کر سال ہوتے اور سال ہی نہیں بلکہ سالہا سال کہ آپ اسی ہمت و دلیری اور استقامت و استقلال کے ساتھ اپنی گمراہ قوم کو ہدایت و راستی کی طرف بلاتے رہے متکبر و سربرآوردہ قوم نے آپؐ کی اہانت و تحقیر اور روحانی و جسمانی ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ دوسرے کے لئے اُٹھا کر نہیں رکھا۔ جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے وہ ایسے ضعیف و کمزور تھے کہ اُن کو ایمان لاکر اپنی جان و مال اور آبرو کا بچانا دشوار ہوگیا اور سچ یہ ہے کہ اگر ان کا ایمان پختہ و مضبوط نہ ہوتا

تو وہ کسی طرح اپنی حالت پر قائم نہ رہ سکتے تھے وہ لوگ دفعۃً پیدا ہو جانے والے اِس انقلابِ عظیم کو دیکھتے تو کر پھول کانٹے بن گئے اور عزّت و بشاشت، ذلّت و تنگدلی کے ساتھ بدل گئی۔ وطن خون کا پیاسا دشمن بن کر کاٹنے لگا اور گوشۂ عافیت کا ملنا گویا ناممکن بن گیا مگر ان کے مضبوط قدم جو اسلام کی سیدھی سڑک پر جمے تھے وہ نہ ڈگمگنے تھے نہ ڈگے۔ اور ایمان کی حلاوت جو رگ رگ اور پٹھے پٹھے میں سرایت کر چکی تھی، وہ نہ جاتی تھی، نہ گئی پر نہ گئی۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے دین کافروں نے بجائے محمّد (قابلِ تعریف) کے مذمّم (قابلِ مذمّت) رکھ لیا تھا۔ مگر آپ اِس پر بھی خوش ہوتے اور حق تعالےٰ کا شکریہ ادا فرما کر یوں کہا کرتے تھے "میرے ربّ نے میری قوم کے ناشائستہ کلمات سے مجھ کو بچانا چاہا تو نام کے بدل ڈالنے کا خیال ان لوگوں کے دِلوں میں ڈال دیا تاکہ جو گالیاں پڑیں وہ مذمّم پر پڑیں نہ کہ محمّد پر۔ سو بُرا وہ مانے جس کا نام ہو، نہ میرا نام مذمّم ہے اور نہ مجھے اِس بدگوئی کی کسی سے شکایت یا گلہ ہے۔

اُمیّہ بن خلف جب آپ کو دیکھتا تو استہزا کرتا، ہاتھ مٹکاتا اور آنکھوں کے اشارے مارا کرتا تھا۔ آپ کا دل اپنی قوم کی بدحالی اور بددینی اور معصیّتِ کفر و شرک دیکھ دیکھ کر بے چین ہوتا اور آپ اِس حزن و غم میں جھُرے جاتے تھے۔ آپ کوئی آن اور کوئی لحظہ اپنی قوم کی فلاح و بہبودی سے غافل نہ رہتے۔ مگر ناقدر دانوں نے آپ کی قدر نہ جانی اور مجنون و دیوانہ یا کاہن و جادوگر خطاب دے دے کر آپ کا دل دُکھایا۔ آپ عبرت دلانے کو گذشتہ انبیاءؑ کی ہلاک ہو جانے والی اُمتوں عاد و ثمود کے قصّے بیان فرماتے تو لوگ آپ کا مذاق اُڑاتے اور نضر بن حارث جو شاہانِ فارس کی دربار کر چکا تھا آپ کی جگہ بن بن کر بیٹھتا اور رُستم و اسفندیار کی واہی تباہی کہانیاں سُنا سُنا کر قوم سے لیا کرتا تھا کہ کہو میری کہانیاں زیادہ دلچسپ ہیں یا محمّدؐ کے بیان کئے ہوتے قصّے؟ ایک مرتبہ آپ نے قرآن کی وہ آیت سُنائی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ کافروں کو جہنّم میں کھانے کے لئے زقّوم درخت دیا جائے گا ابوجہل ہنسا اور کہنے لگا کہ "اے اہلِ مکّہ! جانتے بھی ہو کہ زقّوم کیا چیز ہے؟ یثرب کی تازہ کھجور کا نام ہے جس میں مسکہ مِلا ہوا ہو، سو اگر ہمیں زقّوم مِلا تو مزے لے لیکر کھائیں گے"۔ غرض آپ کو اپنی قوم کی اصلاح کے سوا دوسرا کام نہ تھا اور آپ کی قوم نے آپ کی توہین اور ایذا رسانی کی نئی تدبیر سوچنے میں اپنا وقت گویا وقف کر رکھا تھا کہ بجز اس کے دُوسرا مشغلہ نام کو بھی باقی نہ رہا تھا۔

آپؐ کے صحابی حضرت خبّاب بن ارت رضؓ لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عاص بن وائل نے کچھ مال اُن سے اُدھار خریدا اور جب روپیہ کا تقاضہ کرنے کو حضرت خبّابؓ اُس کے

ائے تو اُس نے یہ کہہ کر کہ "اے جناب! تمھارے پیغمبر جن کے تم مذہب پر چلتے ہو اس کے قائل ہیں کہ ،
یامت ہوگی اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا پڑے گا پھر وہاں اُن کے مذہب والوں کو جنّت ملے
ی جس میں ساری نعمتیں موجود ہوں گی، جاؤ وہیں مجھ سے روپیہ بھی وصول کر لیجو۔ آخر تم جیسے لوہاروں
سے تو مجھے وہاں زر و مال زیادہ ہی ملے گا پھر ادا کر دینا کون مشکل ہے؟" قرض کا انکار کر گیا۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل نو سال گذر لئے کہ آپ اپنے وطنی ہر چھوٹے بڑے کو اسلام کی
دعوت سناتے اور وحدانیت کی طرف بلاتے رہے مگر بجز تھوڑی سی جماعت کے جن میں اکثر حصّہ ان
ضعیف و ناتوان مسلمانوں کا تھا جو اپنا اسلام ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور کوئی حق کی طرف
متوجّہ نہ ہوا بلکہ آپ کا دشمن بن کر اپنی طاقت کے موافق ایذا پہنچانے پر تُلا رہا۔

باب ۲۶

حضرتؐ کا قبائلِ مکّہ پر اپنے آپ کو پیش کرنا اور طائف کی تکلیف

جب آپ نے دیکھا کہ قریش بُت پرستی سے باز نہیں آتے اور اُن کی ایذا رسانی دن بدن بڑھتی جاتی
ہے تو آپؐ اپنے خادم زید بن حارثہ کو ساتھ لے کر نواحی مکّہ میں تبلیغِ اسلام کرنے لگے۔ سب سے پہلے آپ قبیلہ
بنی بکر میں گئے اور کہا کہ "بھائیو! اہلِ مکّہ نے لازوال نعمت کو اُلٹے ہاتھوں واپس کیا، میری ہمدردی
و اعانت سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تم لوگ میرے حواری بنو اور ابدالآباد کی جاوید نعمتوں کو دنیا کی
فانی لذّتوں پر مقدّم سمجھو۔" لیکن یہ قبیلہ بھی قریش کا ہم خیال تھا۔ کسی نے آپ کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا
اور صاف جواب دیدیا کہ "ہم اپنا پُرانا مذہب نہیں چھوڑ سکتے۔"

یہاں سے مایوس ہو کر آپ قوم قحطان میں تشریف لے گئے اُن کو محاسنِ اسلام سمجھائے اور اعانت
چاہی لیکن افسوس قحطان نے بھی آپؐ کو وہی رُوکھا جواب دیا جو بنی بکر دے چکے تھے۔ غرض آپؐ
ان سنگدلوں کے ایمان سے مایوس ہو کر اسی سراسیمگی و پریشانی میں تنِ تنہا یا زید بن حارثہ رضؓ کو لئے ہوئے
طائف میں پہنچ گئے جو مکّہ سے چند میل کے فاصلہ پر قوم ثقیف سے آباد تھا۔

طائف میں سب سے پہلے آپ سردارانِ ثقیف عمر بن عمیر کے تین بیٹوں عبدیالیل[1] اور مسعود[2] اور
حبیب[3] سے ملاقی ہوئے اور اس موہوم خیال پر کہ شاید یہ لوگ خدا ترسی کا شیوہ اختیار کریں اور دولت
اسلام سے دامن بھریں۔ فرمانے لگے کہ "اے سردارانِ ثقیف! اہلِ مکّہ نے اللہ کی ہدایت قبول نہ کی اور

اس کے رسول کو ایذا پہنچا کر جلا وطن کر دیا۔ اگر تم لوگ حامیِ اسلام و مددگارانِ رسول بنو تو تمھاری سعادت نصیبی اور خوش قسمتی ہے۔"

ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ مسافر مہمان کی خاطرداری کرتے، ناشائستہ گفتگو اور یاس بھرے کلمات سے کام لیا اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ چند گھنٹے یہاں ٹھہر کر سفر کا تکان ہی رفع کر لیں، مذاق و استہزا شروع کر دیا۔ ایک نے کہا "آخاہ، آپ ہی ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔" دوسرا بولا "جی ہاں، خدا کو رسول بنانے کے لئے کوئی دوسرا ملا ہی نہیں۔" تیسرے نے کہا "میاں تم سے بات کرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔" غرض غضب ناک ہوئے اور کہہ دیا کہ "اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔" سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اس بیہودہ انداز سے جو کچھ صدمہ گذرا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، آپ ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چلتے وقت آپ نے درخواست کی کہ اس قصّہ کی اطلاع اہلِ مکّہ کو نہ کرنا ورنہ میرا مذاق اڑائیں گے اور ان کا جوشِ غضب بھڑک اٹھے گا۔ مگر یہ لوگ باز نہ آئے اور بے وقوف احمق لڑکوں، بازاری اوباش لوگوں کو بھڑکا دیا اور اس غرض سے آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ پر اینٹوں کا مینھ برسایا جائے۔

جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر نکلے تو چاروں طرف رنج و پریشانی کا ہجوم تھا ہر جانب یاس و ناامیدی اپنی بھیانک صورت دکھا رہی تھی۔ بچّے اور بازاری لوگ آپ پر پتّھر پھینکتے اور غلام آوازے کستے اور گرد و غبار اڑا کر آپ کو تنگ کرتے تھے گو زید بن حارثہ اپنے بدن کو سپر بنا کر کافروں کے حملے اپنے جسم پر روکنے کی کوشش کرتے رہے لیکن پھر بھی آپ کا تمام جسم مبارک زخمی ہو گیا پاؤں میں آبلے پڑ گئے کسی ظالم کا پتّھر ٹخنہ میں آکر ایسا لگا کہ خون بہنے لگا اور آپ شکستہ دل مغموم و پریشان عُتبہ و شیبہ کے باغ کے قریب ایک کھجور کے سایہ کے نیچے ٹھہرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بادلِ مغموم و شکستہ خاطر یوں دعا مانگی "الٰہ العالمین میں اپنی کمزوری و بے کسی اور لوگوں میں رسوائی اور ذلّت کی شکایت تیرے سوا کس سے کروں؟ اے ارحم الراحمین تو میرا رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے، تو مجھے میرے دشمنوں کا شکار نہ بنا اور مخالفوں کو مجھ پر قابو نہ دے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہوا ہے تو بیشک مجھے کسی کی کچھ پرواہ نہیں، تیری رحمت مجھے درکار اور تیری پناہ میرے لئے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے کُل تاریکیاں روشنی سے بدل جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے معاملے بن جاتے ہیں کہ تو مجھ سے ناراض نہ ہو اور میری مشکلوں کو جس طرح ہو حل کر، تیرے سوا طاقت ہے نہ مدد۔"

جبّار و قہار خدا کی جبروتی شان حلم و بُردباری لئے ہوئے جوش زن تھی اور خالقِ ذوالجلال کی نظر کے سامنے اُس کے نازک مزاج پیارے پیغمبر کو زخمی کیا جا رہا تھا دفعتہً اللہ کے مقدّس فرشتہ جبرئیلؑ نے اسلام کیا اور اپنے ہمراہ دوسرے فرشتے کو لائے اور عرض کیا کہ "یارسول اللہؐ یہ وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد پہاڑوں کی خدمت ہے، اللہ پاک کا اس کو حکم ہے کہ آپ کی اجازت ملنے پر طائف کے گرد کی دونوں پہاڑیاں باہم ٹکرا دی جائیں اور اہلِ طائف کو دونوں کے بیچ ایسا دَل دیا جائے جس طرح چکّی کے دو پاٹوں میں دانہ دَل دیا جاتا ہے" پس آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو حکم مناسب ہو فرما دیں اور قدرتِ حق جلّ شانہٗ کا تماشہ دیکھیں۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے رحم یا انتقام کے خوگر نہیں بنائے گئے تھے۔ آپؐ انتہا درجہ کے کریمُ النفس اور خیر خواہِ قوم تھے قومی اصلاح آپؐ کا دلی منشار اور مخلوق کی ہدایت و رہبری آپ کا قلبی مقصد تھا یا ایں تکالیف و مصائب آپ نے اپنے دشمنوں کی مصیبت گوارا نہ فرمائی اور جواب دیا کہ اے ارحم الرّاحمین! تو نے مجھ کو سخت دل پیدا نہیں فرمایا، میں اِن پر عذاب نازل کرانے نہیں آیا۔ مجھے اپنی قوم کے ہلاک و تباہ ہونے کا سبب نہ بنا۔ اگر یہ نیست و نابود ہو گئے تو اس سے مجھے کیا مل جاوے گا اور اگر زندہ رہے تو اُمید ہے شاید ان کی نسل میں کوئی فرماں بردار بندہ پیدا ہو جائے یہ لوگ میرے مرتبہ سے ناواقف ہیں، اندھے ہیں، اگر ان کو وہ بینائی مرحمت فرما دے جس سے یہ میری شانِ پیغمبری دیکھ لیں تو امید ہے کہ ایمان سے مشرف ہو جائیں۔"

اِس باغ کے مالک جس کے سامنے آپ پریشان حال بیٹھے تھے، ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ گو کافر تھے لیکن آخر انسان تھے اس لئے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کسی و بے بسی اور معوبت و مشقّت دیکھ کر افسردہ دل اور مغموم ہوئے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ بھائی صاحب سردارِ مکّہ عبد المطلب کے ناز پروردہ پوتے کو دیکھتے ہو کس بے کسی و پریشان حالی اور بھوک و پیاس کی شدّت میں مُبتلا ہے یہ کہہ کر اپنے غلام عدّاس کو بلایا اور طباق میں ایک خوشہ انگور کا رکھ کر عدّاس کو دیا اور کہا کہ اس شخص کے پاس لیجاؤ اور درخواست کرو کہ تناول فرماویں۔ چنانچہ عدّاس نے طباق پیش کیا اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نعمتِ خداوندی سمجھ کر بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کیا۔ عدّاس جو حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے وطن شہر نینوے کا باشندہ تھا عربی رواج کے خلاف کھاتے وقت بسم اللہ سُن کر حیران ہوا اور آپ کا نام دریافت کرنے لگا۔ آپ نے اپنا نام اور قصّہ بیان فرمایا۔ تب عدّاس نے آپکے پاؤں چُومے اور عرض کیا کہ میں آپ کی تعریف توریت شریف میں دیکھ کر آپ کا منتظر تھا۔ الحمدللہ مجھ کو

یہ دولت نصیب ہوئی ہیں آپ پر ایمان لانا اور توریت کی خبر سنائے دیتا ہوں کہ آپ کی قوم آپ کو ایذائیں پہنچائے اور جلاوطن کرے گی لیکن انجام کار غلبہ آپ ہی کو ہوگا کیونکہ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔

غرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو لوٹے اور چونکہ مکہ کی خطرناک وغیر مامون حالت اور باشندگان مکہ کی فتنہ پردازی و شرارت سے غایت درجہ بیزار تھے اس لئے مقام نخلہ میں قیام فرمایا جو مکہ سے باہر واقع تھا آخر شب میں آپ اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے کہ جنات نے کلام اللہ سنا اور اس شیریں کلام سے متاثر ہو کر بعد فراغ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایمان لائے اور بیعت کر کے اپنی قوم کو تبلیغ کے لئے رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اہل مکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر مجھ کو امن ملے اور میری حفاظت کی جائے تو میں مکہ آؤں ورنہ جدھر منہ اٹھے چلا جاؤں۔

کسی نے آپ کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا البتہ مطعم بن عدی کا دل آپ کی بے بسی دیکھ کر بھر آیا وہ وہاں سے آپ کو اپنی حفاظت میں اپنے گھر لے آیا۔ صبح ہوئی تو مطعم نے ہتھیار باندھے اور اپنے بیٹوں بھتیجوں کو بھی مسلح کیا۔ اس کے بعد اعلان کر دیا کہ میں محمدؐ کے نئے دین کا قائل نہیں ہوں لیکن ان کا حامی و مددگار ضرور ہوں میں نے ان کو امن دیدیا ہے اگر کوئی ان کو ایذا پہنچائے گا تو گویا مجھ سے لڑنے پر آمادہ ہوگا۔ قریش یہ سن کر آپؐ کی کھلم کھلا مخالفت اور ایذارسانی سے کچھ رک گئے اور آپ نے پردیسی لوگوں اور باہر سے آنے والے دکانداروں، سوداگروں اور اشراف و سرداران قبائل کو وعظ و نصیحت شروع کی۔

آپ اپنے ہموطنوں سے جدا رہنے اور موسم حج یا فصل کے موقع پر جو اجنبی شریف آدمی یا کسی قبیلہ کا باعزت سردار مکہ میں آتا اس کو تبلیغ کرتے اور اس توقع وامید پر اسلام کی جانب بلاتے تھے کہ شاید کسی کو ہدایت نصیب ہو اور راہ پر آجائے جس وقت آپ وعظ فرماتے اس وقت آپ کے مقابلہ میں ابولہب یہ منادی کرتا کہ "اے بھولے بھالے پردیسی لوگو! محمدؐ تم کو نئی راہ دکھلاتا اور بدعت وگمراہی کی طرف بلاتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لات و عزیٰ کی پرستش تم سے چھڑائے، دیکھو خبردار خبردار کوئی اس کا کہنا نہ مانیو"

ایک مرتبہ قبیلہ بنی کلب کی ایک شاخ بنی عبداللہ میں آپ نے جاکر وعظ فرمایا اور کہا کہ اے قوم قسمت نے تمہارے جد امجد کا کیا پیارا نام تجویز کیا کہ خدا کی عبدیت ظاہر ہو رہی ہے خدا کرے کہ تم اللہ کے سچے بندے بن جاؤ اور بت پرستی چھوڑ کر توحید کے قائل ہو جاؤ۔ ہر چند کہ آپ نے نرم الفاظ میں سب کچھ سمجھایا مگر کسی نے آپ کی بات پر کان نہ دھرا اور آپ کا مذہب حق قبول کرنے کا کسی نے بھی اقرار

ایک بار قبیلۂ بنی حنیفہ میں آپ تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ "اے قوم! میرے اہلِ وطن اور برادری کے بھائیوں نے دین کی نعمت اُلٹے ہاتھوں رَدّ کر دی خدا کا پیغمبر برسہا برس ان میں رہا اور ہمیشہ کفر پر عذاب سے ڈراتا اور ایمان پر جنت کی بشارت سناتا رہا مگر ان کے کان پر جوں نہیں رینگی انھوں نے خدائی پکار پر کان نہ دھرے اور بجائے قبول کرنے کے تکذیب و استہزاء پر آمادہ ہوئے سو اب یہ نعمت تم پر پیش کرتا ہوں زہے نصیب کہ تم اس کے قدر دان بنو اور اس دولتِ لازوال سے اپنے دامن بھر لو مگر افسوس کہ ان میں بھی کسی نے آپ کا کہنا نہ مانا اور ماننا تو درکنار ایسے سخت جواب دیئے کہ آپ بصد یاس و غم وہاں سے واپس چلے آئے۔

ایک مرتبہ بنی عامر بن صعصعہ کو آپ نے تبلیغ فرمائی اور اُن پر اپنا نفس پیش فرما کر اس کے طالب ہوئے کہ یہ لوگ اللہ کے پیارے پیغمبر کو اپنی جماعت میں لے کر دائمی دولت سے مالا مال ہوں اور اپنے ہمراہ لے جائیں مگر ان میں بھی کسی نے آپ کو قبول نہ کیا البتہ فراس نامی ایک شخص نے اتنا پوچھا کہ اے محمدؐ! اگر ہم تمہارا کہنا مانیں اور ہماری موافقت سے تم کو ملکِ عرب پر قبضہ حاصل ہو جائے تو بتاؤ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گے اور اپنے بعد اپنا جانشین بناؤ گے یا نہیں؟ مگر جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ جواب سنا کہ "ملک تو خدا کا ہے وہ مالک ہے اور اسے اختیار ہے کہ جس کے قبضہ میں چاہے دے" تو ابن فراس ہنسا اور یہ کہہ کر کہ پھر ایسا احمق کہاں سے آئے گا کہ تمہارا ساتھی بن کر عرب کے ہاتھوں گردن کٹوائے اور جب ملک تمہارے قبضہ میں آئے تو دوسروں کو حاکم بنا دیکھے" وہاں سے چلدیا۔

باب ۲۷ سنہ ۱۱ و ۱۲ نبوی

مدینہ کی قوم میں اسلام کا پھیلنا اور بیعتِ عقبۂ اُولیٰ

مدینہ میں قوم یہود کے علاوہ دو بت پرست قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان کا قدیمی مسکن یمن تھا اور یہ دونوں گو ایک دادا کی اولاد تھے لیکن باہمی ایسی نااتفاقیاں پھیل گئی تھیں جن کے سبب ہمیشہ باہم لڑتے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے۔

انھیں ایامِ موسم میں قبیلۂ بنی عمرو بن عوف کا صاحبِ شرف و نسب سردار سوید بن صامت جن کو ذکاوۃ اور شاعری اور کمالاتِ علمیہ و عملیہ کے سبب ان کی قوم نے کامل کا خطاب دے رکھا تھا مدینہ سے حج یا عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ میں آئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا آنا سنا تو حسبِ عادت ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ "اے سوید! تم ہی اس خدائی دولت کو لے لو جسے اہلِ مکہ نے لوٹا دیا اور رَدّ کر دیا ہے"

سوید نے جواب دیا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس بھی وہی نصائح ہیں جو میرے پاس موجود ہیں اس کے بعد مجلّہ لقمان یعنی وہ صحیفہ نکال سامنے کیا جس میں لقمان حکیم کی دانشمندانہ نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں حضرتؐ نے اس کی تعریف فرمائی اور کہا کہ میرے پاس اس سے بہتر نصیحتیں موجود ہیں یعنی کلام اللہ جو مجھ پر نازل ہوا اور ہدایت و نور بن کر اُترا ہے اس کے بعد آپؐ نے چند آیتیں قرآن مجید کی ان کو سنائیں سوید بن صامت کلامِ الٰہی سُنکر متاثر ہوئے اور یہ کہہ کر کہ "بیشک پیارا کلام اور شیریں نصیحتیں ہیں" مدینہ واپس ہوگئے مگر افسوس کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور واپسی کے چند ہی روز بعد قبیلۂ خزرج کے ہاتھوں مقتول ہوکر راہیِ مُلکِ بقا ہوئے۔

چند روز بعد قبیلۂ خزرج کے چند آدمی انس بن رافع وغیرہ بنو عبدالاشہل کے چند نوجوان ایاس ابن معاذ وغیرہ کو ساتھ لے کر مکّہ اس غرض سے آئے ہوتے تھے کہ قریش کو اپنا حلیف بنائیں اور اس جنگ جو بہادر قوم سے باہمی جنگ و صلح کی شرکت اور اعانت پر قسامعہدی کرلیں تاکہ خزرج کے مقابلے میں لڑتے وقت کام آئے۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوواردِ اہلِ مدینہ کو وعظ فرمایا اور قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائیں جن کا سب سے پہلے اثر ایاس بن معاذ پر ہوا جو سمجھدار نوجوان تھے وہ کہنے لگے کہ یہ کیسا شیریں کلام ہے بخدا یہ ہدایت جس کی جانب یہ شخص ہم کو بلاتا ہے اس معاہدہ سے کہیں بہتر ہے جس کی تکمیل کے لئے ہم مکّہ آئے ہیں، چلو اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ ایاس کے یہ کلمات سُنکر قوم کے رئیس نے کہا کہ او احمق پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے جلدی کرنا عقلمندوں کی شان نہیں۔ نیز انس بن رافع نے ایک بڑا کنکر حضرت ایاس کے مُنہ پر کھینچ بھی مارا اور کہا کہ چُپ ہو اے بیوقوف ہم اس لئے مکّہ میں نہیں آئے۔ خلاصہ یہ کہ ایاس چپ ہوگئے اور چند ہی روز بعد دُنیا سے انتقال کرگئے ان کی قوم نے سُنا کہ یہ مرتے وقت باوازِ بلند تکبیر کہتے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے نعرے مارتے تھے اس لئے ان کے ایمان میں شک کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

اس موقع پر لوگ اپنے سردار کی مخالفت اور حاکم کی ناراضی کے اندیشہ سے گو ایمان نہیں لائے تاہم اتنا نتیجہ ضرور ہوا کہ قریش سے قسامعہدی بھی نہیں ہوئی اور اپنا خیال پورا کئے بغیر جیسے آئے تھے ویسے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔

باشندگانِ مدینہ یعنی اوس و خزرج کا یہود سے جس وقت کسی بات پر جھگڑا ہوتا تھا تو آخری فیصلہ کے طور پر یہودی یوں کو کہہ دیا کرتے تھے کہ اچھا اب نبی آخر الزماں پیدا ہونے والے ہیں دیکھو ہم لوگ اُن کے تابعدار اور ساتھی بن کر تمہارا کیسا قلع قمع کریں گے۔

عرب کے رہنے والے جو دُور دُور سے کسی قومی میلے میں آتے تھے وہ آپ کے وعظ نہایت خشوع و خضوع سے سنتے اور جب واپس جاتے تو اِن باتوں کو اپنے ہموطنوں میں پھیلاتے تھے حق کا دوسرا کرشمہ یہ بھی ہوا کہ اکثر کفار آپ کی ہجو میں قصیدے کہتے تھے جن میں آپ کی اکثر باتیں مندرج ہو کر مشہور ہوگئیں۔ اِس طرح گویا آپ کے پاک خیالات قریب قریب تمام حجاز میں شائع ہو چکے تھے۔

حق باتوں کے وہ بیج جو چاروں طرف بکھیر دیئے گئے تھے پودا پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ۱۱ نبوی سنہ میں عقبہ پہاڑ کے قریب مدینہ کے رہنے والے چھ خزرجی شخصوں سے آپ دوچار ہوئے اور انھوں نے آپ کے موثر وعظ کو کان لگا کر بڑے غور سے سُنا اس کے بعد چُپکے چُپکے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہود کا قول پورا ہوتا نظر آتا ہے کیا اچھا ہو کہ ہم اُن سے پہلے اِس شخص کا اتباع کرلیں جو در حقیقت اللہ کا سچا پیغمبر اور نبی آخر الزماں معلوم ہوتا ہے چنانچہ آپ کی فصاحت اور راست گفتاری نے اپنا اثر دکھایا اور وہ چھ کے چھ حضرات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور دولت لازوال سے مالا مال ہوگئے۔

یہ واقعہ ۶۲۰ سنہ عیسوی میں ہوا جب یہ چھ مسلمان اپنے وطن کو واپس گئے تو انھوں نے اِس خبر کو مشہور کیا کہ ملک عرب میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں جو عرب کے سیکڑوں برس کے جھگڑوں کا تصفیہ کردیں گے اُن کو بُت پرستی چھڑا کر اللہ کی طرف بُلائیں اور ہدایت کا راستہ دکھائیں گے۔ اس طرح چند ہی روز میں مدینہ کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں مقدس مذہب اسلام کا چرچا اور گھر گھر میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مذکور ہونے لگا۔

دوسرے سال یہ اہلِ یثرب پھر مکہ میں آئے اور اِس مرتبہ یثرب کے چھ مشہور قوموں کی طرف سے چھ آدمی اپنے ساتھ لیتے آئے اور اسی جگہ پر جہاں وہ پہلے چھ آدمی ایمان لائے تھے یہ چھ بھی داخلِ اسلام ہوئے یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔

اِس بیعت کا نام بیعتُ العقبۃُ الاُولیٰ ہے یا یوں کہو کہ وہ معاہدہ جو اِن لوگوں کے ساتھ ہوا عقبہ کا پہلا معاہدہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ معاہدہ عقبہ پہاڑ پر ہوا تھا جو اقرار ان لوگوں نے کیا تھا وہ یہ ہے کہ "ہم لوگ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے، چوری، زناکاری، اولاد کے قتل سے باز آئیں گے ہم کسی کی چغلی اور بہتان نہ کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک حق بات کو مانیں گے اور خوشی و غم میں ان کے شریک حال رہیں گے"

اِس اقرار کے بعد یہ لوگ حضرت کے ایک بزرگ صحابی حضرت مصعب بن عمیر کو اپنے ساتھ مدینہ لے گئے تاکہ ان سے کلام مجید پڑھیں دینی مسائل سیکھیں اور یثرب کے تاریک خطہ کو اسلام کی روشنی سے منور بنائیں اِن نو مسلم اہلِ مدینہ میں سے حضرت ذکوان بن عبد قیس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے اور آپ کے ساتھ ۱۳ سنہ نبوی میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی، ان کو اِسی لئے انصاری و

مہاجر دونوں لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان بارہ جان نثارانِ اسلام مدنی صحابہؓ کے نام یہ ہیں: اسعد بن زرارہ۔ حارث بن رفاعہ کے دونوں بیٹے عوف و معاذ۔ رافع بن مالک قبیلۂ بنی زریق میں سے۔ ذکوان بن عبد قیس بنی عوف بن خزرج میں سے عبادہ بن صامت۔ ابو عبد الرحمٰن یعنی یزید بن ثعلبہ بنی سالم میں سے۔ عباس بن عبادہ۔ عقبہ بن عامر اور قطبہ بن عامر۔ اور قبیلۂ بنی اوس میں ابو الہیثم یعنی مالک بن تیہان اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینہ میں آئے اور اسعدؓ بن زرارہ کے گھر ٹھہرے اور اسعد بن زرارہ نے اپنے پیشوا معلّم کو دارِ بنی ظفر میں لے جا بٹھایا اور وہیں تمام نومسلم وعظ سننے جمع ہوئے قبیلۂ بنی عبد الاشہل کے دونوں مشرک سرداروں سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر کو خبر لگی تو غصّہ میں بیتاب ہو گئے اور اپنے شہر میں نئے مذہب کی ابتدا دیکھ کر جھلّا اُٹھے۔ سعد بن معاذ ہاتھ میں نیزہ لے کر اُس بُستان سرائے میں آیا جہاں حضرت مصعبؓ بن عمیر حضرت اسعدؓ بن زرارہ کی ظاہری اعانت پر وعظ فرمایا کرتے تھے اور کہا کہ "اس بے وقوف واعظ کو اتنی ہمّت کس نے دِلائی کہ یہ ہمارے بھائی بندوں کو بہکاتا، راستہ سے بھٹکاتا، ہمارے دروازوں پر آتا اور ایسے لفظ پکار پکار کر کہتا ہے جو ہم نے کبھی نہیں سُنے اگر یہ باز نہ آیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ سعد بن معاذ کی اِس سخت گفتگو سے لوگوں کا مجمع منتشر اور وعظ سُننے والے درہم برہم ہو گئے لیکن مصعبؓ ابن عمیر نے اپنا کام نہیں چھوڑا اور اگلے روز پھر اُسی مکان کے قریب وعظ کہنا شروع کر دیا جہاں اِس سے پہلے دن کہہ چکے تھے۔

سعد بن معاذ اس دن بھی خبر پا کر آیا اور بہت کچھ سخت سُست کہا لیکن حضرت مصعبؓ بن عمیر کی کرامت اور دینِ حق کی حلاوت تھی کہ آج سعد کی گفتگو میں نرمی تھی اور وعظ کی ممانعت گویا ہونٹ چبا چبا کر کر رہے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ سعد بن معاذؓ نے اُسید بن حضیر سے کہا کہ "اے اُسید چونکہ اسعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے اِس لئے مجھ کو اُسے ایذا پہنچاتے شرم آتی ہے تم میری مدد کرو اور اِن نووارد لوگوں کو منع کر دو کہ ہمارے بھولے بھالے ہموطنوں اور عورتوں بچّوں کو گمراہ نہ بنائیں"۔ چنانچہ اُسید بن حضیر یہ سُنتے ہی ہاتھ میں تلوار لے اسعد بن زرارہ کے سر پر آ کھڑے ہوئے اور نہایت کرخت آواز سے کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے جواب میں پیش قدمی کی اور کہا کہ "تشریف رکھئے اور نصیحت کی باتیں سُنئے اگر پسند آئیں قبول کر لیجئے اور اگر ناگوار گذریں تو ہم بخوشی آپکے حکم کی تعمیل کرنے اور یہاں سے چلے جانے کو موجود ہیں"۔

اُسید بن حضیر کے دل پر اس راست گفتاری اور منصفانہ تقریر نے بڑا اثر کیا اور وہ یہ کہہ کر کہ "درحقیقت انصاف کی بات یہی ہے" کلام مجید سُننے کے لئے کان لگا کر مؤدب ہو بیٹھے۔

مصعب رضی بن عمیر نے فصیح لیکن مختصر الفاظ میں محاسنِ اسلام سُنائے اور اُسید بن حضیر کے دل پر قرآن کے ماہتاب نے اپنی جھلکتی ہوئی کرنوں سے ٹکرانا شروع کیا۔ بیساختہ یہ کہہ کر کہ "واہ واکیا نیر اسلام اور بزرگ عقیدہ ہے" بولے کہ جلد بتاؤ جب تم لوگ اِس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کہتے اور کیا کرتے ہو۔ اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر رضی نے ایک زبان ہوکر مسرت آمیز لہجہ میں جواب دیا کہ "ہم ایمان لاتے وقت نہاتے، کپڑے پاک کرتے اور حق کی گواہی دیتے، کلمہ پڑھتے اور شکرانہ کی دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں"۔ اُسید بن حضیر نے اسی وقت غسل کر کے کلمہ پڑھا اور مشرف باسلام ہوکر فرمایا کہ اگر میرا دوست سعد بن معاذ اِس لازوال دولت سے مالا مال ہوجائے تو اس کی قوم بھی ایمان لانے میں کچھ تامل نہ کرے گی۔ اچھا میں جاتا ہوں اور مقدس اسلام کا جھنڈا بڑھانے کی کوشش عمل میں لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر اُسید بن حضیر اُٹھے اور سیدھے سعد بن معاذ کے پاس آئے چونکہ نورِ ایمان کی شعاعوں نے ان کے چہرے کی پچھلی تاریکی کو بالکل چھپا اور صورت میں بیّن فرق پیدا کر دیا تھا۔ اِس لئے سعد ابن معاذ نے دیکھتے ہی تاڑ لیا کہ اُسید اس حالت سے واپس نہیں آیا جس حال میں یہاں سے روانہ ہوا تھا مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ آخر جب اُسید پاس گئے تو سعد نے دریافت کیا کہ کہو دوست کیا کارروائی کر کے لوٹے؟

اُسید بن حضیر رضی نے جواب دیا کہ بھائی صاحب آپ کا خیال غلط تھا۔ میں نے ان لوگوں سے گفتگو کی تو ان کی پسندیدہ اور بے لاگ لپیٹ نصیحتوں میں حق کا جلوہ نمودار اور سچائی کا اثر موجود پایا۔ اس وقت میں آپ کے پاس اِس غرض سے آیا ہوں کہ آپ کی قومی حمیت کا وزن کروں میں نے سُنا ہے کہ بنی حارثہ کی شریر قوم آپ کے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے گئی ہوئی ہے جلد اُٹھئے اور حقِ جوانمردی ادا کیجئے۔

سعد بن معاذ گو ابھی تک مشرک تھے لیکن قومی حمیّت کا خون اُن کی رگوں میں جوش مار رہا تھا اور وہ عصبیت کا مادّہ جو شریف و بہادر مرد کے عنصر میں ہونا چاہئے ان کے پٹھے پٹھے میں سرایت کئے ہوتے تھا۔ اِس لئے غصّہ کے مارے کانپ اُٹھے اور یہ کہہ کر کیا بنی حارثہ نابکار میری مہربان خالہ کے نورِ نظر کو میرے ہوتے نظر بھر کر دیکھ سکتے ہیں؟ تلوار میان سے باہر نکال لی اور

سید سے اسعد بن زرارہ کے پاس آئے لیکن جب دیکھا کہ اسعد اور مصعبؓ دونوں مطمئن بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں تو حیران رہ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ اُسید بن حضیر کی محض چال تھی۔

سعد بن معاذ نے اسعد بن زرارہ سے کہا کہ اگر میرے آپ کے درمیان قرابت و رشتہ داری نہ ہوتی تو آپ کو اس نئے دین کی ترویج پر ہرگز جرأت نہ ہوتی۔ اسعد بن زرارہ تو خاموش رہے مگر حضرت مصعبؓ نے جواب دیا، کیا آپ منظور کر سکتے ہیں کہ چند لمحہ بیٹھ کر کلامِ الٰہی سُن لیں اور بات کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے بعد حق و باطل میں تمیز کریں اگر پسند ہو تو قبول فرما دیں ورنہ ہم بخوشی آپ کو چھوڑ جانے پر آمادہ ہیں۔" حضرت اسعد بن زرارہ رضؓ نے آج سعد بن معاذ کو نرم پاکر کہا کہ بھائی صاحب بیٹھئے سُنئے تو سہی کہ یہ شخص کہتا کیا ہے ؟ اگر درحقیقت گمراہ کرتا ہے تو آپ اس سے بہتر ہدایت کرنے والا طریقہ بتائیے تاکہ عوام الناس انھیں چھوڑ کر آپ کی اطاعت کریں اور راہ یاب ہوں ورنہ اِس نعمتِ غیر مترقبہ کی قدر کیجئے اور ان کا وجود باوجود غنیمت سمجھ کر ان کا کہنا مان لیجے۔ یہ سُن کر سعد بن معاذ فوراً بیٹھ گئے اور حضرت مصعبؓ نے بسم اللہ پڑھ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں: حٰمٓ ۚ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۚ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ؕ امرِ حق نے اپنی حلاوت بہت جلد سعد بن معاذ کے قلب تک پہنچا دی اور ان کی زبان سے بھی وہی کلمہ نکلا جو تھوڑی دیر پہلے اسلام قبول کرنے کی صورت دریافت کرنے کے بارے میں حضرت اُسید کی زبان سے نکلا تھا۔ چنانچہ اسی وقت سعد بن معاذ نے غسل سے فارغ ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنی قوم میں جا کر پکار دیا کہ "اے بنو عبد الاشہل میں تم سے افضل اور سردار شمار ہوتا ہوں، میں مُسلمان ہو چکا تمہارے مردوں اور عورتوں سے مجھ کو کلام کرنا حرام ہے جب تک کہ وہ اسلام سے مشرف نہ ہو جائیں۔

خدا جانے اِس آواز میں کیسا مقناطیسی اثر تھا کہ جس کے کان میں پڑی وہ کھچا ہوا چلا آیا اور جس نے سُنا وہ لپکا ہوا حاضر ہو گیا۔ ابھی تک شام ہونے نہ پائی تھی کہ بنی عبد الاشہل کے قبیلہ کا ہر گھر اسلام کا شیدا اور سچا کلمہ گو بن گیا کیونکہ کوئی مرد ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو اور کوئی عورت ایسی نہ تھی جو ایمان نہ لے آئی ہو۔

حضرت مصعب بن عمیر رضؓ برابر اپنے کام میں مشغول رہے اور چند ہی روز میں یثرب کے نصف سے زیادہ حصہ میں اسلام پھیل گیا اور اسی سال مدینہ میں جمعہ قائم ہوا۔ وَالْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِکَ ✝

باب ۲۸ سنہ ۱۲ نبوی

معراج

آپؐ کی عمر شریف اکیاون برس آٹھ مہینے بیس روز کی اور نبوّت کا بارھواں سال، رجب کا مہینہ ستائیسویں شب اور دوشنبہ کی شب تھی کہ آپؐ کو معراج کا رُتبہ عنایت ہوا۔

اِس افضل ترین واقعہ کے بیان میں شعراء اور غیر محتاط واعظوں نے جھُوٹی سچّی روایتوں کی مدد سے بہت لغزشیں کھائی ہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ جب یہ واقعہ بزرگ ترین واقعات سے موسوم ہے تو گھڑے ہوئے بیانات سے زبانِ قلم کیوں ملوّث کی جائے۔ بناؤ سنگھار کی ضرورت ایسے چہرہ کو ہوتی ہے جس کا قدرتی نکھار دیکھنے والوں کے دل اپنی طرف مائل نہ کرسکے اور جب کسی حسین مہ جمال کا دل فریب حُسن بناوٹ کا محتاج ہی نہ ہو تو اس کی سیدھی سادی دِلرُبا ادائیں اور بھولی بھالی جگر خراش باتیں بھی دل میں جگہ پکڑ لیا کرتی ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو تمام بنی آدم کے لئے فخر کا مقام ہے کہ اُن کے سردار افضلِ موجودات نے ایک آن میں بحالتِ بیداری عالمِ علوی کی سیر کی اور وہ وہ عجائبات دیکھے کہ باید و شاید۔

علمائے اسلام کا گو اِس میں اختلاف ہے کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بحالتِ بیداری ہوئی یا خواب میں اور جسمانی ہوئی یا رُوحانی تاہم صحیح یہی قول ہے کہ آپ نے بیداری کے عالم میں اسی جسم سے عالمِ ملکوت کی سیاحت کی اور گو جدید و قدیم فلسفہ کے منہمک نئی روشنی کے خیالی تہذیب والے نوجوان اس کو بعید سمجھتے اور خلافِ قیاس و عقل بتا کر اعتراض کرتے ہیں، لیکن حیرت ہے کہ جب خود عیسائی حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہما و علیٰ نبیّنا السّلام کے جسمانی طور پر آسمان پر چڑھ جانے کو مانتے ہیں تو معراج محمدی کا جسمانی حیثیت سے کیوں انکار کرتے ہیں؟

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ سیّدنا محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو یُوں تو معراج چونتیس ۳۴ مرتبہ ہوئی لیکن وہ مشہور معراج جس کا قابلِ فخر خلاء آدم ابوالبشر سے عیسیٰ رُوح اللہ تک تمام انبیاء علیہم السّلام کے گروہ میں صرف سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا گیا، ایک مرتبہ ہوئی ہے جس کا سچّا قصّہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اب تک بانیِ اسلام اور متبعین خیر الانام پر شب و روز کے چوبیس ۲۴ گھنٹہ میں صرف دو ۲ مرتبہ نماز پڑھنا فرض تھا ایک دن کے شروع حصّہ میں جس کو صلوٰۃِ فجر کہنا چاہئے اور دوسرے نہار کے آخری حصّہ میں جس کا نام عشاءِ اُولیٰ یا صلوٰۃِ مغرب ہے۔

عالمتاب آفتاب اپنی روزانہ مسافت طے کر چکا اور دُنیا والوں کی نظر سے اوجھل ہو کر دیر ہوئی اپنی چمکدار شعاعوں کو سمیٹ کر اُفق مغرب میں جا چکا تھا کہ آفتاب نبوّت کے آسمانوں پر جلوہ افروز ہونے کا وقت آیا اور رُوح الامین نے حق تعالیٰ کا فرمان پا کر ایک قبول صورت میانہ قد خلقتی سفید مرکب جس کا نام بُراق ہے دَولت خانہ سلطان انسان وجان کے دروازہ پر اس وقت لا کھڑا کیا جب کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دن کی آخری نماز سے فارغ ہو کر اپنی چچا زاد بہن اُمّ ہانی دختر ابوطالب کے گھر خوابِ استراحت فرما رہے تھے۔

جبرئیلِ امین نے خادمانہ آداب ملحوظ رکھ کر حضرت کو بیدار کیا اور قدم مبارک پر ہاتھ لگا کر جگایا آپ اُٹھے اور اِدھر اُدھر دیکھا مگر جب کسی کو نہ پایا تو آنکھیں بند کر لیں اور پھر سو گئے دوبارہ جبرئیل امین نے پھر اسی طرح جگایا اور حضرت ؐ نے آنکھ کھول کر جب کسی کو نہ پایا تو پھر سو گئے تیسری مرتبہ حضرت جبرئیل ؑ نے پھر جگایا اور حطیم میں لا کر چوتھی مرتبہ سینۂ مبارک چاک کیا۔ قلب مبارک طلائی طشت میں آبِ زمزم سے دھویا۔ ایمان و حکمت اور تجلیاتِ الٰہی سے معمور بنا کر سی دیا اور مژدہ سُنایا کہ فلکی سیاحت کے لئے تیار اور عالمِ علوی کے عجائبات کی سَیر کے لئے بنے ٹھنے براق پر سوار ہو جیئے تا کہ مجھ کو رکاب پکڑنے کی عزّت حاصل کرنے اور میکائیل ؑ کو باگ تھامنے کی خدمت سے ملاءِ الاعلیٰ پر فخر کرنے کا موقع ملے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر تشریف لائے تو سواری کھڑی پائی جس کی صفت رفتاری کا اَدنیٰ مرتبہ یہ تھا کہ جہاں تک نظر جاتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا اور پلک جھپکانے میں صد ہا میل کی مسافت طے کرتا تھا۔ چنانچہ آپ اس بُراق پر سوار ہوئے اور مسجدِ حرام سے یثرب کے وہ نخلستان قطع کرتے ہوئے جہاں چند روز بعد ہجرت کرنی تھی اور طورِ سینا پر گذرتے ہوئے جس پر موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ پاک سے باتیں کی تھیں اور بیت اللحم دیکھتے ہوئے جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور دُو دُو رکعت ان متبرک مقامات پر ادا کرتے بیت المقدّس پہنچے جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تک سارے انبیاء علیہم السّلام آپ کے منتظر اور نماز میں آپ کا اقتدا کرنے کے متمنّی تھے۔

آپ ؐ کا خوش قسمت بُراق اس دروازہ کے حلقہ سے باندھا گیا جو اَب تک بابِ محمد ؐ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے بعد سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجدِ اقصیٰ میں جس کو ہر طرف سے اللہ کی برکتیں گھیرے ہوتے ہیں ابتداءً تحیۃ المسجد کی دُو رکعتیں نہایت خشوع و خضوع سے ادا کیں۔ اسی موقع پر اللہ کی نورانی مخلوق ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السّلام نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد آپ

کمالِ شوق و ذوق سے دُرود بھیجا اور اعتراف کیا کہ بیشک آپ ہم سب سے افضل اور آپ پر ایمان لانا ہم پر فرض ہے۔ روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ مقدس مجمع انبیاء علیہم السّلام کی بلاجسد ارواح کا نہ تھا بلکہ سب مجسّم اور اپنی اُس شکل و شباہت میں تھے جو اُن کو دُنیا میں عطا ہوئی تھی۔ غرض اذان ہوئی اور سب نے وضو کیا، تکبیر ہوئی اور فوج کے سپہ سالار کو امام بنایا گیا۔ تمام انبیاء و ملائکہ مقتدی بنے اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، فارغ ہونے پر باہر تشریف لائے اور جبرئیل امین نے دو پیالے جس میں ایک خمر سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے سے دُودھ چھلک رہا تھا لا سامنے کیا۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دُودھ کا پیالہ لیا اور سیر ہو کر پی لیا۔ رُوح الامین نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ مُبارک ہو اگر آپ خمر کا پیالہ لیتے تو آپ کی اُمّت گمراہ ہوتی۔ کیونکہ پیشوائے اُمّت کا اس وقت جامِ شیر لینا اور دُودھ کا پی لینا اس کی اُمّت کے لئے فالِ نیک اور ہدایت کا وسیلہ ہے۔

حضرت میکائیلؑ باگ پکڑے اور حضرت جبرئیلؑ رکاب تھامے ہوتے تھے اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نورانی براق پر سوار آسمانوں کی سیر کرتے اور ہر آسمان پر اُن انبیاء علیہم السّلام سے ملاقات کرتے جو ان کے لئے مقام تجویز ہو چکے تھے اس سدرۃ المنتہیٰ پر جا پہنچے جس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور شاخیں فلک ہفتم پر واقع ہیں۔

"سِدرۃ" عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور چونکہ فرشتوں کی آمد و رفت وہیں تک ہے اُس کے آگے قدم بڑھانا ذی رُوح مخلوق کی طاقت سے باہر ہے۔ اِس لئے اِس کا نام "مُنتہیٰ" ہے یہی وہ مبارک درخت ہے جو چاروں طرف انوار و تجلّیات سے گھرا ہوا اور جس کے عجیب الخلقت پتّہ پتّہ پر ایک ایک فرشتہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے اور اسی سے چار نہریں جاری ہیں دو باطنی جو چمنستانِ جنّت میں رواں ہیں اور دو ظاہری جن میں ایک کا نام دریائے نیل ہے اور دوسرا دریائے فرات کہلاتا ہے۔

آپ آسمانِ چہارم پر بیتُ المعمور کی زیارت کر چکے تھے جو ملائکہ کا کعبۂ مقدّس اور معبدِ دُنیا یعنی خانۂ کعبہ کی عین محاذات میں واقع ہے اور جس کے طواف کرنے کو ہر روز ستّر ہزار فرشتے آتے ہیں اور جو ایک بار طواف کر چکے وہ قیامت تک دوبارہ طواف کرنے نہ آئیں گے۔

اب آسمانِ ہفتم پر ایک نہر نظر آئی جو زمرّد و یاقوت کے سنگریزوں پر جاری تھی جس کا خوشگوار پانی شہد سے زیادہ شیریں اور دُودھ سے زیادہ سپید تھا جس میں سونے چاندی کے کٹورے یاقوت و زبرجد کے آبخورے پڑے بہہ رہے تھے اس کو دیکھ کر آپ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ اس نہر کا نام کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نہرِ کوثر ہے جو آپ کو عطا ہوئی اور قیامت کے دن ناقابلِ برداشت

سخت گرمی کے وقت آپ کی پیاسی اُمّتِ مرحومہ کو سیراب کرے گی۔ اس کے بعد آپ نے جنت و دوزخ کی سیر کی اور ملکوتی عجائب خانہ کے وہ عجائبات دیکھے جو کسی کو دیکھنے نصیب نہیں ہوتے۔

سِدرۃُ المنتہیٰ پر پہنچکر رُوح الامین ؑ نے رخصتی سلام کیا اور یہ کہہ کر کہ آگے قدم رکھنا سوائے آپکے دوسرے کا کام نہیں ہے، واپس ہونے کی اجازت چاہی آپ کو سوائے اجازت چارہ ہی کیا تھا۔ جبرئیل امین کو رخصت کیا اور آپ اپنے حق جلّ وعلیٰ شانہٗ کے دربار میں بحکمِ خداوندی آگے بڑھے چلے گئے۔

یہ وہ وقت تھا کہ آپ پیادہ پا اور تنہا کسی عالی شان بے کیف دربار اور کسی بے پایاں بڑی سرکار میں جانے والے تھے بظاہر نہ کوئی راہبر ساتھ تھا، نہ مونس وغمگسار، نہ رفیق ہمراہ تھا، نہ یار و مددگار، غیبی راہبری کی اعانت پر آپ نے قدم آگے بڑھایا اور جبروتی شان وعظمت اور جلالِ کبریائی کی دہشت کے وہ حیرت انگیز آثار قلب پر نمودار ہو چلے جو احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہونے والے مقرب بندے کے پاک، اور بے عیب دل پر ظاہر ہونے چاہئیں۔ گو مشتاقانہ بےخودی کی کیفیت طاری تھی اور خوف وضبط کی حالت ہویدا حیرت کا عالم تھا اور دہن مبارک پر مُہرِ خاموشی، یکایک آپکے رفیق ابوبکر صدیق رضؓ کی آواز کان میں آئی کہ قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّیْ (ٹھہر و اے محمد! کیونکہ تمہارا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے) گویا یہ کلمات سُنکر آپ کو حیرت ہوئی کہ یہاں ابوبکر رضؓ کی آواز کہاں؟ اور بے نیاز پروردگار کی نماز کیسی؟ تاہم دل کی وحشت اور قلب کی دہشت آواز کے ختم ہوتے ہی کافور ہو چکی تھی ڈھارس بندھ گئی تھی اور اطمینان و فرحت کے آثار پیدا ہو گئے تھے، ناگاہ دوسری ندا آئی کہ اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ۔ (پاس آجاؤ اے بہترین مخلوقات پاس آجاؤ اے احمد پاس آجاؤ اے محمد) ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (پھر نزدیک ہوا اور اُتر آیا پس فاصلہ رہ گیا دو کمان کی برابر یا اس سے بھی زیادہ قریب) اِس مرتبۂ قرب کا اظہار جو سرورِ کائنات ؐ کو بارگاہ احدیت سے ہوا البشری، قوتِ بیانیہ سے باہر ہے نہ انسان کی طاقت ہے کہ بیان کرے نہ زبان میں یارا کہ اُس کا اظہار کرے۔

آپؐ رؤیتِ باری تعالےٰ سے مشرف ہوئے اور جو کچھ عزّ اسمہٗ سے راز و نیاز کی باتیں ہوئیں اُن کو کوئی کیا جانے فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی۔ (پھر اللہ تعالےٰ نے وحی بھیجی اپنے بندہ کی جانب جو کچھ بھی وحی بھیجی) سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار عزّ اسمہٗ نے میرے کندھوں کے درمیانی حصّہ پر ہاتھ رکھے جس کی بُرودت کا اثر قلب پر ظاہر ہوا اور مجھ پر اوّلین و آخرین کا علم منکشف ہو گیا۔

روایت ہے کہ آپ نے عرض کیا "اے پروردگار میرے! اس غیبی آواز کا مطلب کیا تھا ابوبکر کی آواز یہاں کہاں اور تیری سزاوارِ حمد وثنا ذات کی نماز کیسی؟" جواب ملا کہ پیارے محمدؐ! میں تو نماز سے بے نیاز ہوں۔ اِس صلوٰۃ سے مُراد جو یُصَلّی کے لفظ میں مستتر تھی وہ خاص رحمت ہے جس کا مورد تم اور تمھاری مرحومہ اُمّت ہے۔ اِس وقت میری خاص رحمت نازل ہو رہی اور تمھارا استقبال کر رہی تھی۔ اور یہاں عالم لامکان میں تمھارے دُنیا و آخرت کے دوست ابوبکر کی آواز کا سُنائی دینا محض تمھاری اُنسیّت اور عارضی دہشت کے رفع کرنے کی غرض سے تھا۔ کیا تمھیں یاد نہیں کہ کوہ طور پر موسیٰ سے ہمکلام ہوتے وقت میں نے اس کی ہر وقت ہاتھ میں رہنے والی لاٹھی کا ذکر چھیڑ دیا اور پوچھا کہ مَاتِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى (اے موسیٰ! یہ تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟) اور اِس سے بھی مقصود صرف ان کو مانوس بنانا اور اُس رُعب و وحشت کا زائل کرنا تھا جو مجھ سے ہمکلام ہوتے وقت بشر کے قلب پر طاری ہونا ضروری ہے۔ وَاللّٰہُ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اِس کے بعد بارگاہِ احدیّت سے آپؐ کی اُمّت پر رات دن میں پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی اور اللہ تعٰ کے مہمان پیغمبرؐ نے سبز رفرف پر سوار ہو کر عرش کی سیر کی۔

غرض جب جنّت و دوزخ، لوح و قلم، عرش و کرسی غرض تمام عجائباتِ علوی کی سیر کر چکے تو عالَم دنیا کی طرف واپس ہوئے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر گذر ہوا۔ سیّدنا موسےٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہو اے محمدؐ! تمھاری اُمّت پر کِس قدر نمازیں فرض کی گئیں؟ آپؐ نے جواب دیا کہ "پچاس۵۰" موسیٰ علیہ السّلام نے کہا کہ "اے محمدؐ! میں قومِ بنی اسرائیل کو ایک زمانۂ دراز تک آزما چکا اور تجربہ کار بن چکا ہوں۔ تمھاری ضعیف امّت روزانہ پچاس۵۰ وقت کی نماز ادا نہ کرسکے گی۔ جاؤ اپنی امّت پر رحم چاہو اور تخفیف کا سوال کرو۔"

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اور بارگاہِ صمدیّت میں نہایت عاجزی سے تخفیف چاہی اور دس۱۰ نمازوں کے معاف ہونے پر موسیٰ علیہ السّلام کے پاس پھر آئے موسیٰ علیہ السّلام نے دوبارہ کہا کہ "چالیس۴۰ وقت کی نمازوں کا متحمّل ہونا بھی کوئی آسان بات نہیں ہے، جاؤ اور رحم کے آرزومند ہو۔" چنانچہ حضرتؐ پھر لوٹے اور فرض نمازوں کے کم ہونے کا سوال کیا۔ اِس مرتبہ پھر دس۱۰ نمازیں معاف ہوئیں اور تیس۳۰ نمازوں کا حکم لے کر آپ پھر موسیٰ علیہ السّلام کے پاس لوٹے۔ غرض موسیٰ علیہ السّلام کی خیرخواہانہ نصیحت کے موافق بار بار کی آمد و رفت کے بعد پانچویں مرتبہ دن رات میں صرف پانچ نمازوں کی فرضیت باقی رہی اور حکم

ہوا کہ اے محمدؐ! پانچ نمازیں ادا کرنے پر ثواب پچاس نمازوں کا عطا ہوگا کیونکہ تمھاری امّت کی ایک نیکی پر ہماری سرکار سے ہمیشہ دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرحاں و شاداں لوٹے اور گو موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ بھی کہا کہ "اے محمدؐ! پھر جاؤ اور تخفیف چاہو" لیکن آپ نے یہ جواب دے کر کہ "اب بار بار اپنے پروردگار سے سوال کرتے مجھ کو شرم آتی ہے" چھٹی مرتبہ رجعت نہیں فرمائی اور رخصت ہوکر عالمِ دُنیا کو اپنے وجود باجود سے اعزاز بخشا۔ اپنے وطن شہر مکّہ میں پہنچے اور خواب گاہ میں تشریف لائے تو بسترِ مبارک کو گرم اور زنجیر کو ہلتا ہوا پایا کیونکہ ہزاروں برس کی مسافت کا ایک آن میں طے ہونا جس کا نام معراج اور اسراء ہے، ایک قدرتی کرشمہ تھا جس کو وقت و زمانہ کی ضرورت نہ تھی۔

عالمِ غیر محسوس کی مثال دیکھئے تو اللہ کی نورانی مخلوق یعنی ملائکہ کے گروہ کا عرش سے فرش تک کی ہزارہا برس کی مسافت کا وقت کے کم سے کم حصّہ میں طے کرنا نقلاً مستبعد نہیں اور محسوس پر نظر کیجئے تو نگاہ کے پتلے ڈورے کا زمین سے آسمان اور آسمان سے زمین تک ایک آن میں چکر لگا لینا عقلاً ثابت اور دن میں کئی کئی بار ہر شخص کے لئے واقع ہو رہا ہے۔ پھر اگر سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا انکار کیا جائے تو ایسے ہٹ دھرم شخص کو اللہ کی قدرت کا منکر اور بدیہیات کا جاحد کہہ کر کیوں نہ کافر مانا جائے۔

صبح ہوئی اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا قصّہ لوگوں سے ذکر کیا اکثر ضعیف الاسلام مسلمان بھی مرتد ہوکر آپ کی ہنسی اُڑانے لگے۔ بُت پرست قوم کو طعنہ زنی کا موقع ملا اور آپؐ کا مخول اُڑاتے۔ ابو بکرؓ کے پاس پہنچے، کہنے لگے کہ "دیکھئے حضرت آپ نے اپنے دوست کی نئی گھڑی ہوئی رات کی کہانی بھی سُنی؟ وہ کہتے ہیں کہ میں بیت المقدس ہوتا ہوا آسمانوں کی سیر کر آیا اور ایک آن میں بحالتِ بیداری جنّت و دوزخ سب کچھ دیکھ آیا۔" آپ نے جواب دیا کہ "سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر اور رسول ہیں، جو کچھ بھی فرماویں سچ ہے۔ اور جب ایک لحظہ میں آسمانی وحی کا ان پر اُترنا میں نے تسلیم کر لیا تو ایک آن میں ملکوتی سیر پر ایمان لے آنا کون بڑی بات ہے؟" اس کے بعد سیّدنا ابو بکرؓ اپنی جگہ سے اُٹھے اور حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا کہ "یا رسول اللہؐ میں نے بیت المقدس دیکھا ہے آپ بیان فرماویں کہ آپ نے کیا ملاحظہ فرمایا۔" سیّدنا صادق و مصدوق پیغمبرؐ نے وہاں کے

...باتیں بیان کرنے شروع کئے اور ہر بات کے جواب میں سیّدنا ابوبکرؓ عرض کرتے رہے کہ بیشک سچ ہے واقعی درست ہے۔" اس وقت سیّدنا ابوبکر کا لقب "صدّیق" ہوا اس لئے کہ انھوں نے دولتِ تصدیق ...بان سے اپنا دامن سب سے پہلے بھرا۔

چونکہ حضرت ابوبکرؓ ابھی تک اپنی قوم میں باوقعت اور راست گو سمجھے جاتے تھے اس لئے مشرکین ...طمینان دلانے کی غرض سے بیت المقدس کے واقعات کا سوال کیا اور صداقت ظاہر فرمائی، مگر ...ن کافروں کے انکار پسند دل نے نہ مانا اور ابوبکرؓ کو بھی حقیر نگاہوں سے دیکھنے اور بیوقوف ...عقل سمجھنے لگے۔ اس کے بعد خود سوال کیا مگر ایسا واہیات کہ جس کی جانب سیر کرنے والے کو توجہ ...نہیں ہوتی یعنی دریافت کیا کہ "اچھا اے محمدؐ بتاؤ مسجدِ اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں اور اُن ...کی کس قدر ہیں، چھت کی کڑیاں کتنے ہیں اور تختے کیسے بنے ہوئے ہیں؟ اس بے سروپا سوال ...جواب میں سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تامّل ہوا اور اللہ پاک نے بیت المقدس کو فرشتوں کی ...معمولی قوّت کی وساطت سے اپنے رسول کی نظر کے سامنے لا رکھوایا۔ آپؐ اس کو دیکھنے اور کڑیاں ...ق، دروازے، دَر شمار کر کے بتلاتے جاتے تھے لیکن اس پر بھی ازلی بدبخت ایمان نہ لائے اور آپ ...ساحر و مجنون ہی پکارتے رہے۔

کلام مجید کے سادہ الفاظ نے اس قصّہ کو صراحتہً صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ "پاک ذات ہے جو ...لیا اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے اس مسجدِ اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اُسں ...دکھائیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے۔ بیشک وُہی سُننے والا دیکھنے والا ہے۔" باقی کچھ اس کا بیان سورۂ ...م میں مذکور ہے۔ بہرحال صرف مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک چالیس رات کی مسافت کا اس رات میں قطع ...دنا اس لئے مذکور ہوا کہ کفارِ قریش میں یہی معاملہ بحث طلب تھا اور اسی کی بابت پوچھ گچھ بھی شروع ...ی تھی پس اسی قدر بیان پر اکتفا کرنے سے فلکی سیاحت کی نفی لازم نہیں آتی اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ...جنّت و دوزخ اور ہفت آسمان کی سیاحت نہیں کی۔ معراج کا قصّہ کرشمۂ قدرت ہونے کی وجہ سے لوگوں ...کے امتحان کی ایسی کسوٹی تھی جس نے بہت آسانی کے ساتھ کھوٹے کھرے اور پختہ و کمزور میں امتیاز کر دیا ...اور سچے دل سے ایمان لانے والے کمزور و ضعیف الاسلام لوگوں سے ممتاز ہو گئے۔ ہر شخص نے ...دیکھ لیا کہ کون سچّے رسول کی رسالت پر ایمان لایا ہے اور کون اپنی ناقص عقل اور کمزور فہم کا معتقد ...بنا ہوا ہے۔ خصوصاً چونکہ یہ عجیب واقعہ اسلام کے اُس ابتدائی زمانہ میں ہوا جب کہ تکذیب و مخالفت ...کی کالی گھٹائیں ہر چہار طرف سے اُمڈ اُمڈ کر آ رہی تھیں اس لئے سُننے والوں کے لئے بہت ہی نازک

وقت تھا کہ چہار طرف کی مصیبت جُدا جھیلیں اور ہم وطن قوم کی تکذیب و استہزاء کے مدارات
برداشت کریں مگر باایں ہمہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد میں اگرچہ وہ کیسا ہی خلافِ عقل
دُور از فہم کیوں نہ معلوم ہو ذرّہ برابر شبہ یا شک کا دل میں وسوسہ نہ لائیں۔ سچ پوچھئے تو اس و
میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت و حق طلبی اور حق تعالیٰ شانہٗ کے حکم کی تعمیل پر ننگ
اور جان و مال کے ساتھ عزت و آبرو کے نثار و نچھاور کر دینے کی ایسی کھلی علامت موجود ہے جس کا کو
دشمن شخص بھی انکار نہیں کر سکتا اس لئے کہ کسی ایسے نازک وقت میں جبکہ مخالفت کی آگ بھڑکی ہو
عداوت و تکذیب کا تنور جوش کے ساتھ اُبل رہا ہو، ایسے مضمون کا ظاہر کرنا جو یگانوں کو بھی بیگانہ
اور بعید از عقل ہونے کے سبب اُس پر یقین کرنے والے بہت ہی کم نکلیں، اُسی طالب حق شخص
ہے جس کو بجز تعمیلِ حکمِ خداوندی اپنی ساکھ یا اعتبار جمانے کا کبھی وسوسہ بھی نہ ہوا ہو۔

معراج کے واقعہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تکذیب و استہزاء کی ایذا و تکلیف پہلے سے
کر دی، آپ پر ہنسنے والے بڑھ گئے اور اب آپ جدھر جاتے لوگ آنکھ اور ابرو کے اشاروں سے
کو چھیڑتے اور یہ کہہ کہہ کر آپ کا نازپرورده اور نازک دل دُکھایا کرتے تھے کہ وہ آئے آسمانوں کی
والے اور یہ آئے مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنے والے۔

ایک مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں کھڑے ہوئے تھے کہ کسی دشمن نے آپ کی
مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ نازک گردن میں پھانسی پڑنے کا اندیشہ تھا۔ آپ کی رگیں پھول گ
اور گلے پر دھاریاں پڑ گئیں۔ حضرت صدیق رضؓ جو کھڑے دیکھ رہے تھے لپکے اور دوڑ کر چادر کو علیحد
ابوبکر رضؓ غصہ سے بیتاب اور حزن و غم کے سبب پریشان حال تھے اپنا بدن آپ کا سپر بناتے اور
کہتے جاتے تھے "ہائے افسوس کیا خدا کے پیغمبر صلعم کو اس جُرم کی سزا دیتے ہو کہ وہ اپنا ربّ اللہ کو بتا
تم کو ایک خدا کی طرف بُلاتا ہے"

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر کی پریشانیوں سے گھبرا کر مکان پر تشریف لے جاتے تو وہاں
آپ کو امن نہ ملتا تھا۔ آپ کے پڑوسی دیواروں کے اوپر سے خاک اور مٹی پھینکتے اور کنکر بر
تھے اکثر ایسا ہوا کہ ہانڈی چولھے پر چڑھائی گئی اور کسی پڑوسی نے اُس میں خاک دھول یا بکری
پیٹھ اور کسی قسم کی نجاست اُس میں ڈال دی مگر بجز اس کے کہ آپ اس کو پھینک دیتے تھے انتق
لینے میں کوئی ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتے تھے۔

بارہا آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپکے اوپر ذبح کی ہوئی بھیڑ بکری کی غلاظ

لتی۔ آپ پڑوسیوں کی یہ حرکات دیکھتے اور صبر کیا کرتے تھے آخر جب گھر میں بھی نماز پڑھنی دشوار
) تو آپ نے ایک بڑا سا پتھر گھر میں لا رکھا اور اس کی آڑ میں نماز پڑھنی شروع کی۔ مگر اس پر بھی
وقت نجاست دیوار کے اوپر سے آکر پڑتی تو آپ کے کپڑوں کو نجس بناتی اور صفائی پسند طبیعت
زر و پریشان کر دیا کرتی تھی۔ بڑے سے بڑا کلمہ جو اس ایذا رسانی پر آپ کی زبان سے نکلا وہ
کہ آپ نے اوپر سے گری ہوئی غلاظت کو لکڑی سے اُٹھا کر باہر پھینکا اور غمگین آواز سے ارشاد
کہ اے عبدِ مناف یہ کونسا انصاف ہے اور پڑوس کے حق کی کیسی حفاظت ہے کہ میرے ساتھ ایسا
ل کرتے ہو۔ اس کے بعد آپ نجاست کو راستہ کی ایک جانب ڈال دیتے اور خاموش ہو کر اندر
یف لے آیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے مکان کو آرہے تھے کہ کسی ناقدر دان دشمن نے سڑی ہوئی کیچڑ اُٹھا کر آپ کے
بارک پر پھینک ماری۔ آپ خاموش اپنے گھر چلے آئے اور زبان سے اُف بھی نہیں نکالی۔ آپ کی
ہزادی نے سر مبارک خاک آلود دیکھا تو رونے لگیں اور اُٹھ کر باپ کا سر دھویا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ
بیٹی کو روتا ہوا دیکھ رہے اور یوں دلاسا دیتے جاتے تھے کہ بیٹی رو و مت، تمھارے باپ کا خدا حافظ
اس نے چاہا تو کوئی دشمن بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی باوجود تمول و سرداری کے ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا کہ
مسجد الحرام کی جانب جا رہے تھے راستہ میں کسی احمق کافر نے آپ پر مٹھی بھر کر خاک پھینکی اور سر مبارک
خاک آلود بنا دیا۔ اتفاق سے ولید بن مغیرہ ادھر سے گذرا تو سیدنا ابوبکرؓ نے شکایت کی اور فرمایا کہ دیکھا
نے اس احمق کی حرکت کو کیا واہیات کام کیا۔ ولید یہ سنکر ہنسا اور کہا کہ یہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کرتوت
جیسا کرنا ویسا بھرنا۔ نہ تم مذہب بدلتے اور نہ اس نتیجہ کو پہنچتے۔ یہ سنکر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر
اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے کہ "اے میرے پروردگار! تیرے حلم کا کیا ٹھکانا ہے اور تیری
ت کس قدر متحمل و بُردبار ہے"۔

باب ۲۹ سنہ ۱۳ نبوی

بیعتِ عقبہ ثانیہ اور سیدنا ابوبکرؓ کا ارادۂ ہجرت

حج کی رسم زمانہ اسمٰعیل علیہ السلام سے ابتک اہلِ عرب میں جاری تھی اور گو ارکانِ حج کو کفار نے
ی جہالت و بُت پرستی کی رسوم سے بدل لیا تھا اور گویا اس زمانہ میں اللہ کا شریک ٹھیرانا، پتھر کی مورتوں

اور دیوی دیوتاؤں کو معبود اور حاجت روا ماننا، ان کے گرد پھرنا اور طواف کرنا اصل حج سمجھ
اسی وجہ سے اللہ کا وہ باعزت گھر جو مرجع خلائق اور دنیا بھر کا معبد ہے اہل مکہ نے گویا ایک
رکھا تھا جس میں ایام سال کے موافق تین سو پینسٹھ ۳۶۵ بُت ایستادہ تھے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ قبیلۂ بنو عبد الاشہل کو مقدس مذہب کے مسائل کی تعلیم دینے
روز مصروف تھے۔ ماہتاب اسلام اپنی روشنی کی چمکدار شعاعیں یثرب کی سطح زمین پر برابر
اور دن بدن ترقی پکڑ رہا تھا۔ مسلمانان مدینہ اپنے پیشوا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال
جہاں آرا پر غائبانہ عاشق اور شرف زیارت حاصل کرنے کے غایت درجہ مشتاق ہو چکے
تک کہ یثرب کی بُت پرست قوموں کا اسی قدیم رسم پر حج کرنے کے لئے مکہ آنے کا ارادہ ہوا اور
ستر مسلمانوں نے بھی ان کے ہمراہ مکہ کا قصد کیا تاکہ اپنے دینی سردار کی زیارت کر آویں
تو اپنے روحانی باپ کو اپنے شہر میں لے آئیں۔

چنانچہ ۶۲۲ سنہ عیسوی مطابق ۱۳ سنہ نبوی کے شروع ماہ ذی الحجہ میں تہتر ۷۳ مرد اور دو ۲ عو
پچھتر مسلمان اپنے بُت پرست بھائیوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خفیہ پیغام بھیجا کہ ہم جان نثار خدام کو شب کے آخری حصہ میں قدم بوسی کی عزت بخشئے اور اسی عقب
پر جہاں ہمارے سابق الاسلام بھائی قول و قرار کر چکے ہیں، ہم کو بھی بیعت کر لیجئے تاکہ ہم
زیارت بھی کر لیں اور بلا واسطہ معاہدہ و قول و قرار پختہ ہو جائے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس کے ساتھ جو اس وقت مسلمان نہ تھے لیکن
بھائی ابو طالب کے انتقال پر بھتیجے کے حامی و مددگار اور کنبہ داری کی حیثیت سے آپ کے
نگہبان بنے ہوئے تھے، وسط ایام تشریق میں تہائی رات گذرنے کے بعد عقبہ پہاڑی پر
جگہ تشریف لائے جو پہلے سے نووارد یثربی مسافروں کی ملاقات کے لئے تجویز ہو چکی تھی
بھی اپنی بُت پرست مشرک قوم سے چھپ کر آہستہ آہستہ قدم بڑھائے اس جگہ پہنچے اور ماہتاب
کے گرد ہالہ کی طرح مؤدب ہو بیٹھے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت نہ تھی کہ اہل مدینہ کو ان سب بکھیڑوں اور مصیبتوں
مطلع کریں جو اُن کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اُن کو پیش آئی تھیں کیونکہ وہ خود سمجھے ہوئے
کہ اسلام ضعیف اور مسلمان بدرجۂ غایت کمزور ہیں۔ اُن کو کافروں کی طرف سے سخت ایذ
پہنچتی ہیں اُن کو تیر ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور سخت کلامی و تیز زبانی کے وہ جگر خراش زخم

ہیں جن کا تحمل درحقیقت سچے شیدائے رسول ہی کا کام ہے۔
عباسؓ نے گفتگو میں پیش قدمی کی اور کہا کہ اے جماعتِ خزرج تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ ہم میں باعزت
رہتے اور بڑے جتھے کی حفاظت و امن میں رہتے ہیں گو ان کے نوایجاد مذہب کے سبب مکہ میں
مخالف زیادہ ہو گئے پھر بھی وہ جس نگاہِ وقعت سے دیکھے جاتے ہیں وہ شاید دوسرے کو
نہ ہو کیونکہ جو لوگ مخالف ہیں وہ درحقیقت اِس نئے دین کے مخالف ہیں محمدؐ کے مخالف نہیں
لیکن محمدؐ ان بیجا مخالفتوں سے پریشان ہو کر تمھارے ساتھ جانا پسند کرتے ہیں اب تم اپنی قوت و ہمت
سنبھال لو۔ اگر تم اُن کے جا و بیجا ہر حکم کی تعمیل کر سکو اور ان کو ہر چھپے اور کھلے دشمن سے بچا سکو تو تم کو
اختیار ہے محمدؐ کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اگر یہ تمھاری طاقت سے باہر ہے اور تم کسی آنے والے
زمانہ میں دست کشی کا خیال کرتے ہو تو بہتر ہے کہ ابھی صاف جواب دیدو تاکہ محمدؐ کی یہ موجودہ عزت
و حفاظت قائم و برقرار رہے۔
نو واردِ انصار نے جواب دیا کہ "عباسؓ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا۔ اب اپنے پیشوا سیدنا
محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں اور خاص اپنے اور
اللہ کے لئے کیا عہد لیتے ہیں، جس کا ایفا ہمارے ذمہ ضروری ہے۔
سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل ان کو محاسنِ اسلام سمجھائے کلام مجید کی چند آیتیں پڑھ کر
انہیں پاک مذہبِ اسلام کی خوبیوں میں رغبت بڑھائی اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کے لئے یہ عہد ہے کہ اس کے
سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میرے لئے یہ ہے کہ جو میں کہوں سنو اور مانو۔ رنج میں، خوشی میں، افلاس
میں، تونگری میں بہر حال میری اطاعت کرو تابعدار رہو، اللہ واسطے خرچ کرو، حق بات کے اظہار میں
کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہ کرو، مجھ کو اپنے جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھو اور جس طرح اپنے
بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو ویسی ہی میری حفاظت کرو۔" آپ کے یہ نصیحت آمیز کلمات سن کر
سب سے پہلے سید الانصار حضرت براء بن معرور الغنمی الکعبی السلمی الخزرجی نے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ
یارسول اللہؐ ہم کو سب منظور ہے، دستِ مبارک بڑھائیے اور بیعت کر لیجیے۔"
ابو الہیثم بن تیہان نے عرض کیا کہ "یارسول اللہؐ! ایک بات اور سن لیجیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ
ہم لوگ جاں باز لڑنے والے اور قتل و قتال کے عادی و خوگر ہیں۔ ہم میں اور قوم یہود میں آجکل مصالحت
اور اتحاد ہے آپ پر ایمان لائے پیچھے یہ باہمی میل جول ٹوٹ جاوے گا۔ ہم یہودیوں کے دشمن بن کر
آپ کے ساتھی ہوں گے اور دشمنوں سے لڑیں گے، جب غلبہ و نصرت آپؐ پر سایہ کرے اور اقبال آپؐ کے

مبارک پیروں کے نیچے تلوؤں کو بوسہ دے گا تو کیا آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر پھر مکہ چلے آئیے گا؟ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر مسکرائے اور جواب دیا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو، میں تمہارا ہوں، جانِ من با جانِ شما و تنِ من با تنِ شما، منزلِ من با شما و قبرِ من در شما۔ میں اُن کا ساتھی جس کے تم ساتھی اور جس کے تم دشمن اُس کا میں دشمن۔ آؤ اور اپنی قوم میں سے بارہ آدمی کو چن کر اپنا نقیب مقرر کرو جو اپنی ماتحت رعایا کے نگہبان حاکم قرار پائیں۔ چنانچہ یہ فخر خزرج میں سے نو اور قبیلۂ اوس میں سے تین آدمیوں کو حاصل ہوا۔

حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے معاہدہ کی پختگی اور استحکام کے اظہار کی غرض سے اپنی قوم کو مخاطب بنا کر کہا کہ "اے جماعتِ خزرج تم جانتے ہو کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس سخت معاملہ پر بیعت لے رہے ہیں؟ تم بیعت کرتے ہو روم و فارس سے لڑنے اور ایسی سخت لڑائیوں میں ثابت قدم رہنے پر جن کا ذکر قیامت تک قائم رہے گا۔ تم خوب سوچ سمجھ لو اگر تمہارے عزیز و مال برباد اور ضائع ہوں، تمہارے سردار و شرفا قتل ہوں تو وعدہ کے ایفا کی بابت تمہارا کیا حال ہوگا؟ اگر ایسی جان کاہ مصیبتوں میں تم اپنے دینی پیشوا کی تابعداری نہیں کر سکتے تو ابھی سے دست بردار ہو جانا بہتر ہے اور اگر اس کٹھن منزل میں تمہارے باہمت قدم ڈگنے والے نہیں تو بسم اللہ، اس دنیا و آخرت کی بہبودگی کو اس سے پہلے لے لو کہ کوئی دوسری خوش قسمت قوم اس کے حاصل کرنے کی درپے ہو جائے۔" وہ لوگ بولے کہ "یا رسول اللہؐ! فرمائیے اگر ایسی لڑائیوں میں بھی ہم آپکے حلقہ بگوش غلام بنے رہے اور آپکے مقابلہ میں مال کا، عزیز و اقارب کا اور اپنے سرداروں کا تباہ و برباد ہو جانا خیال میں نہ لاتے تو اس کا صلہ ہم کو کیا ملے گا؟" آپؐ نے فرمایا کہ "عقبیٰ کی خوشی اور جنت کا پر فضا باغ۔" تب ہر ایک نے نہایت خوشی سے آپ کا ہاتھ مانگا اور بڑی پختگی سے اس پر بیعت کی۔ غرض عقبہ کا دوسرا معاہدہ اس طور پر ختم ہو گیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ یثرب کو رخصت کر کے مکہ واپس تشریف لے آئے۔ اُدھر نو مسلم انصار آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اپنی جائے قیام پر پہنچے اور اپنے خیموں میں پڑ کر ایسے سوئے کہ کسی کو رات کی کارروائی معلوم بھی نہ ہوئی۔

صبح ہوئی اور اس پوشیدہ بیعت کی خبر سارے مکہ میں پھیل گئی۔ چنانچہ قریش ایک بڑی جماعت کے ساتھ اہلِ یثرب کے کاروان میں آئے اور کہا کہ "اہلِ مدینہ! ہم نے سنا ہے کہ تم لوگ رات محمدؐ کے ساتھ ہم سے لڑنے پر عہد و پیمان کر کے آئے ہو اگر یہ سچ ہے تو ہمارا تم سے اور تمہارا ہم سے زیادہ دشمن کوئی نہیں۔" نو مسلم انصار تو ایک دوسرے کا منہ تکنے اور اشاروں ہی اشاروں میں باتیں کرنے

ان مشرکینِ مدینہ نے جو اس قافلہ میں موجود تھے قسم کھا کر کہا کہ یہ محض افواہ اور بازاری خبریں ہیں جن کی اصل نہیں اور درحقیقت ان مشرکینِ مدینہ کو اس خفیہ کارروائی کی کچھ اطلاع بھی نہ تھی۔ انہوں نے اپنے علم کے موافق انھوں نے جو کچھ کہا وہ سچ کہا مگر اہلِ مکہ کو اطمینان نہ ہوا اور کھوج لگانے لگے اور پتہ چل بھی گیا کہ عقبہ کے متصل بیعت اور معاہدہ کی پختگی عمل میں آئی ہے۔ آخر قافلہ نے کوچ کر دیا اور اہلِ مکہ نے اپنا جوش و غضب نکالنے کو ان کا تعاقب کیا۔ حضرت سعد بن عبادہ جو اپنی قوم کے نقیب تھے پکڑے بھی گئے اور کافر ان کی مشکیں کس کر ہاتھ گردن سے ملا کر تسمہ سے باندھ کر اور سر کے بال پکڑ کر کھینچتے اور زمین پر گھسیٹتے ہوئے مکہ میں لے آئے۔ آخر زخموں سے چور اور تکلیف سے نڈھال ہوئے تو جبیر بن مطعم اور حارث بن وہب کو اطلاع ہوئی جن کے تجارتی مال سے لدے ہوئے قافلے حضرت سعد کی حفاظت و پناہ میں مدینہ کا راستہ قطع کرتے تھے اس لئے یہ دونوں آئے اور اپنے محسن مدنی سردار کو قوم کے ظالم پنجوں سے چھڑایا تو مسلم اہلِ مدینہ تو اپنے وطن پہنچ گئے اور جگہ جگہ اپنے مقدس و پاک مذہب کی اشاعت میں لگ گئے مگر مکہ میں اب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضؓ کو قریش پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچانے لگے۔

ابھی تک مسلمانوں کو کافروں پر جہاد کرنے اور اپنی ایذاؤں کا انتقام لینے کی اجازت نہ تھی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کا اذن نہ ملا تھا اس لئے ہرچند نومسلم اہلِ مدینہ نے اپنے قافلہ کے ان مشرکوں کا قلع قمع کرنے کی اجازت چاہی جو اُس وقت منیٰ میں مقیم تھے مگر آپؐ نے اجازت نہ دی اور اگرچہ انھوں نے آپ کو اپنے ہمراہ مدینہ لے چلنے کی بابت بھی زیادہ اصرار کیا لیکن آپ نے نہ مانا اور یہی فرمایا کہ ابھی مجھ کو حکم نہیں ہوا۔

جب آپؐ نے دیکھا کہ مسلمان کفار کی ایذادہی کے تختۂ مشق بن رہے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں تو آپؐ نے ان کو اجازت دی اور ہدایت کی کہ تم لوگ بھی یثرب کو چلے جاؤ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کو وطن بنایا۔ ان کے پیچھے حضرت عامر بن ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰ بنتِ ابی حثمہ کو لے کر مدینہ پہنچ گئے اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد نے تمام اہل و عیال کو لے کر مدینہ کا راستہ لیا اور گھر کو تالا لگا وطن کو خیرباد کہہ کر چلدیئے۔ ان کے بعد صحابہؓ کی ہجرت کا تار بندھ گیا اور یکے بعد دیگرے حضرت عباس بن ربیعہ، حمزہؓ بن عبدالمطلب، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، طلحہؓ بن عبیداللہ، عثمانؓ بن عفان، زیدؓ بن حارثہ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، بلالؓ وغیرہم چپ چاپ مکہ سے یثرب کو چلے گئے۔ البتہ عمر بن خطابؓ نے جب ہجرت کا ارادہ

کیا تو خفیہ جانا اپنی مردانگی کے خلاف سمجھ کر تلوار کو میان سے باہر نکال لیا اور لچکدار نیزہ ہاتھ میں لیکر خانہ کعبہ کی جانب رُخ کیا جہاں سردارانِ قریش کا ایک بڑا مجمع بیٹھا ہوا تھا اور نہایت استقلال کے ساتھ بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کرکے مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور باآوازِ بلند پکارا کہ "اے گروہِ کفار! اُس پر لعنت ہے، پھٹکار ہے جس نے کنکریوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جس کسی کو اپنی بیوی بیوہ اور اولاد یتیم بنانی ہو وہ آئے اور میری شمشیر کی روانی دیکھے" لیکن کسی نے دم نہ مارا اور حضرت فاروق رض اپنے بھائی زید بن خطاب کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہوئے۔

اسی طرح قریب قریب تمام مسلمان یعنی کم و بیش نئو خاندان مکہ چھوڑ گئے اور کبرائے صحابہ رض سوائے علی رض بن ابی طالب اور ابوبکر صدیق عتیق رضی اللہ عنہما کے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی نہیں رہا۔ شہر مکہ کے ایک حصہ کی اس طرح ویرانی دیکھ کر ساکنانِ مکہ کو بھی رونا آتا تھا۔ گلیوں اور کوچوں میں بہتیرے مکانات تھے جن کے مکین کا پتہ نہ تھا۔ محلے جو کسی وقت آدمیوں کی چہل پہل اور آمد و رفت سے بارونق بنے ہوئے تھے، شہرِ خموشاں کا نقشہ دکھاتے، بزبانِ حال اپنی ویرانی کا مرثیہ پڑھ رہے اور عبادت گذار مالکوں کی یاد میں گویا تڑپ رہے تھے سیکڑوں گھر تھے جن میں سناٹا چھایا ہوا اور ہُو کا میدان بنا ہوا ڈھیر نظر آتا تھا۔ لوگ آنکھوں دیکھتے ظاہر ہونے والے انقلاب عظیم پر آنسو بہاتے اور اپنے وطن کی جگہ جگہ بے رونقی دیکھ کر حسرت و افسوس کیا کرتے تھے۔ ایک بار عتبہ بن ربیعہ کا ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اور مکین سے خالی ہو جانے والے مکانوں کی طرف گذر ہوا تو کلیجہ مسوس کر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ رو دیا اور بادلِ غمگین چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "ہر مکان گو وہ کتنے ہی دنوں آباد رہا ہو آخر ایک غم خانہ بن جاتا ہے"۔ اس کے بعد اُس نے افسوس کے ساتھ کہا کہ آہ یہ کُل کام ہمارے بھتیجے محمد صلعم کا کیا ہوا ہے جس نے ہم لوگوں میں نا اتفاقی پھیلا دی اور ہم کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔

مصیبت زدہ مسلمانوں کو وطن چھوڑنا بھی سہل نہ تھا۔ قطع نظر اُس دُکھ اور درد کے جو یارو وطن چھوڑتے وقت ہر انسان کو ہوتی ہے۔ اِن بیکس حضرات کی ہجرت ایسی بے سروسامانی کے ساتھ چھپ کر ہوئی کہ زادِ راہ اور چند روز زندگی گذارنے کا کوئی سامان بھی ساتھ نہ لیجا سکے۔ ان کو غنیمت معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جان اور آبرو و بال بچے صحیح سلامت لے کر کسی طرح مکہ سے باہر نکل جائیں، اس پر بھی اگر کسی کو اُن کا جانا معلوم ہو جاتا تو وہ سدِ راہ بن کر ان کو مارتا پیٹتا اور مجبور کیا کرتا تھا کہ ہمارے ظلم و ستم کے مظلوم و ستم رسیدہ بنے رہو۔ سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد اپنی بی بی اور بچہ کو لے کر جس وقت مکہ چھوڑنے لگے اور

اونٹنی کس کر دروازے پر لا کھڑی کی تو لوگوں کو اُن کے ارادہ کی اطلاع ہوئی اور جھنڈ کے جھنڈ اُن پر چڑھ دوڑے
بی بی اُمّ سلمہ جو بیوہ ہونے کے بعد اُمّ المومنین بنی ہیں اپنے پیارے بچہ سلمہ کو گود میں لے کر اونٹنی پر سوار ہو چکی تھیں
اور ابو سلمہ رضہ مہار پکڑے کھڑے تھے کہ اُمّ سلمہ کا کنبہ بنی مغیرہ آپہنچا اور ابو سلمہ کو سخت سُست سُنا کر کہا کہ ہمارے
گھر کی بیٹی اپنا وطن نہیں چھوڑ سکتی اور تیری کیا مجال ہے کہ ہمارے خاندان اور ہمارے کنبہ کی لڑکی کو
گھر سے باہر لے نکلے۔ یہ کہہ کر اُمّ سلمہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور چشم زدن میں کشاں کشاں نظروں سے غائب
ہوگئے۔ ابو سلمہ رضہ کے خاندان قبیلہ بنو عبد الاسد کو اطلاع ہوئی تو اُدھر سے وہ چڑھ دَوڑے اور بنی مغیرہ سے مزاحمت
کی کہ لڑکی تمہاری ہے تو یہ بچہ جو اس کی گود میں ہے ہمارا ہے اگر تم نے اپنی بیٹی ہمارے بھائی سے چھڑا لی تو ہم اپنے
خاندان کا بیٹا تمہارے پاس کیوں رہنے دیں۔ یہ کہہ کر اُن کے بچہ سلمہ کو اُن کی گود سے چھین لیا اور اپنے
ساتھ لئے چلے گئے۔ غرض ماں باپ اور بچہ تینوں میں تفریق ہوگئی۔ ابو سلمہ نے بادل ناخواستہ صبر اور
دل پر جبر فرما کر وطن کے ساتھ بی بی اور بچہ کو بھی خیرباد کہہ کر تن تنہا مدینہ کا راستہ لیا اور اُمّ سلمہ رضہ نے
سوگوار بن کر پورا ایک سال میکے میں اس طرح گذارا کہ روز صبح ہوتے ہی ابطح کی ریتلی زمین پر آبیٹھتیں
اور کبھی خاوند کو یاد کر کے رویا کرتیں اور پیٹ سے نکلے بچہ کی یاد میں آنسو بہایا کرتی تھیں۔ آخر ان کے
چچازاد بھائی کو اُن کی نازک حالت پر ترس آیا اور سال بھر کے بعد ان کو اور اُن کے بچہ کو آزاد کیا
گیا کہ جہاں منہ سماوے نکل جاویں۔ چنانچہ یہ اُٹھیں اور بچہ کو گود میں لے کر اونٹنی پر سوار ہو
تن تنہا عرب کا ریگستان قطع کرنے کے لئے مدینہ کے راستہ میں نکل کھڑی ہوئیں۔

تنعیم پر پہنچی تھیں کہ عثمان بن طلحہ ملے اور اس قدر طویل سفر پر عورت ذات کا معصوم بچہ کو گود
میں لے کر تنہا سفر کرنا گوارا نہ کر سکے، اونٹنی کو روکا اور پوچھا کہ اے اُمّ سلمہ کہاں جاتی ہو اور تمہارے ساتھ
کون ہے جس کے سہارے سفر کر رہی ہو؟ اُمّ سلمہ رضہ نے جواب دیا کہ اپنے خاوند ابو سلمہ کے پاس مدینہ جا رہی
ہوں اور میرے ساتھ میرا پیدا کرنے والا خدا ہے یا یہ بچہ ہے جو میری گود میں پڑا ہے۔ یہ جواب سُن کر
عثمان کا دل بھر آیا اور یہ اونٹنی کی مہار لے کر آگے آگے ہو لئے۔ نہایت راحت کے ساتھ شریفانہ برتاؤ
کرتے ہوئے قبا میں داخل ہوئے جہاں ابو سلمہ ٹھہرے ہوئے تھے اور عفت مآب خاتون کو سال بھر کے
بچھڑے ہوئے خاوند سے ملا کر دونوں میاں بی بی کو امانت داری و احسان کا ہمیشہ کے لئے ممنون بنایا۔

غرض سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو امن و اطمینان کے ساتھ وطن چھوڑنا بھی نصیب نہ ہوا اور
جس نے بھی اپنے خاندان و کنبہ اور جائے پیدائش کی مفارقت اختیار کی طرح طرح اور قسم قسم کی
ایذائیں سہہ کر اور مصیبت برداشت کر کے ہجرت اختیار کی۔

یثرب کے لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملے، مصافحے کئے، گلے لگے اور اس محبت کے ساتھ جیسی مدت کے بچھڑے ہوئے بھائی کو اپنے گھر میں آیا ہوا دیکھ کر بھائی کے دل میں جوش مارا کرتی ہے۔ نو وارد اہلِ مکہ کو خوشی خوشی اپنے مکانات میں لے گئے۔ آخر سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے بھی حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت چاہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے موافق تہیۂ سفر کر دیا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ بڑے متموّل تاجر اور باوجاہت قریشی تھے۔ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور جان و مال اللہ کے نام پر قربان کرنا شروع کر دیا۔ فقراءِ مسلمین کی اعانت، ضعفاءِ اہلِ اسلام کی مدد میں ہزارہا دینار خرچ کر دیئے۔ ان کمزور نو مسلم بندگانِ خدا کی خلاصی میں جو سخت دل جفا کیش ظالم کافروں کے پنجۂ ظلم میں گرفتار، تکالیف و آلام کے تختۂ مشق بن رہے تھے لکھوکھا درہم صرف کئے جو مصیبت زدہ، گرفتارِ رنج و محن نو مسلم غلام جس قیمت پر بھی ملا خرید کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ آخر ستم پیشہ کافروں کے حملے حضرت صدیق رضؓ پر بھی ہونے لگے اور انھوں نے یمن کے راستہ حبشہ کی جانب بغرض ہجرت رُخ کیا۔ مکہ سے پانچ میل کی مسافت طے ہوئی تھی کہ مقام برک الغماد پر قارہ قبیلہ کا سردار ابن الدغنہ یعنی حارث بن زید نظر آیا جو ابوبکر صدیق رضؓ کا پرانا دوست اور کسی گذشتہ زمانہ میں سچا رفیق تھا گو ابن الدغنہ کافر تھا اور حضرت صدیق رضؓ مسلمان۔ مذہبی مخالفت نے سیکڑوں میں برسوں کی رفاقت و دوستی کو قطع کر دیا اور ایک کو دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا تھا تاہم شریف الطبع انسان کی شرافت اور دل میں جمی ہوئی محبت کا اثر زائل ہونا دشوار ہے اِس لئے ابن الدغنہ ابوبکر کو اس حالت میں دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور محبت کے ساتھ پوچھنے لگا کہ "دوست کہاں کا ارادہ ہے؟"

ابوبکر صدیق رضؓ نے صرف یہ کہہ کر کہ میری بے رحم برادری نے میرا مکہ میں رہنا پسند نہیں کیا اِس لئے ابوبکر رضؓ اپنا وہ پیارا وطن چھوڑ کر حبشہ جا رہا ہے جس میں پیدا ہوا پھلا پھولا بڑھا اور جوان ہوا تھا۔ ابن الدغنہ کے دل نے اِس صدمہ کا احساس کیا جو اپنا وطن اور گھر بار چھوڑتے وقت انسان کو لاحق ہوتی ہے اور اس تکلیف و ایذا کا بھی اندازہ کیا جس سے تنگ آکر کوئی شخص وطن چھوڑنے اور پیدا ہونے کی جگہ میں سکونت ترک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اِس لئے دل بہت دُکھا اور اُس نے ابوبکر رضؓ سے نہایت عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ آپ مکہ واپس چلیں میرے ہوتے کسی کی ہمت نہیں کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔

حضرت صدیق رضؓ ابن الدغنہ کے اصرار سے مکے واپس ہوئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابوبکر میری پناہ میں ہیں پس کوئی شخص ان کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانے کا خیال بھی نہ کرے۔

کفارِ قریش نے ابن الدغنہ کے امن کا انکار تو نہ کیا لیکن یہ ضرور کہا کہ ابوبکر بلند آواز سے کلام مجید نہ پڑھیں

کیونکہ ان کا خوش الحانی کے ساتھ رو رو کر قرآن پڑھنا ہماری رقیق القلب عورتوں کے دلوں کو کھینچتا اور اُن کا گرویدہ بنائے دیتا ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ قریشی بچے اور عورتیں قرآن پر مائل ہوکر اپنے آبائی دین کو خیرباد نہ کہہ دیں، اس لئے اگر ابوبکر رضؓ اس عہد کے خلاف کریں گے تو اپنی پاداش کو پہنچیں گے

اس تقریب سے ابوبکر صدیق رضؓ مکہ میں باطمینان رہنے لگے اور اپنے صحنِ خانہ میں ایک مختصر مسجد بنالی تاکہ خلوت کے وقت اپنے مولیٰ سے راز و نیاز کرنے اور عبادت میں مشغول ہونے کا موقع ملے اسی جگہ آپ کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے تھے۔ حضرت صدیق رضؓ اوّل تو طبعی طور پر رقیق القلب تھے دوسرے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیضان اور فیضان بھی وہ کہ جن کو کچھ ابوبکرؓ کے ساتھ درحقیقت خصوصیت ہی تھی قلب میں نرمی پیدا کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ قرآن حمید کی بعض بعض آیتوں پر پہنچکر تلاوت کرتے رو پڑتے اور جبار جل جلالہ کے سخت عذاب کے خوف سے لرز اُٹھتے تھے۔

کلامِ الٰہی کی تلاوت کے اثنار میں فرطِ شوق سے اُن کے دل میں ایک وَلولہ و جوش اُٹھتا تھا جس کے سبب اگر حضرت صدیق رضؓ کوشش کرتے بھی کہ کلام اللہ کا لفظ باوازِ بلند زبان سے نہ نکلے تو کامیابی دشوار تھی آخر ابن الدغنہ کے معاہدہ کا نباہ نہ ہوا اور حضرت صدیق رضؓ کی درد انگیز آواز نے اہلِ محلہ خصوصاً عورتوں کے دلوں پر اثر کرنا شروع کیا چنانچہ ان کفارِ قریش نے جو حضرت صدیق کے اہلِ محلہ تھے ابن الدغنہ سے شکایت کی اور ابن الدغنہ نے حضرت صدیق رضؓ کو سمجھایا بھی کہ اپنی حالت سنوار لیں اور کلام مجید پڑھنا اور بار بار رونا بند کردیں تاکہ اپنے وطن میں باطمینان رہ سکیں۔ لیکن حضرت صدیق رضؓ نے جب دیکھا کہ میں اپنے مقدس مذہب کی پابندی میں بخیلی نہیں چھوڑ سکتا اور تلاوت میں رونا بند کرنا میری طاقت سے باہر ہے تو صاف الفاظ میں ابن الدغنہ سے کہدیا کہ میں اپنی حالت میں ذرہ برابر تغیر نہیں پیدا کرسکتا اگر تم سے میری حفاظت نہیں ہوسکتی تو دست بردار ہوجاؤ میرا پیدا کرنے والا میرا نگہبان ہے اور اس کی حفاظت میرے لئے کافی ہے۔ میں تمہاری زمین، تمہارا ملک بخوشی چھوڑ سکتا ہوں لیکن ذکرِ الٰہی کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔ ؎ ملکِ خدا تنگ نیست و پائے گدا لنگ نیست ؎

ابن الدغنہ سے مخالفت ہوئے پیچھے حضرت صدیق رضؓ کی حالت قابلِ اطمینان اور باامن نہیں رہی، اس لئے دوبارہ پھر ہجرت کا قصد کیا اور اس مرتبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ چلے جانے کی اجازت چاہی حضرتؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکر ذرا صبر کرو ابھی جلدی کیا ہے، کیا عجب ہے، خداوند تعالےٰ تمہارے سفر کا رفیق کسی بندہ کو بنائے اور کوئی تمہارے ساتھ چلا چلے۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضؓ نے اس انتظار میں ارادۂ ہجرت فسخ کیا کیا عجب ہے اس سے مراد حضرتؐ کی ذات بابرکات ہو۔ اور آپؐ کی رفاقت و ہمرکابی کا فخر حاصل ہو۔ اس کے

بعد جو کچھ بھی جسمانی یا زبانی ایذا اُٹھانی پڑتی اُس کو نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

اسی اثنار میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو خواب نظر آئی کہ آسمان پر ایک بدرِ کامل نمودار ہوا اور ٹلما کر زمین اُتر آیا جس کی عالمتاب روشنی سے جنگل تک کا ذرّہ ذرّہ منور ہو گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد اس ماہتاب نے آسمان کی جانب رُخ کیا پھر مدینہ میں جا قرار پکڑا اور یثرب کی زمین کو اپنی عالمگیر شعاعوں سے جگمگا دیا اس ماہ کامل کے ساتھ بیسیوں چھوٹے بڑے ستاروں نے بھی اسی جیسی حرکت شروع اور مدینہ میں آ ٹھہرے پھر وہ ماہتاب کئی ہزار ستاروں کے ساتھ ہوا پر اُڑا اور شہر حرام یعنی مکہ میں آ اُترا جس سے تمام حرم منور ہو گیا لیکن مدینہ کی زمین ویسی ہی روشن رہی جیسی ماہتاب کے وہاں جلوہ گر ہونے پر تھی البتہ تین سو ساٹھ یا کچھ کم و بیش گھر تیرہ و تار نظر آتے رہے (جن کی تقدیر میں اِس قدرتی نور ہدایت سے فیضیاب ہونا نہیں لکھا تھا) اس کے بعد وہ ماہ شب چہاردہم مدینہ کی جانب روانہ ہوا اور اُن کی بیٹی عائشہ صدیقہ رضؓ کے گھر میں اُترا یکایک زمین شق ہوئی اور چاند اس میں سما گیا۔

یہ خواب دیکھ کر حضرت صدیق رضؓ کی فوراً آنکھ کھل گئی اور گریہ وزاری شروع کر دی۔ درحقیقت یہ سچی خواب حضرت صدیق رضؓ کو آئندہ واقعات کی اطلاع کے لئے دکھائی گئی تھی کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کریں گے اور چند سال رہ کر بغرض جہاد مکہ پر چڑھائی ہو گی اور آپ خاطر خواہ فتح پائیں گے۔ مکہ دارالاسلام ہو کر نورِ ایمان سے منور ہو گا لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب اس چھوڑے ہوئے وطن کو قیام گاہ نہ بنائیں گے بلکہ مدینہ واپس جائیں گے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں انتقال فرما کر بی بی عائشہ رضؓ کے حجرہ میں مدفون ہو جائیں گے۔

حضرت صدیق رضؓ نے ۲ دو اونٹ خریدے اور اِس نیت سے ان کو کھلا کر کے کھلانا اور تیار کرنا شروع کر دیا کہ سفرِ ہجرت میں یثرب جاتے وقت میرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام آئیں گے۔

باب ۳۰ سنہ ۱۳ نبوی

ہجرت اور دارالندوہ کی ذلت

ہر مذہب کی ابتدائی حالت جیسی سخت اور دشوار ہوتی ہے اس کا اندازہ مذکورہ ابواب سے ناظرین کو ہو چکا ہو گا جس زمانہ میں باشندگانِ مکہ میں سے ہر شخص کو طوفانِ بلا کے برپا ہونے کا خوف تھا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ اسی استقلال اور پختگی سے قائم تھے۔ آپؐ کے تمام صحابہ رضؓ کچھ مکہ سے سیدھے مدینہ اور کچھ حبشہ اور چند سال بعد حبشہ سے مدینہ پہنچ چکے تھے۔ آپؐ کے ساتھ صرف حضرت

علی رضؓ و ابوبکرضؓ رہ گئے تھے۔ ان دوحضرات کے علاوہ مکّہ میں اگر مسلمان تھے بھی تو یا اپنے کنبہ و برادری کے ہاتھ میں مقید و محبوس تھے یا دشمنوں کے پنجۂ ظلم میں گرفتار، رنج و تکلیف کی گھنگھور گھٹائیں اُمنڈ رہی چاروں طرف چھا رہی تھیں۔ مکّہ کی ویرانی اور یثرب کی آبادی بڑھتی جاتی تھی کہ کفارِ قریش کو اندیشہ ہوا کہ محمدؐ کے اصحابؓ کو جائے پناہ مل گئی ایسا نہ ہو کہ محمدؐ بھی ہمارے قبضہ سے اپنے تابعدار مسلمانوں کی طرح نکل جائیں اور مکّہ سے چل دیں، ایسا ہوا تو مدینہ میں ہمارے مخالف ایک بڑی جماعت تیار ہو جائے گی اور کسی وقت اپنا انتقام لینے کے لئے ضرور ہم پر حملہ آور ہو گی پس ان لوگوں نے قصّی بن کلابؔ کے اس مشہور مکان میں ایک جلسہ منعقد کیا جس کا نام دارالندوہ تھا اور ہمیشہ سے قومی مشورت گاہ بنا ہوا تھا اس جلسہ میں قوم کے کُل سردار یعنی ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ۔ ابوسفیان۔ ابوجہل جبیب بن مطعم طعیمہ بن عدی۔ حارث ابن عامر۔ نضر بن حارث۔ ربیعہ بن اسود۔ حکیم بن حزام۔ اُمیہ بن خلف ہشام بن عمر۔ ابوالبختری بن ہشام اور حجّاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ وغیرہم جمع ہوئے اور آج اس اندیشہ ناک قومی و مذہبی مخالفت کا قضیہ چکانے اور سالہا سال کے نزاع و جدال کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے سب کے مشورے لئے گئے۔

جلسہ کا نصاب پورا ہو چکا اور ہر عداوت کیش دشمنِ خدا و رسول اپنے چھپے ہوئے کینے ظاہر کرنے اور جلے ہوئے پھپولے پھوڑنے کے لئے تیار ہو چکا تھا کہ ایک ضعیف العمر دراز ریش مُسن شخص جو محض اجنبی مُسافر معلوم ہوتا تھا عصا ہاتھ میں لئے بھری محفل میں بے تکان داخل ہوا اور کہنے لگا کہ اے سردارانِ قریش میں نجد کا باشندہ اپنی قوم کا شریف اور عمر کے لحاظ سے تجربہ کار سردار ہوں سیر و سیاحت کرتا مکّہ میں آیا تھا کہ تمہاری کمیٹی کی خبر سُنی اس لئے ہمدردی کے اقتضاء سے خیرخواہانہ مشورہ دینے کو بلاتکلف چلا آیا ہوں تاکہ اپنی دُور اندیشی و تجربہ کاری سے تم کو نفع پہنچاؤں۔

اس شخص کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جہاں دیدہ تجربہ کار اور ماہر جنگ سمجھدار شخص ہے اس لئے اہلِ شوریٰ نے شکریہ کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا اور مناسب جگہ بٹھایا لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ دغاباز شیطان ہے جو بصورتِ بشر اس ناجائز رائے میں مشورہ دینے اور حقیقۃً سارے ممبرانِ کمیٹی کو ذلیل و خوار کرنے آیا ہے۔ غرض تجویز پیش ہوئی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے محمدؐ نے اپنے سحر و کہانت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ زہیر و نابغہ شعراءِ سابق کی طرح مقفّی عبارت اور رنگین و پُراثر فصیح کلام سے اہلِ عرب کو گمراہ بناتا اور لات و عزّیٰ کی پرستش چھڑاتا، ہمارے آباء و اجداد کو بے ایمان اور دوزخی بتاتا ہے اور کسی کے قبضہ میں نہیں آتا اور چونکہ اب اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو مدینہ

جیسا بارونق شہر پناہ کی بگڑ مل گئی وہاں کے باشندے ان کے معتقد وہم خیال ہو گئے اور بعض مدنی سرداران پر ایمان لے آتے ہیں اِس لئے دن بدن ان کا اندیشہ بڑھتا جاتا ہے کہ یہ بھی اپنے ساتھیوں کی طرح یہاں سے کھسک اور ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے۔ اِس کے بعد مدینہ میں اچھا جتھا اور اجتماعی قوت بڑھاکر کسی دن ہمارے مقابلہ کو نکل کھڑے ہوں گے اُس وقت اُن کا علاج اپنے قابو سے باہر ہوگا اور بڑی دقّت کا سامنا کرنا پڑے گا اِس لئے مناسب ہے کہ جلد کوئی تدبیر کرنی چاہئے جس سے اِس فتنہ کا انسداد ہو اور آنے والی ہولناک مصیبت اپنا خوفناک مُنہ نہ دکھائے۔

ابو البختری نے مُہرِ خاموشی توڑی اور کہا کہ اے حاضرینِ جلسہ میری رائے میں محمدؐ کو کسی ایسے تنگ و تاریک مکان میں تاحیات قید رکھو جس میں سوائے ایک روشندان کے جس کے ذریعہ سے تھوڑا بہت کھانا پینا اندر پہنچایا جا سکے کوئی سوراخ تک نہ ہو۔ عبد المطلب کا نازپروردہ بچہ چند روز بھی اس کا متحمل نہ ہو سکے گا اور وہیں محمدؐ بن عبد اللہ اپنی رُوح بآسانی ملک الموت کے حوالے کر دیں گے۔ اِس تدبیر سے ہمارا پیچھا چھوٹ جائے گا اور پھر کوئی فتنہ ہم کو پریشان نہ کر سکے گا۔

نجدی بوڑھا بولا کہ نہیں یہ رائے ٹھیک نہیں اِس لئے کہ اُس کے ساتھی جب خبر پائیں گے تو فوراً بلوہ کر دیں گے اور اُس قید خانہ کو توڑ کر محمدؐ کو چھڑا لیجائیں گے اور بعد اس کے تم کو کسی ایسی سخت لڑائی کا سامنا کرنا پڑے گا جس میں ثابت قدم رہنا تمھارا کام نہیں ہے، پس کوئی اور تدبیر سوچو۔

ہشام بن عمر نے جواب دیا کہ کچھ شک نہیں آپ کی رائے ٹھیک ہے ابو البختری کی تدبیر ناکافی ہے میرے خیال میں تو محمدؐ کو ایک اونٹ پر سوار کرو اور شہر سے باہر نکال دو محمدؐ بن عبد اللہ کو اس طرح سرِ بازار بہزار ذلت وخواری چکر کھا کر شہر بدر ہونا ہمارے دلوں کی سوزش ٹھنڈی کر دے گا اور ہم امن و چین کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں گے اس لئے کہ ہمارے شہر سے باہر محمدؐ جو کچھ بھی کریں گے اُس سے ہمیں کچھ تعلق نہ ہوگا اور ہم اس آفت سے نجات و امن پا جائے گا۔

شیطان نے کہا کہ یہ صورت بھی خالی نہیں خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ محمدؐ کی شیریں کلامی عام لوگوں کے دل لُبھاتی اور بیگانوں کو یگانہ بناتی ہے اِس لئے یقین جانو کہ چند ہی روز میں محمدؐ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اپنا جتھا بڑھا لیں گے اور پھر تم سے ایسا زبردست مقابلہ کریں گے جس کے مقابلہ کی طاقت تم میں نہ ہوگی اور اس وقت سوائے ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ عقل کا منشا یہ ہے کہ انسان پہلے ہی سے سوچ سمجھ کر وہ کام کرے جس کا نتیجہ بُرا نہ پیدا ہو۔

ابو جہل بولا میری رائے تو یہ ہے کہ محمدؐ کو قتل کر دیا جائے کیونکہ مادّہ شر کا سطحِ زمین پر باقی

رہنا کسی نہ کسی وقت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا کرتا اور جب بانیِ فساد دُنیا سے اُٹھ گیا تو اطمینانِ کلّی حاصل ہو گیا۔ اِس رائے پر چاروں طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی اور ملعون نجدی کی اتفاقِ رائے سے منصوبہ پختہ ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سوچی گئی کہ اگر ایک آدمی قاتل ہو گا تو ممکن نہیں کہ وہ اور اس کے گھرانے کے آدمی مُطّلبی خاندان کے نونہال کا قصاص دینے سے بچ سکیں یا بنو ہاشم کا باعزّت کنبہ محمدؐ کے خون کا دعویٰ کئے اور قصاص میں قاتل کو جان سے مارے بغیر رہ سکے۔

آخر اس بکھیڑے کو ابوجہل نے اِس طرح طے کیا کہ پانچ قبیلوں میں سے ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک بہادر جوان منتخب ہو اور سب مِل کر بلوے کے طور پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں تاکہ بنو ہاشم مکّہ کے متعدد قبیلوں کے جمِّ غفیر سے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں تو مجبور ہو کر جان کے مالی عوض یعنی دیت کے سَو اونٹ کا مطالبہ کریں گے اور چٹی و تاوان سمجھ کر اس قلیل مقدار کا چندہ کر دینا اہلِ مکّہ کو گراں اور ناگوار نہ گزرے گا چنانچہ اس بات کو سب نے مان لیا اور چند ستم شعار نوجوان اِس کام کے لئے مقرر ہو گئے۔

اللہ کے مقدّس فرشتے جبریلؑ نے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مشورے اور منصوبہ کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ کا یہاں شب گذارنا مناسب نہیں ہے اللہ جلّ جلالہٗ کا حکم ہے کہ اب آپ اپنا وطن چھوڑ دیں اور ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر مدینہ کی زمین کو منوّر بنائیں چنانچہ آپ نے فوراً حضرت صدّیقؓ کو اپنے ارادہ اور مشیّتِ ایزدی سے عین دوپہر کے وقت آگاہ کیا اور اسی وقت ابوبکر صدّیق رضی نے عاقلانہ تدبّر سے کام لیکر سب انتظامِ سفر درست کر لیا غرض رائے قرار پا گئی کہ دونوں حضرات شب کے وقت ابوبکرؓ کے مکان کی کھڑکی سے نکل کر پاپیادہ مدینہ کا راستہ لیں اور صبح ہونے سے پہلے غارِ ثور میں جا چھپیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ دن بھر مکّہ میں رہ کر باشندگانِ مکّہ کے خیالات و حالات دیکھیں اور شب کو واپس آکر غارِ ثور میں اطلاع دیں۔ حضرت صدّیقؓ کے آزاد شدہ غلام عامر بن فہیرہ دن بھر مکّہ میں بکریاں چرائیں اور شب کو غار میں پینے کے لئے دُودھ پہنچائیں۔ ایک مشرک عبداللہ بن اریقط نامی رہبری کی غرض سے مناسب اُجرت پر اِس لئے تجویز ہوا کہ تیسرے روز دو اونٹ یہ سواریاں غارِ ثور پر لائے اور مدینہ تک راستہ بتاتا چلے لیکن اُس سے اِس بات کا عہد و پیمان لے لیا گیا کہ اس خفیہ ارادے اور پوشیدہ خیال کا اظہار کسی پر نہ ہونے پائے۔

عالمتابِ آفتاب اپنا روزانہ سفر ختم کر چکا اور رات کی سیاہ چادر سطحِ زمین کے رہنے والوں پر ڈال گیا سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرنے والے کافر آپ کے گھر کے چاروں طرف جمع ہوئے اور اس امر کے منتظر تھے کہ صبح ہوتے ہی جس وقت آپ گھر سے نکلیں تو اُس وقت آپ کو قتل کریں تاکہ خالی الذہن ہونے کی وجہ سے آپ کوئی تدبیر بھی نہ کر سکیں اور آخری شب کی تاریکی کے سبب قاتل بھی معلوم نہ ہو سکے کہ کس نے قتل کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ دیوار سوراخ اور درزوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہیں یا جاگتے۔ آپ نے اپنی سبز چادر حضرت علی رض کو اُڑھا دی تاکہ کفار یہ نہ سمجھ سکیں کہ آپ اپنے بستر پر نہیں ہیں اور حضرت علی رض کو اطمینان دلا اور یہ سمجھا کر کہ تم ڈرو مت کسی کی مجال نہیں کہ تمھیں کسی قسم کی ایذا پہنچا سکے صبح کو اُٹھ کر قریش کی وہ امانتیں جو میرے پاس بغرض حفاظت رکھی گئی تھیں نام بنام ادا کرنا اور وہ تمام معاملات ضروری حقوق العباد جو میرے متعلق ہیں اور میں اس اتفاقیہ سفر کے سبب ان کو پورا نہ کرسکا تمام پرُ پہنچا کر مدینہ چلے آنا۔ عمامہ سر سے باندھ نقاب رُوئے مبارک پر ڈال کر دروازہ سے باہر قدم رکھا۔ سورۂ یٰسٓ کی شروع آیتیں پڑھنی شروع کیں اور ایک مٹھی خاک ان کافروں کی جانب پھینکی جو گھر کا محاصرہ کئے شام سے پڑے ہوئے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر رض کے مکان پر گئے اور ان کے ساتھ دریچۂ پائیں کی راہ سے ثور پہاڑ کا راستہ لیا جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر دکھن کی جانب واقع تھا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کافروں کے سروں پر مشت خاک پھینکنا معجزہ کی صورت تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ اپنے دشمنوں کے بیچ میں سے نکل گئے اور کسی نے نہ آپ کو پہچانا نہ مزاحمت کی بلکہ آپ کی سبز چادر سے لپٹے ہوئے جسم پر نظر جماتے اس خیال میں مستغرق کھڑے رہے کہ محمد سوتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہوئی اور حضرت علی رض بستر سے اُٹھے۔ کافروں نے حضرت علی رض کو نکلتے دیکھا تو اپنے خیال کی غلطی پر نادم ہوئے اور ان سے دریافت کیا کہ محمد کہاں ہیں؟ حضرت علی رض نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس وقت کہاں ہیں تم لوگوں نے مکہ سے چلے جانے کی بابت بارہا ان سے کہا اس لئے کیا عجب ہے کہ مکہ چھوڑ کر چلے گئے ہوں۔ ان کافروں نے اوّل تو یہ سمجھ کر کہ شاید حضرت علی رض ہم کو دھوکہ دیتے ہوں سختی سے کام لیا اور تھوڑی دیر نظر بند رکھا لیکن کچھ نتیجہ نہ دیکھ کر اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ ان کو اگر مزاحمت تھی تو صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اور آپ ہی کو باہمی نزاع و تفریق کا بانی سمجھ کر انسداد کی تدبیر میں آخری فیصلہ کے منتظر تھے۔

ان لوگوں نے اپنے سروں پر خاک پڑی ہوئی بھی دیکھی اور جان لیا کہ شب کے وقت ہمارے پاس سے گذرنے والے شخص محمد ہی تھے جن کے فکر میں ہم نے رات بھر گھر کا محاصرہ کیا اور دھوکہ کھائے فضول پڑے رہے اس لئے ابوجہل حضرت صدیق رض کے گھر گیا اور ابوبکر رض کو دریافت کیا کہ کہاں ہیں؟ آخر حضرت صدیق رض کی بیٹی اسماء کی زبانی یہ معلوم ہونے پر کہ وہ بھی رات سے غائب ہیں سمجھ گیا کہ دونوں اپنی جانیں سلامت لیکر مکہ سے کسی جانب چلدیئے۔ اُس وقت ابوجہل نے غصہ میں جھلا کر بیچاری اسماء بنتِ ابی بکر رض کے مُنہ پر ایک طمانچہ بھی مارا جس سے کان کی بالی نکل پڑی اور زمین پر گر گئی۔

اب قریش کے غصہ کا کوئی حد و پایاں نہ رہا جس وقت اہلِ مکہ نے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قاتل اپنے مقصد میں نہایت ذلّت کے ساتھ ناکام رہے تو ٹڈی دَل کی طرح آپ کی تلاش میں ادھر اُدھر پھیل گئے اور بھیڑوں کی مانند ہر چہار طرف دوڑ پڑے تاکہ جس طرح بن پڑے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کریں چنانچہ اُنھوں نے اشتہار بھی دیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائے وہ سَو اونٹ انعام پائے گا۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضؓ کو ساتھ لئے ثور پہاڑ کی جانب چلے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھی بدوی عورت عاتکہ بنت خالد کے خیمہ پر گذر ہوا جس کے گوشہ میں ایک دُبلی بکری کھڑی ہوئی تھی اور لاغری کے سبب اُس کے تھنوں میں دُودھ نہ رہا تھا۔

بُھوک کا وقت تھا اور پا پیادہ مسافت طے کرنے والے مُسافروں کو پیاس معلوم ہو رہی تھی اِس لئے دونوں حضرات اس خیمہ میں گئے اور عاتکہ سے بکری کا دُودھ دُوھنے کی اجازت لے کر سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں پر ہاتھ ڈالا، اِن معجز نما کمال بھرے ہاتھوں کا سُوکھے ہوئے تھنوں کو لگنا تھا کہ دُودھ اِس طرح نکلنا شروع ہوا جس طرح فوّارہ سے پانی، یہاں تک کہ بڑھیا کے گھر کے تمام خالی برتن پُر ہو گئے اور سب نے سیر ہو کر دُودھ پی لیا۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں سے روانہ ہو گئے مگر بڑھیا حیران بیٹھی ہوئی دیر تک سوچتی رہی کہ دُبلی بکری کے سُوکھے ہوئے تھنوں سے دُودھ کس طرح نکل آیا۔

تھوڑی دیر میں بڑھیا کا شوہر ابو معبد یعنی اکثم بن عون جو اس وقت کسی ضرورت سے جنگل گیا ہوا تھا واپس آیا اور برتنوں کو دُودھ سے لبریز دیکھ کر سبب دریافت کیا تو عاتکہ یعنی اُمّ معبد نے تمام قصّہ بیان کیا اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حُلیہ مبارک، کریمانہ اخلاق اور شریفانہ عادات سب ہی کچھ ظاہر کر دیا۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شہرہ تو تمام خطّہ حجاز میں ہو رہا تھا جنگل و بیابان، آبادی و ویرانہ قصبے اور شہر سب ہی آپ کے ذکر و تذکرے سے گونج رہے تھے. کوئی کان نہ تھا جو آشنا نہ ہو. اس لئے ابو معبد فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو وہ معدنِ کرم محمد بن عبد اللہ ہی تھے جن کے مبارک قدموں نے اس کاشانہ کو اتفاقیہ عزّت بخشی اِس لئے افسوس کرنے لگا اور بی بی سے کہنے لگا کہ اگر میں موجود ہوتا تو ان مبارک قدموں کو چُومتا، خاطر و مدارات کرتا اور ہمیشہ کے لئے غلامی کی عزّت حاصل کرتا منقول ہے کہ ابو معبد نے چند روز بعد مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اسلام لائے۔

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راتوں رات ثور پہاڑ کے غار پر جا پہنچے اور حضرت صدّیق رضؓ نے آگے قدم بڑھا غار کی سطح کو اپنی چادر کی جھاڑو سے صاف اور ان سوراخوں کو جو غار کے اندر حشرات

الارض کا مسکن بنے ہوئے تھے، اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا۔ چادر ختم ہو چکی اور ایک بڑا سوراخ باقی رہ گیا جو
بھرا اور کپڑا نہ ہونے کے سبب ہو نہ سکا اس لئے ضرور ہوا کہ ابوبکر اس سوراخ پر اپنے جسم کا کوئی حصہ
رکھیں تاکہ اُس کے اندر کا کوئی موذی جانور باہر نکل کر غار میں ٹھہرنے والوں کو تکلیف نہ پہنچائے چنانچہ
حضرت صدیق رضؓ نے اپنے پیر کے انگوٹھے سے اُس کو بند کر لیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی
کہ "یا رسول اللہؐ اندر تشریف لے آئیے"۔

رسالت کے جہانتاب ماہتاب نے اس تنگ و تاریک غار کو منور کیا اور حضرت صدیق رضؓ نے آپ کا
سر مبارک اپنے زانو پر رکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ تھوڑی دیر سو رہیں تاکہ سفر کا تکان رفع
ہو۔ غرض حضرت ؐ نے آرام فرمایا اور ابوبکر رضؓ غار کے پتھر سے کمر لگا اور اُس سوراخ میں انگوٹھا اڑا کر آرام
کے ساتھ بیٹھ گئے جو درحقیقت کسی زہریلے سانپ کا بل تھا اور وہ سانپ اپنی آمد و رفت کا راستہ بند دیکھ کر
اندر گھبرا رہا تھا آخر وہ مقید رہنے کی تاب نہ لا سکا اور اُس نے حضرت صدیق کے اُس انگوٹھے میں کاٹ
لیا جو اُس کو باہر نکلنے سے روک رہا تھا۔

حضرت صدیق رضؓ کو زہریلی سوزش نے بے چین کر دیا لیکن وہ پیر اپنی جگہ سے اس لئے نہ ہلا کہ
کے حرکت کرنے میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل جانے کا اندیشہ تھا یہاں تک کہ حضرت
صدیق رضؓ کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا اور بیتابی کے سبب آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اُس وقت حضرتؐ
بیدار ہوئے اور اپنے رفیق ابوبکر صدیق کی حالت غیر دیکھ کر وجہ پوچھی۔ ابوبکر رضؓ نے واقعہ بیان کیا تو حضرتؐ
نے ان کا انگوٹھا سوراخ سے علیحدہ کر دیا اور دہن مبارک کا لعاب مار گزیدہ مقام پر لگا دیا۔ لعاب
تھا تریاق تھا جو اپنے اثر سے خالی رہ نہیں سکتا تھا اس لئے فوراً آرام ہو گیا اور سوزش یکدم زائل ہو گئی
انعام کے لالچی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے کی ٹوہ میں بھڑوں کی طرح اِدھر اُدھر پھیل
پڑے تھے چنانچہ چند آدمی نشاناتِ قدم کی کھوج لیتے اِس غار پر بھی آ پہنچے جس کے اندر دونوں
حضرات چھپے بیٹھے تھے۔ یہ لوگ اِس قدر قریب آ گئے تھے کہ ان کے پیروں کی آہٹ کانوں کو سنائی دیتی
اور کبھی کبھی چلنے میں قدم بھی نظر آ جاتے تھے لیکن اس غیبی نصرت نے جو اللہ کے رسول کی محافظ تھی
ان کو اندھا بنا دیا اور کسی کی نگاہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت صدیق رضؓ پر نہ پڑ سکی۔ غار پر
مکڑی نے جالا تن دیا اور جنگلی کبوتروں نے انڈے دے دیئے تھے اس لئے کسی کا اِس جانب خیال بھی نہ
ہوا کہ غار کے اندر گھس کر پیغمبرؐ کی تلاش کریں کیونکہ جالے کا تنا اور انڈوں کا نظر آنا اس بات کی علامت
تھی کہ کسی نے اُس کے اندر قدم نہیں رکھا۔ حضرت ابوبکر رضؓ آخر بشر تھے اور نازک زمانہ کی رفتار دیکھ رہے تھے

منوں کے منصوبے اور اعادار کی آخری فیصلہ کُن تدبیر سے آگاہ ہو چکے تھے اس لئے بحزن و غم آہستہ سے عرض
یا کہ یا رسول اللہ دشمن سر پر آ کھڑے ہوئے اگر اپنے پیروں کی جانب نظر کریں تو ہم کو دیکھ پائیں گے" سیدنا محمد
لی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق کی پریشانی دیکھی تو صاف الفاظ میں تسلّی دینے کی ضرورت معلوم ہوئی پس آپ نے
رمایا کہ لا تحزن إن اللہ معنا غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے تین دن تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور
ضرت صدّیق رض اسی غار میں رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر روزانہ شب کو آتے اور دن بھر مکّہ میں کفّار
کے خیالات کی ٹوہ لگاتے رہتے تھے حضرت اسماءؓ دختر ابوبکر رض کھانا لیکر غار پر پہنچیں اور عجلت کی وجہ سے کوئی
رسّی یا کپڑا کھانے کے برتن کو باندھنے کے لئے نہ پانے کے سبب اپنی کمر کے پٹکے کو دو حصّے کر کے ایک ٹکڑا کمر سے
باندھ لیا اور دوسرے کا سربند بنا لیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین ہوا تیسرے دن عبداللہ بن اریقط
رہبر دونوں اونٹ یعنی قصویٰ اور جدعا لے کر پہاڑ کے نیچے آ موجود ہوا ان میں سے ایک اونٹ کی قیمت
سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رض کو دینے کا وعدہ فرمایا تھا جس کو حضرت صدّیق رض نے اصرار کے
ساتھ انکار کرنے کے بعد قبول کیا تھا۔ غرض ایک اونٹ پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور دوسرے پر
آگے حضرت ابوبکر صدّیق رض سوار ہوئے اور پیچھے اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ کو سوار کیا عبداللہ ابن
اریقط اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور چاروں صاحبوں نے دریا کے کنارے کنارے ایسی راہ سے مدینۂ منوّرہ
کا رُخ کیا جس طرف سے بہت کم آدمی چلتے تھے۔ تمام شب اور صبح سے چاشت کے وقت تک متواتر چلنا پڑا
اور اب چونکہ دھوپ میں تیزی آ گئی تھی اس لئے ابوبکر رض نے دُور سے ایک سایہ دار پتھر کی پُر فضا چٹان
دیکھ کر سواری روکی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سڈول پتھر پر بستر بچھا کر عرض کیا کہ حضرت
یہاں آرام فرما دیں اور غلام کچھ کھانے پینے کا انتظام کرے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں لیٹ گئے
اور حضرت صدّیق رض دُودھ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑانے لگے۔ اتفاق سے حضرت صدّیق رض کا
غلام بکریاں چَراتا نظر آیا اور چونکہ یہ بکریاں بھی حضرت صدّیق ہی کی تھیں اس لئے اُنھوں نے بلا اجازت
حاصل کئے ان کا دُودھ دُوہا اور اس میں پانی ملا کر لسّی بنا حضرتؐ کے سرہانے آ کھڑے ہوئے سیدنا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم خواب استراحت سے بیدار ہو چکے تھے آپ نے حضرت صدّیق رض کے ہاتھ سے پیالہ لے کر منھ
سے لگایا اور خوب سیر ہو کر پیا۔ آفتاب ڈھلا اور چاروں مسافروں نے اپنی راہ لی۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ کے پیغمبرؐ
اور برگزیدہ رسول نے مدینہ کا مشہور راستہ چھوڑ دیا تھا لیکن اس پر بھی چاروں مسافروں کا مختصر قافلہ
خوف سے محفوظ نہ تھا۔ انعام کے لالچی کفارِ مکّہ صبا رفتار سانڈنیوں اور تیز قدم عربی گھوڑوں پر سوار ہو
ہو کر چار طرف دَوڑ پڑے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے رفیقوں کی تلاش و جستجو میں ایسی سرگرمی سے

لگے ہوئے تھے جس طرح پولیس کے مستعد افسر کسی سنگین مجرم یا مفرور قاتل کی گرفتاری میں سرگرداں پھرا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک پہلوان سوار سراقہ ابن مالک مدلجی نے جو ہوا سے باتیں کرنے والے عربی گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قوم بنی مدلج سے بغیر اطلاع کئے اپنی جوانی و پہلوانی پر غرّہ کئے ہوئے محض خفیہ مخبری پر نیزہ ہاتھ میں لے اور تیر و کمان سنبھال چلد یا تھا، اِن لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھا اور پیچھا کیا۔ حضرت صدیق نے دیکھا کہ سراقہ بن مالک پیچھا کئے چلا آتا ہے اور قریب ہی پہنچ گیا ہے تو گھبرا کر بول اُٹھے کہ "یا رسول اللہ اب تو ہم پکڑے گئے"۔ لیکن حضرت کے قلب پر کوئی پریشانی پیدا نہ ہوئی اور آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ اپنے رفیق کو پھر وہی جواب دیا جو غار میں دے چکے تھے کہ "کچھ غم نہ کھاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ سراقہ اپنے خیال میں بدمست اور کامیابی کی فضول دُھن میں مستغرق گھوڑے کو ایڑ لگائے آندھی کی طرح بڑھا چلا آتا تھا کہ دفعۃً گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور اُس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نے اپنی حالت خطرہ میں پڑی ہوئی دیکھی تو ہوش اُڑ گئے اور سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو محمد بن عبداللہ کی بددعا نے میری جان اور زندگی ایسے خطرہ میں ڈالا کہ گویا زندہ درگور بنا دیا اب ہزار کوشش کروں گا مگر اس تنگ قبر سے باہر نہ نکل سکوں گا اس لئے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور قریش کی دلائی ہوئی طمع سے بدمست ہو کر آپ کی گرفتاری میں قدم بڑھانے کی معافی مانگنے لگا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو کافروں اور دشمنوں کے لئے بھی رحمتِ خداوندی بنا کر بھیجی گئی تھی آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی بددعا سے کوئی نفس ہلاک ہو۔ اس لئے بے تکلف آپ نے معاف فرمادیا اور اس گھوڑے کو نجات ملی لیکن سو اونٹوں کے لالچ نے اُس کو اندھا بنایا اور یہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر اس قافلہ کا پیچھا کرنے لگا جس کی محافظت حق تعالیٰ کے ذمّہ تھی۔ آخر قریب پہنچنے پر پھر وہی حالت ہوئی اور اب کی مرتبہ بادپا گھوڑے کے قدم چھاتی تک زمین میں سما گئے۔ اب تو سراقہ بن مالک گھبرا اُٹھا اور یقینی سمجھ گیا کہ یہ بلائے آسمانی محمد بن عبداللہ کے تعاقب اور خیالِ گرفتاری پر نازل ہوئی ہے اور لاکھ کوشش کروں مگر پاس پہنچنا ناممکن ہے اس نہایت عاجزی کے ساتھ معافی چاہنے لگا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر معافی دی اور اس مرتبہ سراقہ مدلجی عقیدت کے ساتھ آپ کے پاس آکر زادِ راہ ہاتھ میں لے کر سامنے کھڑا ہو گیا اور ملتجی ہوا کہ اس میں سے کچھ کھانے کو اپنے لئے لے لیں۔ آپ نے قبول نہیں فرمایا البتہ یہ فرمادیا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے اور کسی پیچھے آنے والے دشمن کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ ہم کہاں اور کس راستے جا رہے ہیں۔ غرض بمزید احتیاط سراقہ بن مالک ہڈی کے ایک ٹکڑے پر عامر بن فہیرہ کی لکھی ہوئی امن اور معافی کی سند لیکر واپس ہوا اور جو کوئی بھی راستہ میں ملا اُس کو یہ کہکر کہ "محمدؐ ادھر کو نہیں گئے"، اپنے ساتھ مکہ واپس لے

...ں واقعہ کے بعد آپ بے خوف و خطر برابر چلے گئے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ایک تاجر قافلہ سے ملاقات ہوئی جن
...ں حضرت زبیر بن عوام اور طلحہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے یہ لوگ اپنے پیشوا کو دیکھ کر رُک گئے اور قریب آکر
...بوس ہوئے حضرت زبیرؓ نے دو جوڑے سفید کپڑوں کے نکالے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق حضر
...دیقؓ کے زیب تن کئے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کر جانے اور کافروں کے آپ کی گرفتاری پر سو ا
...نٹ انعام مقرر کرنے کی خبر اہلِ مدینہ کو مل چکی تھی اس لئے آپ کے جان نثار مدنی مسلمانوں پر یہ دن جس خوشی
...ر فکر و انتشار کے درمیان گذر رہے تھے اُس کو انھیں کے دل اچھی طرح سمجھ رہے تھے اگر اس کا تصور بندھا کہ
...فتابِ نبوت کوئی دن میں مدنی آسمان پر طلوع کیا چاہتا ہے تو خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سماتے تھے اور
...دل دشمنوں کی ایذا رسانی کا دھیان ہوتا تو خوف کے مارے گھلے جاتے اور اپنے جان سے زیادہ پیارے
...ردار کی نصیبِ دشمناں تکلیف کے خیال سے پریشان و آبدیدہ ہو جاتے تھے یہ لوگ سراپا چشمِ انتظار بنے
...وئے غول کے غول استقبال کی غرض سے ہر روز صبح ہوتے مدینہ سے باہر آتے اور دھوپ تیز ہو جانے پر
...یوس ہو کر لوٹ جاتے تھے۔ انصاری مسلمان عورتیں و خزرجی و اوسی بچے اپنے اونچے گھروں کی چھتوں پر روزانہ
...ڑھتے اور گھنٹوں اُس راستہ پر مشتاقانہ نگاہ جمائے کھڑے رہتے تھے جدھر سے مکہ کی آمد و رفت تھی لیکن جب
...وق بھری نظریں انتظار کرتے کرتے تھک جاتی تھیں تو مایوس بن کر قدم اُٹھاتے اور نیچے اُتر آتے تھے ہر شخص
...ی آنکھیں منتظر تھیں کہ جمالِ جہاں آرا جلد نظر آئے اور ہر مسلمان سراپا گوش بنا ہوا تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ
...لم کی آمد آمد کا مژدہ کسی بن سے سن پائے اُدھر مدینہ کے کافروں میں بھی ہل چل پڑی ہوئی اور پیش آنے والی
خطرناک زندگی کے ساتھ اہلِ مکہ کی دوستی کے تعلق کا انقطاع اُن کو پریشان بنائے ہوئے تھا اس لئے بریدہ اسلمی
ستر آدمیوں کو ہمراہ لئے اِس فکر میں مدینہ سے باہر سرِ راہ کھڑا ہوا تھا کہ جس طرح بن پڑے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے گرفتار کر کے مکہ پہنچا دے۔ اُدھر کفارِ مکہ سے انعامی سو اونٹ وصول کرے اور ادھر کفارِ
مدینہ کا باعزت محسن اور سرتاج قرار پائے۔ لیکن جس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی حد میں داخل ہوئے
اور بریدہ اسلمی کی نظر آپ پر پڑی تو اُس کے قلب میں ایک ہیبت سما گئی اور وہ ایسا مبہوت ہوا کہ آگے قدم
بھی نہ بڑھا سکا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس
سے نام دریافت کیا۔ اور بریدہ نام سُنکر آپ نے فال لی اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قد برد امرنا وصلح یعنی
ہمارے معاملہ میں صلاحیت و خنکی حاصل ہوئی۔ بریدہ نے آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ آپ کا اسم مبارک کیا ہے
حضرت نے فرمایا کہ محمد بن عبداللہ رسول اللہ۔ خدا جانے اس جواب میں کیسا مقناطیسی اثر تھا کہ بریدہ کے
قلب کو کھینچتا ہوا ادھر لے آیا کیونکہ یہ کلمہ سُنتے ہی بریدہ نے فوراً کلمہ پڑھا اور بلند آواز سے پکار کر کہا کہ

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ صرف حلقۂ اطاعت ہی کان میں نہیں ڈالا بلکہ اپنے سر سے عمامہ اُتار کر نیزہ پر باندھا اور اس طرح اپنی غلامی کا اظہار کر کے لوا بردار بنے۔ مدینہ سے نکلتے وقت بریدہ کو اس کا علم نہ تھا کہ میں شکار کرنے نہیں جا رہا بلکہ خود دوسروں کا شکار بننے کے لئے جا رہا ہوں۔ یہ عجیب بات ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہتیرے دشمن جو آپ کی زیارت سے قبل خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے آپ سے مل کر غلام اور ہمیشہ کے لئے مطیع اور جان نثار بن گئے اور دفعۃً ایسا انقلاب پیدا ہوا جس کی نظیر دوسرے انبیاء علیہم السلام میں بھی کم نظر آئے گی۔ چنانچہ بریدہ اسلمی بھی خادم بن کر آگے آگے ہو لئے۔ بارھویں ربیع الاوّل کی صبح تھی ادھر مشتاقانِ روئے احمدی یعنی مسلمانانِ یثرب اپنی روزانہ عادت کے موافق کسی عالمتاب ماہتاب کے نکلنے کے انتظار میں پہاڑی دروں اور کوہی راستوں پر نگاہیں لگا رہے تھے انتظار کی گھڑیاں گذر رہی تھیں اور بجائے امید پوری ہونے کے مایوسی چھاتی جاتی اور یاس کی حسرت بھری زرد نقاب چہروں پر پڑتی جاتی تھی اور ادھر سردارِ عالم پیغمبر کے نورانی جمال کی زیارت کے شوق نے اُن پردہ نشین عورتوں کو بے چین کر رکھا تھا جو حیا و عصمت کا برقعہ اوڑھے پاکدامنی کی نقاب ڈالے کوٹھوں کی چھتوں پر چڑھی ہوئی اپنی دوربین نگاہوں کو پہاڑی سے بھی پرے لیجانا چاہتی تھیں۔ ان عفت مآب خاتونوں کی مشتاقانہ نظروں کا قابلِ دید سماں اس حالت سے بھی بڑھا ہوا تھا جو کسی نازپروردہ لڑکی کی نادیدہ نگاہوں پر اپنے اُس بچھڑے ہوئے باپ کی صورت دیکھنے کے شوق میں طاری ہوتی ہے جس نے کبھی اپنی بیٹی کو صورت نہیں دکھائی لیکن آج اُس کے آنے کی تاریخ مقرر ہو چکی ہو۔ ایک وداع پہاڑی کی چھوٹی چھوٹی گذرگاہیں تھیں اور اُس پر ہزاروں نگاہوں کا مجمع تھا۔ آفتاب اُفقِ مشرق سے نکل کر اونچا چڑھتا چلا جا رہا تھا ریگستانی تودے گرم ہو چلے اور وہ وقت نکل گیا تھا جو گرم ملکوں میں دور سے آنے والے مسافر مہمانوں کے انتظار کے لئے محدود ہے۔ دھوپ تیز ہو گئی اور یہ لوگ مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے تھے کوئی یہودی اتفاقاً کسی ضرورت کے لئے اپنے اونچے محل کی چھت پر چڑھا تھا جس نے دور سے غبار اُڑتا ہوا دیکھا۔ چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا گلی گلی میں غلغلہ تھا۔ باشندگانِ یثرب کے ایک جمِ غفیر کا بصد شوق کسی پیارے محبوب کا انتظار کرنا اور مدینہ سے روزانہ باہر جانا سب کو معلوم تھا ہر وقت شہر میں یہی چرچا اور اسی کا ذکر تھا اس لئے وہ یہودی سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو محمدؐ اور اُن کے ساتھی آ رہے ہیں جن کی سواریاں غبار اُڑاتی اور قدم بڑھاتی تیز چلی آ رہی ہیں اس لئے باآوازِ بلند یہ پکار اُٹھا کہ "لو لے اہلِ یثرب تمہارا مقصود آ گیا، چلو چلو جن کا تمھیں کئی دن سے ہر وقت انتظار تھا وہ آ رہے ہیں"۔ اس آواز کا گونجنا تھا کہ مدینہ میں کھلبلی پڑ گئی ہلچل مچ گئی اور تمام مسلمان جلدی جلدی عدم

اس پہن اور خوشی خوشی ہتھیار باندھ نیزے ہاتھ میں لیکر اس طرح روانہ ہوئے جیسے بادشاہ کا استقبال کرنے
اس کی ماتحت فوج روانہ ہوتی ہے۔ یہ مشتاقِ جمال مجمع کچھ ایسا منتشر ہو کر نکلا تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر
نہ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں سب سے آگے چلوں اسی طرح آگے بڑھے اور کسی عجیب و بے نظیر شوق میں بھرے ہوئے
دیوانہ وار لپکے چلے جاتے تھے کہ وداع کے درّے سے ہالہ کے اندر جھلکتا ہوا وہ چاند نکلتا نظر آگیا جس کے ہفتہ بھر
منتظر تھے۔ عید الفطر کی اُنتیس ۲۹ تاریخ کا ہلال معمولی انتظار کی تکلیف برداشت کرنے پر نظر آجاتا ہے اس لئے
کے نظر آجانے کی خوشی کو اس مسرت سے کچھ مناسبت نہیں جو بدرِ فلکِ نبوت کی زیارت سے اس وقت ان
در افتادہ تشنگانِ جمال عاشقوں کو حاصل ہوئی۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳ سنہ نبوی
دو شنبہ کے دن قریب دوپہر حدودِ یثرب میں داخل ہوئے۔ جون کا مہینہ ۶۲۲ سنہ تھا مردوں عورتوں بچوں کی زبان
خوشی کے نعرے جاری اور عید سے کئی گونہ زیادہ مسرت کے جوش میں یہ کلمات بطور گیت گائے جارہے تھے:

طلع البدر علینا من ثنیة الوداع ٭ وجب الشکر علینا ما دعی للہ داع ٭ ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

جس دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حد یثرب میں اونٹ سے اُترے اس دن گرمی تیز تھی شہر مدینہ
سے دکھن کی طرف ڈھائی میل ایک مقام قبا کے نام سے مشہور ہے آپ اپنے رفقا سمیت وہاں کلثوم بن ہدم
کے مکان پر ٹھہر گئے اور حضرت صدیق رضی نے خبیب بن اساف کے پاس قیام کیا۔ یہاں کے رہنے والے بنی عمرو
بن عوف کہلاتے تھے یہ مقام نہایت پُر فضا اور شاداب تھا۔ یہاں آپ نے دو شنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ پنجشنبہ
قیام فرمایا اور مسجدِ قبا کی بنیاد ڈالی۔ مکہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے آنے کے بعد حضرت
علی کرّم اللہ وجہہ تین دن مکہ میں ٹھہرے اور اپنے متعلق کارِ خدمت کو انجام دے کر پیادہ پا نکل کھڑے
ہوتے رات بھر چلتے اور دن بھر چھپے رہتے تھے آخر قبا میں آپہنچے لیکن ایسی حالت سے کہ پیر ورم کئے اور
سوجے ہوئے تھے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے حضرت نے ان کو اپنے پاس بلا بھیجا لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ حضرت
علی رض پاؤں چل نہیں سکتے۔ آپ خود وہاں تشریف لائے اور اپنے جان نثار صحابی و چچازاد ناز پروردہ
بھائی کی یہ حالتِ ماندگی دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے آپ نے حضرت علی رض کو چھاتی سے لگا لیا اور اس
تکلیف کا خیال فرما کر رونے لگے جو ان کو پیادہ پائی و رہ نوردی میں اُٹھانی پڑی اس کے بعد آپ نے اپنے دہن کا
لعاب آبلوں پر لیپ کر دیا جس سے اُن کو اسی وقت شفاء ہو گئی اور حضرت نے شہرِ مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ
فرمایا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ نے قبا میں گیارہ ۱۱ روز قیام فرمایا اور آئندہ جمعہ کو مدینہ کی جانب روانہ
ہوئے۔ واللہ اعلم ٭

باب ۳۱

مدینۂ منوّرہ اور مسجدِ نبوی

بنی عمر بن عوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی کہ آپؐ چند روز یہیں قیام فرماویں لیکن آپؐ نہ رُک سکے اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن سولھویں ربیع الاوّل یعنی ۲ جولائی ۶۲۲ء کو مدینہ کی جانب روانہ ہوئے آپؐ نے جمعہ کی نماز خطبہ و جماعت کے ساتھ قبیلۂ بنی سالم بن عوف کی اُس مسجد میں ادا کی جو وادی کے وسط میں واقع تھی اور مدینہ میں داخل ہوتے ہی اپنے ناقہ کی باگ اس کی گردن میں ڈال دی کہ جہاں اللہ کا حکم ہو وہاں ٹھہرے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانانِ مدینہ کے جس گھر کے سامنے ہو کر گذرتے تھے یہی آواز سُنتے تھے کہ اے ہمارے سردار محترم اور اے دین و دُنیا کے مُربّی سرپرست اپنے قدوم میمنت لزوم سے غریب خانہ کو عزت بخشئے لیکن آپ نے کہیں ٹھہرنے کا خود ارادہ نہیں فرمایا اور سمجھا دیا کہ میری اونٹنی مامور ہے اللہ کے علم میں اس کے رسول کے قیام کی جو جگہ تجویز ہو چکی ہے وہیں یہ جا ٹھہرے گی چنانچہ چلتے چلتے قبیلۂ بنی نجار میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے قریب عین اُس جگہ جہاں اَب مسجدِ نبوی کا دروازہ ہے اونٹنی ٹھٹکی اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باگ ڈھیلی کر رکھی تھی آپ اپنے اختیار سے اونٹنی کو کسی جانب پھیرنا پسند نہ کرتے تھے۔ یکایک اونٹنی اُس جگہ سے اُٹھی اور چند قدم پیچھے ہٹ کر پھر اسی پہلی جگہ آبیٹھی۔ گویا آمد و رفت کے چند قدم سے مسجدِ نبوی کی حد بندی کر دی کہ مسجد اس قدر طویل ہونی چاہیے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ قطعہ درحقیقت اسعد بن زرارہ کے دو یتیم غلاموں رافع بن عمر کے بیٹوں سہل و سہیل کا خرمن تمر ہے اور گو انھوں نے اِس قطعہ کو مسجد کے لئے ہبہ کرنا چاہا لیکن آپ نے پسند نہ کیا بلکہ بعوض دس دینار خرید کر مسجدِ نبوی کی بنیاد ڈالی بعض علماء کا قول ہے کہ یہ قطعہ قبیلۂ بنی نجار کا نخلستان تھا جس میں کھیتی ہوتی اور مشرکین کے مُردے دفن ہوتے تھے بنی نجار نے اِس قطعہ کو وقف کر دیا اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اور اُس کے گرد وہ حُجرے تعمیر کئے جو ازواجِ مطہرات کے مسکن تھے۔ ناظرین کو پیشتر معلوم ہو چکا ہے کہ قبیلۂ بنی نجار سے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ننھیال کا تعلق تھا اس لئے کہ ہاشم بن عبد مناف کی بیوی یعنی حضرتؐ کے دادا عبد المطلب کی ماں سلمٰی بنتِ عمر اسی قبیلہ کی تھیں۔ الغرض حضرت ابو ایوب انصاریؓ اس لازوال دولت سے مالا مال ہونے پر خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور کجاوہ اُتار کر اپنے گھر لے گئے حضرت ابو ایوبؓ نے ہر چند اصرار کیا کہ حضرت بالاخانہ پر رونق افروز ہوں اور یہ خود نیچے مکان میں رہیں لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا اور اس وجہ سے کہ آپ کے پاس مسلمانوں کی ہر وقت آمد و رفت رہتی تھی نیچے ہی مکان میں قیام پسند فرمایا بہرحال بمقتضائے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبْ۔ حضرت ابو ایوبؓ نے سرِ تسلیم خم کیا اور بالاخانہ پر جا رہے۔ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاوّل

لام

ـہ نبوی کو بیوم دوشنبہ مکّہ سے روانہ ہوئے تھے اور ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳ـہ نبوی کو بیوم دوشنبہ مدینہ میں داخل
ے یہیں سے سنہ ہجری کی بنیاد پڑی۔ آپ نے کم و بیش آٹھ مہینے یعنی اس وقت تک حضرت ابو ایوبؓ کے مکان پر قیام فرمایا جبکہ
نبوی کی تعمیر خود آپ کے اور صحابۂ کرام کے ہاتھوں کی ڈھوئی ہوئی اینٹوں سے اختتام پر پہنچ گئی اور ازواج مطہرات
ے گذر کے قابل مختصر حجرے تیار ہو گئے۔ مسجد کی عمارت نہایت سادی تھی دیواریں اینٹ اور مٹی کی تھیں اور چھت
ر کی مسجد کا ایک گوشہ ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا گیا جو غریب اور بے خانماں تھے۔ آپ کھلی زمین پر نماز پڑھتے،
منبر کے بدلے ستون سے ٹیک لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بات ہر قوم کے مؤرخ نے تسلیم کر لی ہے کہ جب سے سیدنا
صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ چھوڑ کر یثرب میں قیام فرمایا اس وقت سے برابر آپؐ وہاں کے سردار و حاکم بنے رہے
میں اوس و خزرج نامی جو ہمیشہ آپس میں لڑا کرتی تھیں اسلام لانے کے سبب ایک دوسرے کی ایسی دوست بن
ں کہ اُن کے آپس کے پرانے جھگڑوں اور برسوں کے قضیوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ مدینہ کا پہلا نام
ب تھا لیکن اب سے اس کا نام مدینۃ النبی مشہور ہوا جس کے معنی ہیں "رسول اللہ صلعم کا شہر"۔ باشندگانِ مدینہ جنھوں نے
اسلام کی مدد کی تھی انصار کے نام سے مشہور ہوئے اور جو لوگ اپنا وطن چھوڑ اور اپنے عزیز و اقارب سے منہ موڑ سیدنا
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملے اور مدینہ میں آ بسے تھے وہ مہاجر کہلائے۔ حضرتؐ نے اس غرض سے کہ مہاجرین انصار
میں ملے جُلے رہیں اُن کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا چنانچہ اس سے وہ لوگ رنج و راحت میں ایک دوسرے
شریک ہو گئے اور درحقیقت انصار نے مواخاۃ کا حق ادا کر دیا۔ اگر کسی انصار کے دو بیبیاں تھیں تو اُس نے نہایت
خوشی کے ساتھ ایک بی بی کو طلاق دے کر اپنے دینی بھائی مہاجر کے نکاح میں دیدیا جائداد منقولہ و غیر منقولہ نصفا
نصف بانٹ دی اور جو اپنے لئے بہتر سمجھا اُس کو دینی بھائی کے لئے اپنے نفس سے پہلے تجویز کیا مواخاۃ کی تقریب
میں پیش قدمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرے چچازاد بھائی بھی ہیں اور
دینی بھائی بھی۔ آپ کے بعد سیدنا حمزہؓ اور حضرت زیدؓ ابن حارثہ نے اپنی اپنی اخوت کا اظہار کیا حضرت جعفر طیارؓ اور معاذ
بن جبلؓ دینی بھائی بنے سیدنا ابو بکرؓ اور حضرت خارجہؓ بن زہیر نے مواخاۃ کی سیدنا عمر بن خطابؓ نے حضرت عتبانؓ
بن مالک سے اخوت فرمائی۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ کو سعد ابن معاذؓ نے لے لیا۔ عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا سعد بن ربیعؓ نے
ہاتھ پکڑ لیا۔ زبیر بن عوامؓ حضرت سلامہؓ کے ہو گئے۔ عثمان ابن عفانؓ اوس بن ثابتؓ کے بھائی بن گئے طلحہ بن عبید اللہؓ
کعب بن مالکؓ کے ساتھ ہو لئے سعید بن زیدؓ کی اخوت ابی ابن کعبؓ کے ساتھ قائم ہوئی۔ عمار بن یاسرؓ حذیفہ بن یمانؓ
کے بھائی بنے۔ ابو حذیفہؓ و عباد بن بشرؓ کی مواخاۃ ہوئی اور مصعب بن عمیرؓ سیدنا ابو ایوبؓ کے دینی بھائی قرار پائے رضی اللہ عنہم اجمعین

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے نہایت خلیق، بُردبار، خدا ترس، رحیم، شجاع، متین، باحیا، امین، خندہ پیشانی،
راست گو اور انتہا درجہ کے حسین و خوبصورت تھے آپ کا رُوئے مبارک چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور آپ کا پسینہ عطر

سے زیادہ خوشبودار نئی دُلہنوں کے عروسی لباس بسانے کے لئے جمع کیا جاتا اور باحتیاط رکھا جاتا تھا جس سے آپ مصافحہ کرتے تمام دن اُس کے ہاتھ میں سے خوشبو مہکتی رہتی تھی آپ کا قد مستوی اور میانہ تھا مگر آدمیوں میں سب سے بالا نظر آتے تھے سر مبارک بڑا بال نرم اور سیاہ جن میں خوشنما پیچیدگی دگھونگر یالے پن زلفیں کان کی لَو تک چھوٹی ہوئی اور کبھی کبھی کندھوں تک آپڑتی تھیں کان نہایت خوبصورت نہ بڑے نہ چھوٹے پیشانی کشادہ اور آئینہ جیسی شفاف دونوں بھویں گنجان اور کمان کی طرح خمیدہ جن میں ایک باریک رگ حائل تھی جو کبھی کبھی غصہ کے وقت ظاہر ہوتی تھی آنکھیں بڑی اور سرمگیں جن میں سپیدی کے اندر سُرخ ڈورے حُسن کو دوبالا کرتے تھے آنکھ کی پتلی سیاہ حلقے بدر کے ہالہ کی طرح روشن مژگاں دراز رخسارے نرم و نازک اور پُرگوشت بینی ہموار لب کشادہ دہن مردانہ دندانِ مبارک موتیوں کی لڑی سپید و چمکدار لعابِ دہن شیریں خوشبودار شفاءِ بیماراں زنخداں سیب جیسی مدوّر ریش مبارک گنجان نیچے چھوٹی ہوئی۔ گردن چمکدار گویا چاندی کی صراحی۔ آواز نہایت لطیف نرم اور پیاری سینہ فراخ اور شکم کے ہموار چنبر گردن سے ناف تک شق الصدر کی علامت ایک پتلی سی دھاری نمودار بغل صاف شفاف سپیدی مائل گویا ماہتاب کا ٹکڑا بائیں شانہ کی غضروف کے قریب مُہرِ نبوت جس پر کچھ بال مجتمع تھے اور جو وصال کے وقت غائب ہو گئی تھی ہاتھ سڈول اور بھرے ہوئے ہتھیلی فراخ اور سرد ریشم سے زیادہ نرم انگلیاں مستقیم اور پُرگوشت پنڈلیاں شفاف اور لطیف جن پر گوشت مناسب۔ پائے مبارک چکنے اور بلند تلوا کچھ زمین سے اُبھرا ہوا۔ ایڑی پر گوشت کم نہایت خوش الحان متبسم کناں فصیح و بلیغ جوامع الکلم حُسنِ مجسّم از سرتا پا نمونہ قدرتِ خداوندی تھے کریم النفس ایسے کہ جس نے ایذا اُٹھائی اُسی کے حق میں دُعا فرمائی۔ وعدے کے سچے اِس قدر کہ قبلِ نبوت عبداللہ بن ابی الحمساء نامی ایک شخص سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ ہوا اور وہ یہ کہہ کر کہ میں ابھی آتا ہوں آپ یہاں ٹھہرے رہیں چلا گیا اور جا کر یاد نہ رہا کس کو کہاں کھڑا کر آیا ہوں تین دن کے بعد عبداللہ کا اُدھر گذر ہوا تو آپ کو دیکھا کہ اپنی جگہ کھڑے ہوئے ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو دیکھا تو بجز اس کے کچھ نہ فرمایا کہ اے عبداللہ! تم نے مجھے بڑی مشقت میں ڈالا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شجاعت و قوت میں مشہور، تواضع اور حُسنِ معاشرت میں ضرب المثل نہایت عقیل و مُدبّر متواضع اور عادل سخی اور بہادر حلیم و صابر عفت مآب اور شاکر جمیع اوصافِ حمیدہ سے متّصف اور تمام خصائلِ رذیلہ سے طبعاً متنفّر تھے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں شبِ چہاردہم کو ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر تھا کبھی آپ کے جمالِ جہاں آرا پر نظر ڈالتا اور کبھی آسمان پر ماہتاب کو دیکھتا تھا حیران تھا کہ دونوں میں کس کو ترجیح دوں آخر کار میری نگاہ نے یہی فیصلہ کیا کہ چودھویں رات کے چاند کو وہ ملاحت و نمک اور حُسن چمک حاصل نہیں ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ زیبا کو حاصل ہے اللّٰھم صلّ علٰی محمّدٍ وّ اٰلہٖ بقدرِ حُسنِہٖ وجمالِہٖ مدینہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر اسلام کی گویا نئی دنیا شروع ہوتی ہے اس لئے مناسب ہے کہ ۱ھ سے لیکر آپ کی وفات کے وقت تک سنہ بہ سنہ واقعات دوسرے حصّوں میں بیان ہوں۔

وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقُ وَعَلَیْہِ التُّکلَانُ ھُوَ حَسْبِی نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ

اسلام

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مستند اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات پر مشتمل مکمل ترین کتاب

حصہ دوم

تالیف

مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رح

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل بنکلوڈ روڈ ۔ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

باب ۳۲

مدینہ طیبہ کی پہلی آبادی

آفتابِ اسلام نے جس وقت اپنے وطنِ مالوف یعنی مکہ کی سکونت چھوڑی اور اُس کی رُوح بخش شعاعوں نے مدینہ پاک کی زمین کو جلوہ گر بنایا ہے اُس وقت مدینہ میں دو قبائل انصار کے علاوہ بنی اسرائیل آباد تھے جن میں اکثر حضرت ہارون علیہ السّلام کی اولاد میں تھے اور جن کی مدینۃ الرسول میں سکونت کا سبب مورخین نے یہ بیان کیا ہے کہ طوفانِ نوح میں جو مسلمان کشتی پر سوار تھے وہ کل چھوٹے بڑے اسی نفر تھے اور جب کشتیِ نوح نے کوہِ جُودی پر لنگر ڈالا تو زمین کی سطح کافروں کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے ایک ہموار میدان ہو چکی تھی۔ آخر کشتی کی سواریاں زمین پر اُتریں اور اُنھوں نے بارہ فرسخ کے پھیلاؤ میں اطرافِ بابل کے خطّہ پر سکونت اختیار کی۔ پانچ صدی میں یہ مختصر جماعت صاحبِ اولاد ہو کر اتنی کثیر ہو گئی کہ یہ قطعۂ زمین ناکافی ثابت ہوا اور ایک کو دوسرے سے جُدا ہو کر اپنی رہائش اور بود و باش کا انتظام کرنا پڑا۔ چنانچہ سام بن نوح کی اولاد اِس پاک زمین پر آباد ہوئی جس کو مدینۃ الرسول کہتے ہیں۔ یہی قوم بالہامِ الٰہی زبانِ عربی کی مُوجد ہے اور اسی جماعت نے سب سے پہلے یہاں کھیتی باڑی کی اور کھجور کے درخت لگائے اور چونکہ یہ لوگ سام بن نوح کے پوتے یعنی عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے اِس لئے اِس جماعت کا نام عمالیق اور قومِ عمالقہ ہو گیا۔ چند روز میں خداداد ترقی سے یہ لوگ عدد اور مال اور قوت میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئے اور رفتہ رفتہ بحرین و عمان کے درمیان اور حجاز کے مُلک شام و مصر تک ان کا تسلط ہو گیا۔ مُلک شام کے جابر سلاطین اور مصر کے فرعون بادشاہ اِسی قومِ عمالقہ کی اولاد میں تھے جن کی سطوت و شوکت کے حالات سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

زمینِ حجاز میں ان کا بادشاہ ارقم بن ابی ارقم نامی ایک شخص تھا جس نے کفر و سرکشی میں مبتلا

خدا کو بالکل بھلا دیا اور حجازی ملک میں عام طور پر حق تعالے کی معصیت اور نافرمانی ہونے لگی۔ چونکہ
کا رنگ پلٹے بغیر نہیں رہتا اور ایک دن ہر کمال کو زوال ہوتا ہے پس ان کی تقدیر نے بھی رنگ بدلا اور
وقت آگیا جس نے ان کے عیش و تنعم اور مسرت و خوشی پر غبار ڈال دیا بلکہ سچ پوچھو تو زندگی بھی خاک میں
دی کیونکہ جس قدر ان کو عیش نصیب ہوا تھا اسی قدر ان کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی عمریں دراز
ں کہ چار چار سو برس تک جنازے کی صورت نظر نہیں آتی تھی اور چیخنا چلانا یا رونا پیٹنا کوئی جانتا ہی
ماہر وقت خوشی و قہقہے ان کا گہوارہ بنے ہوئے تھے اور ہر دم عیش کے پیچھے گویا خادم بن کر ان کے
تھ لگے ہوئے تھے۔ ان کے قد اس قدر لانبے تھے کہ ساٹھ ساٹھ گز کی پیمائش ہو اور قوت اس قدر ملی
ئی تھی کہ مضبوط سے مضبوط درخت جڑ سے اکھیڑ پھینکیں۔ غرض زمانہ کے اقتضاء کے موافق کوئی سامانِ
ش ایسا نہ تھا جو مہیا نہ تھا۔ یا تو یہ حالت تھی اور یا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی ہوئی قوم کے اس لشکرِ
ارنے دفعۃً حملہ کیا جس کو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے فرعونِ مصر کے غرق ہونے کے بعد قوم عمالقہ کی سرکوبی کے
ے سرزمینِ شام و حجاز کی جانب بھیجا تھا اور حکمِ عام دیدیا تھا کہ بچوں اور عورتوں کے سوا جس کو بھی
و تہِ تیغ کردو کیونکہ حق تعالے کی پاک زمین کفر کی نجاست اور معصیت کی غلاظت سے پاک و صاف ہونی
ا ہیے۔ چنانچہ شاہِ حجاز یعنی ارقم بن ابی ارقم بھی مارا گیا اور قوم عمالقہ کی ملک حجاز سے جڑ بنیاد ہی
اتی رہی سوائے ایک خوبصورت جوان کے جو ارقم کی اولاد میں سے تھا کوئی نہ بچا اور وہ بھی صرف اس
جہ سے کہ اس کے حسن و جمال نے کسی کا ہاتھ اس پر نہ اٹھنے دیا اور لوگوں نے بارگاہِ رسالت سے جدید حکم لینے
ے انتظار میں اس کا قتل ملتوی رکھا چنانچہ چند لشکری سپاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب حکم لینے کے واسطے
روانہ ہوئے مگر افسوس کہ کلیم اللہ کا ان کے پہنچنے سے قبل وصال ہوچکا تھا۔ ان قاصدوں کی خبر پاکر
بنی اسرائیل نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا اور سب سے پہلے یہی پوچھا کہ حکمِ نبوی کی تعمیل ہوئی یا
نہیں؟ انھوں نے قصہ بیان کیا اور کہدیا کہ سوائے ایک حسین صورت نوجوان کے جس کا قتل حکمِ جدید
پر ملتوی رکھا ہے اور کوئی مرد زندہ نہیں چھوڑا گیا۔ مگر بنی اسرائیل یہ سن کر برافروختہ ہوئے اور جواب
دیا کہ جب حکمِ عام مل چکا تھا تو اس میں تخصیص کیسی اور جدید حکم کے انتظار کی کون ضرورت تھی جاؤ تم
لوگ یہاں سے نکل جاؤ اور جدھر منہ سمائے چلے جاؤ۔ غرض یہ مایوس ہوکر وہاں سے چلے اور باہمی
مشورہ سے طے کرلیا کہ اس مقام سے بہتر کوئی جگہ نہیں جس پر بزورِ تلوار فتح پاچکے ہیں چنانچہ انھوں نے
حجاز میں سکونت اختیار کرلی اور نبی آخر الزماں کے منتظر رہے جن کے ملک حجاز کے نخلستان میں جلوہ گر
ہونے کی بشارت توریت شریف میں پڑھ چکے تھے۔ اس طرح پر ملکِ حجاز بجائے قوم عمالقہ کے قوم یہود

سے آباد ہو گیا اور یہاں کی سکونت و حکومت بنی اسرائیل کے ہاتھ میں آگئی۔ ابن زبالہ مورخ کا یہ قول ہے کہ قوم یہود بخت نصر کے زمانہ میں حجاز کی زمین پر آباد ہوئی ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب بخت نصر نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور بیت المقدس میں گھس کر اس مقدس گھر کو ویران بنایا اور توریت شریف کو جلا دیا تو اُس وقت چند یہود نے باہم مشورہ کیا کہ یہاں سے نکل چلو اور کسی ایسی جگہ چل کر ہو جہاں اطمینان کی زندگی بسر ہو سکے۔ چنانچہ چند علماء و درویش زاہد صوفی وہاں سے روانہ ہوئے اور چونکہ توریت شریف میں پڑھ چکے تھے کہ نبی آخر الزماں ظاہر ہوں گے اور اس شہر میں آکر رہیں گے جس کا نام ذات النخل یعنی کھجور والی زمین ہے اس لئے حجاز میں آ اُترے اور عرب کے جس قصبہ میں کچھ اثر اور اشتباہ پایا وہیں ٹھہرے۔

چنانچہ جس وقت اِس حصۂ زمین پر پہنچے جس کا نام یثرب تھا اور اب مدینۃ الرسول کہلاتا ہے تو ساری صفات سے متصف پایا اور یہیں باطمینان رہ پڑے۔ ان میں سے چند آدمی تو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے انھوں نے زمین یثرب میں اُس جگہ رہنا قبول کیا جو اِس وقت مسجدِ قُبا کا گرد و نواح ہے اور باقی یہودی اِرد گرد خیبر وغیرہ میں قیام گزیں ہوتے اور برابر یہ دستور رکھا کہ جب کوئی مرتا تو تحریری وصیت نامہ اِس مضمون کا اپنی اولاد کے حوالہ کر جاتا تھا کہ اگر تم خاتم النبیین کا زمانہ پاؤ تو اُن کی اطاعت سے مُنہ نہ پھیرنا ورنہ دُنیا میں بھی رُو سیاہ ہو گے اور آخرت میں بھی کافر اُٹھو گے۔ غرض قوم یہود یہاں بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہی۔ آخر کار عیش و تنعم میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ان کو بھی ظلم و تعدّی سُوجھی اور قبیلۂ اَوس و خزرج نے ان پر چھاپا مار کر ان کو تباہ و برباد کیا۔

باب ۳۳

مدینہ میں انصار کی آبادی

سام بن نوح کے دوسرے پوتے یعنی سالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح کی اولاد میں سے یعرب بن قحطان کی اولاد مُلک یمن کے اُس زرخیز قطعہ میں آباد تھی جس کا نام مآرب ہے اور یعرب کے پوتے سبا بن یشجب کا مسکن ہونے کی وجہ سے بعض مورخین نے اس شہر کا نام بھی سبا کہہ دیا ہے بہر حال یہی وہ خطہ ہے جس کو حق تعالےٰ نے کلام مجید میں بلدۂ طیبہ یعنی پاکیزہ شہر کے نام سے یاد فرمایا

...ربسے زمین شام تک تمام قصبات اور شہر متصل متصل آباد تھے اور ہر جگہ اونچی اونچی عمارتیں نظر
...تیں۔ لگاتار باغات اور سبز درختوں کا سلسلہ کسی جگہ منقطع نہیں ہوتا تھا جس قدر بارونق
...رخیز یہ سبزہ زار تھا تمام سطح زمین پر کہیں دوسرا نہ تھا۔ اس کی خوشگوار ہوائیں بیمار کو تندرست
...اور جنگل کی شادابی و تازگی تھکے مسافروں کو جنت کا مزہ چکھاتی تھی۔ اس حصۂ زمین میں مسافروں
...توشہ باندھنے اور زادِ راہ ساتھ لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پھل پھول اور میووں کی اتنی کثرت
...کمزور بوڑھے مرد اپنے سروں پر ٹوکریاں رکھ کر نکل کھڑے ہوتے اور رستیاں بٹتے ہوئے درختوں کے نیچے
...گذرتے تھے تو چند قدم پر بغیر اس کے کہ درخت کو ہلائیں یا شاخوں کو جھاڑیں ٹوکریاں پھلوں سے
...ہوجاتی تھیں۔ ہر جگہ قدرتی سبزہ کا مخملی فرش ایسا بچھا ہوا تھا کہ جدھر نظر جاتی تھی آنکھوں کو
...ی اور روح کو فرحت پہنچتی تھی۔ اسی کیفیت کے ساتھ اتنا بڑا قطعہ مسلسل آباد چلا گیا تھا جو
...ل و عرض میں دو مہینے کی مسافت تھی۔ یہاں کے باشندے خوش حال فارغ البال اپنی زندگی
...ن و اطمینان کے ساتھ گذارتے تھے مگر افسوس ان کو نعمت کی قدر نہ ہوئی اور آخر ان لوگوں نے
...تعالےٰ سے درخواست کی کہ ہمیں یہ شادابی اور پاس پاس آبادی پسند نہیں آتی کیونکہ اس میں ہم
...سفر کا لطف حاصل نہیں ہوتا۔ سفر کا مزہ اسی میں ہے کہ سفر کا تہیہ کریں، اقارب سے رخصت ہوں،
...ھی بھوک لگے اور کبھی پیاس بیتاب کرے، کہیں آرام ملے اور کہیں تکلیف ہو، کبھی اونٹوں پر سوار
...ں اور کبھی گھوڑوں پر، غرض بدشواری و بصد صعوبت منزلیں قطع کریں تو کچھ مزہ بھی آئے اور
...ب تو سفر اور اقامت دونوں برابر ہیں کہ گھر میں اور باہر میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ پس ایسے آرام
...ے ہم باز آئے جس میں بدمزگی سے زندگی گذرے۔ حق تعالےٰ کو یہ ناشکری پسند نہ آئی اور سیل کا عذاب
...زل ہوا جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ مضبوط و مستحکم بند جو تمام ولایتِ یمن کی سیلیں روکنے کو لقمانِ
...نے فرسخ در فرسخ باندھا تھا، ٹوٹ گیا اور پانی کی رَو سے بند کی دیوار کے پتھروں کی یہ حالت ہوگئی کہ جو پتھر
...چاس آدمیوں سے بھی پلٹا نہ جاسکتا تھا وہ ایک ملخ نے اکھاڑ پھینکا۔ غرض آبادی غرق ہوگئی اور ناقدردان
...خلوق نے ڈوب کر جانیں دیں۔ البتہ ایک شخص عمر بن عامر اور اس کے ۱۳ تیرہ بیٹے مع چند دیگر رؤسائے یمن کے
...بچ نکلے جن کے بچنے کی صورت یہ بیان کی جاتی ہے کہ عمر بن عامر کی بیوی نے جس کا نام طریقہ حمیریہ تھا
...ور فنِ کہانت و پیشین گوئی میں مہارت رکھتی تھی آنے والے سیل سے بند کے ٹوٹ جانے کا واقعہ اپنے
...خاوند سے ذکر کیا اور کہا کہ مجھ کو علم کے ذریعہ سے اس کی علامتیں نظر آرہی ہیں اس لئے لازم ہے کہ
ہم اس ملک سے نکل چلیں اور بحرِ فنا میں غرق نہ ہوں۔ عمر بن عامر شہر کا رئیس اور دولتمند شخص تھا

جانے پر آمادہ ہوگیا مگر اس خیال سے کہ بلا سبب جانا لوگوں میں چشم نمائی کا سبب ہوگا کوئی حیلہ کرنا چاہا، چنانچہ اپنے اُس لے پالک یتیم بچّے کو خلوت میں بُلایا جس کی برسوں سے پرورش کر رہا تھا اور کہا کہ میں رؤسائے شہر کی دعوت کروں گا اور سب کو بُلاؤں گا۔ جس وقت سب لوگ جمع ہو جائیں اُس وقت تم آنا اور مجھ سے کسی بات پر جھگڑا شروع کر دینا۔ اِس کے جواب میں اگر میری زبان سے کوئی جھڑکی کا کلمہ نکلے تو تم اُلٹ کر اس سے زیادہ سخت مجھ کو جواب دینا تاکہ مجھے شہر چھوڑنے کا عذر ہاتھ لگ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بچّے نے بھرے مجمع میں اپنے مُربّی و محسن باپ کو گالی دی اور ایک طمانچہ بھی کھینچ مارا۔ عمرو بن عامر اس قصّہ کے پیش آنے پر فوراً مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ اب میں اِس شہر میں ہرگز نہ رہوں گا تمام جائداد اور وہ اسباب جو ساتھ لیجانے کے قابل نہ تھا نیلام کر کے اپنی اولاد کو جو طریقہ حمیریہ کے پیٹ سے تھی اور نیز کہلان ابن سبا کی اولاد میں سے چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر وہاں سے نکلا اور غرق و ہلاکت کے عذاب سے بچ گیا۔ انصار رضی اللہ عنہم جنھوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نُصرت و اعانت کے سبب انصار کا وہ مبارک لقب پایا ہے جو ابد الآباد تک آفتاب کے نور سے زیادہ چمکتا رہے گا۔ اِسی عمرو بن عامر کی اولاد ہیں اور کیا عجب ہے کہ عمرو بن عامر کا عذابِ سیل سے بچ نکلنا اسی وجہ سے ہو کہ اُس کی صُلب میں وہ نطفے تھے جن کو دُنیا میں ظاہر ہو کر خاتم النّبیین صلعم کی مدد کا اعزاز حاصل کرنا تھا۔ قصّہ مختصر عمرو بن عامر مع اپنے مختصر گروہ کے ولایتِ یمن سے باہر نکلا اور راستہ کے شہروں کی تعریفیں اور اوصاف بیان کرتا چلا تاکہ ہمراہیوں میں سے جس کو جہاں رغبت ہو وہاں ٹھہر کر بود و باش اختیار کرے چنانچہ ہر ایک نے اپنے میلانِ طبیعت کے موافق ایک ایک شہر اختیار کر لیا اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ بڑے بیٹے ثعلبہ بن عمرو نے جو انصار کے دو مشہور قبیلوں اوس اور خزرج کے جدِّ امجد ہیں مُلک حجاز کو پسند کیا اور یہیں اقامت اختیار کر لی۔ چند روز بعد جب نسل بڑھی اور جماعت زیادہ ہوگئی تو یثرب میں آکر قوم یہود کے پاس رہنے لگے اور انھیں کے ساتھ تعلق و ارتباط پیدا کر لیا یہاں تک کہ باہم معاہدہ اور قسما قسمی ہوگئی کہ ایک دوسرے کو ایذا نہ پہنچائیں گے اور دونوں مختلف قومیں یک جان دو قالب ہو کر رہیں گی مگر چند سال بعد جب اللہ پاک نے اولادِ عامر یعنی قبیلۂ اوس و خزرج کو ثروت عطا فرمائی اور یہ لوگ متموّل و مالدار ہوگئے تو قوم یہود کو حسد ہوا اور بنو قریظہ اور بنو نضیر یہودیوں نے عہد و پیمان کے خلاف اوس و خزرج پر طرح طرح کی زیادتیاں شروع کی۔ اوس و خزرج تنگ آگئے اور گھبرا اُٹھے مگر بے چارے بے دست و پا تھے اتنی طاقت نہ رکھتے تھے کہ سینہ سپر ہو کر لڑیں اور دشمن

خاطر خواہ انتقام لیں، اِس لئے مجبور اپنے قومی بھائی ابوجبیلہ نامی بادشاہ کو اطلاع دی جو برادری سے جُدا ہوکر مُلک شام کی جانب چلا گیا اور وہاں کا بادشاہ ہوگیا تھا۔ ابوجبیلہ اپنی ستم رسیدہ اور مُصیبت زدہ قوم کی داستان سُنی تو غصّہ میں پیچ و تاب کھاکر ایک پورے لشکر کے ساتھ حجاز پر حملہ آور ہوا۔ یثرب پہنچ کر اپنی قوم کا دلخواہ انتقام لیا اور جو کچھ مال اسباب اَوس و خزرج کا ظلماً چھین لیا گیا تھا۔ وہ سب یہود کو واپس دینا پڑا۔ اِس طرح اِن بیچاروں کو پھر نئے سرے سے اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی اور یہ مدینہ کے جنوب شمال کی زمین پر مستقل طور پر آباد ہوکر باہم موافقت و اتحاد کے ساتھ اپنی زندگی گذارنے لگے۔ چونکہ زمانہ کی نیرنگیاں اپنا اثر دکھاتی رہتی ہیں اِس لئے اُن کا باہمی اتّفاق بھی قائم نہ رہا اور چند روز بعد آپس میں ایسی پھوٹ پڑی جو آج تک شہرۂ آفاق اور عرب کی زبان میں ضرب المثل ہے کیونکہ یہ خانہ جنگی پورے ایک سو بیس ۱۲۰ برس رہی جس نے سیکڑوں گھر تباہ کردیئے اِسی کی بدولت بیسیوں عورتیں بیوہ ہوگئیں اور سیکڑوں بچّے یتیم بن گئے۔ یہ برادرانہ نزاع درحقیقت رفع ہونے والا نہ تھا جس وقت اللہ کا پیارا رسول مدینہ میں آیا ہے، یہ منازعت بدستور قائم تھی مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بُلاکر باہم مصالحت کرائی اور ان دشمنوں کو پھر بھائی بھائی بنادیا جن میں ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور جان کا خواہاں تھا۔

بیشک یہ آپ ہی کی قوّتِ قدسیہ کا فیضان تھا جس نے اِس قدر جلد اپنا کام کیا کہ اَوس و خزرج جیسے دو مخالف قبیلے ایسے موافق ہوگئے کہ ایک دوسرے کو اپنی جان اور اپنے آپ کو اُس کا قالب سمجھنے لگا ورنہ اُن کی رنجشوں کا زائل ہونا نہایت دُشوار اور دِلوں کی صفائی سخت مشکل امر تھا۔

باب ۳۴

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام تُبّع تھا۔ تبّع بڑا بہادر اور جفاکش، عالی حوصلہ شخص تھا مغربی ممالک فتح کرنے کے بعد مشرقی ملک پر قبضہ کرنے کے خیال سے حجاز کی جانب متوجہ ہوا اور مدینہ منوّرہ میں ہوکر گذرا تو یہاں اپنے بیٹے کو جانشین بنایا اور خود مُلکِ شام و عراق کی جانب بڑھ گیا مگر افسوس کہ یہاں باشندگانِ مدینہ نے بدعہدی کی اور تبّع کے بیٹے کو جان سے مار ڈالا تبّع

یہ جانکاہ حادثہ اور بدعہدی کا خونخوار قصّہ سُن کر غصّہ میں لرز اُٹھا اور فوراً مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اُس نے اپنے مقتول بیٹے کے انتقام لینے میں کسر نہیں رکھی اور قتلِ عام کا حکم دیدیا۔ اِس لڑائی میں تبّع کا گھوڑا بھی مارا گیا اور " یہ سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا "

تبّع نے قسم کھالی کہ جب تک اِس شہر کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادوں گا اُس وقت تک آگے قدم نہ بڑھاؤں گا۔ کُشت و خون کا یہ عالم دیکھ کر چند یہودی علماء تبّع کے سامنے آئے اور کہنے لگے کہ " ہمارے پاس آسمانی کتاب موجود ہے اُس میں حق تعالیٰ کی دی ہوئی خبر لکھی ہے کہ اِس مقدّس شہر کا نام طَیبہ ہے اور یہ پاک جگہ نبی آخرالزّماں کا مسکن اور مدینۃ الرّسُول ہے اِس کا محافظ اور حامی خود ذاتِ باری ہے " تم اُس کے ویران بنانے کے خیالِ خام سے درگذر رو اور مخلوقِ خدا پر رحم کرو۔ تبّع نے یہ آسمانی بشارت سُن کر گردن جھکادی اور خونریزی بند کرکے چند علمائے یہود کو ساتھ لیکر یمن کی طرف واپس ہوگیا۔ منقول ہے کہ یہ علماء یہود وقتاً فوقتاً پیغمبر آخرالزّمان کے اوصاف تبّع کو سُناتے رہتے تھے یہاں تک کہ تبّع کو سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غائبانہ محبّت پیدا ہوگئی اور آخرِ کار چار سَو[1] علماء جنھوں نے حضرت[2] کی زیارت کے شوق میں تبّع کی رفاقت چھوڑ کر مدینہ کا رہنا اختیار کیا۔ اِن سب کے لئے تبّع نے اپنے اہتمام سے گھر بنوا دیئے اور ہر ایک کو ایک ایک لونڈی اور بہت کچھ مال دیدیا تاکہ اطمینان سے زندگی گذاریں اور آرزو پوری کرسکیں یہ بھی منقول ہے کہ تبّع نے ایک مکان خاص اہتمام سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اِس نیت سے تیار کرایا کہ جب آپ ہجرت فرماکر مدینہ میں تشریف لائیں تو اس میں قیام فرمائیں اور ایک خط بھی لکھا جس میں اپنے اسلام لانے اور آپؐ کی زیارت کا شوق ظاہر کیا ہے۔ اس کے دو شعر یہ بھی ہیں ؎

شَہِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اِنَّہٗ رَسُوْلٌ مِّنَ اللہِ بَارِی النَّسَمْ
فَلَوْ مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِہٖ لَکُنْتُ وَزِیْرًا لَّہٗ وَابْنَ عَمّ

" میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم خالقِ مخلوقات خدا کے پیغمبر ہیں، پس اگر اُن کے وقت تک میری عمر پہنچی تو بیشک میں اُن کا چچازاد بھائی اور وزیر بنوں گا "

تبّع نے خط پر مُہر لگائی اور جانے والی جماعت میں جو شخص بڑا اور سردار تھا اُس کے حوالہ کیا نیز وصیّت کی کہ اگر نبی آخرالزّماںؐ کا زمانہ تم کو نصیب ہو تو میرا یہ عریضہ اُن کی خدمت میں پُہنچادینا ورنہ اپنی اولاد کے حوالہ کرنا اور یہی وصیّت کردینا جو میں تم کو کررہا ہوں اسی طرح

سلام

ملہ بسلسلہ نسلاً بعد نسل یہ خط امانت رہے اور جس کو بھی وہ مبارک وقت دیکھنا نصیب ہو اس
یہ کو حضور رسالت میں پیش کردے۔ تبع نے ایک متدین و متقی عالم کو اس مکان کا متولی بنایا
یدِ البشر کے لئے تیار کرایا تھا۔ چنانچہ انھیں کے اولاد میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ
ہیں کہ جنھوں نے یہ شرف حاصل کیا اور اللہ کے پیارے پیغمبرؐ کی اونٹنی انھیں کے اس مکان
سامنے بیٹھ گئی جو زمانہ گذرا کہ تبع نے اسی نیت سے تیار کرایا تھا اور یہ خوشی خوشی مہاجر
مبر کا اسباب اپنے گھر لے گئے۔ کہتے ہیں کہ شاہ تبع کا عریضہ اس وقت تک اُن کے پاس
جود تھا اور انھوں نے اپنی جدی وصیت کے موافق اُس خط کو حضورؐ میں پہنچایا۔ واللہ
لم بالصواب۔ البتہ اتنا پتہ اکثر روایتوں سے چلتا ہے کہ مدینۂ طیبہ میں جن لوگوں نے پیغمبرِ
خرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کی ہے وہ سب انھیں علماء کی اولاد میں سے تھے
راس شوق میں دُنیا کے مال ومتاع پر خاک ڈال کر اور تبع کی رفاقت چھوڑ کر اُس مبارک وقت
ے انتظار میں مدنی سرزمین پر آبسے تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ
ھا جس کا نیچے کا حصہ سیدُ البشرؐ نے اپنے لئے پسند فرمایا۔ اور ابو ایوبؓ مع اہل وعیال اوپر کے
کان میں سکونت پذیر ہوئے۔ انھوں نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر
قربان مجھے سب سے زیادہ تکلیف یہ ہے کہ آپ نیچے قیام فرماہیں اور میں بالاخانہ پر چڑھ کر بیٹھتا ہوں مگر
آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس مختلف لوگوں کی آمد ورفت بکثرت رہتی ہے اس لئے میں نہیں چاہتا
کہ تمھاری عیال کو نیچے مکان میں رہ کر ایذا ہو۔ غرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
مکان میں سات مہینے قیام فرمایا اور اس مدت میں اکثر حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ وغیرہ
مخلص صحابہؓ آپ کے لئے کھانا تیار کرا کے بھیجا کرتے تھے۔ حضرت ابوب ایوبؓ نے ایک مرتبہ آپ کے
لئے کھانا تیار کرایا جس میں لہسن بھی ڈالا۔ مگر آنحضرتؐ نے نوش نہیں فرمایا۔ اور صحابہؓ
سے کہا کہ تم کھالو، اگرچہ لہسن حرام نہیں ہے مگر مجھے کراہت آتی ہے کیونکہ مجھ کو اللہ تعالےٰ کے مقبول
فرشتے سے سرگوشی کا اتفاق ہوتا ہے اور میں اپنے رفیق کو اس کی بُو کے سبب ایذا دینی نہیں چاہتا
حضرت ابو ایوبؓ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد میں نے کبھی لہسن نہیں چکھا کیونکہ جو چیز میرے
محبوب کو ناپسند تھی وہ مجھ کو کیوں کر گوارا ہوسکتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ایوبؓ کے بالاخانہ پر پانی کا بھرا ہوا برتن ٹوٹ گیا اور پانی بہنے لگا تو انھوں
نے فوراً اپنے اوڑھنے کا لحاف اُس پر ڈال دیا اور اس اندیشہ سے تمام پانی جذب کر لیا کہ نیچے نہ گرے

اور حضرت کو تکلیف نہ ہو اگرچہ اس لحاف کے سوا ان کے پاس اوڑھنے کے لئے کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا مگر
اپنی تکلیف اس کی بہ نسبت بدرجہا بہتر تھی کہ حضرت کے غلاموں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے۔
مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد
حضرت ابو ایوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیالیس سال زندہ رہے
اور حضرت معاویہ رضی کے زمانۂ خلافت میں اسلامی لشکر کے ہمراہ قسطنطنیہ کے محاصرہ میں شریک ہوئے اور
۵۵ھ ہجری میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے۔

باب ۳۵

مسجد قبا اور مسجد نبوی

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچکر شہر کے کنارے محلہ قبا میں قیام فرمایا جہاں بنی عمر بن عوف آباد تھے۔ بارہ روز آپ کا یہاں قیام رہا اور یہاں کے مسلمانوں کی خواہش پر آپنے دست مبارک سے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور صحابہ رضی کے ہاتھوں اس کی تعمیر پوری ہوئی۔

چونکہ اس وقت قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اس لئے اسی سمت قبلہ قرار دے کر اس کی تعمیر کی گئی اور تحویلِ قبلہ کے بعد دوسری تعمیر میں بیت اللہ کی جانب قبلہ کا رُخ قرار پایا۔

مسجدِ قبا کی عظمت و جلالت کے لئے یہ شرف کافی ہے کہ اس کی بناء کے پتھر ڈھونے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے۔ یہی وہ مسجد ہے جس کی حق تعالٰے شانہٗ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے کہ " اے محمد بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہی زیادہ اس کے لائق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اور نماز پڑھو" اور اسی مسجد والوں کی مدح میں یہ مضمون وارد ہے کہ " اس میں ایسے لوگ ہیں جو کمال ستھرائی و پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالٰے صاف ستھرے بندوں سے محبت فرماتا ہے" اس آیت کے نازل ہونے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا سے دریافت فرمایا تھا کہ تمہاری وہ کونسی طہارت ہے جس کی تعریف حق تعالٰے نے فرمائی ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ہم ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے طہارت کرتے ہیں اور اس طرح کی صفائی کو پسند کرتے ہیں۔ یہ سنکر آپنے فرمایا کہ بے شک

ہے جس کی بدولت خداوندی تعریف کے مستحق ہوئے تم کو چاہیئے کہ اس نعمت کی قدر کرو، اور ستھرائی پر ہمیشہ کاربند رہو۔

مسجدِ قُبا نہایت سادی اور پرانے طرز کی بے تکلف تھی، لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی تجدید میں فی الجملہ زینت و آرائش کی اور پھر بوقتِ ضرورت ہمیشہ ملوک و اُمراء اس کی تجدید کرتے رہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز چاشت کے وقت قُبا سے جب شہر کی جانب کوچ فرمایا تو بنی سالم بن عوف کے قبیلہ تک پہنچنے پر جمعہ کی نماز کا وقت آگیا اور آپؐ نے یہیں قیام فرماکر نمازِ جمعہ ادا کی۔ اِس مبارک جگہ پر بعد میں مسجد بنادی گئی جس کا نام مسجدِ جمعہ مسجدِ عاتکہ اور مسجدِ وادی ہے۔ اِس مسجد کا طول شمالاً جنوباً ۲۱ گز اور عرض شرقاً غرباً ساڑھے سولہ گز ہے۔ اس کے غربی جانب قبیلۂ بنی سالم کے مکانات تھے جن کے نشان اب تک نظر آتے ہیں اور ان دیکھ کر اسلام کا وہ پہلا زمانہ یاد آجاتا ہے جب کہ ان کے رہنے والے خوش نصیب لوگوں کو دولتِ زیارتِ رسولؐ سے مالا مال ہونے کا اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا گھر یہیں تھا اور انھوں نے حضرت سے یہیں قیام فرمانے کی درخواست بھی کی مگر آپ نے جواب دیا کہ میری اونٹنی مامور ہے جہاں ٹھہرنا میرے لئے خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے یہ وہیں ٹھہرے گی چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ مدینہ میں داخل ہوکر جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی جہاں مسجدِ نبوی کا اب ممبر واقع ہے اور اس کے قریب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر آپ نے قیام فرمالیا تو ابو رافع اور زید بن حارثہ کو پانسو۵۰۰ درہم اور دو۲ اونٹ دے کر مکہ روانہ کیا تاکہ فاطمہ زہراء اور اُم کلثوم اور اُم المومنین حضرت سودہ اور زید بن حارثہ کی بیوی حضرت اُم ایمن اور اُن کے صاحبزادے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو مدینہ لے آویں اور انھیں قاصدوں کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ روانہ ہوئے تاکہ حضرت صدیق رضؓ کے اہل و عیال یعنی دونوں صاحبزادیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ اور صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اور بی بی اُم رومان کو لے آویں۔ چنانچہ تینوں پیک مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور اُن کو بخیر و عافیت مدینہ طیبہ میں لے آئے اس وقت حضرت عائشہؓ جن کی عمر نو برس کی تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آچکی تھیں مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی ہجرت کے سات مہینے بعد رخصتی ہوئی اور ایک پیالہ دودھ کا ولیمہ ہوا جس کے چند گھونٹ حضرت نے پی کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا۔ جس جگہ رسولِ مقبول

صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ چکر لگا کر بیٹھی تھی وہ سہل و سہیل نامی دو یتیم بچوں کا خرمنِ تمر تھا اور اسی جگہ حضور
کے تشریف لانے قبل لوگ نماز پڑھا کرتے تھے یہ دونوں یتیم بچے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ
زیر تربیت تھے۔ جب اس قطعہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے لئے منتخب فرمایا تو حضرت
معاذ رضہ نے عرض کیا کہ میں بچوں کو خاطر خواہ معاوضہ دے کر راضی کر دوں گا آپ اس کو مسجد بنائیں
چنانچہ آپ نے منظور فرمایا اور مسجد کی بنا ڈالی۔ منقول ہے کہ ایک انصاری نے اس کے علاوہ ایک نخلستان
بھی اپنے مال میں سے یتیم بچوں کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد آپ مسجد کی تعمیر میں مشغول ہوئے چونکہ
قطعہ میں کچھ کھجور کے درخت اور کسی زمانہ میں چند یہود کی قبریں واقع تھیں اس لئے اول زمین
ہموار بنایا اور نشیب و فراز کو برابر کیا اور جس قدر درخت بے موقع تھے سب کو اکھاڑ پھینکا
جنت البقیع میں جو جگہ بیر ابوب کے نام سے موسوم تھی کچی اینٹیں بنانے کے لئے تجویز ہوئی اور انصار
و مہاجرین کے ساتھ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اور اینٹیں ڈھونی شروع کیں سب سے پہلے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اینٹ اپنے دست مبارک سے نیو میں رکھی اور پھر آپ کے
سے دوسری اینٹ اسی کے برابر حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے رکھی اور ان کے بعد تیسری اینٹ حضرت عمر فاروق
نے اور چوتھی حضرت عثمان غنی رضہ نے رکھی اور پھر عام طور پر لوگ اینٹیں ڈھو ڈھو کر لاتے اور بنیاد در
ردے رکھتے رہے یہاں تک کہ سات گز اونچی اور شمالاً جنوباً چون گز چوڑی اور شرقاً غرباً ستر گز
مسجد تعمیر ہو گئی جس میں نقش و نگار اور تکلف و آرائش کا بالکل نام بھی نہ تھا اس مسجد کی صورت سے
سادگی برستی تھی جس کی نظیر اب ملنی مشکل ہے، نہ اس میں ممبر تھا نہ محراب، ایک چار دیواری کچی اینٹ
کی بنی ہوئی تھی جس کے ستون کھجور کے بٹھوں اور تنوں کے جہاں ضرورت سمجھی قائم کر دیئے گئے تھے
ہی کی چھت پاٹ دی اور اس پر مٹی ڈال دی گئی کہ جب بارش ہوتی تو چھت کی مٹی نمازیوں
سروں پر گرتی اور کبھی کبھی زمین اتنی بھیگ جاتی تھی کہ سجدہ میں پیشانی پر اس کا اثر آجاتا تھا۔
مسجدِ نبوی کی اس پہلی بنا کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اور سولہ سترہ مہینے تک اسی
طرف رہا۔ کھجور کے ایک ستون سے لگ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے اور صف
میں کھڑے ہو کر امامت فرماتے تھے، اس وقت مسجدِ نبوی کے تین دروازے تھے یعنی ایک دروازہ
بائیں جانب تھا جدھر اب قبلہ ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی طرف تھا جس کا نام اب بابِ الرحمۃ
ہے اور تیسرا دروازہ جدھر سے حضرت تشریف لایا کرتے تھے، باب آلِ عثمان تھا جسے اب بابِ جبرئیل
ہیں یعنی محراب تہجد کے قریب اور جب قبلہ بیت المقدس منسوخ ہو کر کعبہ قرار پایا تو جبرئیل

نے یہاں سے بیت اللہ تک جس قدر حجاب درمیان میں واقع تھے سب اُٹھا دیئے اور میزابِ کعبہ کی سمت پر مسجدِ نبوی کی بنا درست کی گئی۔ قبلہ کی تبدیل کے بعد چودہ پندرہ دن تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطوانہ مخلق کے پیچھے نماز ادا فرمائی جس کو اب اسطوانہ عائشہ کہتے ہیں اور اس کے بعد آپ کا قیام اُس جگہ معیّن ہوگیا جہاں اِس وقت محراب بنی ہوئی ہے۔ پھر ۷ھ ہجری میں خیبر کی فتح کے بعد مسجدِ نبوی کی ازسرِنو تعمیر ہوئی اور اس مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ؐ کی خواہش کے موافق وہ مکان دس ہزار درہم میں خرید کر مسجد کی وُسعت بڑھانے کو وقف کر دیا، جو مسجد شریف کے زیرِ سایہ ایک غریب انصاری کا واقع تھا اور وہ اپنی غربت و عیالداری کے سبب مفت نہ دے سکتے تھے۔ اس وقت مسجدِ نبوی کا عرض و طول سو سو گز ہوگیا تھا۔ تحویلِ قبلہ کے بعد نماز کا رُخ جب بیت اللہ کی جانب ہوگیا تو قبلۂ اوّل کا احاطہ اسی حال پر اس غرض سے چھوڑ دیا گیا کہ فقرا و مساکین جن کے گھر بار نہیں ہیں وہاں رہیں اور جو طالبِ دین مہمان آئیں وہ اِس جگہ قیام کریں، یہ سایہ دار جگہ صُفّہ کہلاتی تھی اور جو مساکین طالبِ دین متوکل و زاہد صحابہؓ یہاں پڑے رہتے تھے اُن کو اصحابِ صُفّہ کہتے ہیں۔ گویا سُلطانِ دین کی یہ خانقاہ تھی جن میں وہ عبادت گذار طالب مقیم تھے جن کو نہ نکاح کی استطاعت تھی نہ کمانے یا تجارت و زراعت وغیرہ میں مشغول ہو سکتے تھے۔ غرض علمِ فقہ اور دینِ اسلام کی طلب میں اُنھوں نے اپنے نفس کو وقف کر رکھا تھا۔ کیا عجب ہے کہ "صُوفی" کا لفظ اِسی "صُفّہ" سے مشتق ہو، جس کے زاویہ نشین موت یا مسافرت یا تزوّج و خانہ داری کے سبب کم و بیش ہوتے رہتے تھے بعض محققین نے سو حضرات سے زیادہ اہلِ صُفّہ کے نام گنوائے ہیں جن میں حضرت ابوہریرہؓ مشہور صحابی بھی شامل ہیں، جو سیکڑوں حدیثِ نبوی کے ناقل ہیں اور جنگِ خیبر میں مسلمان ہو کر اہلِ صُفّہ میں شریک ہوئے تھے اصحابِ صفہ بھوک کے سبب اکثر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پڑ جاتے اور یہ حالت ہوتی تھی کہ دیکھنے والے ان کو دیوانہ و مجنون سمجھتے تھے۔ حضرت ؐ اکثر انھیں شکستہ دلوں کے پاس بیٹھتے، تسلّی دے کر صبر و قناعت کی تلقین فرماتے اور کبھی کبھی ایک ایک دو دو کو اغنیائے صحابہؓ کے حوالہ فرما دیتے تھے تاکہ اُن کو مہمان بنالیں اور جو باقی رہتے تھے اُن کو اپنے ساتھ شریکِ طعام فرما لیتے تھے۔ جو کچھ صدقات آتے تھے وہ سب اِنھیں مہمانانِ مسلمین پر تقسیم ہوتے تھے۔ مسجدِ نبوی کے دو ستونوں میں ایک رسّی بندھی رہتی تھی جو صرف اِس غرض سے تھی کہ اہلِ باغات کھجور کے خوشے لائیں تو اُس میں لٹکا جائیں اور جب وہ پختہ ہو کر کار آمد ہو جاتے تھے تو اصحابِ صفہ

کو نیچے بٹھا کر خوشوں کو لکڑی سے جھاڑ دیتے تھے تاکہ بے تکلف کھائیں۔ اہلِ صُفہ میں کسی کے پاس سوا ایک ازار کے اور وہ بھی آدھی پنڈلی تک، دوسرا کوئی کپڑا پہننے کو نہ تھا۔ مسجد میں جاتے وقت اسی کو ازار دگردسے سمیٹ لیتے تھے تاکہ سترنہ کھل جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر پیٹ سے پتھر باندھ لیتا اور کبھی بیہوش ہو ہوجاتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی حالت میں پریشان ہو کر رہ گذر میں جا بیٹھا اور حضرت صدیق رضؓ کو آتے دیکھ کر ان کو اپنی طرف توجہ دلانے کی غرض سے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی۔ اُنھوں نے التفات نہ فرمایا اور چلے گئے۔ ان کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا حال دیکھ کر تبسم فرمانے لگے اور کہا کہ ابوہریرہ! میں نے عرض کیا کہ لبیک یا رسول اللہؐ آپؐ نے فرمایا کہ اِدھر آؤ۔ چنانچہ میں آپؐ کے پیچھے حجرہ مُبارک تک پہنچا، دیکھا کہ کوئی شخص حضرتؐ کے لئے ایک پیالہ دُودھ ہدیۃً لایا تھا وہ رکھا ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ اصحاب صُفہ کو بُلا لاؤ! میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دُودھ ہی کتنا ہے جو اہل صُفہ بُلائے گئے اگر مجھ ہی کو مرحمت ہوجاتا تو پی کر سیر تو ہوجاتا۔ مگر حکم کی تعمیل ضرور تھی اس لئے فوراً گیا اور سب کو بُلا لایا۔ جب وہ آگئے تو حضرت نے فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ! دودھ کا پیالہ اُٹھاؤ اور ان کو پلاؤ۔ میں نے قدح اُٹھایا اور ہر ایک کو پلانا شروع کیا۔ اُن میں سے ہر شخص سیر ہو گیا اور دُودھ میں سے ایک قطرہ بھی کم ہوتا نہ معلوم ہوتا۔ میں حیران ہوا اور حضرتؐ نے تبسم فرما کر کہا کہ اب فقط ہم اور تم باقی رہے، بیٹھ جاؤ، جتنی بھوک ہو پہلے تم پی لو چنانچہ میں نے خوب ہی سیر ہو کر پیا اور جو کچھ بچا وہ حضورؐ کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور جتنا دُودھ قدح میں باقی تھا نوش فرمایا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنا کے وقت دُو حجروں کی بنا ڈالی تھی کیونکہ اس وقت آپ کی دُو ہی بیبیاں تھیں ایک حضرت سودہ اور دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما۔ اس کے بعد جتنی ازواج مطہرات بڑھتی گئیں، ہر ایک کے واسطے ایک ایک حجرہ تیار ہو گیا کیونکہ مسجد نبوی کے قریب کئی گھر حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے واقع تھے وہ سب چند روز بعد اُنھوں نے سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نذر کر دیئے تھے یہ گھر عربی رواج کے موافق کھجور کی شاخوں کے تھے جن کو کملی سے ڈھانپ دیا تھا اور دروازوں پر کمل کے پردے لٹکتے تھے جتنے بھی گھر تھے سب قبلہ اور مشرق کی جانب واقع تھے جانبِ غرب کوئی گھر نہ تھا اور بعضے گھر کچی اینٹ کے بھی بنے ہوتے تھے مگر ہر گھر کے اندر کھجور کی شاخوں کا بنا ہوا ایک حجرہ ضرور تھا جس پر کہگل کی ہوئی تھی۔ آپؐ کے

کے گھروں کے دروازے مسجد کی جانب واقع تھے اور چھت کی بلندی قدِ آدم سے صرف ایک ہاتھ اونچی تھی۔ حضرت فاطمہؓ کا حجرہ اسی جگہ تھا جہاں اب اُن کی قبر کی صورت بنی ہوئی ہے اور حضرت سیدہ کے حجرہ اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ کے درمیان جو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا حجرہ کہلاتا تھا۔ ایک کھڑکی تھی اکثر اوقات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی کھڑکی کی راہ سے تشریف لایا کرتے اور جب آتے تھے تو حضرت حسنینؓ کی خیریت پُوچھتے تھے۔ جب کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو کر دُو رکعت نماز ادا فرماتے اور حضرت زہراؓ کے گھر تشریف لیجاتے اور سب کی خیریت دریافت فرما کر ازواجِ مطہرات کے حجرات میں رونق افروز ہوتے تھے +

باب ۳۵ — سنہ ۱ نبوی

عبد اللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ کا اسلام

جس دن آپ مدینہ منورہ میں تشریف لائے، آزاد و غلام چھوٹے اور بڑے مرد اور عورت خوشی کے مارے پُھولے نہ سماتے اور ایک دوسرے سے مبارکباد کے طور پر کہتے پھرتے تھے کہ جَآءَ نَبِیُّ اللّٰہِ، جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ یعنی (اللہ کے نبی تشریف لے آئے، رسول اللہ تشریف لے آئے) حبشی مرد اپنی عادت کے موافق نیزہ بازی اور بہادرانہ کرتب دکھانے لگے اُس وقت حضرت انسؓ کی عمر نو برس کی تھی وہ فرماتے ہیں مجھے وہ دن خوب یاد ہے کہ آپ کے نور سے مدینہ کی در و دیوار اس طرح روشن ہو گئی تھیں جس طرح آفتاب کے طلوع ہوتے وقت زمین روشن ہو جاتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو بالکل خاموش تھے اور حضرت صدیقؓ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور چونکہ دونوں کا لباس یکساں تھا اس لئے ناواقف لوگوں کو اشتباہ ہوتا تھا یہاں تک کہ بعض تو حضرت ابو بکرؓ ہی کو پیغمبر سمجھے لیکن حضرت صدیقؓ نے جب فراست سے معلوم کیا اور کچھ دھوپ بھی آگئی تھی تو اپنی چادر اُٹھا کر حضرتؐ پر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے جس سے سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ بادشاہ ہیں اور یہ اُن کے وزیر۔ غرض لوگ جوق در جوق آنے شروع ہوئے حضرتؐ کی زیارت اور بیعت سے انصار کا قبیلہ مالا مال ہونے لگا۔ یہود کو انصار سے تو حسد تھا ہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عداوت پیدا ہو گئی چنانچہ امّ المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی جو جنگِ خیبر میں اسلام لائی تھیں فرماتی ہیں کہ میرے باپ حیی اور چچا یاسر دونوں توریت کے عالم تھے اور دونوں کو مجھ سے کمال محبت تھی۔ جس دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تھے یہ دونوں بھائی تمام دن لوگوں کے خیالات لیتے پھرے اور شام کو تھکے ماندے گھر آپڑے اُس وقت میں

پاس گئی اور حال پوچھا تو دونوں نے تکان کے سبب شافی جواب نہ دیا۔ میں ایک جانب ہو بیٹھی اُت
میں چچا نے میرے باپ سے عربی زبان میں پوچھا "کیا یہ وُہی ہیں؟" میرے باپ نے جواب دیا کہ "بیشک خدا
کی قسم وُہی ہیں"۔ پھر چچا نے کہا کہ "تمھارا کیا خیال ہے؟" میرے باپ نے کہا کہ "واللہ عداوت۔ اور جب تک
بھی زندہ رہوں گا عداوت سے باز نہ آؤں گا"۔ چنانچہ ایمان سے محروم رہے اور یوں ہی دُنیا سے اُٹھ گئے۔
ایک زمانہ وہ تھا کہ یہودیوں کا انصار سے کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو کہا کرتے تھے کہ چند روز صبر کرو
اب نبیِ آخر الزّماں پیدا ہونے والے ہیں ہم اُن پر سب سے پہلے ایمان لادیں گے اور اُن کے ساتھی ہو کر تمھارا
بیج بھی باقی نہ چھوڑیں گے" اور آج جب کہ وہ وقت آنکھوں سے نظر آیا تو معاملہ برعکس ہو گیا کہ نعمت
انصار کے ہاتھ آئی اور یہود بجز چند نفوس کے سب محروم رہے۔
حضرت عبد اللہ بن سلام اپنے مذہب کے بڑے عالم اور علماء میں مقتدا سمجھے جاتے تھے۔ اپنے
باغ میں اپنی پھوپھی خالدہ بنت الحارث کے ساتھ کاشت کے شغل میں مشغول تھے کہ حضرتؐ کے
قُبا میں تشریف لانے کی خبر سُنی تو بے اختیار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پھوپھی سے کہا کہ مبارک ہو وہ پیغمبر
جن کا مدت سے انتظار تھا۔ اس کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے اور سوال کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو میرے تین
سوالات کا جواب دیجئے: اوّل یہ کہ جنّت میں پہلی غذا کیا ہوگی؟ دوم یہ کہ قیامت کی اوّل نشانی کیا ہے
اور سوم یہ کہ نوزائیدہ بچہ کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی باپ کے، سو اس کی وجہ کیا ہے
آپؐ نے جواب دیا کہ "اہلِ جنّت کی پہلی غذا اُس مچھلی کا جگر گوشہ ہے جس پر زمین قائم ہے اور قیامت
کی اوّل علامت وہ آگ ہے جو ظاہر ہو کر لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک لیجائے گی اور تیسرے
جب باپ کا غالب ہوتا ہے تو بچہ میں مشابہت باپ سے ہوتی ہے اور ماں کا غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے
مشابہ ہوتا ہے"۔ یہ سُنکر حضرت عبد اللہ نے ایمان لانے میں تامّل نہ کیا اور فوراً کلمۂ شہادت پڑھ لیا کیونکہ
سمجھتے تھے کہ یہ جواب بجز نبی کے دوسرا نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد گھر آئے اور اہلِ خانہ کو مسلمان
بنایا چنانچہ ان کی پھوپھی حضرت خالدہ بھی ایمان لائیں اور بڑی پختہ و ثابت قدم ثابت ہوئیں۔ حضرت
عبد اللہ بن سلامؓ نے بیعت کرنے کے بعد حضرتؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرا اسلام ظاہر ہونے سے
قبل میری قوم سے میرا حال دریافت فرمالیجئے کہ وہ مجھ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرتؐ نے
یہودیوں کو بُلا کر فرمایا کہ "اے گروہِ یہود! تم خوب پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں مگر تمھاری عقلوں
پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اچھا بتاؤ کہ عبد اللہ بن سلام کیسا شخص ہے اور اُس کے متعلق تمھارا کیا
خیال ہے؟" یہود نے کہا کہ وہ ہمارا سردار ہے، سردار کا بیٹا ہے، بڑا عالم ہے اور بڑے عالم کا

بیا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ "اگر وہ مجھ پر ایمان لے آئے تو یقین کرو گے؟" یہود نے جواب دیا کہ اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ تم پر کبھی ایمان لائیں۔ حضرت عبداللہ جو وہیں چھپے ہوئے یہ گفتگو سن رہے تھے فوراً باہر نکل آئے اور کہا کہ: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اے گروہِ یہود! واللہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ وہی رسول ہیں جن کا ذکر توریت میں ہے۔ یہود یہ سنکر وہاں سے اُٹھے اور کہا کہ عبداللہ بُرا شخص ہے، بُرے کا بیٹا ہے، جاہل ہے اور بڑے جاہل کا بیٹا ہے۔

اسی سال حضرت سلمانؓ اسلام لائے جو ملک فارس کے شہر رام ہرمز کے باشندے اور اوّل مجوسی المذہب تھے فطری ہدایت سے آگ کی پرستش اُن کو مکروہ معلوم ہوئی اور حق کے متلاشی رہتے تھے ان کا باپ خشنان نامی بڑا مالدار زمیندار تھا اور ان سے بہت محبّت رکھتا اور زمینداری کا کام انہیں کے حوالہ کر دیا تھا۔ ایک بار یہ اپنے کھیت پر جا رہے تھے کہ راہ میں گرجا سے انجیل پڑھنے کی آواز آئی اور اس سے مانوس ہو کر انھوں نے وہاں آمدورفت شروع کی چونکہ سچے دین کی تلاش میں سرگرداں پھرتے تھے آخر نصرانی ہوئے اور ناوقت مکان پر آنے لگے۔ باپ کو اس کی فکر ہوئی اور جب معلوم ہوا کہ سلمان نے مذہب تبدیل کر دیا تو بہت جھلّایا اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا۔ حضرت سلمانؓ موقع پا کر نکل کھڑے ہوئے اور قافلہ کے ساتھ ملک شام کا راستہ لیا وہاں مدّت تک ایک نصرانی عالم کی خدمت میں رہے اور جب اُس کا وقتِ اخیر قریب پہنچا تو اُس نے سلمان کو وصیّت کی کہ شہر موصل کے گرجا میں جو پادری رہتا ہے اُس کی صحبت سے فیض اُٹھانا۔ آخر یہ موصل آئے اور اس کے انتقال پر شہر نصیبین کے پادری کی خدمت کی اور اس کی وفات پر شہر عموریہ میں اسقف کے پاس رہے اور جب اُس کا بھی انتقال ہونے لگا تو انھوں نے حسرت کے ساتھ دریافت کیا کہ اب بتائیے کہاں جاؤں اور کس کے پاس زندگی گذاروں؟ اسقف نے جواب دیا کہ اے طالبِ حق! میری نظر میں کوئی شخص نہیں جس کے سپرد تم کو کر جاؤں، بہتر ہے کہ اب مُلکِ عرب میں چلے جاؤ اور نبی آخر الزمان کے منتظر رہو جو جلد آنے والے اور ملّتِ ابراہیمی کو روشن کرنے والے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلمان اسقف کی وفات کے بعد ایک قافلہ کے ساتھ عرب کی طرف روانہ ہو گئے مگر افسوس کہ رُفقائے سفر نے اُن کے ساتھ خیانت کی اور اُن کو بیکس و تنہا پا کر اپنا غلام بنا لیا اسی طرح دس نفر سے زیادہ کے ہاتھ یکے بعد دیگرے فروخت ہوئے اور آخر وادیِ قریٰ میں عثمان اشہل نامی یہودی کے زرخرید بنے مگر چونکہ متعدد علماء کی صحبت اور کتب بینی سے معلوم کر چکے تھے کہ یثرب

آپ کی ہجرت کی جگہ ہے اس لئے مدینہ میں پہنچ جانے کو بسا غنیمت سمجھا چنانچہ جب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور چار طرف اِس کا چرچا ہوا تو عثمان یہودی نے کہا کہ خزرج کی قوم تباہ ہوئی انھیں کیا ہو گیا کہ ایک لڑکے پر جمع ہو کر اُس کو نبی کہنے لگے۔ یہ کلمات سُن کر حضرت سلمان رضی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کوئی چیز صدقہ کی صورت میں پیش کی۔ آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھ پر صدقہ کا مال حرام ہے۔ اگلے دن سلمان پھر آئے اور کوئی چیز ہدیہ کی صورت میں پیش کی جس کو آپ نے قبول فرما لیا۔ اِس کے بعد انھوں نے پُشت مُبارک پر مُہرِ نبوت بھی دیکھی اور چونکہ علمائے یہود ونصاریٰ سے یہی تین علامتیں سُنے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں صدقہ قبول نہ فرماویں گے اور ہدیہ لے لیں گے اور پشت پر مُہرِ نبوت ہو گی۔ اِس لئے کلمۂ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہوئے اُس وقت اُن کی عمر ڈھائی سو برس سے زیادہ تھی اور سب طلبِ دینِ حق ہی میں گذری تھی چونکہ عثمان اشہلی کے غلام تھے اِس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آزادی کی فکر کرو اور عثمان کو کچھ دے دِلا کر یکسو ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے عثمان سے اِس کی درخواست کی اور عثمان نے چالیس اوقیہ سونے پر کہ یہاں کی تول سے کچھ اوپر سوا سیر ہوتا ہے ان کو مکاتب بنا دیا اور یہ شرط بھی لگائی کہ تین سو درخت چھوارے کے لگا دیں اور جب وہ بار آور ہوں تب آزاد ہو۔ حضرت سلمان رضی میں کہاں طاقت تھی کہ اتنی کثیر رقم جو اس وقت کے نرخ سے ڈھائی ہزار روپیہ ہوتی ہے ادا بھی کریں اور تین سو درختوں کی خدمت و کاشت کر کے اُن کے بار آور ہونے تک پھر غلام بنے رہیں مگر حق تعالیٰ کو گوارا نہ تھا کہ اپنے رسول کا غلام کسی یہودی کا غلام بنا رہے اِس لئے جس سال حضرت سلمان رضی نے تین سو درخت اپنے دست مبارک سے لگائے وہ سب اُسی سال بار آور ہو گئے اور مالِ غنیمت میں سے بقدر ایک بیضہ سونا آیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمایا کہ جاؤ اُس کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ چونکہ یہ مقدار مقررہ کتابت سے بہت کم معلوم ہوتی تھی اِس لئے حضرت سلمان رضی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آزاد ہونے کو چالیس اوقیہ سونا چاہیئے۔ یہ بیضہ کیا کفایت کریگا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک اس بیضہ پر پھیر دی اور دُعائے برکت فرما کر پھر کہا کہ جاؤ اِس کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ حضرت سلمان رضی کہتے ہیں کہ یہ ارشاد سُن کر میں عثمان کے پاس اُس کو لے گیا اور وزن کیا تو پورا چالیس اوقیہ تھا نہ زیادہ نہ کم۔ غرض حضرت سلمان رضی فارسی آزاد ہو گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔ یہی ہیں جن کی پُشت پر ہاتھ رکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر دین ثریا پر بھی ہوتا تو اُن کی نسل میں سے

شخص اُس کو وہاں بھی حاصل کرتا چنانچہ اِس بشارت کے مصداق امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہے جو اسی نسل میں ہیں۔ آپ وفاتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بائیس۲۲ سال حیات رہے اور بعہدِ خلافتِ عثمان ۳۳ھ میں وصال فرمایا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٭

باب ۳۶

ابو امامہؓ کی وفات اور اذان کی مشروعیت

مسجدِ نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی کہ مسلمانانِ مدینہ کے سربرآوردہ صحابہؓ میں حضرت اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ نے دفعۃً وفات پائی۔ اِن کی کنیت ابو امامہ تھی۔ اور اپنی قوم بنی نجار یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال کے نقیب اور سردار تھے۔ اچانک مرض میں اُن کے انتقال پانے سے سب کو صدمہ تھا۔ اِس پر طرّہ یہ ہوا کہ یہود نے اِس کو اسلام کی نحوست بتلایا اور نبوتِ محمدیہ پر یہ کہہ کر حملہ کیا کہ اگر محمدؐ بن عبد اللہ سچے نبی ہوتے تو اُن کے رفیق و معتقد انصاری کو موت نہ آتی۔ کوئی قوم اور کوئی شخص خواہ کسی مذہب کا بھی ہو اپنے مذہب کی حقّانیت کسی کے مرنے یا نہ مرنے پر نہیں رکھ سکتا۔ مگر انسان کی طبیعت جب دشمنی و نفرت سے بھر جاتی ہے تو خلافِ عقل بات کہنے میں بھی اس کو تامل نہیں ہوتا اور نبوت کے ماننے والے اہلِ کتاب کی آنکھیں بھی ایسی اندھی ہو جاتی ہیں کہ وہ نبوت کے مقاصد و اغراض اور ثمرات و نتائج سے غافل ہو کر کسی کا مرنا نبوت کے خلاف اور خوش حال و متموّل ہونا نبوت کی علامت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طعن کو سُن کر ضبط کیا اور بجز اس کے کچھ جواب نہ دیا کہ "ہاں ابو امامہ کا مرنا یہود کے لئے تو مبارک نہیں ہوا کہ کلماتِ کفر اُن کی زبان سے نکلنے لگے اور میں تو ابو امامہ کو کیا اپنے نفس کو بھی وقت آجانے پر موت سے نہیں بچا سکتا۔" اِن کلمات سے آپؐ نے ظاہر فرما دیا کہ مرنے یا نہ مرنے کو نبوت کے حق و باطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ نبی کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے لئے یا اپنے معتقدین کے لئے دُنیا میں دائمی زندگی لے کر آئے چنانچہ عقل اور تجربہ بھی اِس پر گواہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی قوتِ قدسیہ نے جو درحقیقت آپ کی نبوتِ حقّہ کی علامتِ قویّہ تھی آپ کے صحابہؓ کو بھی اس سے مطلق متاثر نہ ہونے دیا اور بنی نجار نے بجائے اس کے کہ اس صدمہ سے مضمحل یا یہودی طعن سے ضعیف الاعتقاد بنتے۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کو

معلوم ہے ابو امامہ کا ہم میں کیا رتبہ تھا اور وہ قومی چودھری بن کر باہمی نزاع کا فیصلہ کیا کرتے تھے اُن کے جان بحق تسلیم ہونے پر بجائے اِس کے کہ ہم خود انتخاب کریں یوں چاہتے ہیں کہ ہمارا نقیب آپ منتخب فرمادیں تاکہ اُس کو اپنا سردار سمجھیں اور اس سے قومی معاملات کا تصفیہ کرالیا کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دیں اِس لئے ارشاد فرمایا کہ تمھارا نقیب میں ہوں اور تمھاری جو خدمت ابوامامہ انجام دیا کرتے تھے آج سے میں انجام دوں گا۔ چنانچہ بنی نجار خوشی خوشی واپس ہوگئے اور ہمیشہ اِس پر ناز کرتے رہے کہ ہر قوم کا نقیب اسی میں سے ایک ہوتا ہے اور ہمارے نقیب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے پر مسلمانوں کو چونکہ امن اور اطمینان کی جگہ مِل گئی اِس لئے اِدھر اُدھر ہجرت کرجانے والے صحابہ بھی اطلاع پاکر یہاں آنے لگے اور مذہب اسلام کو دن بدن مضبوطی و استحکام حاصل ہونے لگا۔ اِس وقت مدینہ کے عام کنویں کھاری تھے صرف ایک بیرِ رُومہ کا پانی شیریں تھا مگر اُس کا مالک ایک یہودی تھا جو پانی فروخت کرتا اور بلا قیمت کسی کو پانی بھرنے کی اجازت نہ دیتا تھا اِس وجہ سے مسلمانوں کو نادار و مفلس ہونے کی وجہ سے پانی کی سخت تکلیف تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ "جو شخص بیرِ رُومہ کو خرید کر مسلمانوں کے ڈول اُس میں جاری کرادے اُس کے لئے جنّت ہے"۔ یہ نعمت چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں تھی اس لئے انھوں نے خاص اپنے مال سے بیرِ رومہ کو خریدا اور وقف کردیا کہ جس کا جی چاہے پانی بھرے فَجَزَاہُ اللّٰہُ عَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

جن ایام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ میں تشریف لائے بخار کی وَبا مدینہ میں پھیلی ہوئی تھی اور بہت کم لوگ مرض سے محفوظ تھے نو وارد مسلمانوں یعنی مہاجرین کے لئے یہ بھی ایک بڑا امتحان تھا کہ کافروں کی دست درازی سے بچ کر یہاں آئے تو بخار کی تکلیفوں میں مُبتلا ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بخار سے بالکل محفوظ رہے۔ باقی کم و بیش اکثر صحابہؓ مبتلا ہوئے اور ایسا شدید بخار چڑھا کہ ہذیان ہو ہو جاتا اور بدقّت مسجد میں آتے بھی تو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متاسّف ہوئے اور دُعا کی کہ "بارِ الٰہا! اپنی فرماں بردار جماعت کو دل برداشتہ مت بنا تو مدینہ کی محبّت اِن کے دلوں میں مکّہ سے زیادہ پیدا کردے۔ یہاں کے مُد اور صَاع میں برکت عطا فرما اور وَبا کا مُنہ جُحفہ کی جانب پھیر دے"۔ چنانچہ آپؐ کی دُعا قبول ہوئی اور مدینہ ہر قسم کی

ے پاک صاف ہو کر مہاجرین کا گویا محبوب و مالوف بن گیا۔
ہجرت سے قبل نمازِ پنجگانہ میں ظہر و عصر و عشار کی دُو دُو رکعتیں فرض تھیں اسی سال ہجرت کے ایک ماہ
دُوگانی نمازیں وطن میں قیام کے وقت چار چار رکعتیں ہوئیں اور حالتِ سفر میں بدستور دُو دو ہیں
نماز کے لئے ایک وقت میں سارے مسلمانوں کے یکجا جمع ہونے کی صورت زیرِ تجویز تھی کہ کیا ہو
لئے صحابہؓ محض اٹکل اور تخمینہ سے مجتمع ہونے کی کوشش کرتے اور وقت پر مسجد میں حاضر ہوتے
گر بھی سب کا تخمین موافق نہ ہوتا اور بعض حضرات رہ جاتے تھے اِس لئے رائے ہوئی کہ ہر نماز
وقت بگل بجایا جائے کہ اس کی آواز سُن کر سب آجایا کریں مگر نصاریٰ کی مشابہت ہونے کے سبب
ب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صورت پسند نہ آئی۔ بعض کی رائے ہوئی کہ نماز کے وقت
ی جگہ پر آگ سُلگا دی جایا کرے جس سے سب کو خبر ہو جائے کہ جماعت تیار ہے مگر اس میں بھی
ں کی مشابہت تھی اِس لئے گوارا نہ ہوئی۔ بعض کی رائے ہوئی کہ سنکھ کی شکل پر بوق بنوا
جائے کہ اُس کی آواز سُنکر نمازی اکٹھے ہو جایا کریں مگر بوق کا رواج یہود میں تھا۔ اس لئے
اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی خوش نہ آیا۔ صحابہؓ اسی تجویز اور خیال میں تھے کہ
ضرت عبد اللہ بن زید کو خواب میں اِن کلمات کی تعلیم دی گئی جو اَب تک اذان میں پکارے
تے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ رات میں نے
راب میں دیکھا کہ دُو سبز کپڑے پہنے ہوئے ایک شخص جا رہا ہے اور اُس کے ہاتھ میں ناقوس ہے
ونکہ نماز کی اطلاع کے لئے زیرِ تجویز مسئلہ کا مجھے خیال تھا اِس لئے میں نے اُس سے دریافت کیا کہ
لیا ناقوس بیچنا چاہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ اس کی آواز سے لوگوں کو نماز
کی طرف بلائیں گے۔ یہ سُن کر اس شخص نے مجھ سے کہا کہ اے عبد اللہ کہو تو اس سے بہتر صورت بتاؤ
جس سے نماز کی اطلاع عام ہو جائے اور اس کے بعد یہ کلمات کہے۔ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ الخ"
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھاری خواب سچی ہے۔ بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ
اور اُن کو یہ کلمات تلقین کرو کہ تم بتاتے جاؤ اور وہ اذان دیں کیونکہ اُن کی آواز بلند ہے
اور دُور تک پہنچ سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت بلال رضؓ بلائے گئے اور اُنھوں نے حضرت عبد اللہ
کی تعلیم پر بآوازِ بلند اذان دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اذان سُنی تو جوشِ مسرت میں
چادر گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھ کو خواب میں یہی کلمات
تعلیم ہوئے تھے مگر لحاظ سے عرض نہ کر سکا۔

باب ۳۷ سنہ ۲ھ

نبوی سیاست اور جہاد کی اجازت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی کا برتاؤ رکھا۔ اُن کو مذہبی معاملات میں آزاد بنایا اور کسی قسم کی دست اندازی گوارا نہیں فرمائی بلکہ ان کو ایک تحریری سند بھی عطا فرمائی جس نے ثابت کر دیا کہ انسانی حقوق کی بھی حفاظت نبی سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا۔ مگر یہودیوں نے آپؐ کی قدر نہ جانی اور دشمنی سے باز نہ آئے۔ سند کے مضمون میں یہ بھی تھا کہ "جو یہودی ہم مسلمانوں کا شریکِ حال رہے گا وہ کل مصیبتوں اور ذلتوں سے محفوظ رکھا جائے گا اُس کے حقوق مسلمانوں کے حقوق کی برابر ہوں گے۔ یہ لوگ اپنے مذہب میں مسلمانوں کی طرح آزادی سے برتیں اور جو لوگ اِن سند یافتہ یہودیوں کے مددگار رہوں یا ان کی پناہ اور حفاظت میں آئیں ان کو بھی بلا فرق اسی طرح کے حقوق حاصل ہوں گے الا ظالم و قصوروار جو کوئی بھی ہو ضرور سزا پائے گا۔ مدینہ کے یہودیوں کو چاہئے کہ وہ شہر مدینہ کی محافظت میں مسلمانوں کے شریکِ حال ہوں، اِس شہر کو دشمنوں کے شر سے بچانے میں ہماری مدد کریں اور مُجرم کیسا ہی عزیز و رشتہ دار کیوں نہ ہو اُس کا کوئی پشت و پناہ نہ ہوگا اور تمام وہ لوگ جو اس سند کو قبول کرتے ہیں اپنے تمام مقدمات فیصلہ کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں گے اور آپؐ ان جھگڑوں کو طے کیا کریں گے۔"

اطرافِ مدینہ کے یہودی یعنی بنی نضیر اور بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے اِن تمام دفعات کو منظور کیا مگر ظاہرداری اور اوپری دل سے اُن کے دِلوں میں چھپی ہوئی عداوت موقع بموقع ظاہر ہوتی اور اپنا رنگ دکھاتی رہی یہاں تک کہ سالہائے آئندہ میں ان سے قتال و محاصرہ اور مصالحت و جلاوطنی کے وہ معاملات پیش آئے جن کے حالات آئندہ مذکور ہوں گے۔

مسلمانوں کو یہودیوں کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ سے بھی ہر وقت اندیشہ تھا کیونکہ عبداللہ بن اُبی جو ایک زمانہ میں بادشاہ ہونے کی کوشش کرتا تھا اور اُس کے ساتھی بُت پرستوں کے ساتھ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے درپے تھے، مسلمانوں کے مارِ آستین بنے ہوئے تھے۔ اِن لوگوں نے محض اِس وجہ سے اسلام قبول کر لیا تھا کہ اپنی قوم کے چھوٹے بڑوں کو

اسلام ہی کی طرف متوجہ پاتے تھے اِس لئے ان کو نہ چھوڑ سکتے تھے۔ پس مسجدِ نبوی میں آتے
دل میں شریک ہوتے اور بڑھ چڑھ کر بہت کچھ باتیں بنایا کرتے تھے لیکن ان کے دلوں میں ایمان کا
اثر نہ تھا خفیہ طور پر یہودیوں سے میل جول رکھتے اُن کی تعلیم سے دلچسپی لیتے اور تکذیب و استہزا
اُن کے شاگرد و متبع بن کر کفارِ قریش کے ساتھ برابر خط و کتابت رکھتے اور ان کو مسلمانوں کی
سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور یہی حالت زیادہ خوفناک تھی کیونکہ چھپی ہوئی مخالفت نے مسلمانوں
دوست نما دشمنوں کے دھوکوں سے بچنا مشکل کر دیا تھا۔ اِس فرقہ کو منافقین کہتے ہیں۔
کفارِ قریش سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ اور امن کی جگہ پہنچا ہوا دیکھ کر کلستے اور اپنی بے بسی پر
جلا اُٹھتے تھے۔ مدینہ میں منافقوں کا جو انصار کے ہم قوم تھے مخالفِ اسلام ہونا ان کو بیا غنیمت
معلوم ہوا اِس لئے ان سے میل جول بڑھانے کی تدبیریں کیں اور مراسلت و خط و کتابت کا سلسلہ شروع
کیا اہلِ مکہ کو اِس خفیہ خط و کتابت سے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے صرف ظاہری طور پر
مصالحت کر رکھی ہے اگر ہم مدینہ پر حملہ کریں گے تو وہ سب کے سب ہمارے شریک حال ہوں گے اِس لئے
ان کی ہمت اور بندھ گئی اور انھوں نے اپنے دلوں میں یہ منصوبہ باندھ لیا کہ مسلمانوں کی جڑ بنیاد کا
اکھیڑ پھینکنا کچھ مشکل نہیں ہے اب ان کو پیش قدمی کرنے میں صرف اِس کا انتظار تھا کہ مکہ کا کارواں جو
مال لانے کو ملک شام گیا ہوا ہے باطمینان واپس آ جائے تو اپنا ساز و سامان درست کریں ورنہ ایسا نہ ہو
کہ مسلمان راستہ میں اُس کو لوٹ لیں اور شام کی آمد و رفت بند ہو جانے سے ہم کو نقصانِ سخت پہنچے مگر
حق تعالےٰ شانہٗ جو دلوں کے اسرار سے واقف اور ہر کام کے انجام سے آگاہ ہے مسلمانوں کا حامی اور
اپنے سچے مذہب کا محافظ تھا اس لئے اِس سے قبل کہ اہلِ مکہ اپنا خیال پورا کریں مسلمانوں کو جہاد کی
اجازت دی گئی اور حکم نازل ہو گیا کہ ایذا رساں قوم سے لڑنا جائز اور ان سے چھینا ہوا مالِ مالِ
غنیمت ہے جس کے استعمال کی مسلمانوں کو اجازت ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مخالفینِ اسلام جن کو
نبوتِ محمدیہ سے انکار ہے اِس کے ضرور معترف ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذہانت میں سب سے زیادہ دانا
اور عقلمند شخص تھے۔ چنانچہ اِس مسئلہ جہاد کو یوں کہتے ہیں کہ آپ نے دُور اندیشی اور پیش بینی کو کام فرمایا اور
مناسب سمجھا کہ ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ مسلمانوں پر کوئی آفت نہ آئے کیونکہ آپ صرف واعظ ہی نہ تھے
بلکہ اہلِ مدینہ کی جان و مال کے محافظ بھی تھے اور آپ کو گوارا نہ تھا کہ مدینہ کے باشندے تباہ ہوں
اِس لئے آپ نے اپنی جماعت کو جہاد کی اجازت دی اور حکم فرمایا کہ دشمنوں کو حملہ کرنے سے پہلے ہی
روکیں۔ غرض مسلمانوں کے عقیدے کے موافق آپ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ عقیل و مدبر بھی تھے

اور نبی بھی تھے اور آپ کی عقل و ذہانت کا کمال یہی تھا کہ کوئی کام بلا اجازتِ خداوندی نہ کر
تے اور مخالفین کے نزدیک کمالِ عقل مسلم ہے اب یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ آپ کو اس عقل و فہم
کمالی مقصود تھی یا مذہب حق کو فروغ دے کر حق تعالیٰ کی اطاعت سے زمین کو منور بنانا مطلو
تھا سو اس کو نتائج و ثمرات پر نظر ڈال کر ادنیٰ عاقل بھی سمجھ سکتا ہے کہ محض دُنیا پر حکومت کر
اور ممالکِ مقبوضہ کا رقبہ بڑھانے میں عقل صرف کرنے والوں کے یہ حالات نہیں ہوتے بہرحال آپ
مسلمانوں کے تھوڑے تھوڑے سپاہیوں کو معتمد اشخاص کا ماتحت بنا کر ادھر اُدھر روانہ فرمایا تا
یہ لوگ جہاں کہیں مخالف جماعتوں سے ملیں رجز کے اشعار پڑھیں اور اللہ کی نافرمان جماعتوں
زور گھٹائیں، ایسے لشکر کو عربی زبان میں سریّہ کہتے ہیں اور جس جہاد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تشریف لے گئے وہ غزوہ کہلاتا ہے۔ سرایات تقریباً سینتالیس ۴۷ اور غزوات کی
اہلِ سیر کے نزدیک یوں تو تیس ۳۰ ہے مگر وہ غزوات جن میں جنگ ہوئی صرف نو ہیں جن کا ذکر
اپنے موقع پر ہدیۂ ناظرین ہوگا۔

ہجرت کے ساتویں مہینے ماہِ رمضان میں آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس ۳۰ مہاجر
کا سپہ سالار بنا کر اور دست مبارک سے سفید لواء اُن کو عطا فرما کر سیف البحر کی جانب روانہ فرمایا کہ
سے آنے والے قریشی قافلہ سے تعرّض کریں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی یہاں پہنچے اور ابو جہل سے ج
تین سو ۳۰۰ سواروں کی جمعیت کے ساتھ ادھر سے گذرتا تھا مزاحم ہوئے۔ فریقین آمادۂ جنگ ہو کر لڑ
مرنے کو تیار ہوگئے اور لشکروں کی صف بندی بھی ہوگئی مگر لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ مجدی ابن عمرو
جہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی اور ہر فریق اپنے راستہ پر وا
ہوگیا۔ اس دن لواء بردار حضرت ابو مرثد غنوی تھے۔ پھر ماہِ شوال میں آپ نے حضرت عبیدہ رضی ابن حارث
کو ساٹھ ۶۰ مہاجرین پر افسر بنا کر رابغ کی جانب اُس بڑی جماعت پر حملہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا
جس کا سردار ابو سفیان تھا۔ حضرت عبیدہ رضی بحکم نبوی روانہ ہوئے اور جحفہ سے دس ۱۰ میل کے
فاصلہ پر وادیٔ مرہ کی تلہٹی میں قریشی گروہ کو جا پکڑا مگر لڑائی یہاں بھی نہیں ہوئی البتہ حضرت سعد
بن ابی وقاص رضی نے کافروں کی جانب ایک تیر پھینکا اور یہی پہلا تیر تھا جو اسلام کی جانب سے کافروں
کی جانب پھینکا گیا۔ حضرت سعد رضی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور
تھے۔ اس روز لواء بردار حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ لواء چھوٹے نشان کو کہتے ہیں اور
رایہ بڑے نشان کو۔ اکثر لڑائی میں رایہ بزنگِ سیاہ اور لواء سفید ہوتا تھا اور پھریرہ پر لا الٰہ الا

محمد رسول اللہ لکھا ہوتا تھا۔
اس کے بعد ذیقعدہ کے مہینے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ بیس مہاجرین کے ساتھ خرار کی
جانب کہ جو ایک موضع ہے جحفہ کے قریب روانہ کئے گئے کہ قافلۂ قریش سے تعرض کریں، مگر ان کو
تاکید کردی گئی تھی کہ خرار سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ یہ حضرات دِنوں چھپتے اور راتوں چلتے قافلہ
کو تلاش کرتے ہوئے قدم پر بڑھے جاتے تھے یہاں تک کہ جس وقت موضع خرار پر پہنچے ہیں تو پتہ لگا کہ قافلہ
رات ہی یہاں سے کوچ کیا ہے اور چونکہ یہاں سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ تھی اس لئے حضرت
سعد مدینۂ منورہ واپس ہوئے۔ ہجرت کے گیارہ مہینے بعد ماہِ صفر کی دوسری تاریخ کو مدینہ پر حضرت
سعد رضؓ بن عبادہ کو والی بناکر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ساٹھ مہاجرین کے ساتھ
ایک قافلہ سے تعرض کرنے کے لئے مقامِ ابوار کی جانب روانہ ہوئے جو مدینہ اور مکہ کے درمیان
ہے۔ اور گو ودّان مقام پر مخالفوں کا آمنا سامنا بھی ہوا مگر لڑائی نہیں ہوئی اور سولھویں دن
مدینہ میں واپس تشریف لے آئے۔ البتہ مخشی بن عمر سے جو اپنی قوم بنی ضمرہ کا سردار تھا۔ اس
مضمون کا تحریری معاہدہ ہوگیا کہ نہ ایک دوسرے پر حملہ کرے گا اور نہ دشمن کا ساتھ دے گا اور
نہ دشمن کو کسی قسم کی مدد پہنچائے گا۔

باب ۳۸ — سنہ ۲ھ

غزوات و سریات

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا اور ماہِ ربیع الاوّل میں سعد رضؓ بن معاذ کو مدینہ پر حاکم بناکر
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سَو صحابہ رضؓ کے ساتھ اس قافلہ سے تعرض کا قصد فرمایا۔ جس
میں سَو قریشی جماعت کے ساتھ ڈھائی ہزار آدمیوں کی قطار لئے ہوئے وہ اُمیّہ بن خلف جمحی بھی
تھا جو مکہ کے کارآمد سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ بواط پر کہ شام کے راستہ پر جانب رضویٰ
میں جہینہ کی پہاڑیوں سے ایک پہاڑ کا نام ہے، اسلامی لشکر پہنچکر واپس آیا اور جنگ کی نوبت
نہیں آئی کیونکہ مقابل ملا نہیں۔ اِس غزوہ میں آپ کی لِوَاءِ ابیض حضرت سعد بن ابی
وقاص اُٹھائے ہوئے تھے۔
ہر چند کہ مدینہ کی حفاظت کے متعلق مناسب انتظام کردیا گیا تھا مگر بدوا اپنی شرارت

سے باز نہ آتے تھے چنانچہ اسی ماہ ربیع الاوّل میں ایسے وقت جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر سے واپس ہوئے دس۱۰ دن بھی نہ ہوئے تھے، کرز بن جابر فہری نے موقع پاکر ان مویشی پر حملہ کیا جو باغات کے اردگرد چرنے کو شہر سے باہر آجاتے تھے اور ان کو پکڑ کرلے گیا۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو مدینہ کا خلیفہ بنا کر اس کا تعاقب کیا مگر بھاگا ہوا ہاتھ نہ لگا اور مسلمانوں کو سفوان مقام سے کہ بدر کے اطراف میں ہے واپس ہونا پڑا۔ اس سفر اسلامی لوا بردار حضرت علی رضہ بن ابی طالب تھے۔

ماہ جمادی الاولی میں آپ کو عین اس وقت جب کہ اہل مکہ کا تجارتی قافلہ ملک شام جا مکہ سے باہر نکلا۔ آپ کو اطلاع ملی کہ قافلہ مکہ سے باہر نکل گیا۔ تب آپ نے ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا اور مسلمانوں کو اختیار دیا کہ جس کا جی چاہے چلے اور جس کا جی نہ نہ چلے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو۱۵۰ اور بروایتے دو سو۲۰۰ مہاجرین آپ کے ساتھ ہوئے اور حمزہ رضہ بن عبد المطلب آپ کی لوا ابیض اٹھائی۔ اس غزوہ میں کل تیس۳۰ اونٹ ہمراہ تھے جن پر دو سو۲۰۰ صحابہ یکے بعد چڑھتے اترتے سالار قافلہ کی ہم رکابی میں مدینہ سے نکل کر شام کے راستہ پر ینبع کے قریب عشیرہ پر پہنچے جو بنی مدلج سے آباد تھا۔ چونکہ یہاں پہنچ کر خبر ملی کہ تجارتی قافلہ چند روز ہوئے یہاں گذر چکا۔ اس لئے آپ نے سفر ختم فرمایا اور بقیہ جمادی الاولی اور شروع جمادی الثانیہ یہاں قیام فرمایا۔ ان ایام میں آپ نے بنی مدلج اور ان کی ہم عہد قوم بنی ضمرہ سے مصالحت فرمائی اور کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

یہی قافلہ جس کے مکہ سے جاتے وقت عشیرہ کا سفر پیش آیا چونکہ وہی قافلہ ہے جس کی شام سے واپسی کی اطلاع پر آپ نے دوبارہ ان کو پکڑنے کے لئے بدر کا سفر فرمایا اور وہ غزوہ بدر کا سبب ہوگیا۔ اس لئے غزوۂ عشیرہ کو بدر اولی بھی کہتے ہیں۔

رجب کے مہینے میں آپ نے حضرت عبد اللہ بن جحش کو بطن نخلہ کی طرف روانہ فرمایا اور ایک ملفوف فرما کر ان کے حوالے کی کہ دو۲ دن کی مسافت طے کرنے سے قبل اس کو کھول کر نہ دیکھیں چنانچہ حضرت عبد اللہ چند اونٹ اور بارہ۱۲ مہاجرین کو ساتھ لے کر کہ دو۲ دو۲ نفر نمبروار ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے، مدینہ سے باہر نکلے اور دو۲ دن سفر کرنے کے بعد والانامہ کھول کر دیکھا تو اس میں تحریر تھا کہ "جب تم میرے اس خط کو دیکھو تو آگے بڑھے چلے جاؤ یہانتک کہ طائف و مکہ کے مابین نخلہ پر پہنچ کر ٹھہرو اور قریشی قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں ہم تک پہنچاؤ"۔ حضرت عبد ا

نامہ کے مضمون سے اپنے لوگوں کو آگاہ کیا اور سب حضرات ارشادِ نبویؐ کو سر آنکھوں پر رکھ کر
روانہ ہوتے۔

راستہ میں وہ اونٹ جس پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور عتبہ بن غزوانؓ باری باری سوار
تھے گم ہوگیا اور یہ دونوں حضرات اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبداللہؓ اپنے دس
یوں کو لئے ہوئے آگے بڑھے اور نخلہ مقام میں جا اُترے۔ اچھی طرح آرام بھی نہ کرنے پائے تھے
ب کا آخری دن تھا کہ ایک مختصر قریشی قافلہ کا جو کشمش وغیرہ تجارتی سامان لئے ہوئے آرہا تھا
لذر ہوا۔ مسلمانوں میں مشورہ ہوا کیا کرنا چاہئے۔ دشواری یہ تھی کہ اگر لڑتے ہیں تو رجب کی
ے کا جو ماہ حرام تھا اور اس میں جنگ وجدال ممنوع تھا ہتک لازم آتا ہے اور سکوت کرتے
ر قافلہ نکلا جاتا ہے کیونکہ آگے حرم ہے جس میں داخل ہوتے ہی وہ امن میں آجاویں گے کچھ
بدل کے بعد آخر سب کی یہی رائے ہوئی کہ مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے تیر
کا گیا اور اتفاق سے عمرو بن حضرمی کو جا لگا اور وہ مرگیا۔ عثمان و حکم قید کر لئے گئے البتہ نوفل بھاگ
ور جان بچا کر لے گیا۔ غرض حضرت عبداللہ مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مدینہ آئے اور سارا واقعہ
و رسالت میں عرض کیا۔ حضرت عبداللہ کا یہ قتال ماہِ رجب میں واقع ہونے کے سبب حضرت
ل پسند نہ آیا مگر ضرورت ہی ایسی پیش آگئی تھی کہ مسلمان معذور تھے۔ حضرتؐ کو اس جرأت کے
بیت ہونے کا فکر و ملال تھا ہی کہ اہلِ مکہ کو طعن کا موقع مل گیا اور انھوں نے شور مچانا
رع کیا کہ "محمدؐ ماہ ہائے محترمہ کی حرمت اُٹھائے دیتے اور بزرگ مہینوں میں جنگ وجدال کو مباح
یتے ہیں۔" اس وقت آیۃ یسئلونک عن الشھر الحرام الخ نازل ہوئی اور مطلع کیا گیا کہ مانا اس
ہ میں جنگ کرنا بُرا ہے مگر کافر جس بدراہی میں پڑے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے سدِّ راہ بنتے اور
رو شرک کر کے مسجدِ حرام تک لوگوں کا آنا پسند نہیں کرتے یہ ہتکِ ماہِ حرام سے بدرجہا زیادہ سخت ہے
ونکہ ہتکِ حرمت کی تلافی توبہ سے بھی ممکن ہے مگر کافروں کا علاج بغیر ان کے مارے اور ذلیل کئے
سری طرح نہیں ہوسکتا اس لئے مسلمانوں کو اس حرکت سے رنجیدہ اور بددل نہ ہونا چاہئے اور
فروں کو دوسرے کے درد سے نظر ہٹا کر اپنے ہیضہ اور طاعون کے مرض کی فکر کرنی چاہئے۔ اس
بعد وحی کے ذریعہ سے ان مہینوں میں بھی کافروں سے جنگ کی ممانعت اُٹھادی گئی۔ غرض حضرت
بداللہ کا لایا ہوا مالِ غنیمت جو اسلام میں پہلی غنیمت تھی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول
رما کر خمس نکالا اور باقی ماندہ مجاہدین پر حصہ رسد بانٹ دیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے پر نماز میں قبلہ بیت المقدس مقرر کیا
گیا تھا اس لئے تمام مسلمان اسی جانب مُنہ کر کے نماز پڑھتے اور اُسی رُخ مساجد تعمیر کرتے تھے مگر حضور
کی دلی خواہش یہی تھی کہ آپ کا قبلہ وہی ملتِ ابراہیمی کا قبلہ یعنی بیت اللہ قرار پائے اور اس انتظار
میں بار بار آسمان کی جانب دیکھتے تھے کہ کب تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہو چنانچہ نصف شعبان کو
قبلہ بدل دیا گیا اور اب آپ کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے لگے قبلہ کی تبدیلی بھی درحقیقت مسلمانوں
کے لئے بڑی آزمائش تھی کیونکہ یہود کا خصوصیت کے ساتھ یہ طعنہ بڑھ گیا تھا کہ محمد کو اپنے مذہب
میں ابھی خود تذبذب ہے کبھی کوئی قبلہ تجویز کرتے ہیں اور کبھی کوئی۔ مگر الحمد للہ مسلمان کہ جن کو پیغمبر کی
اتباع اور اطاعتِ نبی میں لذت آتی تھی ثابت قدم رہے اور عین نماز کی حالت میں جب ان
کو اطلاع ملی کہ حضرتؐ پر تحویلِ قبلہ کی وحی نازل ہو چکی تو اُسی وقت اپنے مُنہ کعبہ کی طرف پھیر لئے
اور باقی رکعات اُسی رُخ پر پوری کیں۔

اس کے بعد زکوٰۃ کی فرضیت نازل ہوئی کہ صاحبِ نصاب مسلمان اپنے نقود و مواشی کا مقررہ
حصہ نکال کر فقراء و مساکین پر تقسیم کریں اور آخر شعبان میں ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت
نازل ہوئی اور عاشورہ کا روزہ جو پہلے فرض تھا منسوخ ہو کر محض سنت رہ گیا کہ جو شخص رکھے
وہ اجرِ عظیم پائے گا اور نہ رکھے گا تو کچھ گناہ نہیں۔

اس درمیان میں قریشی اپنی فوج کے جمع کرنے میں سرگرم رہے اور اب اس کاروان کی
واپسی کا وقت بھی قریب آپہنچا جس کا قریش کو انتظار تھا اور اسی پر فیصلہ کر دینے والی لڑائی ملتوی تھی
یہ ایک ہزار اونٹوں کا مال سے لدا ہوا کاروان ابوسفیان بن حرب کی سرداری و حفاظت
میں ملک شام سے مکہ کو واپس آرہا تھا مسلمان چاہتے تھے کہ ہمارے ہاتھ آئے اور اہلِ مدینہ بھی اس
رائے سے متفق تھے۔ چنانچہ رمضان کے مبارک مہینہ میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس
کی اطلاع پائی تو منادی کرا دی اور اہتمام فرمایا کہ مسلمانوں کی پوری جمعیت سے حملہ کیا جائے
مگر وقت تنگ تھا عجلت کی ضرورت تھی اس لئے فوری حالت میں صرف پورے تین سو تیرہ (۳۱۳) مسلمان
آپ کے ساتھ ہوئے جن میں صرف زبیر بن عوامؓ اور مقداد بن اسودؓ کے پاس دو (۲) گھوڑے تھے، اور
سارے لشکر میں ستر اونٹ تھے جن پر دو (۲) دو اور تین (۳) تین (۳) مسلمان باری باری سوار ہو جاتے تھے۔
حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو پیش نماز اور مدینہ پر خلیفہ بنا کر لواء مصعب بن عمیرؓ کے حوالے کی، اور
مہاجرین کا نشان حضرت علیؓ کو اور انصار کا نشان حضرت سعد بن معاذؓ کے ہاتھ میں دے کر آپ

...روحا مقام پر پہنچکر ابو لبابہ بن عبد المنذر کو واپس کیا اور بجائے حضرت عبداللہ کے ان کو مدینہ کا منتظم ...
...صفراء کے قریب پہنچکر بسبس بن عمر جہنی اور عدی بن زعبار کو بدر کی طرف کہ مدینہ کے قریب شام کے ...
...پر ایک گاؤں ہے ابو سفیان اور اس کے تجارتی قافلہ کی خبر لانے کو روانہ کیا اور آپؐ آگے بڑھے
...وقت آپؐ ذفران وادی میں پہنچے تو آپؐ کو اطلاع ملی کہ مکہ سے قریش کا بڑا گروہ اپنے قافلہ کی
...کے لئے روانہ ہولیا ہے اور ابو سفیان سے تعرض کرنے کے لئے ایک ہولناک جنگ کا سامنا کرنا ہوگا
چنانچہ آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور سب سے قبل ابوبکر وعمر ومقدادؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ جو
...ئے عالی ہو عمل فرما دیں، ہم اطاعت کے لئے حاضر ہیں۔

ذفران سے چل کر اصافر اور دبہ ہوتے ہوئے آپ نے بدر کے متصل قیام فرمایا اور حضرت علی وزبیر
سعد بن ابی وقاص رضؓ وغیرہ کو بدر کے کنوئیں پر تجسس میں روانہ فرمایا کہ آنے والے لشکر اور قافلہ
...وہاں پتہ چلے گا۔ یہ حضراتؓ کنوئیں پر پہنچے تو قریش کے دو غلام اسلم اور ابو یسار ان کو نظر پڑ گئے او
...ن کو پکڑ کر بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔ انھوں نے صاف صاف پتہ دیدیا کہ فلاں فلاں سرداران
...یش ایک بڑی جماعت کے ساتھ آرہے ہیں اور بدر سے پرے بڑے ٹیلے کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

ادھر بسبس وعدی قافلہ کی ٹوہ میں کنوئیں پر پہنچے اور پتہ لائے کہ کل یا پرسوں ابو سفیان یہاں پہنچ
...ے گا چنانچہ اس کی اطلاع بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی اور آپ نے جنگ کی تمنا میں
...صحابہؓ سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ "لو صاحبو! مکہ نے چھانٹ چھانٹ کر اپنے جگر گوشوں کو
...تمہاری طرف بھیج دیا۔"

ابو سفیان ایک جہاندیدہ اور زیرک شخص تھا۔ ادھر پیش بندی کے طور پر مکہ میں اطلاع بھیجدی تھی
اور ادھر تجارتی قافلہ سے آگے منزل پر خود پہنچکر خبر لے لیتا تھا کہ مسلمان کہاں ہیں۔ چنانچہ مسلمان
جاسوسوں کے جاتے ہی ابو سفیان کنوئیں پر پہنچا اور اونٹ کی مینگنیاں دیکھ کر معلوم کرلیا کہ اس
میں مدنی کھجوروں کی گٹھلیوں کا اثر ہے اور محمدؐ ضرور یہاں تک پہنچ لئے ہیں اس لئے الٹے پاؤں
لوٹا اور قافلہ کا رخ دوسرے راستہ پر پھیر دیا۔ ابو سفیان کو چونکہ خبر مل چکی تھی کہ کاروان کو لوٹنے کے لئے
مدینہ سے مسلمان چل دیئے ہیں اس لئے اُس نے قبیلۂ غفار کے ایک شخص ضمضم بن عمرو نامی کو معقول
اُجرت دے کر مکہ بھیجدیا تھا جس نے شہر میں پہنچکر اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور اونٹ کی ناک کاٹ دی اور نہایت
خوفناک آواز سے چیخا کہ "اے مکہ والو! تمہارا کاروان لٹ گیا اور تمہارے بھرپور قافلہ کو محمدؐ نے آلیا۔ چلو
جلدی کرو اور کاروان کی مدد کو وقت پر پہنچو۔" اس آواز سے مکہ میں کھلبلی مچ گئی اور سرداران قریش کی

آنکھوں میں خون اُتر آیا کیونکہ ان کی برسوں کی اُمیدوں پر پانی پھرا چاہتا تھا اور ابھی دو ماہ نہیں گذرے کہ عمر حضرمی اور اُس کے مال و اسباب سے ہاتھ دھو چکے تھے اس کا صدمہ ہنوز تازہ تھا بس ابوجہل اُٹھا اور جوش دِلا دِلا کر قریش کے ہر قبیلہ کا سردار ساتھ لیا یہاں تک کہ ساڑھے نوسو سواروں کی جمعیت فراہم کی جو ہتھیار بند زرہ بکتر، تیر و کمان، نیزہ، تلوار، غرض جملہ سامانِ جنگ اور آلاتِ حرب سے آراستہ تھی۔ سات سو اونٹ لئے اور نہایت کرّو فر کے ساتھ اپنے غرور کی مستانہ چال چلا سو گھوڑوں کی جلو میں خود سردارِ لشکر بن کر سوار ہوا اور گانے والی عورتیں، طبلچی، ڈھول، بانسری غرض پورے ساز و سامان طرب اور عیش و عشرت سے لذت لیتا۔ جوشیلے اور متکبرانہ اشعار پڑھتا ہوا مکّہ سے باہر نکلا۔

ابوسفیان عام راستہ کترا کر دوسری راہ سے قافلہ کو لے کر صحیح و سالم نکال لے گیا اور ابوجہل کے پاس جو ابھی راستہ ہی میں تھا قاصد بھیجدیا کہ کارواں کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اس لئے تم واپس چلے آؤ لشکرِ کفار نے قافلہ کے بچ نکلنے کی اطلاع پا کر چاہا بھی کہ مکّہ واپس ہو جائیں لیکن چونکہ حق تعالےٰ کو منظور تھا کہ اسلام کو عزت حاصل ہو اور کافر ذلیل و خوار ہوں اور اس کے لئے یہی مقام اور وقت مقرر ہوا تھا اس لئے ابوجہل نہ مانا اور کہا کہ "اب تو جب تک بدر کے چشمہ پر ڈیرہ ڈال کر تین دن ناچ رنگ کے بھاری جلسے سے اپنا دل خوش نہ کرلوں اُس وقت تک باز نہ آؤں گا" اُس کی یہ ضد دیکھ کر اخنس بن شریق وہاں سے چلدیا اور بنی زہرہ بھی اُس کے پیچھے ہولئے چنانچہ نتیجۂ جنگ کے بعد بنی زہرہ نے اخنس کی دُور بینی پر داد دی اور ہمیشہ اس کو اپنا مخدوم و خیر خواہ سمجھتے رہے۔ بنی ہاشم کی رائے بھی یہی تھی کہ مکہ واپس ہونا چاہیئے مگر ابوجہل نے ڈانٹا اور کہا کہ "اگر ہم چلے بھی گئے تو آج نہیں کل بہر حال مسلمانوں سے ایذا ضرور پہنچے گی، اس لئے ان کا علاج ہی کر دینا بہتر ہے"۔ غرض چونکہ ابوجہل اپنے خیال میں فتح کی کامل اُمید رکھتا اور اس غرہ میں تھا کہ بدر کی راگ رلیاں آئندہ کے لئے یادگار ہو کر سارے عرب کے دِلوں میں ہماری ہیبت بٹھا دیں گی، اس لئے اپنی جماعت کو عیش و طرب کی چاشنی پر لگائے ہوئے سیدھا لئے چلا گیا اس کو کیا خبر تھی کہ خدا کو اور ہی کچھ منظور ہے اور یہ کشش خاکِ گور کی کشش ہے جو بدر کی طرف کھینچے لئے چلی جاتی ہے۔

اسلامی لشکر کو مدینہ سے چلتے وقت چونکہ اس بڑی جماعت سے جنگ کا وسوسہ بھی نہ تھا اور تجارتی قافلہ سے تعرض کے لئے عجلت میں نکل کھڑے ہوئے تھے اس لئے ستتر ۷۷ مہاجرین اور دو سو چھتیس ۲۳۶ انصار کے ساتھ کل ستّر اونٹ، ۲ دو گھوڑے، آٹھ تلواریں اور ۶ چھ زرہ تھیں گویا غنیم کی فوج سہ چند سے بھی زیادہ تھی مگر چونکہ خدا ان کا حامی تھا اس لئے فتح ان کے قدم چومنے کو حاضر تھی خلافِ گمان جب

ی صورت پیش آتی ہے تو خیالات ضرور مختلف ہوتے ہیں اس لئے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کے بچ نکلنے پر
بعض مسلمانوں کا بھی یہ خیال ہوا کہ جب وہ مقصود جس کی نیت کرکے گھروں سے نکلے تھے ہاتھ سے
ل گیا تو واپس ہونا چاہیئے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے جنگ کی تھی کیونکہ حق تعالیٰ کو
ظور تھا کہ سرداران کفر چھانٹ چھانٹ کر قتل ہوں اور اسلام کو ابھی وہ غلبہ حاصل ہوجائے جو
یشہ کے لئے مخالف کی کمر توڑ دے اور اُن کو بے ہمت بنادے اس لئے صحابہؓ نے آپ کا میلانِ خاطر پاکر
ان فروشی کا وعدہ کیا اور جب عزم جہاد کے وقت انصار کا دلی خیال معلوم کرنے کے لئے حضرتؐ نے
وبارہ مہاجرین سے مشورہ کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضؓ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول
للہ شاید آپ کو یہ خیال ہو کہ انصار اپنے گھروں میں رہ کر آپ کے مددگار بنے ہیں سو تمام انصار کی طرف
ے میں اطمینان دلاتا ہوں کہ ہماری بیعت اور آپ کے ہاتھ پر قول وقرار کا یہ مطلب ہے کہ ہم آپ کے
ہرنا پا فرماں بردار ہیں جس سے چاہیے لڑیئے اور جس سے چاہیے صلح کیجیے ہم کو بجز اطاعت کے کسی سوال
کا بھی حق نہیں ہے واللہ اگر سمندر میں بھی داخل ہونے کا آپ حکم دیں گے تو ہم بغیر جھجکے فوراً گھس جائیں گے
اس کے بعد حضرت مقداد رضؓ بولے کہ یارسول اللہ ہم موسیٰؑ کی قوم جیسے نہیں ہیں کہ جہاد کے وقت اپنے پیغمبرؑ
سے کہدیا کہ "تم اور تمہارا پروردگار جاکر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں" ہم واقعی آپ کے تابعدار ہیں،
جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو موجود ہیں ہماری جانیں آپ پر قربان آپ بسم اللہ
کیجیے اور جنگ کا حکم فرمائیے انشاء اللہ اسلام کا بول بالا رہے گا اور مسلمانوں کو فتح کے ساتھ مال
بھی ملے گا کہ اُن کی کمزوری قوت سے بدل جائے گی" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے
اصحاب کی یہ گفتگو بہت پسند آئی آپ خوش ہوئے تبسم فرمایا اور چہرۂ مبارک پر بشاشت دمکنے لگی
چنانچہ آپ یہ بشارت دے کر کہ "حق تعالیٰ نے مجھ سے ایک گروہ پر قبضہ حاصل ہونے کا وعدہ فرمالیا
ہے سو کاروان نکل گیا تو کیا ہے لشکر کفار پر فتح حاصل ہوگی آمادۂ جنگ ہوئے اب کفار اور مسلمانوں
کا ہر گروہ اس کا خواہشمند تھا کہ چشمہ پر دشمن سے پہلے پہنچ کر قبضہ کرلیں مگر کیا ضرور ہے کہ ہر شخص کی
تمنا پوری بھی ہوجائے۔ خدا کی شان کہ بارش ہوئی اور مسلمانوں کو جو پانی کی تنگی میں تھے سیرابی
کے علاوہ گرد وغبار کے دبنے اور ریت کے جم جانے سے راستہ بھی صاف نظر آنے لگا اور چلنا سہل
ہوگیا اُدھر قریشی لشکر پر اس کا اثر اُلٹا ہوا کہ کھلے جنگل میں سامان بھیگ گیا اور آگے قدم بڑھانا مشکل
پڑ گیا۔ غرض اہلِ مکہ ابھی عقنقل کے ٹیلہ سے پیچھے ہی تھے کہ عشاء کے وقت اسلامی لشکر بدر میں پہنچ
لیا اور ورلے کنارے کنوئیں پر حضرتؐ نے ٹھہر کر صحابہ رضؓ سے مشورہ لیا کہ پڑاؤ تجویز کرلو۔ حضرت خبابؓ

بن منذر نے عرض کیا کہ میری رائے میں آگے بڑھ کر بدر کے پرلے کنویں پر قبضہ کرنا چاہئے تاکہ دشمن کو پانی میسر نہ آئے اور ہم حوضیں کھود کر بھرپور پانی جمع کر لیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے آگے بڑھے اور آدھی رات ہوئی تھی کہ حسب خواہش قیام گاہ پر پورا تسلط فرمالیا اور ہر ضروری انتظام کر لیا۔ سعد بن معاذؓ نے کھجور کے پٹھوں کا ٹانڈ ٹما ایک سایہ دار تخت بنایا اور خود ننگی تلوار لیکر پہرہ دار بنے اس کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ اس میں قیام فرماویں اور ہم کو لڑنے کی اجازت دیں اگر فتحیاب ہوئے تب غنیمت ہے اور اگر خدانخواستہ دوسری صورت ہوئی تو ہم سب ہلاک ہوئے پیچھے آپ تنہا واپس ہوں ہمارے پس ماندہ بھائی ہم سے زیادہ آپ کی خدمت کریں گے کیونکہ ان کا اس وقت ہمارے شریک حال نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ اُن کو جنگ کی اطلاع نہ تھی محض تجارتی قافلہ کو لینے کا اعلان ہوا تھا جس نے ان کو آپ کی ہم رکابی کے لئے اہتمام کرنے کا موقع نہیں دیا۔" حضرت سعد کی یہ تقریر سنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور دُعائیں دے کر عریش میں آرام فرمایا۔

صبح ہوئی تو قریشی قافلہ بدر کی طرف بڑھا اور جب عقنقل کے ٹیلہ پر چڑھا جس کے نیچے بدر واقع تھا تو ان کا ایک ایک شخص مسلمانوں کو نظر آتا اور پہچانا جاتا تھا حضرتؐ ان کو دیکھتے اور یوں فرماتے جاتے تھے کہ "اے میرے معبود! یہ قریش ڈینگیں مارتے آگئے۔ یہ تیری مخالفت اور میری تکذیب کے درپے ہیں، یا اللہ اب تیری مدد کا انتظار ہے جس کا تو وعدہ فرما چکا ہے۔ اے میرے خدا! صبح ہوتے ہی ان کے تکبر کو خاک میں ملا دیجو۔ یہ تیرے بندے جو میرے ساتھ ہیں تعداد میں بہت کم ہیں، اگر ہلاک ہوگئے تو پھر زمین پر تیری عبادت کرنے والا کون ہوگا *

باب ۳۹ ۲ھ

بدر میں جنگ اور اس کا نتیجہ

ادھر اور اُدھر دونوں طرف کسی بھاری جنگ کی تیاری ہو رہی ہے، ابوسفیان بھی کاروان کو مکہ پہنچا کر قومی ہمدردی کی بنا پر واپس ہوا اور لشکر کفار میں موجود ہے۔ مکہ کے سرداروں میں بجز ابولہب کے جس نے اپنے بدلے عاصی بن ہشام کو جو ابولہب سے چار ہزار درہم قرض لے کر دوالہ نکال چکا تھا، گویا اس رقم کو اپنی جان کا فدیہ بنا کر بھیجدیا تھا، کوئی سردار ایسا نہیں ہے جو آج اس میدان میں نہ ہو۔ اطمینان سے قیام کرنے کے بعد انھوں نے عمیر بن وہب کو بھیجا کہ اسلامی لشکر

کی تعداد معلوم کرے چنانچہ اُس نے گھوڑے پر سوار ہو کر چکر لگایا اور اطلاع دی کہ تقریباً تین سو نفر ہیں مگر چونکہ تلواروں کی چھاؤں کے نیچے ہیں اِس لئے ایک ایک کو مارے بغیر ان میں سے کوئی بھی مرنے والا نہیں ہے پس سوچ لو کہ تم میں سے تین سو بھی مارے گئے تو تم کو زندگی کا کیا مزہ آئے گا۔ حکیم بن حزام یہ سُنکر متوحش ہوا اور عتبہ بن ربیعہ کو ترغیب دی کہ اپنی قوم کو جنگ سے روکے اور مکّہ واپس چلے چنانچہ عتبہ کی سمجھ میں آگیا اور اُس نے کھڑے ہو کر اس طرح تقریر کی کہ "اے قریش تم جانتے ہو کہ محمدؐ کون ہیں اور ان کے ساتھی کون ہیں؟ سب تمھارا کُنبہ اور تمھارے چچا، تایا، ماموں زاد بھائی ہیں سو آج جنگ کے بعد تم دیکھو گے کہ کُنبہ کے ہاتھوں کُنبہ ہی مارا جائے گا اِس لئے میری رائے میں محمدؐ کو چھوڑ دو کہ عرب اُن سے قصّہ طے کرلیں سو اگر عرب کامیاب ہوئے تب تمھارا مقصد حاصل ہوا اور محمدؐ غالب رہے تب حکومت تمھارے کُنبہ ہی میں رہی اور تم جان و مال سے محفوظ رہے"۔ چنانچہ سب کی سمجھ میں آگیا اور واپسی کے لئے آمادہ ہوئے حکیم بن حزام عتبہ کا یہی پیام لے کر ابوجہل کے پاس پہنچا جو اپنی زرہ درست کر رہا تھا اور کہا کہ عتبہ بن ربیعہ جو ہر طرح زیرک اور قوم میں افضل ہے جنگ کے التوا کی رائے دیتا ہے۔ ابوجہل یہ سن کر جھلّا اُٹھا اور عامر بن حضرمی کو جس کا بھائی دو ماہ پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا جوش دلایا کہ تیرے مظلوم بھائی کے انتقام کا وقت آیا تو تیری ہم قسم قوم کو عتبہ نے میدان سے لیجانا چاہا۔ یہ سُنکر عامر چیخ اُٹھا اور بھائی کے انتقام کی قوم سے فریاد مچائی۔ اُس کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ جوش اُبل پڑا اور وہ میدان جس میں سنّاٹا چھایا ہوا تھا کارزار کے لئے تماشا گاہ بن گیا اب بادلِ ناخواستہ عتبہ کو بھی رہنا پڑا اور بڑا سر ہونے کی وجہ سے خود جب اُس کے سر پر نہ آیا تو موٹی چادر سے لپیٹ کر یہ کہتا ہوا میدانِ جنگ میں داخل ہوا کہ "ابوجہل کے بُرے دن آگئے معلوم ہوتے ہیں، اب معلوم ہو جائے گا کہ کس کی رائے درست تھی۔

۱۷۔ رمضان یوم جمعہ کی صبح ہوئی اور آفتاب نے اپنی برچھی نما شعاعوں کو چاروں طرف اچھی طرح پھیلا دیا دلیر اور بہادر پہلوانوں کے امتحان کا وقت آگیا اور ہر ایک کے دل میں اِس اُمنگ و آرزو نے جوش مارا کاش سب سے اوّل میری تلوار اپنے جوہر دکھائے اور نبیؐ کا پہلا جان نثار میں کہلاؤں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانباز صحابہؓ میں کھڑے ہوئے اور اُن کی صف بندی فرمائی جب حضرت سوادؓ بن غزیہ کے جن کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا پیٹ میں اُس تیر کا جو دستِ مُبارک میں تھا آہستہ سے چوکا مار کر ارشاد فرمایا کہ برابر ہو جاؤ۔ تو اُنھوں نے آہ کی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے تکلیف ہوئی اور آپؐ حق و انصاف لے کر آئے ہیں اِس لئے مجھے قصاص دیجئے۔ حضرتؐ نے فوراً کُرتا اُٹھا لیا اور بطن مبارک کھول دیا حضرت سواد آگے بڑھے اور بڑے شوق سے بوسہ لے کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیسا قصاص اور کیسا بدلہ موت سامنے

کھڑی ہے اور رخصت کا وقت قریب ہے، اس لئے دل چاہا کہ زندگی کا آخری کام آپ کے بدن مبارک کا بوسہ بن جائے اس لئے یہ تدبیر کی تھی"۔ حضرتؐ مسکرائے اور دعا دے کر اپنے کام میں مشغول ہوئے صف بندی سے فارغ ہو کر آپ اپنے عریش میں تشریف لائے اور تضرع کے ساتھ اس طرح دعا مانگی کہ "اے اللہ! وعدہ پورا فرما اور مدد نازل کر۔ یہ مختصر جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا"۔ آپ ایسی بیتابی سے دعا مانگ رہے تھے کہ دوسروں پر اثر ہوتا تھا، چادر مبارک کندھوں سے گر گئی اور حضرت ابوبکرؓ نے جو عریش کے اندر پاس ہی کھڑے تھے۔ چادر اٹھا کر کندھوں پر ڈالی اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہؐ بس کیجئے اتنی ہی دعا کافی ہے آپ کے لئے کیا ہوا خداوندی وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور فتح و نصرت آپ کے قدم چومے گی"۔ اس کے بعد حضرتؐ پر غنودگی کا اثر ہوا اور اس سے افاقہ پانے پر آپ نے یوں ارشاد فرمایا کہ "مژدہ ہو اے ابوبکر اللہ کی مدد آپہنچی، لو یہ جبرئیلؑ اپنے گھوڑے کی باگ تھامے آرہے ہیں اور وہ سفید عمامے باندھے ہوئے فرشتوں کا لشکر ان کے ساتھ ہے"۔

ادھر ابوجہل نے اپنی جماعت کو ترتیب دیا اور اسلحہ میں چھپا ہوا تیزی کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا ادھر سے ادھر تک گشت لگاتا رہا جب فارغ ہو لیا تو قومی حمیت و مذہبی حمایت کی جوش دلانے والی تقریر کی اور دعا مانگی کہ "یا اللہم دونوں لشکروں میں جو برسر ناحق ہو آج اس کی ذلت آنکھوں سے دکھا دے اور جس نے رشتہ داری کا لحاظ اٹھا دیا اور نئی نئی باتیں لا کر سنائیں اس کو شکست نصیب کر"۔ اس کو کیا خبر تھی کہ یہ دعا، اپنے ہی لئے بددعا ہے اور اپنی زبان سے اپنی ہلاکت مانگ رہا ہے۔ غرض تقدیر کا آخری فیصلہ ظاہر ہونے کی دونوں فریق نے خواہش کی اور دفعتہً قریش کے تین جوان میدانِ جنگ میں قدم بڑھاتے ہوئے آ کھڑے ہوئے جنھوں نے ملکی رسم کے موافق آواز دی کہ "ہے کوئی جو میدان میں آکر مقابلہ کرے؟" مسلمانوں نے دیکھا کہ عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور نوجوان بیٹے ولید کو لئے ہوئے مقابل کا خواہاں ہے، اس لئے انصار میں سے فوراً حضرت عوف اور معوذ اور عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھے اور سامنے آ کھڑے ہوئے مگر حریف نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ ہمیں اپنی قوم کے قریشی النسل برادری کے بھائیوں سے لڑنا منظور ہے اس لئے ان میں سے تین مسلمانوں کو بھیجو کہ قسمت کا فیصلہ کریں۔ محمدی کچھار کے شیر جو دل سے کارزار کے خواہشمند تھے اپنے آقا کا حکم پاتے ہی میدان میں آموجود ہوئے اور حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو، حضرت علیؓ نے ولید کو اور حضرت عبیدہؓ نے جو بوڑھے شخص تھے عتبہ بن ربیعہ کو سامنے لیکر للکارا کہ آؤ اور اپنے کیفر کردار کا مزہ چکھو۔ تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی اور ہر ایک اپنے دل کا حوصلہ نکالنے میں گرم ہوا، حمزہؓ اور علیؓ نے تو اپنے حریف کو مہلت ہی نہ دی کہ جنگ کے کرتب دکھائے پلک

جھپکانے ککڑی کی طرح کاٹ دیا البتہ حضرت عبیدہؓ و عتبہ سے مقابلہ میں دیر لگی اور دو طرفہ وار ہوتے رہے مگر حضرت علیؓ نے اپنے کام سے فارغ ہو کر اُن کا ہاتھ بٹایا اور عتبہ کو بھی اُس کے بھائی اور بیٹے کے ساتھ زمین پر ڈال کر ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔ حضرت عبیدہؓ اگرچہ گھٹنے میں تلوار کھاکر پاؤں خدا کی نذر کر چکے تھے مگر اُس وقت بھی اُن کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے کہ "اے دشمنان رسولؐ! کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم پیغمبرؐ کو تمہارے حوالہ کر دیں گے۔ یاد رکھو جب تک ہم میں ایک نفس اور نفس میں ایک سانس بھی باقی ہے اُس وقت تک ہمت کم نہ ہوگی"۔

حضرت علیؓ و حمزہؓ اُن کو اُٹھا کر اپنی جماعت میں واپس لائے مگر یہ اُس کاری زخم سے جاں بر نہ ہو سکے اور صرف تین دن زندہ رہ کر واپس ہوتے ہوئے صفرا، مقام پر راہیٔ ملکِ بقا ہو گئے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مذ قریشی جوانمردوں کا قتل ہونا تھا کہ لشکر کفار کے دلوں میں خونریزی کا جوش پیدا ہو گیا۔ ادھر ابو جہل للکارا کہ "اے دلیرانِ مکہ کی جماعت! عتبہ و شیبہ اور ولید کے مارے جانے سے پریشان اور بزدل نہ ہو جانا، قسم ہے لات و عزیٰ کی کہ اُنھوں نے لڑنے میں جلدی کی اور قبل از وقت آگے بڑھ گئے۔ یاد رکھو کہ جب تک ہم اپنے دشمنوں کو رسی میں نہ باندھ لیں گے مکہ واپس نہ ہوں گے، اس لئے اب جہاں تک ہو سکے ان کو قید کرنے کی کوشش کرو اور فوری حملہ میں سب کو اپنے اونٹوں کی رسیوں میں جکڑ لو پھر وطن پہنچکر ان کو مزہ چکھائیں گے اور دکھائیں گے کہ نئے خیالات لاکر کنبہ اور برادری میں تفریق ڈالنا کیسا کام ہے"۔ چنانچہ قریش تیروں کی طرح آگے بڑھے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔

ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کا حکم دیا اور یوں تقریر فرمائی کہ "قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ آج ان کافروں پر جو شخص بھی بہ نیتِ ثواب حملہ کرے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا پس بنامِ خدا آگے بڑھو اور تلواروں کے جوہر دکھاؤ"۔ اس کے بعد آپؐ اپنے عریش میں متوجہ بدعا ہوئے اور ریت کی ایک مٹھی خاک لے کر لشکرِ کفار کی طرف رُخ کیا اور شاہت الوجوہ کہہ کر اس میں پھونک ماردی۔ معجزنما مٹھی کی خاک بحکمِ خدا یہاں سے نکلی تو تیر کی طرح دشمنوں تک پہنچی اور ذرات منتشر ہو کر اتنے پھیلے کہ کفارِ مکہ کی کوئی آنکھ نہ بچی جس میں داخل نہیں ہوئی، وہ لوگ تو آنکھیں ملنے میں مشغول ہوئے اور مسلمانوں نے اپنا کام بنایا کہ جس کو پکڑ سکے اُس کو قید کیا اور جس پر قدرت پائی کاٹ کاٹ کر زمین پر ڈال دیا۔ اُمیہ بن خلف جو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا زمانہ جاہلیت میں رفیق تھا با دل ناخواستہ جنگ میں شریک ہوا تھا اس لئے کہ

اُس کے جھجکنے پر ابو جہل نے اُس کو یوں طعنہ دیا تھا کہ عورتوں کی طرح سنگار کر کے گھر میں بیٹھ جاؤ۔ اُمیہ
کی غیرت اِس لفظ کو سُن نہ سکی اور ہر چند کہ اُس کا دل کھٹک رہا تھا کہ بدر میں جانا مبارک نہیں ہے مگر
مجبوراً اُٹھا اور قوم کے ساتھ ہو لیا تھا آج کھلے میدان میں جب دل کا اندیشہ نظر کے سامنے آیا تو بہت
گھبرایا کہ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" آخر حضرت عبد الرحمٰن رض ہاتھ میں چند زرہ لئے ہوئے اُس کو نظر
آئے اور اُمیہ جس نے رحمٰن کا منکر ہونے کی وجہ سے ان کا نام "عبد الالٰہ" رکھ چھوڑا تھا یہ کہہ کر کہ
"اے عبد الالٰہ! میں تمھارے لئے اِن زرہوں سے بہتر ہوں کیونکہ میرے قید کرنے میں تم کو بہت کچھ
دُودھ دینے والی اونٹنیاں فدیہ میں مل سکتی ہیں۔" ان کے دامن سے چمٹ گیا۔ حضرت عبد الرحمٰن رض نے
زرہیں تو پھینک دیں اور اُمیہ کو مع اس کے بیٹے کے ہاتھ پکڑ کر لے چلے تاکہ قیدیوں میں داخل کر دیں
اتفاق سے حضرت بلال رض نے جو مکہ میں اس کے غلام تھے اور ایمان کی بدولت اس کے ہاتھوں رمضاء
کے گرم ریت اور کوڑوں کی ضرب شدید کی تکلیف اُٹھا چکے تھے اُس کو دیکھ پایا اور بے اختیار چیخ اُٹھے کہ "اے
گروہ انصار دیکھو یہ رہا ظالم اُمیہ پیشوائے کفر۔ پس اگر آج اِس کو نجات ملی تو گویا میری خیر نہیں۔"

انصار نے حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فریاد سُنی تو شیر کی طرح لپکے اور حضرت
عبد الرحمٰن رض کو مع دشمنوں کے محصور کر لیا۔ ہر چند کہ حضرت عبد الرحمٰن رض آڑے آئے مگر کسی نے ایک
نہ سُنی اور اُمیہ کے بیٹے پر ایسا حملہ کیا کہ تلوار کے ایک ہی وار میں زمین پر لوٹنے لگا۔ اُمیہ اپنے نورِ نظر کو
مرتا دیکھ کر چیخ پڑا اور اب حضرت عبد الرحمٰن رض بھی یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ "بیٹا تو چل دیا اپنی فکر کر کہ تو
بھی چلا۔" اُمیہ بدحواس ہو کر حضرت عبد الرحمٰن رض کے قدموں پر گرا اور اُن کے بدن اور کپڑوں کی پناہ
پکڑی۔ مگر بلال رض کی فریاد ایسی نہ تھی کہ انصار کو دم لینے دیتی اِس لئے ایک شخص نے نیچے سے گھما کر تلوار چلائی کہ
حضرت عبد الرحمٰن رض کے پاؤں میں بھی زخم آیا اور اُمیہ کا تو کام ہی تمام ہو گیا۔ دونوں بدبختوں سے فارغ ہو کر
انصار دوسری طرف متوجہ ہوئے اور حضرت عبد الرحمٰن رض جب زرہ کے ساتھ دونوں قیدیوں سے بھی ہاتھ دھو چکے
تو جنگ میں مشغول ہو گئے۔ اُمیہ جب تک بھی زندہ رہا لشکر سے الگ اور اِسی ٹوہ میں رہا کہ موقع ملے تو
کہ بھاگ جائے مگر تقدیر سے چارہ نہیں۔ اُس کو کیا خبر تھی کہ اس پیاری بی بی کو بیوہ بنانے جا رہا ہوں
جس کا نام صفیہ اور کنیت اُمِّ صفوان ہے اور یہ رخصتی سلام وہ سلام نہیں جس کے بعد ایک دوسرے
کی صورت دیکھنی نصیب ہو۔ اِس جنگ میں مسلمانوں کا شعار یعنی باہمی شناخت کا وہ تجویز کردہ لفظ
جو مخفی راز کی طرح اپنی جماعت کو تعلیم دیا جاتا ہے اَحَدٌ اَحَدٌ تھا مسلمان دل کھول کر قتل و قید کرنے
میں مصروف تھے اور غیبی فرشتے ان کی مدد کے لئے قوتِ بازو اور پشت پناہ کا کام دے رہے تھے

حضرت زبیر رضؓ نے عبیدہ بن سعید کو دیکھا کہ زِرہ سے لپٹا ہوا اور اِس قدر بدن چھپائے ہوئے ہے کہ بجز آنکھوں کے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ان کے ہاتھ میں چھوٹا سا نیزہ تھا اُس کو سیدھا کر کے آگے بڑھے اور تاک کر اس کی آنکھ میں اِس زور سے مارا کہ وہ گرا اور گرتے ہی دَم نکل گیا۔ عبیدہ تو مرگیا مگر حضرت زبیرؓ کو اپنا نیزہ نکالنا مشکل ہوگیا یہاں تک کہ اُس پر اپنا سارا بوجھ دیدیا اور دُہرا کر کے پوری قوت سے کھینچ کر نکالا۔ حضرت عکاشہ رضؓ کی لڑتے لڑتے تلوار ٹوٹ گئی اور اُس کے بدلے دوسری تلوار بارگاہِ رسالت سے اُن کو عطا ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے چچا زاد بھائی عاص بن وائل کو مارا۔ میدانِ کارزار جوش پر تھا اور لڑائی اپنے شباب کا جوبن دکھلا رہی تھی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے اِدھر اُدھر انصار کے دو نونہال یعنی عفراء کے بیٹے معاذؓ اور معوذؓ کھڑے ہوئے کسی خاص شکار کو ڈھونڈھ رہے تھے آخر ان سے نہ رہا گیا اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے پوچھا کہ چچا صاحب! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں پہچانتا ہوں مگر تمہارا کیا مطلب ہے؟" ایک بھائی نے جواب دیا کہ "وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت گستاخ ہے اِس لئے میں چاہتا ہوں کہ اُس کا کام تمام کروں"۔

یہ گفتگو ختم نہ ہوئی کہ ابوجہل "شجاعانِ مکہ" کے جھنڈ میں گھوڑا کُداتا ہوا نظر آیا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بتایا کہ دیکھو جس کو تم ڈھونڈھتے ہو گھوڑے پر سوار وہ جا رہا ہے۔ یہ سُنتے ہی دونوں نے قدم بڑھایا اور ابوجہل کی تاک میں موقع کے منتظر رہے۔ آخر حضرت معاذ رضؓ ابوجہل تک پہنچے اور تلوار کا اِس زور سے وار کیا کہ ابوجہل کی ٹانگ کٹ گئی اور خون کے ساتھ پنڈلی کی نلی سے گُودا بہنے لگا۔ عکرمہ نے اپنے باپ کو گرتے دیکھا تو حضرت معاذؓ پر جھپٹا اور دست بخبر اُن کے شانہ پر تلوار ماری جو اُترتی چلی گئی کہ بغل کے قریب ذرا سا گوشت اُلجھا ہوا رہ گیا اور ہاتھ بیکار ہو کر نیچے لٹک پڑا مگر اللہ رے ہمت کہ ایک ہاتھ کو کمر پر لادے ہوئے دوسرے ہاتھ سے تمام دن لڑتے پھرے آخر جب اُس کی تکلیف کے متحمل نہ ہو سکے تو انگلیوں کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا اور سارے بدن کا زور دے کر اس کو بدن سے جدا کر کے پھینک دیا۔ ابوجہل زخمی ہو چکا تھا مگر مرا نہیں تھا اس لئے حضرت معوذؓ پہنچے اور کاری زخم لگا کر جاں کنی کا دیر تک مزہ چکھنے کے لئے زمین پر پڑا ہوا چھوڑ آئے۔ حضرت معوذ رضؓ اِس سے فارغ ہو کر جنگ کے گھمسان میں گھس گئے اور آخر شربتِ شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوالبختری کا وہ احسان یاد تھا جو مکہ میں شعب ابی طالب کے حصار کے وقت ظالم صحیفہ کے عہد کا نقض کرنے میں اُس کی پیش قدمی کرنے کا واقع ہو چکا تھا اِس لئے آپ نے

جس وقت صحابہؓ کو یہ حکم دیا کہ میں جانتا ہوں بنی ہاشم اور بعض دوسرے لوگ محض دباؤ اور لحاظ سے شریکِ جنگ ہوئے ہیں اِس لئے عبّاس یا کسی دوسرے ہاشمی کو پاؤ تو قتل نہ کرنا۔ وہیں ابوالبختری کے قتل کو بھی منع فرمادیا تھا۔ اِس لئے صحابہ رضؓ اُن کی گرفتاری کے درپے تھے اور جب کسی کو پاتے زندہ گرفتار کرکے لشکر میں پہنچا جاتے تھے یہاں تک کہ حضرت مجذرؓ بن زیاد نے ابوالبختری کو دیکھ پایا اور یہ کہہ کر کہ حضرتؐ نے تیرے قتل کی ممانعت فرمادی ہے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ابوالبختری کے ساتھ اُس وقت جنادہ بن ملیحہ بھی تھا جو اُس کا ہم پیشہ و شریکِ کار تھا اور مکہ سے اس کے ساتھ ہولیا تھا لشکرِ کفار کو اس گھمسان کی لڑائی میں جس نے ان کے چھکے چھڑا دیئے تھے جان کا بچنا غنیمت معلوم ہوتا تھا اِس ابوالبختری خوش ہوگیا مگر اپنے رفیق جنادہ کو بھی ساتھ رکھنا چاہا۔ حضرت مجذرؓ اِس کو ضبط نہ کرسکے صاف کہہ دیا کہ صرف تمھاری جان بخشی کی اجازت ہے تمھارے رفیق کی نہیں سو اس کو الگ کرو اور خون بہایا جائے۔ ابوالبختری کو یہ تفریق گوارا نہ ہوئی اور اس نے کہا کہ اگر اپنے رفیق کو چھوڑ کر اپنی جان بچاؤں تو مکہ کی عورتیں مجھ کو کیا کہیں گی سو ایسی زندگی سے مرنا بہتر ہے کہ دونوں ساتھ ہی مکہ سے آئے ساتھ ہی دُنیا سے اُٹھ جائیں۔ غرض جنگ شروع ہوگئی اور آخر حضرت مجذرؓ کی تلوار سے ابوالبختری و جنادہ دونوں مارے گئے ان سے فارغ ہوکر مجذرؓ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام قصہ عرض کیا جنگ کا ہولناک منظر چند گھنٹے میں تمام ہولیا اور ذرا سی دیر میں ستّر قریش قیدی بن کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے اور ستّر قتل ہوگئے جن میں اکثر قوم کے اشراف اور وہ مشہور سردار تھے جن کو کفر کا پشتیبان اور دشمنانِ خدا و رسول کا مقتدا سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی سردھرو باقی نہ رہا تو اہلِ مکہ کے فوجی سپاہی تتر بتر بن کر بھاگے اور وہ میدان اپنے اُمراء و صنادید کی لاشوں سے بھرا چھوڑ گئے جس میں رقص و سرود کی طرح داخل ہوئے تھے۔ صحابہؓ میں صرف چودہ (۱۴) حضرات کام آئے جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے رضی اللہ عنہم اجمعین جنگ ختم ہوگئی اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا ابوجہل کا حال ابھی تک معلوم نہیں ہوا تھا کہ مرگیا یا زندہ ہے اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاش کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ لاشوں میں ڈھونڈو کہ کدھر پڑا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہنچے اور دیکھا کہ زمین پر پڑا ہوا سانس توڑ رہا ہے اور ابھی رمق باقی ہے حضرت عبداللہؓ بھی ابوجہل کے ہاتھوں ایذا پاچکے تھے اِس لئے اپنا پاؤں اُس کی گردن پر رکھ کر ڈاڑھی کو جھٹکا دیا اور فرمایا کہ "تو ہی ابوجہل ہے جس نے جہالت کی بدولت آخرت کی حیات کو برباد کیا ہے" ابوجہل اگرچہ ریت پر پڑا ہوا وقت کے لمحے شمار کررہا تھا مگر جواب دیئے بغیر نہ رہا اور بولا کہ "کس بات پر ناز کرتے ہو، ایک آدمی کا قتل کرنا کونسی فخر کی بات ہے؟" آخر حضرت عبداللہؓ نے تلوار نکالی اور اُس کا

غلام ... جسم سے الگ کرنا چاہا۔ ابوجہل جس کے دماغ میں بڑائی اور نخوت بھری ہوئی تھی اپنا آخری وقت دیکھ کر کہنے لگا کہ کاش مجھ کو معلوم ہو جاتا کہ میرا قاتل کون ہے تاکہ اگر شریف قوم ہو تو میری عزت ہے ورنہ صدمہ ہوگا کہ عامی شخص کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا نام و نسب بتایا اور گردن کے پاس تلوار لے گئے۔ ابوجہل بولا کہ "اے چند بکریوں کے چرواہے فخر کر کہ بڑی اونچی جگہ بیٹھا اور وصیت سن کہ میرا سر بڑے تو کندھوں کے پاس سے کاٹیو تاکہ بڑا معلوم ہو اور ہر شخص سمجھ جائے کہ بڑے سردار کا سر ہے" غرض حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اُس کا سر تن سے جدا کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا ڈالا حضرت مسرور ہوئے اور یوں فرمایا کہ "الحمد للہ اس امت کا فرعون مارا گیا"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو بیمار چھوڑ کر مدینہ سے چلے تھے اور اُن کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیمار داری کے لئے اُن کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ لشکر کفار کے جب پاؤں اُکھڑے اور انھوں نے مکہ کا راستہ لیا تو فتح کا مژدہ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ عریش نبوی میں آئے، دیکھا کہ حضرت سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور یوں فرما رہے ہیں "یا حی یا قیوم برحمتک استغیث"۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کو مدینہ روانہ فرمایا کہ ایک عوالی مدینہ میں اور دوسرے اس کے حصہ زیریں میں پہنچ کر مسلمانوں کو بشارت دیں اور مژدۂ فتح سنائیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ عوالی کی طرف گئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کو خوشخبری پہنچائی مگر اس وقت جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دختر رسول کو دفن کر کے فارغ ہوئے اور ہاتھ سے مٹی جھاڑ رہے تھے فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

اہل مدینہ اسی خیال میں تھے کہ ابوسفیان کے قافلہ سے تعرض کرنے کو مسلمان روانہ ہوئے ہیں اُن کو کیا خبر تھی کہ یہ سفر اسلام کی شوکت و عظمت کا پہلا زینہ اور کفر و عناد کی ذلت و شکستگی کا صدر دروازہ ہے۔ یہ اتفاقی جنگ اور اس میں اس قدر کامیابی ایک ایسی بات تھی کہ یقین لانا دشوار تھا حضرت زید رضی اللہ عنہ عیدگاہ میں کھڑے ہوئے اس کا اعلان کر رہے تھے اور مسلمان جوق جوق آتے اور ہالہ کی طرح ان کو درمیان میں لئے ہوئے پوچھ رہے تھے کہ کون کون مارا گیا اور کون کون قید ہوا؟ عام باشندگان مدینہ پر اس واقعہ سے ایک ہیبت چھا گئی اور جو مسلمان نہیں بھی تھے اُن کے دلوں میں بھی اسلام کا رعب بیٹھ گیا چنانچہ عبداللہ بن اُبی اور اس کی جماعت نے منافقانہ اسلام کا اظہار اسی قصد پر کیا اور صرف مسلمانوں کی گرفت سے جان و مال بچانے کو مسلمان ہوا۔

آخر رمضان میں مسلمانوں پر صدقہ فطر واجب ہوا کہ صاحب نصاب شخص اپنے اور اپنے بچوں اور غلاموں کی طرف سے ایک صاع جو وغیرہ یا نصف صاع گیہوں خیرات کرے (ایک صاع

کی مقدار نمبری سیر سے ساڑھے تین سیر اور ایک چھٹانک ہوتی ہے) جنگ سے فارغ ہونے
بعد مالِ غنیمت جمع کیا گیا اور سارا اسباب جو اہلِ مکہ مقتول یا مفرور ہو کر چھوڑ گئے تھے مسلمانوں نے
کرا کٹھا کر لیا اس کے بعد شہدائے مسلمین پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور انھیں خون آلودہ کپڑوں میں
کو پہنے ہوئے شہادت پائی تھی دفن کر دیئے گئے۔ دفن سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی
علیہ وسلم مقتولین کفار کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں فرمایا کہ "اے قریش! تمھاری بدنصیبی پر افسوس
کہ نبی کا کنبہ ہو کر تم نے جھٹلایا اور دوسروں نے تصدیق کی۔ تم نے مجھے وطن سے نکالا اور دوسروں
نے جگہ دے کر اپنے اندر لیا، تم مقابل بن کر لڑنے آئے اور دوسرے مددگار بن کر میرے ساتھ آ
وائے تم پر کہ تم محروم رہے اور دوسرے مالا مال ہوئے"۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ ان کی لاشیں
کے گڑھے میں ڈال دی جائیں۔ چنانچہ بجز امیہ کے جس کی لاش زرہ میں پھول گئی اور کھینچنے
پھٹ گئی تھی سب کو قلیب بدر میں ڈال دیا اور اس پر مٹی اور پتھروں کا ڈھیر لگا کر وہیں چھوڑ دیا گیا
آپ گڑھے پر کھڑے ہوئے اور ایک ایک کا نام لے کر یوں پکارا کہ "اے عتبہ بن ربیعہ اور اے ابوجہل اور
شیبہ بن ربیعہ اور اے اہلِ قلیب! اللہ نے جو کچھ ہم سے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو حق پایا، تم
بھی وہ وعدہ درست پایا جو تم سے کیا گیا تھا"۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر عرض بھی کیا کہ "یا رسول اللہ
مردہ ہیں اب ان سے گفتگو کیسی؟" مگر آپ نے جواب دیا کہ "تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، یہ
بات ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے"۔ ہو سکتا ہے کہ نبوی کلام سنانے کو ان کی روحیں لوٹا دی گئی
تاکہ بر وقت طعن کا حزن و غم بڑھے۔ بہر حال اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب
عادت تین یوم وہاں قیام فرمایا اور مالِ غنیمت اور قیدیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ کو واپس ہوئے وادی
صفرا پہنچ کر آپ نے مالِ غنیمت حصہ رسد تقسیم فرمایا اور حضرت عثمان رضی جو بحکم رسالت حضرت رقیہؓ کی تیمار
داری کے لئے مدینہ میں رہ گئے تھے، شریک جنگ ہی سمجھے گئے اور اجر و ثواب کے ساتھ غنیمت کے مالی حصے
میں بھی ان کو شریک کیا گیا۔ اسی پڑاؤ پر قیدیوں میں سے نضر بن حارث کو جو اسلام کا خصوصیت سے
دشمن اور بدر کی لڑائی کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا، قتل کرنا مناسب سمجھا گیا اور حضرت علیؓ نے
کھلے میدان میں اس کی گردن اڑا دی۔ جس وقت اسلامی لشکر روحا میں پہنچا تو ان مسلمانوں سے ملاقات
ہوئی جو مسرت بخش خبر سن کر مبارکباد دینے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت سلمہ بن سلامہ نے کلمات
تہنیت سنے تو ارشاد فرمایا کہ "اے برادرانِ اسلام! ہم نے کام ہی کونسا بڑا کیا ہے جس پر مبارکباد کے
مستحق ہوں، واللہ بڑھیوں سے مقابلہ ہوا کہ کسی میں بھی سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی اور ایسے مارے

...لام ...ر جیسے پاؤں بندھے اونٹ کو پکڑ لیتے ہیں" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُنکر مُسکرائے اور
...و صاحبزادے! وُہی اشرافِ مکہ تھے جو خدا کے فضل سے تمہارے ہاتھوں ذلیل ہوئے یہاں سے
...ن کر عرق الظبیہ میں پڑاؤ ہوا اور یہاں دوسرے قیدی عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا گیا جس کی ایذا رسانی
...قصے مشہور ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں سے ایک دن قبل مظفر و منصور مدینہ
...ں داخل ہوئے اور مسجد میں قدم رنجہ فرمایا۔ اگلے دن قیدی بھی اسلامی حراست میں مدینہ پہنچ گئے
...ر آپ نے اُن کو صحابہ رضؓ پر تقسیم فرمایا کہ حفاظت کریں اور کھانے پینے کی خبر رکھیں ؏

باب ۴۰

بدر کے قیدی اور مال غنیمت

جس وقت قیدی مدینہ میں پہنچے رات کا وقت تھا سب کی مشکیں کسی ہوئی تھیں اور تکلیف سے کراہ رہے تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس کی کراہ سُنی تو بےچین ہو گئے اور نیند آنی مشکل ہو گئی۔ صحابہ رضؓ نے اِس کو محسوس کیا تو ان کی رسّی ڈھیلی کر دی۔ حضرت صلعم نے عباس کو خاموش پایا تو گھبرا کر دریافت کیا کہ عباس کی آواز کیوں نہیں آتی؟ صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ اُن کی مشکیں ڈھیلی کر دی گئیں اور وہ سو گئے۔ تب آپ نے حکم دیا کہ سارے قیدیوں کی رسّیاں ڈھیلی کر دی جائیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے ساتھ رعایت ہو اور دوسرے اُس سے محروم رہیں"۔ اہلِ مکہ کا ہزیمت خوردہ لشکر مکہ پہنچا تو وہاں تہلکہ پڑ گیا۔ حیسمان خزاعی جس نے سب سے پہلے مکہ والوں کو خبر سُنائی کہ فلاں فلاں زندہ گرفتار ہوئے اور فلاں فلاں مارے گئے، دیوانہ سمجھا گیا اور کسی کو یقین نہ آیا کہ یہ خبر صحیح ہے مگر جب ابوسفیان آیا، اور ابولہب سے بھرے مجمع میں بیان کیا کہ ہماری گردنیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھیں کہ جسے چاہیں قتل کریں اور جس کو چاہیں گرفتار۔ تو سب پر سناٹا چھا گیا اور نوحہ وبکا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابولہب نے یہ حال دیکھا تو لوگوں کو چُپ کیا اور سارے مکہ میں اطلاع کر دی کہ کوئی مرد یا عورت اپنے مُردہ کو نہ روئے ورنہ اصحابِ محمد صلعم کو خوش ہونے کا موقع ملے گا اور نہ کوئی اپنے قیدی کا خیال کرے ورنہ مسلمان ہم کو دبا ہوا سمجھیں گے اور خدا جانے کیا کیا اُمیدیں قائم کریں گے۔ غرض بدر کے مرنے والے کافروں پر نہ کوئی رونے والا ہوا اور نہ گرفتارِ مصیبت زندوں کی رہائی کا اہتمام کرنے والا وہ قریشی عورتیں جو غم شدہ اونٹ پر نوحہ کرنے میں سُننے والوں کو رُلا دیتی تھیں، رانڈ اور بیوہ ہو گئیں اور زبان سے آہ نہ نکال سکیں۔ ابولہب جو بدر کی سخت پکڑ سے بچ گیا تھا موت کی پکڑ سے نہ بچ سکا اِس سانحہ کو سُنے ہوئے سات ہی دن ہوئے

تھے کہ اُس کی گردن میں پھوڑا نکلا اور متعدی مرض سمجھ کر اُس کو علیحدہ ڈال دیا گیا کہ بیوی نے پاس آنا گوارا نہ کیا۔ آخر اسی حالت میں مرگیا اور تیسرے دن لاش کے سڑ جانے پر جب اُس کے م کی اطلاع ہوئی تو گڑھا کھدوا کر مزدوروں کے ہاتھ لاٹھیوں سے اُس کی لوتھ کو دبوا دیا گیا۔

صحابہ رضنے جن کی تحویل میں کافر قیدی دیئے گئے تھے خورد و نوش کی خبر گیری کا حق ادا کر کہ اگر کسی کو روٹی کا ٹکڑا بھی ملا تو اُس کو قیدی کی طرف جھکا دیا اور خود فاقہ سے رہے مسلمانوں کی اِس شفقت پر قیدیوں کو ترس آتا اور وہ روٹی کا ٹکڑا بار بار واپس کرتے تھے کہ تم کھاؤ مگر وہ نہ لیتے تھے اور جواب دیا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا خیال رکھنے کا ہم کو حکم دیا ہے اس لئے اپنے بچوں کو بھوکا دیکھ سکتے ہیں مگر تمکو نہیں دیکھ سکتے۔ اسیرانِ بدر کے معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اہل الرائے صحابہ رض سے مشورہ کیا تو حضرت صدیق رض اور اکثر صحابہ رض کا میلان فدیہ قبول کرنے کی طرف ہوا کہ اس وقت مسلمانوں کو جنگ کی قوت بڑھانے کے لئے مال کی حاجت ہے اور کیا عجب ہے کہ ان کو ہو کر توفیقِ اسلام نصیب ہو اور اگر مسلمان نہ ہوئے اور پھر شرارت بھی کی تو ہمیں میدان ہمیں چوگا ہمیں گوئے" اُن کے لئے یہی شکست و ذلت پھر موجود ہے۔ مگر حضرت عمر رض نے اِس رائے سے موافقت نہیں کی اور کہا کہ ان سردارانِ کفر کا قتل ہی مناسب ہے کہ فساد و معصیت کی جڑ کٹ جائے، ہم مال و زر کے محتاج نہیں ہیں البتہ مشرکوں کے خون کے پیاسے ہیں، پس علی رض کے حوالہ اُن کے بھائی عقیل مو اور حمزہ رض عباس کا ہاتھ پکڑیں اور میرے سپرد میرا فلاں عزیز ہو اور ہر شخص اپنے رشتہ دار کی گردن اپنے ہاتھ سے اُڑائے۔ مشورہ کی بات تھی اور ہر شخص اپنے خیال کے موافق خیر خواہانہ رائے دے رہا تھا غیب کی خبر کسی کو نہ تھی کہ درحقیقت بہتر کیا صورت ہے پس اگر کسی کے اجتہاد میں غلطی بھی ہو تو وہ معذور ہے آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت نے بھی وفورِ شفقت اور رحمتِ عامہ کے غلبہ سے حضرت صدیق رض کی رائے کو پسند فرمایا اور فدیہ لے کر رہا کردینے کی اجازت دیدی چنانچہ قیدیوں کو اطلاع دیدی گئی کہ چار ہزار سے لیکر دس ہزار درہم تک حسب حیثیت مال دینے جاؤ اور جان سلامت لے کر مکہ چلے جاؤ۔ باوجودیکہ اہلِ مکہ کو ممانعت کردی گئی تھی کہ اپنے رشتہ داروں کے چھڑانے میں جلدی نہ کریں مگر ابو وداعہ کا بیٹا مطلب اپنے باپ کی جُدائی گوارا نہ کرسکا اور رات ہی کو کھسک گیا آخر مدینہ پہنچا اور چار ہزار درہم دے کر ابو وداعہ کو چھڑا لایا۔ اِس کے بعد دوسروں کو بھی حرص ہوئی اور اپنے اپنے رشتہ داروں کا معاوضہ ادا کرنے کی لوگوں کو فکر ہوئی چنانچہ سہیل بن عمر کی رہائی کے لئے مکرز بن حفص مدینہ آیا اور طے شدہ رقم موجود نہ ہونے کی وجہ سے یوں قرار پایا کہ سہیل مکہ جا کر اپنا فدیہ

[illegible]ے اور اس وقت تک مکرز اس کے بدلہ قید رہے۔ چنانچہ سہیل نے مکّہ جاکر زرِ فدیہ بھیجدیا اور اپنے [illegible] ضامن کو فک کرایا۔

ابوسفیان سے جب کہا گیا کہ اپنے بیٹے عمر کو فدیہ دے کر چھڑالے تو جواب دیا کہ "ایک بیٹا قتل کرا چکا اور [illegible]ل مسلمانوں کی نذر کر دوں سوجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔ رہنے دو عمر کو جب تک جی چاہے مسلمان پاس رکھ کر [illegible]ئیں"۔ چند روز بعد حضرت سعد بن نعمان کو جو بوڑھے شخص تھے اور عمرہ کرنے مکّہ میں آئے تھے ابوسفیان [illegible] پکڑ لیا اور مدینہ میں کہلا بھیجا کہ سعد کی جان عزیز ہو تو قیدی کے بدلے قیدی دیا جاسکتا ہے چنانچہ اس [illegible] منظور کر لیا گیا اور حضرت سعدؓ کی رہائی کے بدلے عمر بن سفیان کو چھوڑ دیا گیا۔

ابوالعاص جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی حضرت [illegible]ینبؓ کے شوہر تھے انھیں قیدیوں میں تھے جب اہلِ مکّہ نے اپنے عزیزوں کی رہائی کے لئے معاوضے بھیجے [illegible] روانہ کئے تو حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کا فدیہ روانہ کیا اور بدن کا زیور بھیجدیا جس میں [illegible]ے کا وہ ہار بھی تھا جو اُن کے بیاہ کے وقت ان کی ماں نے ان کو جہیز میں دیا تھا جس وقت یہ مال حضرتؐ کے [illegible] سامنے لاکر رکھا گیا اور آپ کی نظر منکوں کے ہار پر پڑی تو آپ پر رقّت طاری ہوگئی اور چشم نم ہوکر صحابہؓ [illegible]ے کہا کہ اگر تمھاری رائے ہو تو یہ فدیہ واپس کر دیا جائے کیونکہ یہ ہار زینب کے پاس اُس کی مادرِ مرحومہ کی [illegible] یادگار ہے۔ صحابہؓ نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور ابوالعاص اس شرط پر چھوڑ دیئے گئے کہ مکّہ پہنچکر [illegible] زینبؓ کو مدینہ بھیجدیں۔ چنانچہ ابوالعاص رخصت ہوئے اور وعدہ پورا کیا۔

عبّاس بن عبدالمطّلب سے معاوضہ کا مطالبہ ہوا تو انھوں نے اپنی ناداری کا عذر کیا اور کہا کہ "اے محمدؐ کیا تم گوارا کرتے ہو کہ تمھارا چچا چندہ کے لئے قریش کے آگے ہاتھ پھیلاتا اور بھیک مانگتا پھرے؟" حضرتؐ نے جواب دیا کہ وہ سونے کی ڈلی جو اُمّ الفضل کو دے آئے ہو کس کام آئے گی؟ حضرت عباسؓ یہ سُن کر حیران رہ گئے کیونکہ چلتے وقت سونے کی ڈلی بی بی کو اس طرح چھپا کر دی تھی کہ بیٹے کو بھی خبر نہ تھی اور کہہ آئے تھے کہ نہیں معلوم زندہ آؤں یا نہ آؤں، تو اس کو امانت رکھو کہ معاملہ دگرگوں ہوا تو چند روز کی ایام گذاری ہوجائے گی۔ اس کے بعد عبّاس نے گردن اُٹھائی اور کہا کہ "اے محمدؐ شب کے وقت مکان کے اندر تنہائی کا واقعہ تم کو کس نے بتایا؟" آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ نے"۔ اُس وقت حضرت عبّاس اپنے ایمان کو نہ روک سکے اور بے اختیار پکار اُٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

عمیر بن وہب جس کی عداوت و شرارت مسلمانوں کے ساتھ کھلی ہوئی تھی صفوان سے ایک دن کہنے لگا کہ بدر کے قصّہ نے زندگی کو بے لذّت بنادیا کیا کروں قرض اور بال بچّوں کے اخراجات سے مجبور

ہوں ورنہ مدینہ جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر کاٹ لاتا۔ صفوان چونکہ عمیر کی بہادری سے واقف تھا اور
کے سانحہ سے خود متاثر و مصدوم بنا ہوا تھا اس لئے کہا کہ "اے عمیر! تیرا قرض میرے ذمہ اور تیرے عیا
گویا میرے عیال ہیں کہ پہلے وہ کھائیں اور پیچھے ہم۔ میں اس کا کفیل ہوں تو جا اور اپنا کام کر" یہ
قول و قرار لے کر بارادہ بد مکہ سے باہر نکلا اور تلوار گلے میں ڈالے ہوئے مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ
دروازۂ مسجد سے آرہا ہے تو یہ کہتے ہوئے کہ "شرارت کے ارادہ سے شیطان آگیا" لپکے اور جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کی۔ حضرتؐ نے عمیر کو آنے کی اجازت دی اور حضرت عمرؓ نے چند
کو احتیاطاً بٹھا دیا کہ اس پر اطمینان نہ کیا جائے اور اس کی حرکات پر نظر رکھی جائے مگر حضرتؐ نے پروا نہ
کی اور عمیر کو اپنے پاس بٹھا کر آنے کی وجہ پوچھی۔ عمیر نے کہا کہ "اپنے بیٹے وہب کی سفارش کے لئے آیا
کہ احسان کرو اور اس کو چھوڑ دو" حضرتؐ نے فرمایا کہ "تعجب ہے طالبِ احسان ہو کر آئے ہو اور تلوار ساتھ
لائے ہو؟" عمیر نے بات بنائی اور کہا کہ "بدر ہی میں ان تلواروں نے کیا بنا لیا جو آج ہم کو ان سے نفع
توقع ہو" حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ سچ بتاؤ اے عمیر! جھوٹ بولنا شرفاء کا شیوہ نہیں ہے آنے کا مطلب
کیا ہے؟ عمیر نے کہا واقعی اسی نیت سے آیا ہوں کہ وہب کو لیجاؤں۔ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ صاف کیوں
کیوں نہیں کہ صفوان پر اپنے قرض اور اہل و عیال کے خرچ کا بار ڈال کر میرا سر لینے کے لئے آئے ہو سو
میرے اور تمہارے درمیان خداوند ذوالجلال حائل ہے جس کے ہوتے تمہارے ہاتھ کا مجھ تک پہنچنا ناممکن
عمیر نے تنہائی کے راز کو حضرتؐ کی زبان سے سُنا تو ششدر رہ گئے اور بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھ کر عرض کیا
کہ بے شک آپ رسول ہیں آپ پر جو آسمانی خبریں آتی تھیں ہم اُن کو جھٹلاتے تھے مگر میرے اور صفوان کے
درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اُس کی خبر تیسرے کو نہ تھی اور بجز خدا کے تم کو اس کی اطلاع دینے والا کوئی نہیں
الحمد للہ کہ مجھ کو ہدایت ہوئی اور یہاں پہنچ کر بلا قصد و اختیار یہ دولت مجھے نصیب ہوئی۔ جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ "اپنے بھائی کو مسائل سکھاؤ قرآن پڑھاؤ اور وہب
کو بلا معاوضہ رہا کر دو" چنانچہ وہب نے رہائی پائی اور عمیر نے ضروری مسائل سیکھ کر درخواست کی کہ یا رسول
اللہ آپؐ کو معلوم ہے کہ میں اللہ کا نور بجھانے اور مسلمانوں کے ستانے میں بہت سخت تھا اب چاہتا ہوں
کہ اس کی مکافات کروں اس لئے مجھے اجازت دیجئے کہ مکہ جاؤں اور جو ایمان نہ لائے اُس کو ایسی ہی
ایذا پہنچاؤں جیسی کبھی اہلِ حق کو پہنچاتا تھا۔ چنانچہ حضرتؐ نے اجازت دی اور یہ مکہ روانہ ہوئے۔
عمیر کے مکہ سے غائب ہونے پر صفوان مکہ کی گلیوں میں خوش ہوتا پھرتا اور لوگوں سے کہا کرتا
تھا کہ بشارت ہو تم کو اے مکہ والو اب کوئی دن میں ایسی خبر آنے والی ہے جو بدر کا واقعہ تم کو بھلا دے گی۔

سلام
ن کو کیا خبر تھی کہ منصوبہ خاک میں مل چکا اور شکاری خود شکار بن چکا ہے مدینہ کے آنے والے لوگوں سے
صفوان ملتا اور بڑے شوق سے اپنے مہمان کی آمد کا حال پوچھا کرتا تھا یہاں تک کہ سانڈنی سوار آیا
ر اس نے عمیر کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع دی صفوان یہ سن کر غصّہ سے کانپ اُٹھا اور قسم کھائی
ر ایسے دھوکہ باز سے نہ کبھی بات کروں گا اور نہ کسی قسم کا نفع پہنچاؤں گا۔ حضرت عمیرؓ مکّہ آئے تو اسلام
کی تلقین و ترغیب میں مشغول ہوئے اور جو ایمان نہ لایا اس پر ہاتھ صاف کیا یہاں تک کہ ایک بڑا گروہ
مسلمان ہو گیا اور جو کمزور اپنا ایمان ظاہر نہ کر سکتے تھے وہ بھی کھل گئے۔

صیفی بن رفاعہ بھی بدر کے قیدیوں میں تھا مگر کوئی عزیز اُس کو رہا کرانے کے لئے نہ آیا آخر یہ وعدہ
لے کر چھوڑ دیا گیا کہ مکّہ جا کر فدیہ بھیجدے گا مگر شرافت کے خلاف اُس نے بدعہدی کی اور مکّہ پہنچکر خبر بھی نہ لی
کہ کیا کہہ کر آیا ہوں اور جان کس شرط پر بچی ہے۔ عمر بن عبداللہ بھی بدر کے قیدی تھے اور عیالدار ہونے
کے ساتھ نادار بھی تھے، جب ان کا فدیہ نہ پہنچا تو انہوں نے درخواست کی کہ اے محمدؐ! تم کو معلوم ہے میرے
پاس مال نہیں اور میں حاجتمند و صاحب عیال ہوں اس لئے مجھ پر احسان کرو چنانچہ اُن کو بلا معاوضہ رہا کر دیا
گیا اور یہ اقرار لے لیا گیا کہ اسلام کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے۔ چنانچہ یہ روانہ ہوئے اور محسن پیغمبرؐ کی
عظمتِ شان میں قصیدہ لکھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو قیدی خوش حال اور صاحب مال تھے فدیہ دے کر
آزاد ہوئے اور جو غریب و نادار تھے وہ اس وعدہ پر چھوڑ دیئے گئے کہ پھر کبھی مسلمانوں سے نہ لڑیں گے۔

اسیرانِ بدر کی رہائی کا واقعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہادی فعل تھا جس میں
گو آپ کو اجر ضرور ملا مگر خطا واقع ہوئی کیونکہ اس کے بعد جو وحی نازل ہوئی اُس میں آپ پر
محبوبانہ عتاب تھا کہ "اے محمدؐ! آپ کو اور نیز مسلمانوں کو زیبا نہ تھا کہ خون ریزی پر خون بہا کو ترجیح
دیتے اگر اجتہادی خطا پر معذوری کا حکم نہ ہوتا تو فدیہ لیکر سردارانِ قریش کے رہا کر دینے میں عذاب نازل
ہو جاتا"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے پر روئے اور فرمایا کہ اگر عذاب نازل
ہوتا تو سوائے عمرؓ اور سعدؓ کے جو عمرؓ کے ہمرائے تھے اور کوئی بھی نہ بچتا۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے
اُن کی ذاتی رائے نہ تھی، ان کے پاس جو کچھ بھی تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طفیل تھا اور
آپ ہی کی صحبت و توجّہ کی بدولت صائب الرائے بنے تھے اِس لئے اُن کی اِس رائے کو جو منشاً
خداوندی کے موافق واقع ہوئی معنوی حیثیت سے حضرت ہی کی رائے کہہ سکتے ہیں اگرچہ وفورِ شفقت
جس نے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ کافروں کو بھی اپنے ظلِّ عاطفت میں لے رکھا تھا بیکس قیدیوں
کی رہائی کی طرف متوجہ ہوئی اور ہدایت کی حرص نے توفیق کی دستگیری کے اعتماد پر سردارانِ مکہ

کی جان بخشی کا پہلو غالب بنا کر اصالۃً اِس رائے کو آپؐ کی رائے قرار دیا تاکہ عتاب فرماکر مسلمانوں کو اس کی راسخ تعلیم دیدی جائے کہ حضرتؐ خدا کے رسول ہیں، خدا نہیں ہیں کہ غلطی ہو نہ سکے ؂

باب ۴۱

نکاحِ فاطمہؓ اور غزوۂ سویق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سب میں چھوٹی تھیں جو نبوت سے پانچ سال قبل حضرتؐ کی پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ حضرتؐ کو ان کے ساتھ بہت محبت تھی اور رنگ و رُوپ، صورت و سیرت، یہاں تک کہ چال ڈھال، رفتار گفتار میں اُن کو باپ کے ساتھ بہت مشابہت تھی۔ غزوۂ بدر سے واپس ہو کر آخر ماہِ رمضان میں جب کہ اُن کی عمر پندرہ برس پانچ مہینے پندرہ دن کی تھی۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب کی زوجیت میں ان کو دیا اور نہایت سادی وضع پر نکاح کے بعد دن کے دن خاوند کے گھر پہنچا دیا جس کو ہمارے عرف میں رخصت کرنا کہتے ہیں۔

اوّل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے اِس شرف کے حصول کی خواہش کر چکے تھے اور حضرتؐ نے صاحبزادی کے کم عمر ہونے کا عُذر فرما دیا تھا۔ اب حضرت علیؓ نے شرماتے ہوئے خود حاضر ہو کر اس خیال کو زبانی عرض کیا تو حسب نزولِ وحی آپؐ نے منظور فرمالیا اور حضرت انسؓ سے جو آپ کے خاص خادم تھے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیرؓ اور ایک جماعتِ انصار کو بُلا لاؤ چنانچہ یہ سب حضراتؓ حاضر ہو گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو مثقال نقرہ مہر پر جس کے انگریزی سکہ سے ایک سو پینتیس ۱۳۵ روپے اور کچھ پیسے ہوتے ہیں نکاح پڑھ دیا۔ اِس کے بعد ایک طبق خُرمے لے کر حاضرین کو پہنچا دیئے اور صاحبزادی کو اُمِّ ایمنؓ کے ہمراہ حضرت علی رضؓ کے گھر بھیجدیا۔ آپ کے جہیز میں سُوسی کی طرح ۲ دو یمانی چادریں تھیں اور ۲ دو نہالی جس میں اَلسی کی چھال بھری ہوئی تھی۔ چار گدّے، دو بازوبند نقرئی۔ ایک کملی، ایک پیالہ، ایک چکّی، ایک مشکیزہ اور ایک برتن تھا پانی رکھنے کا جس کو گھڑا کہنا چاہئے اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے۔

نکاح کے دن بعد عشا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے گھر تشریف لائے حضرت فاطمہؓ

سلام
پانی منگایا اور جب وہ لکڑی کے پیالہ میں پانی لے کر آئیں تو آپ نے اس میں لعابِ دہن مبارک ڈالا اور سورہ معوذتین پڑھ کر دعا کی پھر حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو آگے پیچھے حکم فرمایا کہ اس کو پئیں اور وضو کریں، اس کے بعد آپ نے دونوں کے لئے طہارت اور باہمی محبت اور اولاد میں برکت اور خوش نصیبی کی دعا فرمائی اور یوں ارشاد فرما کر جاؤ آرام کرو واپس تشریف لے آئے۔ ولیمہ کا کھانا بھی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا نہایت سادہ تھا یعنی کئی صاع جو روٹی اور کھجوریں اور کچھ مالیدہ تیار کرا کے بسہولت جن کو بلا سکے اُن کو بلایا اور ہنسی خوشی کھلا دیا۔

حضرت سیدہؓ کے بطن سے حضرت حسن حسین اور محسن تین صاحبزادے پیدا ہوئے اور زینب ام کلثوم اور رقیہ تین صاحبزادیاں۔ اِن چھ بھائی بہنوں میں صاحبزادہ محسن اور صاحبزادی رقیہ کا انتقال بچپن میں ہو گیا حضرت زینب اپنے چچازاد بھائی عبد اللہ بن جعفر طیارؓ سے بیاہی گئیں اور ام کلثوم کا نکاح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

بدر سے واپسی کو سات ہی دن گذرے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلیم قبیلے سے جنگ کا قصد فرمایا اور مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو عامل بنا کر آپ مختصر سا لشکر لے کر روانہ ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی اور مقام کدر پر پہنچ کر تین یوم آپ نے قیام فرمایا اور مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ بقیہ شوال اور پورا ماہ ذیقعدہ مدینہ میں گذرا اور انھیں ایام میں بدر کے قیدیوں کی رہائی اور فدیہ کی صورتیں عمل میں آئیں۔ اسی سال اُمیہ بن الصلت شاعر کا انتقال ہوا۔ یہ مشہور شاعر ایام جاہلیت میں کتب سابقہ پڑھ کر نصرانی ہو گیا تھا بُت پرستی چھوڑ بیٹھا تھا اور علمائے اہلِ کتاب سے نبیِّ آخر الزماں کی خبر سُن کر اس مبارک زمانہ کا منتظر تھا مگر تقدیر سے لاچار تھا۔ اس کو اپنی ذات میں خوبیاں دیکھ کر خاتم النبیین کے اوصاف سے متصف ہونے کا اپنے اوپر گمان تھا اس لئے جب وہ وقت آیا تو حسد کی وجہ سے ایمان سے محروم رہا۔

قریش کے قیدی رہائی پا کر مکہ پہنچے تو ابو سفیان کو بدر میں اپنے رفقاء کے مقتول ہونے کا صدمہ تازہ ہو گیا اور اُس نے انتقام کا خیال پختہ کر کے قسم کھائی کہ جب تک مسلمانوں سے دل کھول کر انتقام نہ لے لوں گا غسلِ جنابت نہ کروں گا۔ چنانچہ دو سو مسلح سوار لے کر مکہ سے باہر نکلا اور اس جگہ قیام کیا جہاں سے مدینہ صرف تین میل باقی تھا اپنی جماعت کو تو جبلِ قناۃ کی تلہٹی میں ٹھیرایا اور خود تن تنہا شب کے وقت یہود بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس پہنچا کہ اپنی کامیابی کی تدبیر اور مشورہ میں مدد لے چنانچہ سلام بن مشکم نے حقِ ضیافت ادا کیا اور اکرام کے ساتھ کھلایا پلایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ابو سفیان رات ہی کو اپنے لشکر میں لوٹا اور چند قریشی جوانوں کو مدینہ کی جانب چلتا کیا کہ خیر خبر

لائیں۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ کی ایک سمت عریض مقام پر پہنچے اور دیکھا کہ ایک انصاری اپنے ہم قسم حلیف کے ساتھ نخلستان میں مقیم ہیں۔ ان ظالموں نے اِسی کو غنیمت سمجھا اور دونوں کاشتکاروں کو شہید کر تھوڑے سے گھر جو گرد و نواح میں آباد تھے لُوٹ لئے درخت جلا دیئے اور بھاگ گئے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ کو مدینہ پر عامل بنا کر دو سو سواروں سے اُن کا تعاقب کیا مگر کوئی ابوسفیان کا ساتھ ہاتھ نہ آیا اور مقامِ قرقرۃ الکدر تک پہنچ کر اسلامی لشکر واپس ہو گیا۔ کفارِ قریش اپنے ساتھ ستّو کی تھیلیاں زادِ راہ لیتے آئے تھے لیکن جب اسلامی لشکر کے خوف سے بھاگنا پڑا تو جانیں بھی دو بھر معلوم ہونے لگیں۔ اِس لئے بھاگتے جاتے تھے اور گھوڑوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستّو کی تھیلیاں پھینکتے جاتے تھے۔ اِس لئے اِس لڑائی کا نام "غزوۃ السّویق" یعنی ستّو والی لڑائی ہے۔ پانچ روز بعد رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور بقیہ ذی الحجہ یہاں تشریف رکھ کر بنی غطفان سے غزوہ کرنے کو نجد کا قصد کیا اور حضرت عثمان بن عفّان رضؓ کو مدینہ کا عامل بنا کر کوچ فرمایا۔ صفر کے پورے مہینے وہیں قیام فرمایا مگر لڑائی نہیں ہوئی اور شروع ربیع الاوّل میں مدینہ واپس ہوئے۔ بعض مورخین نے نجد کا غزوہ سنہ ۳ھ کا واقعہ بیان کیا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے اس لئے مفصل آگے بیان ہو گا۔

باب ۴۲ ۳ھ

بنی قینقاع اور کعب بن اشرف

آخر ربیع الاوّل میں حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضؓ کو عاملِ مدینہ بنا کر قریش کی طلب میں نجران کی جانب تشریف لے گئے اور ربیع الثانی اور ماہِ جمادی الاُولیٰ وہاں اقامت فرمائی۔ یہاں بھی جنگ نہیں ہوئی اور بلا محاربہ اسلامی لشکر نے مدینہ منورہ واپسی کی۔

بنی قینقاع جو حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ کی برادری کے لوگ تھے دیگر یہود کی طرح کاشتکار نہ تھے بلکہ سُنار کا کام کرتے یا تجارت اور دوسری دستکاری سے اوقات بسر کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی اخلاقی حالت بہت خراب تھی اور ہر چند کہ اُن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو گیا تھا کہ نیک چلنی کے ساتھ زندگی گذاریں گے مگر ان کو اپنے عہد و پیمان کا بھی لحاظ یا پاس نہ تھا۔ ایک دن ایک نوجوان لڑکی دودھ بیچنے کے لئے کسی گاؤں سے بنی قینقاع کے بازار میں آئی تو عیّاش یہودیوں نے اُس کو چھیڑا اور فحش مذاق کیا جس پر اُس نے دُہائی دی اور شور مچایا۔ صحابی رضؓ جو اُس راستہ سے جا رہے تھے بے وطن لڑکی کے

طرفدار بن گئے۔ بالآخر مسلمان اور یہودیوں میں لڑائی ہوگئی اور اس لڑکی کا ظالم دشمن مارا گیا۔ یہ دیکھ کر یہودیوں میں جوش آیا اور انھوں نے مل کر لڑکی کے مددگار مسلمان کو مار ڈالا۔ مسلمانوں نے سنا تو یہودیوں پر چڑھ آئے اور اس بلوہ میں دونوں جانب کے کئی آدمی مارے گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ وہاں تشریف لائے جہاں بلوہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے غصّہ کو ٹھنڈا کیا چونکہ یہودیوں نے جان بوجھ کر تحریری معاہدہ کے خلاف کیا تھا۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قینقاع کے پاس گئے اور فرمایا کہ "تم مسلمان ہو جاؤ یا مدینہ چھوڑ دو" مگر انھوں نے آپ کے ارشاد کی پروانہ کی اور کہا کہ "اے محمدؐ! تم قریش پر فتح پالینے سے مغرور نہ ہو جاؤ وہ لوگ تو لڑائی کے عنوان سے بالکل ناواقف تھے۔ اگر ہم سے لڑو گے تو معلوم ہوگا کہ لڑائی کس کا نام ہے اور بہادری کے کہتے ہیں"۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ مانا۔ بالآخر مسلمانوں نے بھی ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ روز کے بعد جب یہ لوگ مغلوب ہو کر عاجز آگئے تو دروازہ کھول دیا اور مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔ عبداللہ بن اُبی یہ دیکھ کر کہ میری قوم خزرج کے ہم قسم یہودی گرفتار ہوگئے اور اب اُن کے ساتھ اچھا سلوک نہ ہوگا، سفارشی بن کر آگے بڑھا اور بالحاح واصرار عرض کیا کہ "یارسول اللہؐ گرفتارانِ مصیبت پر ترس کھایئے اور میری خاطر بنی قینقاع کو صرف جلاوطن کر دیجیئے کہ جانیں لے کر جہاں چاہیں چلے جائیں"۔ چنانچہ آپؐ نے عبداللہ کی سفارش منظور فرمائی اور ظالم و باغی یہودیوں کی جانوں کو چھوڑ دیا۔ اس واقعہ نے بتلا دیا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے والوں کی بھی اسلام کو اس قدر رعایت منظور ہے کہ باغیوں کے خون معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنتِ خذیمہ سے نکاح کیا جو فقراء کو کثرت سے کھانا کھلانے کے سبب اُمّ المساکین (محتاجوں کی ماں) مشہور تھیں مگر اٹھارہ[۱] ہی دن کے بعد اور بروایتے دو[۲] ماہ اور بقولے تین[۳] ماہ بعد ان کا انتقال ہوگیا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ

پندرہ[۱] رمضان کو حضرت سیدہ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ پیدا ہوئے۔ اسی سال بدعہدی کے جرم میں کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا حکم بارگاہِ رسالتؐ سے نافذ ہوا جو مسلمانوں کی اکثر ہجو کیا کرتا، اسلامی فتوحات سے جلتا کلستا، کشتگانِ بدر پر رویا کرتا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ یہودیوں کی طرف سے مسلمانوں کو آئے دن جو دینی و دنیوی تکلیفیں پہنچتی تھیں ان کا اندازہ کرنے کے لئے یہود کی کج رفتار طبیعتوں اور حاسدانہ طرزِ معاشرت پر توجّہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام اور اسلامی ارکان و پیشوائے مسلمین کے ساتھ مذاق کرنا، مخول اُڑانا ان کی عادت تھی۔ حضرت[۲] کے

پاس آتے تو اس لفظ کو جس کے معنی یہ تھے ہماری رعایت کیجیے زبانیں موڑ کر اس طرح کہتے جس کے معنی یہ ہو جاتے
تھے کہ "اے ہمارے چرواہے" اور اس چالاکی و فطانت پر پھولتے تھے کہ ہم نے مسلمانوں کو انگلیوں پر نچا
رکھا ہے۔ بوقتِ ملاقات اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کی جگہ اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے تھے جس کے معنی ہیں "تم پر موت" اور
اس لیاقت پر خوش ہو کر کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان حرکتوں سے ہم پر آسمانی عذاب کیوں
نہیں نازل ہو جاتا؟ یہ شریر یہودی تعلیم یافتہ ہونے کے سبب اس پر بھی قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ
مذہبِ اسلام کے لئے بڑی مزاحمت کی جڑ قائم کر رہے تھے کیونکہ اس زمانہ میں عرب کے اندر شاعری سے وہ
کام لیا جاتا تھا جو اس زمانہ میں مہذب اخباروں اور لائق ایڈیٹر کی مؤثر تقریر کے رسالوں سے نکلتا ہے چنانچہ
یہ یہودی اپنی شعر گوئی کے سبب اہلِ مدینہ کے دلوں پر گویا قبضہ کئے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ جادو بیان
اشعار کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈال دیں اور بت پرستوں کو ان کے مقابلہ کے لئے آمادہ
رکھیں تاکہ ان کی قوت آپس ہی کی لڑائیوں سے کمزور ہو جائے اور مسلمانوں کو ہماری طرف توجہ کرنے
کا وقت نصیب نہ ہو۔

بدر کے میدان میں کافروں کی شکست کا افسوس جتنا اہلِ مکہ کو تھا اسی کے قریب قریب یہودیوں
کو بھی تھا چنانچہ لڑائی کے بعد جب حضرت زید نے مدینہ میں آکر فتحِ اسلام کا مژدہ سنایا تو کعب بن
اشرف نے جس کی ماں بنی نضیر کے خاندان کی تھی، اوّل تو یقین نہ کیا اور جب متعدد ذرائع سے
تصدیق ہو گئی تو اس نے افسوس کے ساتھ یہ کلمہ کہا کہ "اگر اہلِ مکہ جیسے سردار محمدؐ کے ہاتھوں قتل ہو گئے تو
ایسے ناقدردان زمانہ کی زندگی پر افسوس اور زمین کا اندرون اس کے بیرون سے بہتر ہے کہ مر رہیں اور
یہ انقلاب آنکھوں سے نہ دیکھیں۔" اس کے بعد مکہ گیا اور ان کا جوش بڑھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کی ہجو میں اشعار تصنیف کئے اور جو کفار میدانِ بدر میں مارے
گئے تھے ان کا نوحہ اور مرثیہ لکھا آخر عداوتِ قریش کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی اور غزوۂ اُحُد میں اس
کا پورا اثر ظاہر ہوا۔

کعب بن اشرف حالانکہ معاہدہ کی شرائط کو قبول اور سندِ مصالحت کی دفعات کو منظور کر چکا تھا
مگر خفیہ سازشوں سے جب باز نہ آیا تو درحقیقت زمین کا اندرون اس کے بیرون سے اس کے لئے بہتر
معلوم ہوا چنانچہ اپنی خباثت ظاہر کر کے جب مدینہ واپس آیا تو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
"ہے کوئی جو کعب بن اشرف کو قتل کر آئے؟" یہ سنکر محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ
یا رسول اللہؐ میں حاضر ہوں اور اجازت چاہتا ہوں کہ تعریض کا کوئی کلمہ جس کے ظاہری معنی سے کعب مجھ کو

بنا ہم خیال سمجھے اگر کہدوں تو معاف کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور یہ اپنے دوست ابو نائلہ رضؓ کو جو کعب کے دودھ شریک بھائی بھی تھے مع چند دیگر احباب لے اُس مضبوط محل کی جانب روانہ ہوئے جس میں کعب بن اشرف رہا کرتا تھا۔

محمد بن مسلمہ رضؓ نے کعب سے ملاقات کی اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے۔ اثنارِ گفتگو میں یہ بھی کہا کہ "مدعیِ نبوّت نے ہم کو مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ ہمیشہ صدقات و خیرات کا مطالبہ رہتا ہے" یہ کلمات سُن کر کعب نے کہا کہ "ابھی کیا ہے دیکھتے رہو کہاں تک نوبت پہنچتی ہے اتنے تنگ آؤگے کہ گھبرا اُٹھوگے"۔

محمد بن مسلمہ رضؓ نے کہا کہ ہمارے یہاں تو آج کھانے کو بھی نہیں ہے کچھ اناج قرض دیدیجئے تاکہ چند روز گذارا کریں۔ اس پر یہودی نے جواب دیا کہ ہاں قرض دے سکتا ہوں مگر اطمینان کے لئے کچھ گرو رکھدو۔ محمد بن مسلمہ رضؓ نے دریافت کیا، کیا چیز آپ رہن رکھنی چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا کہ اپنی عورتوں کو رہن رکھدو۔ اُن کا یہ کلمہ سُن کر طیش آیا مگر مصلحتِ وقت دیکھ کر ضبط کر گئے اور جواب دیا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک خوبصورت جوان آدمی کے پاس عورتوں کا رہن رکھنا حیا و آبرو کے خلاف ہے۔ کعب نے کہا اچھا اپنی اولاد کو رہن کردو۔ محمد رضؓ بن مسلمہ نے کہا کہ حمیّت اس کو بھی گوارا نہیں کرسکتی کہ اولاد کو ہمیشہ کے لئے طعنہ کا نشانہ بنایا جائے اور لوگ عمر بھر ان کو یوں کہیں گے کہ "تم وہی تو ہو جو تھوڑے سے غلّہ میں رہن رکھے گئے تھے"۔ البتہ اپنی زرہ یا جنگ کے دوسرے ہتھیار رہن کرسکتا ہوں کہ جب تک آپ کے قرض سے سُبکدوش نہ ہو جاؤں گا اس کو واپس نہ لے سکوں گا۔ کعب بن اشرف نے منظور کرلیا اور یہ اپنا سامان لانے کے بہانے یہ کہہ کر کہ "میں ابھی آتا ہوں" ساتھیوں کے پاس واپس آئے۔

آفتاب غروب ہوگیا اور رات کی اندھیری چادر نے عالم کو ڈھانپ لیا۔ کعب، محمد رضؓ بن مسلمہ کے آنے سے مایوس ہوچکا تھا کہ کسی نے دروازہ آ کھٹکھٹایا۔ کعب بن اشرف نے یہ معلوم کرکے کہ محمد رضؓ بن مسلمہ ہیں باہر آنے کا قصد کیا مگر اس کی بی بی نے جس کا نام عقیلہ تھا اور فنِ کہانت کی ماہر تھی، آثار اچھے نہ پائے اس لئے چمٹ گئی اور دامن پکڑ کر کہا کہ "رات کے وقت کہیں مت جاؤ کیونکہ مجھ کو ان پکارنے والوں کی آواز میں خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے"۔ کعب نے کچھ توجہ نہیں کی اور یہ کہہ کر کہ "میرا رضاعی بھائی ابو نائلہ اور محمد رضؓ ابن مسلمہ ہے کوئی غیر نہیں ہے" باہر آگیا دیکھا کہ محمد رضؓ بن مسلمہ کے ساتھ چار آدمی اور بھی ہیں یعنی ابو نائلہ اور ابو عبس اور حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔ چاروں ساتھیوں کو محمد بن مسلمہ نے سمجھا دیا تھا کہ میں تدبیر کے ساتھ کعب کا سر مضبوط پکڑ لوں گا پس تم اپنا کام اور اُس کا قصہ تمام کر دینا چنانچہ محمد بن مسلمہ نے کعب کو دیکھا تو اکرام کیا، مسکرائے اور آگے بڑھ کر کہا کہ "عربی سردار کے بدن سے

خوشبو کی لپٹیں دماغ معطر کیے دیتی ہیں، کیسا خوشبودار تیل ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اگر اجازت ہو تو قریب سے سونگھوں؟ کعب بن اشرف کو یہ خبر نہ تھی کہ سر پر موت آ پہنچی ہے۔ یہ پھولا نہ سماتا تھا کہ اُس کے عطر کی تعریف ہو رہی ہے اِس لئے فوراً سر آگے کر دیا اور کہا کہ " ہاں ہاں اچھی طرح سونگھیئے "۔ ابن مسلمہؓ نے سونگھا اور خوب تعریف کی اور پھر کہا کہ " سیری نہیں ہوتی اور دل چاہتا ہے کہ اسی کو سونگھے جاؤں بس ایک مرتبہ اور اجازت دیجئے کہ سونگھ لوں "۔ کعب نے پھر اپنا سر اُن کے آگے کر دیا اور محمدؓ بن مسلمہ نے مضبوطی کے ساتھ سر پکڑ کر بالوں کو ہاتھ کے شکنجہ میں دبا لیا اور للکار کر ساتھیوں سے کہا کہ " ہاں، دیر نہ کرو "۔ چاروں رفیق جو وقت اور اجازت کے منتظر تھے۔ اپنا کام کر گذرے اور کعب بن اشرف کی گردن ذرا سی دیر میں زمین پر پڑی ہوئی نظر آئی۔ محمدؓ بن مسلمہ خون آلود نعش کو تڑپتا ہوا چھوڑ کر چاروں اصحاب سمیت وہاں سے چل دیئے اور بنی اُمیہ و قریظہ و بعاث پر گذرتے ہوئے آخر شب میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں مشغول تھے، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصّہ کہہ سنایا۔ چونکہ دفعۃً چار تلواروں کے ایک سر پر پڑنے سے حضرت حارث بن اوس کے پاؤں پر صدمہ پہنچا اور خون بہنے لگا تھا اِس لئے اُن کے چلنے میں دشواری پیش آئی اور رفقاء کو ان کا انتظار بھی دیکھنا پڑا آخر جب کامیاب ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرتؐ نے لعابِ دہن مبارک اُن کے زخمی پاؤں پر لگا دیا اور وہ اپنے رفقاء سمیت گھر واپس ہو کر آرام کی نیند سو رہے۔ صبح کو جب کعب کے مقتول ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو سناٹا چھا گیا۔ یہود کی کمریں ٹوٹ گئیں، چہرے اُداس اور بے رونق پڑ گئے آخر بڑی دُھوم سے اس کا جنازہ اُٹھا کر حوالۂ زمین تو کیا مگر ہر یہودی کے دل پر ایسا خوف چھا گیا کہ اپنی زندگی پر امن نہ رہا اور موت کی بھیانک تصویر نظر کے سامنے کھڑی نظر آنے لگی *

باب ۴۳

دُوسری جنگ یعنی غزوۂ اُحُد

چھوٹی لڑائیاں جو مسلمانوں اور کافروں میں ہوا کرتی تھیں وہ آئندہ کی بڑی لڑائیوں کی تمہید تھیں، کیونکہ اُدھر کافر بدلہ لینے کے لئے اپنے دلوں میں پیچ و تاب کھا رہے تھے اور اِدھر مسلمان اِس پر آمادہ تھے کہ یا دین کو غلبہ ہو یا دنیا کی زندگی رخصت۔ چنانچہ کفارِ قریش نے دوسری لڑائی کے لئے خوب خوب تیاریاں کیں، عورتوں کو ساتھ لیا کہ رجز کے اشعار پڑھ کر لڑنے والوں کی ہمت بڑھا دیں اور بھاگنے

ان کو غیرت دِلائیں، اپنے کامداروں قاصدوں کو ہر جانب مختلف قبیلوں کے پاس بھیجدیا کہ قومی اور
ی ہمدردی کریں اور مذہبی جنگ میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دیں۔ چنانچہ دو قومیں یعنی کنانہ اور
مہ اُن کے شریکِ حال ہوئیں اور سب ملا کر تین ہزار مسلح سپاہی، جن میں سات سو زرہ و بکتر سے
آراستہ تھے اہلِ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے اور تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور
زرہ عورتوں کے ہودج لے کر بماتحتی ابو سفیان بن حرب نہایت کر و فر کے ساتھ مکہ سے نکل کر
ینہ کے شمالی جانب جہاں اُحد کی پہاڑی واقع ہے، عینین کے مقام پر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑے
مسلمانوں میں مشورے ہوئے اور بدر کی اتفاقیہ جنگ میں شریک نہ ہو سکنے والے صحابہؓ
جوشِ شجاعت نے اِس پر زور دیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیئے۔ عبداللہ بن اُبی منافق اور
مد انصار نے کہا بھی کہ شہر کے ناکوں اور راستوں پر کھڑے ہو کر اہلِ مکہ کی مدافعت کرنی مناسب ہے
اندر نہ گھس سکیں اور سامنے سے تیروں کی بارش مرد برسائیں تو مکانات کی چھتوں سے پتھروں
امینہ عورتیں۔ کیونکہ تجربہ کیا ہوا ہے کہ جب کسی دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا اور اہلِ مدینہ نے مدینہ ہی
ں قائم رہ کر مدافعت کی ہے تو ضرور فتح پائی ہے۔ مگر ان کی بات پر توجہ نہیں ہوئی اور گو رسولِ
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی میلانِ خاطر اِسی جانب تھا مگر جب اکثر رفقاء کو ایک خیال
مصر پایا تو گھر میں تشریف لے گئے اور سلاحِ جنگ زیبِ بدن کئے۔ دو زرہ اوپر نیچے پہنیں، خود
سر پر رکھا، چمڑے کی پیٹی سے کمر کسی، تلوار لٹکائی، نیزہ ہاتھ میں لیا اور تیار ہو کر باہر تشریف لے آئے۔ اُس وقت
بعض حضرات نے یہ سوچ کر کہ جنابِ رسالت مآبؐ میں خلافِ مرضیٔ مبارک اصرار کرنا، نامناسب تھا عرض بھی
کیا کہ "یا رسول اللہؐ! اگر مرضیٔ مبارک نہیں ہے تو مدینہ ہی میں ٹھہر کر لڑائی کی جائے"۔ مگر آپ نے فرمایا
کہ "اب میں ہتھیار نہیں اُتاروں گا کیونکہ اللہ کا پیغمبر جب سلاحِ جنگ بدن پر لگا لے تو جب تک اللہ
پاک اُس کے اور دشمن کافروں کے درمیان فیصلہ نہ فرمادیں، اُس کو ہتھیار کھولنے جائز نہیں"۔
چنانچہ آپؐ جمعہ کے دن ۷۔ شوال کو اور بروایتے ۱۴۔ شوال کو عصر سے قبل کچھ کم ایک ہزار سواروں
کا اسلامی لشکر لے کر مدینہ سے باہر نکلے اور حضرت عبداللہؓ بن اُمِ مکتوم کو مدینہ کے پس ماندہ مسلمانوں کا
پیشِ نماز بنا کر جبلِ اُحد کی جانب روانہ ہوئے۔

عبداللہ بن اُبی منافق اپنے تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ مسلمانوں سے عین وقت پر علیحدہ
ہو گیا اور راستہ ہی میں سے یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ خواہ مخواہ کو مرنا اور اپنے کو ہلاک کرنا کیا ضرور ہے، کوئی
لڑائی بھی ہو کہ مسلمانوں کا ساتھ دیں، ہم کہتے تھے کہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کرو مگر محمدؐ نے نہ مانا اور

دوسروں کے کہنے پر چل کھڑے ہوتے۔ جب ہماری بات ہی نہیں مانی جاتی تو اپنے کئے کا بھگتان تم خود ہی اٹھاؤ، ہمیں کیا غرض ہے کہ مرنے اور کٹنے میں ساتھ دیتے جائیں۔ اب مسلمانوں کی فوج صرف سات سو رہ گئی جن میں کل پچاس سوار تھے باقی سب پیادے۔ لیکن تاہم اُن کی عالی ہمتیں اور جوش خیالات اُن کو دلیرانہ رفتار سے آگے بڑھائے لئے چلے گئے اور مربع بن قیظی اندھے منافق کے باغ میں کو کرایسے راستے سے کہ کفار کے لشکر پر گذر نہ ہو اُحد کی تلہٹی میں پہنچ گئے۔ رات کو پہاڑی کے پاس مقیم رہ صبح کی نماز کے بعد میدان میں اُتر آئے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو پُشت کی طرف اور عام حکم دے کر کہ میری اجازت کے بغیر جنگ میں کوئی پیش قدمی نہ کرے، جماعتِ صحابہ کی صف کی اوّل فوج کا جائزہ لیا اور جن کو نابالغ پایا اُن کو مدینہ واپس فرما دیا۔ لواءِ جنگ حضرت مصعب رض کے ہاتھ میں دی اور میمنہ و میسرہ پر زبیر بن العوام رض و منذر بن عمرو رض کو تعینات فرمایا۔ ابو دجانہ رض کو جو گرمی کے بڑے ماہر اور چست و چاق شخص تھے اپنی تلوار عطا فرمائی اور پچاس تیر انداز جن پر حضرت عبد اللہ بن جبیر رض کو افسر بنایا۔ فوج کے پیچھے کوہِ عینین پر اُس پہاڑی درّہ کے قریب بٹھا دیئے جہاں اندیشہ تھا کہ دشمن کی فوج اِدھر سے نکل کر پُشت کی جانب حملہ کر سکتی ہے اور اُن کو تاکید کر دی گئی فتح ہو یا شکست کچھ ہی کیوں نہ ہو تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہلنا اور جو کافر اِس درّہ سے حملہ کرنے کا قصد کرے اُس کو تیروں کی بوچھار سے پسپا کر دینا۔ اِس پہاڑی کا نام اِسی مناسبت سے جبلِ رماۃ (تیر اندازوں کی پہاڑی) اب تک مشہور ہے۔ اِدھر ابو سفیان نے اپنے لشکر کی قطار باندھی میمنہ پر خالد ابن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو تعینات کیا عورتوں کو پیچھے کھڑا کیا اور سارے لشکر کو بدر کی ذلّت و خواری اُن کے سرداروں کا مارا جانا اور چھانٹ چھانٹ کر بہادروں کا قتل ہونا خوب یاد دلا اور جوش دلایا کہ اُن کے بعد زندگی بے لطف ہے اس لئے اِس مرتبہ تم کو دکھا دینا چاہیئے کہ جینا ہم ہمّت والے کا ہے اور مرنا بھی اسی کا ہے کہ آئندہ کو نام باقی رہے۔

جنگ کا ہولناک منظر جھانکنے کے لئے ۱۵ شوال کو ہفتہ کے دن آفتاب نے اُفقِ مشرق سے منہ نکالا مسلمانوں کی جھلکتی ہوئی تلواروں نے پہاڑی کے ریگستانی نشیب کو خون کے فواروں اور کافروں کے سُرخ پانی سے لالہ زار بنانا شروع کیا۔ قریشی گروہ میں سب سے پہلے ابو عامر میدان میں نکلا جو زمانہ جاہلیت میں انصار کے قبیلۂ اوس کا سردار تھا اور زاہدانہ گذران کی وجہ سے راہب کے نام سے پکارا جاتا تھا اسلام کا آفتاب نکلنے پر حسد کی آگ نے اُس کو مدینہ میں نہ رہنے دیا اور حضرت کی دشمنی کا اعلان کرتا ہوا مدینہ سے نکل گیا تھا۔ مکہ میں آکر اُس نے قریش کا ساتھ دیا اور یہ اُمید دلائی تھی کہ میری قوم نے مدّتوں مجھ

نت اور معتقدانہ نگاہ سے دیکھا ہے اِس لئے میدانِ جنگ میں تمہارے ساتھ دیکھیں گے تو ضرور میرا ساتھ
ں گے اور بروقت اصحابِ محمدؐ کی رفاقت و اعانت چھوڑ بیٹھیں گے مگر افسوس کہ اس کی اُمید بر نہ آئی
جس وقت اس نے میدان میں نکل کر اپنی قوم کو پکارا تو سب نے راہب کی جگہ فاسق کے خطاب سے اس کو
کارا اور بد دُعا دی کہ اے فاسق خدا کرے تیری آنکھ کو کبھی ٹھنڈک نصیب نہ ہو۔ یہ سُن کر ابو عامر ذلیل
شرمندہ ہوا اور یہ کہتا ہوا کفّارِ قریش میں جا ملا کہ میرے پیچھے میری قوم کی حالت دِگرگوں ہو گئی اور ان
ں صلاحیت جاتی رہی اِس کے بعد اہلِ مکّہ اپنی تعداد پر بھروسہ کئے ہوئے تکبّر و نخوت میں بدست آگے
ھے اُن کے دیوتاؤں کی مُورتیں جن کو اپنے خیال میں فتح و نصرت کا وسیلہ سمجھے ہوئے تھے، فوج کے بیچ میں
یں اور سرداروں کی خوبصورت بیبیاں اور خوش الحان بیٹیاں رجز گاتی اور ڈھولک بجاتی تھیں تاکہ
بہادرانہ مادہ میں اُبال آئے اور اس فوری جوش میں جان کا دینا ننگِ خاندان بننے سے بھلا معلوم ہو۔ قریش
کا پہلا حملہ نہایت خوفناک تھا کیونکہ ابوسفیان کے ان واقعات کے یاد دلانے پر ہوا تھا جو سال گذشتہ میدان
بدر میں گذر چکے تھے مگر مسلمانوں نے نہایت بہادری سے اس کو روکا اور دشمنوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ غنیم نے کئی
رتبہ پشت کے درّہ سے داخل ہونا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا مگر تیر اندازوں کی بہادرانہ مدافعت سے
پسپا ہوئے تھوڑی دیر میں عورتوں کے زیور آفتاب کی تمازت سے بدن پر تپنے لگے اور کافروں کے
بھی چھوٹ گئے کیونکہ ان کو ہر طرف سے ناکامی کی بھیانک صورت نظر آتی تھی اور اس کی عار علیحدہ مُنھ
کالا کر رہی تھی کہ خود ہمّت باندھ کر چڑھے اور ناکام واپس چلے۔ حضرت امیر حمزہؓ نے دیکھا کہ آفتاب چڑھ گیا
اور دُھوپ تیز ہو گئی مگر کافر پسپا ہو کر فرار نہیں ہوئے تو للکارے اور شیر کی طرح کفّار کے انبوہ میں گھُستے چلے
گئے جن کی متابعت میں عام مسلمانوں نے بھی غنیم پر حملہ کیا اور سمجھ لیا کہ بس جو ہونا ہے اِس جوشیلے
حملے میں ہو جائے یا ہم شہید ہوں اور یا دشمن واصلِ جہنّم۔ اور واقعی مسلمانوں کے اِس خطرناک حملے
نے کافروں کی جمعیّت میں انتشار ڈال دیا اور ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا
کیونکہ کفّارِ قریش کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بے دین دشمن مُنھ کی جگہ کمر پر زخم کھاتے ہوئے بے سروسامان بھاگ
کر عورتوں تک پہنچے، اوّل تو انھوں نے عار دِلائی اور غیرت کی بدولت جوش پیدا کرنا چاہا مگر جب اپنے
کو ناکام دیکھا تو وہ بھی سراسیمہ بھاگ کھڑی ہوئیں۔ غرض اسلامی لشکر زوال سے پہلے پہلے فتحیاب ہو گیا
اور اب مسلمانوں نے مالِ غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت کافروں کی پوری شکست ہو چکی تھی
اور لشکرِ اسلام نے دشمن کو بھگا دیا تھا مگر افسوس کافروں کو بھاگتا دیکھ کر وہ تیر انداز جوان بھی اپنی
جگہ چھوڑ کر مال لُوٹنے میں مصروف ہو گئے جو پشت کے درّہ کی حفاظت کے لئے بِٹھائے گئے تھے اور

ہر چند کہ ان کے سردار حضرت عبد اللہ رضہ بن جبیر نے اُن کو روکا تھا مگر سوائے دس آدمیوں کے کسی نے اُن کا کہنا نہ سُنا اور آخر کار مسلمانوں کو وہ وقت دیکھنا نصیب ہوا جس کا پہلے سے اندیشہ تھا یعنی خالد بن ولید نے جو اس وقت تک کافر تھے مورچہ خالی پاکر بھاگی ہوئی فوج کو سمیٹا اور اس درّہ سے جس پر حضرت عبد اللہ رضہ دس آدمیوں کو لئے ہوئے بیٹھے تھے مسلمانوں کی پشت کی طرف حملہ کر دیا۔ خالد بن ولید کا بہادرانہ حملہ کوئی نہ روک سکا۔ تیر اندازوں کی مختصر جماعت شہید ہوئی اور اسلامی لشکر پر بے خبری کی حالت میں عین اُس وقت جب کہ وہ خوش خوش دشمنوں کا چھوڑا ہوا مال لُوٹ رہے تھے اچانک سخت حملہ ہوا جس نے سب کو متحیّر و پریشان بنا دیا۔

مسلمان اِس دھوکہ کے اتفاقیہ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اُن کو جمنا مشکل پڑ گیا۔ لڑائی کا پہلو بکلّی بدل گیا کیونکہ یا تو ابھی کافروں کی عورتیں ایسی پریشان ہو کر بھاگی تھیں کہ سردارِ لشکر ابو سفیان کی بیوی ہندہ کی پنڈلیاں کھُل گئیں اور لوگوں کو خلخال نظر آ گئے تھے اور یا اب وہ مسلمان تتر بتر ہو کر بھاگنے لگے جن کا استقلال مشہور اور بہادرانہ ثابت قدمی مخلوق کی وِردِ زبان ہے۔ یہ ہزیمت شاید اِس کا خمیازہ تھا کہ اپنی رائے کو صائب سمجھ کر اللہ کے پیغمبر کو خلافِ مرضی مبارک مدینہ سے باہر میدانِ جنگ میں لائے اور سالِ گذشتہ کی نمایاں فتح دیکھ کر اپنی قوت و بہادری پر نازاں ہو گئے تھے بہر حال اپنی پشت کی جانب کے سخت حملہ میں سوائے چند اولوالعزم حضرات یعنی ابو بکر رضہ و عمر رضہ اور علی رضہ و طلحہ رضہ جیسے ثابت قدم صحابہ کے اور کوئی نہ جم سکا کیونکہ دو طرفہ فوج کا مقابلہ کرنا پڑا اِس لئے سب میں تشویش پھیل گئی اور اکثر مسلمان اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ بڑے بڑے جانباز سپاہی کام آئے یعنی ستر صحابہ رضہ شہید ہوئے جن میں حضرت کے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی داخل تھے اور حضرت جابر رضہ کے والد حضرت عبد اللہ رضہ بھی شامل تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ط

اس وقت کفّار کی یہی کوشش تھی کہ جس طرح ہو اسلامی لشکر کے سپہ سالار پر حملہ کریں چنانچہ عتبہ بن ابی وقاص نے آپ پر پتھر پھینکے جن میں ایک آپ تک پہنچا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کے ہونٹ میں آکر لگا [illegible] طرف کا دندانِ مبارک اتنا شہید ہوا کہ گو ٹوٹا نہیں مگر ایک جانب سے کچھ گر گیا اور نیچے ہی کا ہونٹ زخمی ہوا جس میں سے خون بہنے لگا۔ ابن قمیہ کافر آپ تک پہنچ گیا اور تلوار یا پتھر کا وار کیا۔ جس کے صدمہ کی آپ تاب نہ لا سکے رُخسار مبارک پر زخم آیا اور عبد اللہ بن شہاب زہری نے پیشانی پر پتھر مارا جس کا خون ابو سعید کے والد حضرت مالک ابن سنان نے اپنے مُنہ سے چُوسا تا کہ جسم کو تکلیف نہ پہنچائے اور جنّت کی بشارت پائی۔ چونکہ جسم مبارک پر دو آہنی زرہ کا

ما اس لئے آپ ایک غار میں گر گئے جس سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ آخر حضرت علیؓ نے دستِ مبارک
اور حضرت طلحہؓ نے آپ کو اُٹھایا تب آپ باہر تشریف لائے زرہ کی کڑیاں پیشانی میں گھس گئیں
پ کا چہرہ خون آلودہ ہو گیا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے دانتوں سے پکڑ کر کڑیاں
نچیں اور اپنے دو دانت اس خدمت میں اللہ کی نذر کئے۔ آپؐ چہرہ سے خون پوچھتے اور یوں فرماتے
تے تھے کہ "کیا فلاح پائے گی وہ قوم جس نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو خون سے تر کر دیا؟"

جنگ کی اس نازک حالت میں جو کچھ بھی مسلمانوں پر گذر رہی اُس کا کیا بیان ہو۔ شریف زادیاں
مشکیزے بھر کر لاتیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی پھرتی تھیں۔ مسلمان شربتِ شہادت نوش
نے اور کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے۔ صرف دس بارہ آدمی جو حضرتؐ کے پاس رہ گئے تھے جی توڑ کر
ہے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ اسی استقلال سے جمے کھڑے اور بہ نفسِ
بس دشمنوں کے حملہ کو روک رہے تھے۔ اسلامی سپاہ میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دس صحابہؓ
وں نے اپنے آپ کو حضرتؐ کے لئے ڈھال بنا کر کفار کے تیر اور پتھروں کا نشانہ بنایا تھا یکے بعد دیگرے
ن ہو چکے تھے۔ علمبردار حضرت مصعبؓ بن عمیر آپ کے رُوبرو شہید ہو لئے تھے اور جنگ کا
ان حضرت علیؓ کے حوالے ہو چکا تھا۔ غار میں گرنے کی وجہ سے چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ
وسلم لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے تھے اور ابو سفیان نے پکار بھی دیا تھا کہ محمدؐ قتل ہو گئے۔ اس وحشت اثر
اور نظارہ نے رہی سہی ہمت مسلمانوں کی اور پست کر دی تھی کہ ہاتھ سست اور دل محزون و نڈھال
گئے تھے یکایک حضرت انس بن مالک کا مہاجرین و انصار کی اس جماعت پر گذر ہوا جو ہاتھوں کو ڈالے
ئے مضمحل کھڑے تھے اور کہا کہ یہ وقت جانبازی کا ہے یا کھڑے ہونے کا؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ
لیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو اب آپ کے بغیر جینا اور بھی مشکل ہے اس لئے چلو اور کوشش کرو کہ
د بھی شہید ہو کر آپ کے پاس [illegible]۔ چنانچہ پھر صحابہؓ میں جوش پیدا ہوا اور علیؓ بن ابی طالب اپنے
تحت سپاہیوں کو لے کر کافروں کے غول میں گھستے چلے گئے یہاں تک کہ حضرت کعبؓ بن مالک نے خود میں
چمکتی ہوئی آنکھیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچانیں اور بے اختیار پکار اُٹھے کہ مسلمانو!
بشارت ہو کہ سید الانبیاءؐ زندہ اور تشریف فرما ہیں۔ یہ سُن کر مسلمانوں کے دم میں دم آیا اور اب
چاروں طرف سے سمٹ کر ہالہ کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابو دجانہ نے اپنے نفس کو جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنا دیا تھا کہ کمر جھکائے دشمنوں کی طرف پشت کئے کھڑے رہے اور تیر پر تیر
کھائے گئے مگر نہ وہاں سے جنبش کی اور نہ مضطرب ہو کر جگہ سے ہٹے۔ حضرت قتادہؓ بن نعمان کی آنکھ

کام آئی اور کسی دشمن کے تیر سے باہر نکل کر رخسار پر لٹک پڑی حضرت نے سنا تو اُن کو پاس بلایا اور اپنے ہاتھ سے نکلے ہوئے ڈھیلے کو آنکھ کے حلقے میں رکھ دیا۔ یہ آپ کا معجزہ تھا کہ وہ آنکھ ایسی درست ہوئی کہ کبھی درد بھی نہ ہوا اور دوسری تندرست آنکھ سے بھی زیادہ اس سے نظر آنے لگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور طلحہ بن عبید اللہ رضؓ آپ کے اِدھر اُدھر آڑ بنے ہوئے کھڑے رہے اور تیر اندازی سے مدافعت کرتے رہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے خون جاری دیکھا تو حضرت علی رضؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور حضرت فاطمہ رضؓ نے خون دھویا مگر جب خون بند نہ ہوا تو بوریہ کا ٹکڑا جلا کر ریشم کی جگہ زخم میں بھرا۔ غار سے نکل کر حضرت نے اُس پتھر پر چڑھنا چاہا جہاں سے فوجیں اچھی طرح نظر آتی تھیں مگر نقاہت و ضعف اور دو زرہ کے بوجھ کی وجہ سے چڑھ نہ سکے اِس لئے حضرت طلحہ رضؓ نے کمر اور ہاتھ پر آپ کو سوار کیا اور آپ سہارا لے کر اوپر چڑھے، حضرت طلحہ رضؓ کا ہاتھ شل ہوگیا اور وہ ہمیشہ اِس پر فخر کرتے رہے کہ یہ عضوِ بدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام آیا۔

مسماۃ نسیبہ بنتِ کعب کی ہمت و شجاعت پر آفریں ہے کہ مشک کاندھے پر لئے ہوئے دوڑ دوڑ بھر پانی پلاتی پھریں اور جب ابن قمیہ کو یہ کہتے سُنا کہ "مجھے محمد کا پتہ بتادو کہ کدھر ہیں کیونکہ اگر آج بھی وہ بچ گئے تو مجھے نجات نہ ہو" حضرت نسیبہ تاب نہ لاسکیں اور تلوار لے کر دو تین وار پے در پے ایسے کئے کہ قریب تھا قمیہ ہلاک ہو جائے مگر اُس کے بدن پر دو زرہ تھیں اِس لئے بچ گیا اور آخر اُس نے حضرت نسیبہ کے ہاتھ پر تلوار ماری جو شانہ میں اُترتی چلی گئی اور ضرب کا یہ گہرا نشان عمر بھر باقی رہا۔

حضرت انس بن نضر رضؓ کا بدن شہادت کے بعد دیکھا گیا تو چھلنی ہو رہا تھا تیر و تلوار کے ستر زخم بدن پر موجود تھے کہ ان کی بہن نے بمشکل اُنگلیوں سے اُن کو پہچانا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضؓ نے جن کے ہاتھ میں لوا تھی، ابن قمیہ پر حملہ کیا اور آخر ابن قمیہ کی تلوار کا وار اُن کے ہاتھ پر کارگر ہوگیا۔ داہنا ہاتھ بیکار ہوا تو نشان بائیں ہاتھ میں لیا اور دوسری ضرب سے وہ بھی کٹ گیا تو سینہ پر رکھ کر مُنھ سے تھام لیا۔ سینہ پر تلوار ماری گئی تو شہید ہو کر گرے اور نشان حضرت علی رضؓ کے پاس گیا۔ حضرت امیر حمزہؓ شیرِ خدا نے ارطاۃ بن عبد شرجیل اور سباع بن عبد العزیٰ کو قتل کیا اور آخر وحشی کے نیزہ سے شہید ہوئے۔

ظہر کی نماز حضرت نے صحابہ رضؓ کے ساتھ جبلِ عنین پر قنطرہ کے قریب پڑھی اور ضعف کے سبب بیٹھ کر امامت فرمائی۔ تمام صحابہ رضؓ نے بھی آپ کے اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اِس کے بعد مرضِ وصال میں جب ضعف کے سبب آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو تندرست صحابہ رضؓ کو کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار سے باہر تشریف لا کر چند مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے کہ اُبی بن خلف نظر آیا جو گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا آپ کی طرف بڑھا چلا آتا تھا کہ "اے محمدؐ! اگر آج تم بچ گئے تو میں نجات نہ پاؤں۔" صحابہؓ نے چاہا بھی کہ اُس کا مُنہ بند کر دیں مگر حضرتؐ نے روکا اور جب وہ پاس آ گیا تو حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ منگا کر اس کے چنبر گردن پر مارا۔ لیکن اس نیزہ کا نشان خراش سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ اللہ کے پیغمبر نے مارا تھا اس لئے اُبی بن خلف بیتاب ہو گیا اور کئی بار گھوڑے سے گرتا پڑتا اپنی جماعت میں پہنچا۔ ہر چند کہ اس کے رفقاء نے اُس کو تسکین دی کہ بجز خراش کے کوئی اثر نہیں ہے مگر یہ یُوں ہی کہتا رہا کہ یہ نیزہ اگر کسی پوری جماعت کے بھی لگتا تو سب مر جاتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جاں بر نہ ہوا اور واپسی میں سرف مقام پر پہنچکر اُس کا دم نکل گیا۔ ہجرت سے قبل مکّہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس کو ملتے تو یہ ہنستا اور یوں کہا کرتا تھا کہ اے محمدؐ! میں اپنے گھوڑے کو جس کا نام عود ہے چرا کر اور کھلا پلا کر تیار کر رہا ہوں۔ دیکھو موقع ہوا تو اسی پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا۔" حضرتؐ نے ایک بار اُس کو یوں جواب دیا تھا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ چنانچہ آج وہ قول پورا ہوا اور اُبی بن خلف کو بھی وہ جواب یاد تھا اِس لئے نیزہ کھاتے ہی زندگی سے مایوس ہو کر اپنی قوم سے کہہ دیا کہ میں اب جاں بر نہیں ہو سکتا اور محمدؐ نے درحقیقت اپنا قول پورا کر دکھایا۔

مسلمانوں کا یہ فرار بہت تھوڑی دیر کا تھا کیونکہ فوراً ہی امیر حمزہؓ کی پکار پر بھاگتے ہوئے مسلمان رُک گئے اور پلٹ کر جنگ میں مشغول ہو گئے اور یہ لغزش اُن کی معاف کر دی گئی جیسا کہ چوتھے پارہ کے دوسرے رُبع میں مذکور ہے۔ بائیس۲۲ مشرک اِس جنگ میں مارے گئے اور ستّر مسلمانوں نے شربتِ شہادت نوش فرمایا۔ ہر چند کہ اسلامی لشکر کو فتح کے بعد شکست لاحق ہوئی اور اُن کی سراسیمگی نے دشمنوں کو بڑھنے کا موقع دیا مگر تھوڑی دیر بعد جب مسلمان پھر جمع ہوئے تو اہلِ مکّہ کی ہمّتیں پست ہو گئیں اور اتنی ہی فتح کو غنیمت سمجھ کر اُنھوں نے واپسی کا سامان شروع کر دیا۔ البتہ عورتوں نے مسلمان لاشوں کے ساتھ وحشیانہ حرکتیں کیں اور ان کے پیٹ چاک کر کے کلیجے نکالے دانتوں سے چبائے، ناک کان کاٹ کر مثلہ کیا کہ پہچانے نہ جائیں اور اُن کے ہار بنا بنا کر گلوں میں پہنے۔ اِس کے بعد ابوسفیان نے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے دونوں رفیقِ دُنیا و آخرت صحابی حضرت صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کو نام لے لے کر پکارا اور جب حضرتؐ کی ممانعت کے سبب اُن کو کچھ جواب نہ دیا گیا تو کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے یہ تینوں بھی چل بسے اور دنیا کو چھوڑ گئے یہ سُن کر حضرت

فاروق رضؓ ضبط نہ کر سکے اور بآوازِ بلند جواب دیا کہ "الحمد للہ، تمہارا سر کچلنے کو تینوں موجود اور صحیح
وسلامت قائم ہیں"۔ پھر ابو سفیان نے دو تین کلمات طنز اور کفر کے کہے جن کا جواب توحید اور اسلامی
عقائد میں دیا گیا۔ اس کے بعد ابو سفیان نے یہ کہہ کر کہ سالِ آئندہ بمقام بدر ہماری تمہاری لڑائی پھر ہوگی
سامان لاد لیا اور واپس ہو گئے۔ مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ قریشی گروہ یہاں سے چل کر کہیں مدینہ
حملہ نہ کر بیٹھے کیونکہ فی الجملہ غلبہ کے سبب ان کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں اور مدینہ میں عورتوں، بچوں کے
سوائے کوئی ہے نہیں، اس لئے پریشان ہوئے اور چاہا کہ اس کا انتظام کریں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو اس پر تعینات فرمایا کہ کافروں کا تعاقب کریں اور دیکھیں کہ گھوڑوں
پر سوار ہو کر اونٹ ساتھ لئے جاتے ہیں یا اونٹوں پر سوار ہو کر گھوڑے کوتل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت
علی رضؓ گئے اور خبر لائے کہ اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف رُخ کئے ہوئے ہیں تب مسلمانوں کو اطمینان ہوا
اور پہاڑ سے نیچے اُتر کر شہداء کو دفن کیا۔ سورۂ آلِ عمران کی ساٹھ آیتیں یعنی چوتھے پارہ کے پاؤ
شروع ہو کر نصف کے کچھ بعد تک اسی قصہ میں نازل ہوئی ہیں ❖

باب ۴۴

سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضؓ کی شہادت اور جنگ کا نتیجہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ آپ کے پیارے چچا حمزہ رضؓ نظر نہیں آتے تو مقتولین کی نعشوں
میں تلاش کیا اور جب اُن کو اس حالت میں دیکھا کہ سینہ چاک کر کے جگر نکال لیا گیا تھا۔ ناک اور
کان قطع کر لئے گئے تھے۔ صورت پہچانی نہ پڑتی تھی ہاتھ کی انگلیوں سے شناخت میں آئے تو بہت
غمگین ہوئے اور اُن ہی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کر دیا جن میں شہادت پائی تھی۔ حضرت امیر
حمزہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اسلامی جنگ کے اس مشہور غزوہ میں
شہید ہونے والے صحابی ہیں جس کے شہداء کی فضیلت و برتری قرآن مجید میں مذکور اور احادیث میں
منصوص ہے اس لئے سید الشہداء کے خطاب کے مستحق اور سیف اللہ و سیف رسول اللہ کے لقب
یاد کئے جاتے ہیں آپ وحشی بن حرب کے ہاتھ سے قتل ہوئے جو جبیر بن مطعم کا سیاہ فام حبشی غلام تھا
جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی جنگِ بدر میں مارا گیا تھا اور جبیر کو اس کا اس قدر صدمہ تھا کہ کسی پہلو چین
نہ آتا تھا آخر اس نے وحشی کو جو نیزہ بازی میں قابلِ جرأت مہارت رکھتا تھا بلایا اور کہا کہ "اگر میرے چچا

بدلے محمدؐ کے چچا حمزہؓ کو قتل کردے تو قیدِ غلامی سے تو آزاد ہے۔" آزادی ایسی چیز نہیں جس کی غلام کو قدر نہ ہو۔ اُدھر ابوسفیان کی بی بی ہند جس کا باپ عُتبہ بن شیبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں قتل ہوچکا تھا حضرت حمزہؓ سے خاص عداوت رکھتی اور جب کبھی وحشی پر ہوکر گزرتی تو کہا کرتی تھی کہ "زہے نصیب اُس کے جو حمزہؓ کو قتل کرے اور مجھ سے بھرپور خاطر خواہ انعام لے۔" انعام کی اِس توقع نے وحشی کی طمع بڑھادی اور اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ عمِ رسول اللہؐ پر اس نیزہ کا وار کرے جس کے بہادرانہ کرتب میں اس کا ملک مشہور تھا اور اپنے ہم ملکوں میں وہ خصوصیت کے ساتھ اس کی مہارت رکھتا تھا چنانچہ جنگِ اُحد میں وحشی بھی شریک ہوا اور حضرت حمزہؓ کی ٹوہ میں موقع کا منتظر رہا کہ وقت پاؤں تو دھوکے میں وار کروں جس وقت اُحد کے نیچے میدانِ کارزار جوش پر اور قتل کا بازار گرم ہورہا تھا ایک شخص کی آواز سُنائی دی جو کہہ رہا تھا کہ "ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے؟" یہ عبدالعزیٰ کا بیٹا سباع تھا جس کی ماں اُمِّ انمار مکہ میں مُلکی رسم کے موافق عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی۔ حضرت حمزہؓ کے کان میں یہ آواز پڑی تو شیر کی طرح جست مار کر اُس کے سامنے آکھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر کہ "اے اُمِّ انمار کے بچے تجھ کو بھی اتنا حوصلہ ہوگیا۔" ایک تلوار کھینچ کر ماری جس نے بجلی کا کام کیا اور عبدالعزیٰ تڑپتا ہوا زمین پر دکھائی دیا۔ مگر افسوس کہ جہاں پر یہ قصہ ہورہا تھا وہیں ایک پتھر سے چھپا ہوا وحشی بیٹھا تھا جو نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے اسی کا منتظر تھا کہ حمزہؓ کی نظر بچے اور میں حملہ کروں۔ چنانچہ دفعۃً وحشی کا نیزہ اُڑتے ہوئے سانپ کی طرح حضرت حمزہ کی ناف کے نیچے آلگا اور اپنا کام کرتا ہوا کئی انگشت نیچے اُترا چلا گیا۔ حضرت حمزہؓ نے کاری زخم کھا کر بھی اپنے دشمن پر جست کی مگر وحشی اپنا نیزہ جسم میں چھدا ہوا چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت حمزہؓ دو چار قدم چل کر گر پڑے۔ چند منٹ میں آپ کی رُوح پرواز کرگئی اور وحشی نے پاس آکر اپنا حربہ بدن سے کھینچ کر باہر نکالا۔ وحشی کو حُرّیت و انعام کے لالچ میں بجز حضرت حمزہؓ کے دوسرے کا قتل مقصود نہ تھا اس لئے واپس آکر لشکر میں بیٹھ رہا۔ ہند بنت عُتبہ یہ خبر پاکر حضرت حمزہؓ کی نعش پر آکھڑی ہوئی۔ آپ کے ناک کان قطع کئے، پیٹ چیر کر جگر نکالا اور دانتوں سے چبا کر چاہا کہ نگل جائے مگر حلق سے نیچے نہ اُتار سکی تو تھوک دیا اور کہا کہ آج کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی ہے کیونکہ باپ کے قاتل کا خون پینے کو مل گیا۔ وحشی نے مکہ پہنچ کر جُبیر کی غلامی سے آزادی بھی حاصل کی اور ہند سے انعام بھی پایا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو درد پہنچا اُس کی تلافی نہ ہوسکی۔

فتح مکہ کے بعد حضرت ہند بھی ایمان لے آئیں اور وحشی نے بھی اسلام قبول کیا اس لئے اِس خطا کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا خصوصاً جب کہ وحشی نے اِس حرکت کی تلافی بھی کرنی چاہی کہ مسلمان ہونے

کے بعد مسیلمہ کذاب کو یہ کہہ کر قتل کیا کہ "ہائے کاش حمزہ رضؓ کے قتل کا تدارک اِس قتل سے ہو جائے"۔ وحشی کے مسلمان ہونے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو پاس بُلایا اور اپنے چچا کے قتل کا قصہ سُنا اُس وقت آپ چشم نم ہوئے اور فرمایا کہ تم مسلمان ہو میں تم سے کوئی انتقام نہیں لے سکتا مگر تمہاری صورت دیکھ کر مجھے حمزہ رضؓ کی یاد آتی اور صدمہ تازہ ہو جاتا ہے اِس لئے میرے سامنے مت آیا کرو۔ چنانچہ وحشی جب حاضرِ خدمت ہوتے تو پسِ پشت بیٹھتے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نئے حزن وغم کا سبب بننے سے اپنے آپ کو بچاتے رہے کہ اعمال حبط نہ ہو جاویں اور دینی مضرت لاحق نہ ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضؓ بھی شہداء میں تھے جن کے مُنہ سے حضرت جابر رضؓ بار بار کپڑا اُٹھاتے اور دیکھ کر روتے تھے کیونکہ یہ صورت پھر دنیا میں نظر آنے والی نہ تھی اور اُن کی پھوپھی فاطمہ رضؓ بھی آنسو بہا رہی تھیں جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلّی دی اور فرمایا کہ رُودمت دیکھو ان پر خدا کے فرشتے اپنے پروں کا سایہ کئے ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی نے نو بیٹیاں چھوڑیں جن کی کفالت ان کے بھائی جابر رضؓ نے کی اور درحقیقت حق ادا کر دیا کیونکہ انھیں کے خیال سے اپنی شادی بھی کی تو ایک بیوہ عورت سے تاکہ ان لڑکیوں کی پرداخت کر سکے حضرت عبداللہ رضؓ جنگ میں روانگی کے وقت اُن کو گھر ہی چھوڑ گئے تھے کیونکہ بچّوں کا نگراں کوئی مرد ذات نہ تھا۔ جب شہید ہو گئے تو میدان میں گئے اور باپ اور ماموں کی نعش اُٹھا کر لائے کہ مدینہ میں دفن کریں۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سُنا کہ "جو جس جگہ شہید ہوا ہے وہیں دفن بھی ہو" تو اُنھوں نے جنازہ واپس کر کے اُحد کی تلہٹی میں پہنچا دیا اور شہداءِ اُحد کے ساتھ دفن کیا۔ حضرت عبداللہ رضؓ چونکہ عیالدار تھے خرچ زیادہ تھا اور آمدنی کم، اِس لئے مقروض تھے۔ حضرت جابر رضؓ نے گوارا نہ کیا کہ باپ پر حق العبد رہے اِس لئے قصد کر لیا کہ گو سب کو سال بھر فاقہ کشی سے گذارنا پڑے مگر سال بھر کی پیداوار قرض خواہوں کے حوالے کر دوں گا چنانچہ جس وقت ان کے باغ میں چھوارے پک گئے اور توڑ کر خرمن لگا دیئے گئے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لے گئے کیونکہ اپنے مرحوم باپ کا پورا قرض ادا ہونے کے لئے اس کو ناکافی سمجھتے تھے اور خیال تھا کہ حضرت صلعم کے لحاظ سے قرض خواہ کچھ رعایت کر جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خرمنِ تمر کے گرد تین چکر لگا کر برکت کی دُعا فرمائی اور ان قرض خواہوں کو پیمانہ سے ناپ ناپ کر دینے کا حکم دیا جو طیش کھا رہے تھے کہ اتنے چھوارے ہمارے قرض کو کیونکر بھر دیں گے۔ مگر پیغمبرِ خدا صلعم کی دُعا ہو چکی تھی اِس لئے اس کی برکت کا کیا پوچھنا۔ چنانچہ ایک طرف سے قرض خواہوں کو دینا شروع کیا گیا اور جس وقت حبّہ حبّہ قرض ادا ہو گیا تو دیکھا گیا کہ

اسلام
زمین تک سالم اور بھرپور پڑا ہوا ہے ایک دانہ کی بھی کمی نظر نہیں آتی۔ اس طرح حضرت جابرؓ نے سارے قرض سے سبکدوش ہو کر اہل و عیال کا نفقہ بھی پالیا اور نیک نیتی کے صلہ میں مراد سے زیادہ نفع اٹھایا۔

انھیں شہداء میں حضرت مصعب بن عمیرؓ پڑے ہوتے تھے جن کے ابتدائی اور انتہائی حال کا دنیوی فرق بیتاب کئے دیتا ہے، کیونکہ ایک دن وہ تھا جب کہ یہ بڑے مالدار اور اپنی قوم کے رئیس کہلاتے تھے اسلام سے محروم تھے مگر دنیوی نعمت کوئی ایسی نہ تھی جو ان کو حاصل نہ ہو، اور یا ایک دن یہ ہے کہ اسلام اور شہادت کی دولت سے مالا مال ہیں مگر کفن کے لئے چادر بھی پاس نہیں ہے جس میں بدن چھپ سکے اگر سر ڈھانپا جاتا ہے تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپائے جاتے ہیں تو سر ننگا ہوجاتا ہے آخر چادر سر کی جانب سرکا دی گئی اور پاؤں پر اذخر ڈال دی گئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سعد ابن ربیعؓ بھی نظر نہیں آتے تو حضرت زید بن ثابتؓ کو تلاش کے لئے روانہ کیا اور فرمایا کہ اگر زندہ پاؤ تو میرا اسلام کہنا اور پوچھنا کہ کیسا مزاج ہے۔ چنانچہ حضرت زیدؓ نعشوں کو ڈھونڈتے ہوئے پہنچے اور دیکھا کہ نیزہ اور تلوار اور تیروں کے ستّر زخم کھائے ہوئے حضرت سعدؓ زمین پر پڑے ہوئے اور خون میں نہائے ہوئے دم توڑ رہے ہیں۔ حضرت زیدؓ پاس آئے اور حضرتؐ کا اسلام و پیام پہنچایا۔ حضرت سعدؓ پر غلبۂ حال سے رقّت طاری ہوئی اور فرمایا کہ حضرتؐ سے میرا بھی سلام عرض کرنا اور کہنا کہ الحمد للہ جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں؛ اور میری قوم انصار کو یہ پیام پہنچا دینا کہ جب تک تم میں ایک نفس اور دیکھنے والی آنکھ باقی ہے اگر تم نے حمایتِ نبیؐ میں کوتاہی کی اور دشمنوں کو حضرتؐ کے پاس پہنچنے کا موقع دیا تو یاد رکھنا کہ حق تعالیٰ کے سامنے منہ کرنے کا موقع نہیں اور نہ کوئی عذر سنا جائے گا۔ اس کے بعد آنکھیں بند کرلیں اور راہیٔ دارُ البقاء ہوئے۔

حضرت خثیمہؓ بوڑھے شخص تھے اور مدت سے شہادت کے حریص تھے ان کے صاحبزادے حضرت سعدؓ جنگِ بدر میں شہید ہوچکے تھے۔ جنگِ اُحُد کے دن حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ رات میں نے اپنے بیٹے سعد کو خواب میں دیکھا کہ نہایت حسین صورت بنا ہوا جنت میں پھر رہا ہے اور مجھ سے یوں کہتا ہے کہ ہمارے پاس آجاؤ دونوں ایک جگہ رہیں گے دیکھو ہم نے تو جو کچھ ہم سے خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا، حق پایا۔ سو یا رسول اللہؐ میں بوڑھا ہو گیا، اعضاء سست پڑ گئے کمزوری بڑھ گئی اور اپنے خدا کی لقاء کا شوق زیادہ ہو گیا اس لئے دعاء فرمائیے کہ حق تعالیٰ نوازے اور شہادت نصیب فرما کر سعد کے پاس پہنچا دے۔ چنانچہ حضرتؐ نے دعا فرمائی اور یہ میدانِ کارزار میں شجاعت کے جوہر دکھا کر فائز المرام ہوئے، شہید ہوئے اور بیٹے سے جا ملے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ نے غلبۂ شوق میں قسم کھائی اور آج جنگِ اُحد کے دن اس طرح کہا تھا کہ "یا اللہ وہ بھی دن ہوگا کہ کسی زبردست کافر سے لڑوں گا اور وہ مجھ کو شہید کرکے بدن کے سارے کپڑے اتارے گا، میرا پیٹ چاک کرے گا ناک کان کاٹے گا اور تُو مجھ سے سوال کرے گا کہ یہ کیوں ہوا؟ تو میں جواب دوں گا کہ سب کچھ آپ کی خاطر اور آپ کے راستہ میں ہوا" چنانچہ آج مُراد پوری ہوئی اور جیسا کہا تھا سامنے آیا۔

ان کے پاؤں میں لنگ تھی اور ان کے چار دل جوان بیٹوں نے شریکِ جنگ ہوکر اُن کو مستغنی کردیا تھا مگر شہادت کے شوق میں اتنے مغلوب ہوئے کہ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ "یا رسول اللہؐ! کاش وہ وقت نصیب ہوکر شہید ہوکر جنّت میں جاؤں اور لنگڑے پاؤں وہاں سیر کرتا پھروں۔" حضرتؐ نے فرمایا بھی کہ تم معذور ہو اور جنگ سے مستثنیٰ۔ مگر جب اِن کا زیادہ اصرار ہوا تو ان کے بچّوں سے فرمایا کہ بہتر ہے اِن کو اجازت دیدو، کیا عجب ہے کہ حق تعالےٰ ان کو شہادت سے نوازے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ شریکِ جنگ ہوئے اور شربتِ شہادت پی کر کامیاب ہوئے۔

مدینہ میں جنگ کے متعلق وحشت ناک خبریں پہنچیں تو عورتوں، بچّوں، بوڑھوں میں پریشانی پیدا ہوگئی۔ ایک انصاری عورت جن کا نام غالباً رافع کی بیٹی حضرت کلثوم رضؓ ہے بیتاب ہوکر گھر سے نکل کھڑی ہوئیں اور دریافت کیا کہ کون کون شہید ہوا؟ اور جب لوگوں نے کہا کہ تمہارے بھائی باپ، خاوند اور بیٹے شہید ہوگئے۔ تو کہا مجھے بتاؤ کہ ہمارے پیشوا سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں حضرتؐ بحمد اللہ بعافیت ہیں، تو بنتِ رافع کو سکون ہوگیا اور یہ کہہ کر کہ حضرتؐ زندہ ہیں تو پھر کسی کے مارے جانے کا غم نہیں، یہ مصرعہ پڑھا ؎

کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جَلَلُ

کہ آپؐ کی خیریت کے بعد یا رسول اللہؐ ہر مصیبت صغیر اور بے حقیقت ہے۔ اِس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اُن کے صاحبزادے عمر بن معاذ رضؓ کی تعزیت فرمائی اور بشارت دی کہ خوش ہو اے بنتِ رافع تمہارا لختِ جگر جنّت میں پہنچا۔

حضرت عمر بن ثابت جو اصیرم کے نام سے پکارے جاتے تھے، کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو آئے تھے مگر میدان میں پہنچکر حق تعالےٰ نے اُن کو اسلام کی توفیق بخشی اور یہ مسلمان ہوکر کسی کو اطلاع دیئے بغیر وہاں سے نکل آئے اور تلوار لے کر کافروں کو قتل کرنا شروع کردیا آخر زخمی ہوئے اور کمزور ہوکر گر پڑے۔ شہداء کی تلاش کے وقت اُن کو بھی پڑا پایا تو لوگوں کو حیرت ہوئی

اسلام
گئے تو دیکھا کہ دم باقی ہے اور سانس شمار کر رہے ہیں۔ اُس وقت کسی نے دریافت کیا کہ "تونی جوش نے یہ حالت
کی یا اسلامی محبت نے؟" تو انھوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ حضرت نے سُنا تو مسرور ہوئے اور
فرمایا کہ اصیرم جنّت میں گئے۔ یہ وہ مبارک صحابی ہیں کہ ایک نماز بھی نہ پڑھی اور جنّت کے سردار قرار پائے
ثابت بن وقش اور حذیفہ کے والد حضرت یمان بوڑھے شخص تھے غلبۂ شوقِ شہادت میں نکل کھڑے ہوئے
اور یہ کہہ کر کہ آخر ایک دن مرنا ہے اِس موت سے بہتر کونسی موت ہوگی دونوں تلواریں لے کر دشمنوں کی فوج
میں بغیر اِس کے کہ اپنی جماعت کو بھی اپنی حاضری و قصد کی اطلاع دیں، گھُس گئے آخر حضرت ثابت رضؓ
کسی کافر کی تلوار سے شہید ہوئے اور حضرت یمان پر لشکرِ اسلام کی سراسیمگی کے وقت مسلمانوں کی تلواریں
آپڑیں اور ہر چند کہ حضرت حذیفہ رضؓ نے کہا کہ یہ تو میرے والد ہیں مگر اسلامی تلوار کام کر چکی تھی اور یمان
میں حضرت یمان رضؓ اپنے دینی بھائیوں کے ہاتھ شہید ہو چکے تھے۔ حضرت حذیفہ رضؓ نے دیکھا کہ بوڑھے
باپ جنّت کو سدھارے اِس لئے یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ "مسلمانو! اللہ تمھیں معاف فرمائے اور وہ
سب سے زیادہ مہربان ہے۔" بعد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا بھی کہ قاتل مسلمانوں سے
قتلِ خطا کی دیت حضرت حذیفہ رضؓ کو دلائیں مگر حضرت حذیفہ رضؓ نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ اپنے بھائیوں
سے کیا دیت لوں۔ ناواقفی کے سبب جو ہونا تھا ہو لیا۔ باقی میرے باپ کے لئے اِس سے زیادہ کیا نعمت
ہوگی کہ شہید ہوئے اور دُنیا میں ان کی زیارت تو نہ دیت لینے سے حاصل ہوگی نہ دیت کے چھوڑنے سے
جنگ سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کے لئے قبریں کھُدوائیں اور دو دو
اور تین تین حضرات کو ایک جگہ دفن فرمایا البتہ جن کو قرآن زیادہ یاد تھا اُن کو افضل سمجھا گیا اور ساتھی کے
آگے اور لحد میں مقدم مدفون ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عمر بن جموح جن میں باہم دوستی
تھی ایک قبر میں دفن ہوئے اور حضرتؐ نے فرمایا کہ دونوں دوستوں کو ایک ہی جگہ رکھو۔ اِس کے بعد
آپ نے شہدائے اُحد پر سلام بھیجا اُن کے فضائل بیان کئے اور ارشاد فرمایا کہ اِن کو مرا ہوا نہ سمجھو یہ
زندہ ہیں اور ان کو خدا کے پاس رزق ملتا ہے قیامت تک جو بھی ان پر سلام بھیجے گا یہ سُنیں گے اور
اُس کا جواب دیں گے۔ چھیالیس ۴۶ برس کے بعد بزمانہ معاویہ رضؓ سیل کی وجہ سے شہداء کی قبریں کھُل گئیں
اور نعشوں کو دوسری جگہ منتقل کیا گیا تو سب کے بدن اسی طرح شگفتہ تھے کہ بدن سے خون جاری ہو جاتا
تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کو دیکھا کہ ہاتھ سینہ پر تھا اُس کو اُٹھایا تو سینہ کے زخم سے خون فوّارہ کی طرح اُبلا
اور ہاتھ چھوڑ دیا تو وہ اپنی جگہ جا رہا اور خون بند ہو گیا۔
جنگ سے قبل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار میں

شکستگی کا اثر ہے اور گائے ذبح کی جا رہی ہے اور آپؐ نے محفوظ زرہ میں اپنا ہاتھ داخل فرمایا۔ پس اس کی تعبیر ظاہر ہوئی کہ ہزیمت پیش آئی اور ستر جاں باز صحابہ رضؓ شہید ہوئے اور مدینہ میں رہنا حفاظت کا سبب تھا مگر قضا و قدر سے ہر شخص مجبور ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ کو جو کچھ منظور تھا وہ ہوا اور جن جن مصلحتوں سے اس کا وقوع ضروری تھا وہ ظاہر ہوئیں چنانچہ سچے اور منافق مسلمانوں کا امتیاز، صحابہ رضؓ کا شہادت کے مراتب عالیہ سے نوازنا، مسلمانوں کی آزمائش و امتحان، تکلیف سے شکستگی و صدمہ پہنچا کر اس کا دنیوی و دینی ثمرہ عطا فرمانا، پیغمبرؐ کی رائے کو مقدم سمجھنے اور خلاف طبع اصرار نہ کرنے کی تعلیم، ہمیشہ نظر بخدا رکھنا اور کسی فتح پر نازاں نہ ہونا، مال کی حرص اور رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی سے ہر حال میں بچنا، اس جنگ کے وہ ثمرات ہیں جن سے اخلاقی تعلیم حاصل ہوئی اور جنگِ بدر کی فتح و غنیمت کے بعد یہ دوسری نعمت مسلمانوں کو حاصل ہوئی فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

اُحد سے واپس آکر حضرتؐ نے ہتھیار کھولے اور ذوالفقار نامی تلوار جو خون آلود تھی حضرت فاطمہ رضؓ کو دے کر ارشاد فرمایا کہ بیٹی اس کو دھو کر صاف کرو اس لئے آج خوب کام دیا اور خوب جوہر دکھلائے۔

باب ۴۵

حمراء الاسد اور رجیع

شوال کے مہینہ کی سولہ ۱۶ تاریخ تھی اور ابوسفیان مع لشکرِ کفار مکہ کی جانب روانہ ہو لیا تھا۔ مسلمانوں کو مدینہ میں پہنچکر جنگ کی تکان رفع کرنے کے لئے ایک دن بھی آرام نہ ملا تھا کہ شہر میں منادی ہوئی اور معلوم ہوا کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قریشی لشکر کا تعاقب کیا چاہتے ہیں اور صرف انھیں صحابہ رضؓ کو ہمراہ لیجائیں گے جو جنگِ اُحد میں شریک تھے کیونکہ یہ خبر سُنی گئی تھی کہ ابوسفیان میدانِ جنگ سے آکر پشیمان ہوا اور مقامِ روحاء میں پہنچکر ساتھیوں سے کہنے لگا کہ غلبہ تو خاطر خواہ ہم کو حاصل ہو چکا تھا پھر محمدؐ کو کیوں نہ قتل کیا، چلو واپس چلیں اور مسلمانوں کو پورا مزہ چکھا آئیں اس لئے حضرتؐ نے مناسب سمجھا کہ تعاقب کیا جائے تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مردانِ دین نے ضعف کا اثر قبول کر لیا۔

مسلمان حالانکہ خستہ و زخمی تھے مگر فوراً آمادہ و تیار ہو گئے۔ حضرت جابر رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ

ی دلی تمنّا ہے کہ کسی جہاد میں بھی آپ کی ہمرکابی نہ چھوڑوں۔ بہنوں کی تنہائی کے سبب باپ کے حکم سے
ین شریک نہ ہو سکا تھا اس لئے اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ چلوں۔ چنانچہ آپ نے ان کو اجازت دیدی
ان کے علاوہ کسی ایسے شخص کو جو اُحد میں شریک نہ تھا اپنے ہمراہ نہ لیا۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
پنے جاں نثار صحابہؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ سے آٹھ میل باہر مقام حمراء الاسد تک پہنچے اور وہاں قیام فرمایا
ابو سفیان کی جرأت نہ ہوئی کہ واپس ہو کیونکہ معبد بن ابی معبد خزاعی نے جو مسلمان ہو گئے تھے اور
سفیان کو اس کی اطلاع نہ تھی، روحاء مقام پر قریشی لشکر سے مل کر ان کو ڈرایا کہ مسلمان پوری
اعت کے ساتھ تمہارے سر پر آپہنچے پس اپنی جانیں بچاؤ اور جو فتح کا نام حاصل ہو چکا
ے اُس کو غنیمت سمجھو ایسا نہ ہو کہ بات پلٹ جائے۔ ابو سفیان نے اگرچہ کہا بھی کہ ہم تو واپس ہو کر تمام
سلمانوں کا بیج نابود کرنے کا عزم کر رہے ہیں۔ مگر جب معبدؓ نے یوں جواب دیا کہ تم کو مُراد حاصل ہوئی دشوا
یں بغرض خیرخواہی کہتا ہوں کہ واپسی کا قصد مت کرو، آئندہ تم کو اختیار ہے تو سب کی ہمتیں
ست ہو گئیں اور مکہ کا راستہ لیا۔ راہ میں ایک مُشرک ملا جو مدینہ جا رہا تھا۔ ابو سفیان نے اس کو اپنا
اصد بنایا اور کہا کہ محمدؐ اور اصحابِ محمد کو خوف دلانے کے لئے یوں کہدینا کہ ابو سفیان تم پر ٹوٹ پڑنے کا
پختہ عزم و تہیہ کر رہا ہے اور اس پیام رسانی کی اُجرت مکہ واپس آنے پر ایک اونٹ بخشش دونگا چنانچہ
شخص مسلمانوں سے ملا تو اُس نے ابو سفیان کا پیام جو محض تخویف کی غرض سے تھا پہنچایا۔ مسلمانوں
نے اُس کو سُنا اور نہایت استقلال کے ساتھ جواب دیا کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (ہم کو خدا کافی ہے
اور وہ اچھا کارساز ہے) اس کے بعد تین روز وہاں قیام فرمایا اور باطمینان مدینہ واپس آئے۔

اس کے بعد بقیہ شوال اور پورا ذیقعدہ و ذی الحجہ آپ نے مدینہ میں گذارا۔ شروع محرم میں آپ کو یہ
اطلاع ملی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ قبیلہ بنی اسد بن خزیمہ کو مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے
ہیں، تب آپ نے حضرت ابوسلمہؓ کو ڈیڑھ سو مہاجرین و انصار کا سردار بنا کر اس کے مقابلہ کو بھیجا چنانچہ
ابوسلمہؓ روانہ ہوئے مگر لڑائی نہیں ہوئی البتہ غنیم کے مویشی کچھ بکریاں اور کچھ اونٹ ہاتھ آئے، وہ
لے کر حضرت ابوسلمہؓ مدینہ آپہنچے اور حضرتؐ کے سامنے رکھدیا۔

پانچویں محرم کو خالد بن سفیان ہذلی کے لشکر جمع کرنے کی خبر سُن کر حضرت عبداللہ بن انیسؓ کو مقابلہ
کے لئے روانہ فرمایا چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور اٹھارہ روز کے بعد ۲۳۔ محرم کو واپس ہوئے خالد کا سر
جو کاٹ کر لائے تھے حضرتؐ کے سامنے رکھدیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرور ہو کر عصا
انعام میں دیا اور فرمایا کہ "یہ میرے اور تمہارے درمیان علامت ہے قیامت کے دن" چنانچہ انھوں نے عمر بھر

اس کی حفاظت کی اور مرتے وقت وصیت کر گئے کہ اس لاٹھی کو میرے کفن میں رکھ کر قبر میں دفن کر دینا کہ
قیامت کے دن اس کو لے کر اٹھوں گا اور حضرت کے سامنے پیش کر کے صلہ لوں گا۔

ابو سفیان احد سے واپس ہو کر مکہ پہنچا تو خالد کا بیٹا سفیان چند آدمی قبیلہ عضل اور قارہ کے
اپنے ہمراہ لے کر قریش کو فتح کی مبارکباد دینے مکہ آیا اور سنا کہ سعد کی بیٹی سلافہ نے جس کے دو لڑکے
جنگ احد میں مارے گئے منت مانی ہے کہ اگر ان کے قاتل عاصم بن ثابت کا سر ہاتھ آ جائے تو اس
کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں اور اعلان کیا کہ جو شخص عاصم رض کا مجھ کو سر لا کر دے گا سو اونٹ
اس کو انعام دوں گی۔ سفیان کو سو اونٹوں کی طمع نے اکسایا اور اس پر آمادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے
سلافہ کو عاصم رض کا سر حوالہ کرے اس لئے اس نے واپس آ کر قبیلہ عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو
مدینہ کی جانب اس غرض سے روانہ کیا کہ کسی چال کے ساتھ چند مسلمانوں کو مع عاصم رض کے یہاں نکال لائیں
چنانچہ یہ لوگ صفر کے مہینے میں مدینہ پہنچے اور حضرت عاصم رض ہی کے مکان پر ٹھہر کر مخلص مسلمان ہونے
کا اظہار کیا اس کے بعد انھیں کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور کہا کہ یا رسول اللہ صلعم چند آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے کہ ہماری قوم کو قرآن مجید پڑھائیں مسائل
شریعت بتائیں اور ہم کو دینی تعلیم دیں اور کیا اچھا ہو کہ عاصم رض بھی ہمارے ساتھ بھیجے جائیں کہ
ان کے وعظ او قرآت کا اثر اچھا ہو گا۔

کسی کو کیا خبر کہ دوسرے کے دل میں کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس اور بروایت
چھ صحابہ رض یعنی مرثد، خالد بن بکیر، عاصم بن ثابت، خبیب بن عدی، زید بن وثنہ اور عبداللہ بن
طارق کو مامور فرمایا کہ نو مسلموں کی تعلیم کے لئے جائیں اور حضرت مرثد کو ان پر امیر بنا کر مدینہ سے
روانہ کیا۔ یہ حضرات تھیلی میں مدنی چھوارون کی زاد راہ بھر کر چلے اور جس وقت رجیع پر کہ تالاب ہے
قبیلہ ہذیل کا، پہنچے تو میزبانوں کا رخ بدلا ہوا پایا کیونکہ انھوں نے چیخ ماری اور ہذیل کو مدد کے
لئے بلایا۔ نیز ایک شخص نے ابو سفیان بن خالد سے جا کر خبر کر دی اور وہ بھی تیر اندازوں کی ایک
جماعت کو ہمراہ لے کر مدنی کھجوروں کی گٹھلیاں دیکھتا اور پاؤں کے نشان لیتا ہوا یہاں آ پہنچا۔

حضرت عاصم رض ان کی بدنیتی سے واقف ہو کر ہوشیار ہو گئے اور ہمراہیوں کو لے کر فدفد پر جا
چڑھے، ترکش سے تیر نکال لئے، تلواریں سونت لیں، کمان سامنے کر لی اور جب دشمن آئے تو عاصم
نے للکار کر فرمایا کہ صاحبو! شہادت کو غنیمت سمجھو تمھارے ساتھ دھوکہ کیا گیا مگر کچھ گھبرانے کی بات
نہیں ہے تمھارا محبوب تمھارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمھاری منتظر۔ سفیان بن خالد چونکہ

ادر میں تھا عاصم رضؓ کا کاسۂ سر سُلافہ کی شراب کا پیالہ اور دوسرے واعظوں کو اہلِ مکّہ کا غلام بنانے کی
ں یہاں تک پہنچا تھا اس لئے کہنے لگا کہ اے مدنی مسافرو! ہمارا مطلب تمہارے خون سے اپنا جنگل
رنا نہیں ہے، ہماری مُراد صرف اس قدر ہے کہ تمہاری وجہ سے کچھ مال اہلِ مکّہ سے ہم کو مل جائے
قسم کھاتے ہیں کہ تم کو قتل نہ کریں گے لہٰذا تم بھی لڑنے کا قصد نہ کرو، ورنہ تمہاری مختصر جماعت
کچھ نہ کر سکے گی اور مفت جان جائے گی۔ حضرت مرثد اور خالد اور عاصم رضؓ نے مشرک کی پناہ میں
آنا گوارا نہ کیا اور جواب دیا کہ "ہمیں مارے جانے کا کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا سر خدا کی نذر ہے جس
اور جہاں چاہے لے لے۔" یہ کہہ کر کمان پر ہاتھ ڈالا اور کفّار کی جانب تیر پھینک مارا۔ لڑائی ہونے
ور تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھار سے غبار اُڑانا شروع کر دیا۔

حضرت عاصم رضؓ سُن چکے تھے کہ سُلافہ ان کے کاسۂ سر میں شراب پینا چاہتی ہے اس لئے دُعا کی کہ
اللہ! میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جاتا ہے تو ہی اس کا محافظ و نگہبان ہے۔ میرا جسم کافروں کے حوالے
ہو۔" اس کے بعد انھوں نے معہ اپنے ساتھیوں کے دل کھول کر سفیان کا مقابلہ کیا۔ تیر ختم ہو جانے
بعد نیزہ ہاتھ میں لیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار کے پے در پے وار کئے یہاں تک کہ گر پڑے اور
ادت کا شربت پیتے ہوئے جان بحق تسلیم ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

سفیان نے چاہا کہ ان کا سر کاٹ لے تاکہ سُلافہ کے نذر کرے مگر اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور
والے بھڑوں کا لشکر بھیجا جنھوں نے اُن کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایسا جھرمٹ
ڈرما کہ کسی کافر کو پاس آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر یہ کہہ کر سب الگ ہو گئے کہ رات کو جب مکھیاں دفع
و جائیں گی تب سر کاٹ لیں گے۔ مگر جب رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا اور حضرت عاصم رضؓ کی نعش کو بہا لے
لیا کہ کافروں کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ عاصم رضؓ کہاں گئے۔

خبیب بن عدی، عبداللہ بن طارق اور زید بن دثنہ نے دیکھا کہ تین ساتھیوں نے شہادت
پائی تو لڑنے کی طاقت نہ دیکھی اور ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو کافروں کے حوالے کر دیا چنانچہ انھوں
نے کمانوں کے چلّے اُتار کر ان کے ہاتھ باندھ لئے اور غلام بنا کر مکّہ کی طرف لے چلے کہ فروخت کر دیں
ظہران مقام پر پہنچ کر حضرت عبداللہ رضؓ نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کھول لئے اور تلوار کھینچ کر مقابلہ کے
لئے سامنے کھڑے ہو گئے سفیان کی جماعت ٹھٹکی اور اُن پر پتھروں کا مینھ برسایا یہاں تک کہ حضرت
عبداللہ شہید ہوئے اور ظہران ہی میں قبر بنی۔ اس کے بعد کافر اپنے قیدیوں کی طرف سے محتاط ہو گئے
اور ہوشیاری کے ساتھ دیکھ بھال کرتے ہوئے مکّہ پہنچے۔ سفیان نے سُلافہ کے انعام سے مایوس ہو کر ان دونوں

قیدیوں کو مکہ کے بازار میں بیچ دیا۔ چنانچہ حضرت خبیبؓ کو حارث بن عامر کے بھتیجے حجیر بن ابی اہاب نے سو اونٹ
دے کر خریدا تاکہ اپنے باپ کے معاوضہ میں قتل کرے اور حضرت زیدؓ کو زہیر بن اعز اور جامع سے پچاس اونٹ
بدلے صفوان بن اُمیّہ نے مول لیا تاکہ اپنے باپ اُمیّہ بن خلف کے بدلے میں ان کو قتل کرکے اپنی پیاس
قبیلۂ ہذیل کے دو شخص مکہ میں قریش کے ہاتھوں قید تھے ممکن ہے کہ اس رقم میں ان دونوں کو چھڑا
اور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کا فدیہ قرار دیئے گئے ہوں۔ بہرحال بنی ہذیل مکہ سے واپس
اور یہ دونوں صحابی رضؓ کفارِ مکہ کے قیدی بن کر مکہ میں رہے ۔

باب ۴۶ — ۴ھ

سُولی اور اُس کا انجام

صفوان بن اُمیّہ نے اپنے قیدی کے قتل میں تاخیر مناسب نہ سمجھی اور اپنے غلام نسطاس کی
میں حرم سے باہر تنعیم پر حضرت زیدؓ کو قتل کرا دیا۔ ان کا قتل دیکھنے کے لئے قریش کی ایک جماعت تنعیم
جمع ہو گئی اور جب حضرت زیدؓ کو قتل کے لئے لایا گیا تو ابوسفیان نے کہا کہ اے زید تجھ کو قسم ہے خدا
سچ کہنا کیا تجھ کو پسند ہے کہ محمدؐ تیری جگہ ہوں کہ ہم اُن کی گردن اُڑائیں اور تو آرام سے اپنے گھر بیٹھے ؟ حضرت
زیدؓ نے جواب دیا کہ "حضرت جہاں تشریف فرما ہیں اگر وہاں بھی آپؐ کے کانٹا چبھے تو مجھے اپنے گھر بیٹھنا گوارا
نہیں ۔" ایسی حالت میں زیدؓ کا یہ جواب سُن کر قریش حیران رہ گئے اور ابوسفیان نے کہا کہ محمدؐ کے ساتھیوں
کو محمدؐ سے جتنی محبت کرتے ہوئے دیکھا ہے واللہ اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے بعد جلّاد نے تلوار سونتی
اور اُن کو شہید کیا فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

حضرت خبیبؓ ایک مدت تک قید رکھے گئے اور جب ماہ ہائے حرام نکل لئے تو ان کو بھی پھانسی
کے لئے حد حرم سے باہر تنعیم میں لایا گیا اور عام اطلاع دیدی گئی کہ جس کا جی چاہے تماشا دیکھے تنعیم
میں پھانسی قائم کی گئی اور حضرت خبیبؓ کو حراست میں لاکر قریشی گروہ کے بیچ میں کھڑا کر دیا گیا ہر چند
کہ موت کا منظر سامنے ہے مگر اُن کے چہرے پر کسی قسم کے خوف یا ہراس کا اثر نہیں آخر جب اُن سے پوچھا
گیا کہ آخری خواہش ہو تو ظاہر کرو تاکہ پوری کر دی جائے، تو اُنھوں نے فرمایا کہ مجھے کو مہلت دو کہ دو
رکعت نماز پڑھ لوں کیونکہ لقاءِ رب کا وقت قریب آپہنچا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ دُنیوی زندگی
آخری کام نماز ہو۔ چنانچہ اجازت دی گئی اور یہ وضو کر کے اپنے خدا کے حضور میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے
نہایت اطمینان کے ساتھ نماز پڑھی اور دو رکعت پر سلام پھیر کر فرمایا کہ شاید تم یہ سمجھو کہ خبیب موت

ور وقت ٹالتا ہے اِس لئے اختصار کے ساتھ دو رکعت پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ جی چاہتا تھا کہ رکعات
ل دول اور مناجاتِ رب کی لذّت دیر تک حاصل کروں، سو اب قصّہ ختم کرو اور جو کرنا ہو کر گذرو۔
انیوں کے جھرمٹ نے حضرت خبیبؓ کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ ایسا استقلال دیکھنے میں نہیں
تھا۔ اِس کے بعد پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا۔ اُس وقت حضرت خبیبؓ کا منہ جبراً قبلہ کی طرف سے
دیا گیا تھا جس کی انھوں نے کچھ بھی پروا نہیں کی اور یہ آیت پڑھی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ
ہر بھی منہ پھیر و گے اُدھر اللہ موجود ہے۔) اور فرمایا کہ "اے اللہ! ہم نے تیرے رسول کا پیام پہنچایا
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا آخری سلام اور اِس حالت کا پیام پہنچا دے جو ہم پر گذر رہی ہے"
کے بعد یہ کلمات کہے کہ یا اللہ! اِن دشمنوں کا شمار محفوظ رکھ، اُن کو قتل و غارت فرما اور اِن میں
ایک کو بھی باقی مت چھوڑ" اور چند اشعار پڑھے جن کے تین شعر یہ ہیں ؎

وَمَا بِیْ حِذَارُ الْمَوْتِ اِنِّیْ لَمَیِّتٌ ۔۔۔ وَاِنَّ اِلٰی رَبِّیْ اِیَابِیْ وَمَرْجِعِیْ

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا ۔۔۔ عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِیْ

وَذٰلِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ یَّشَأْ ۔۔۔ یُبَارِكْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

(مجھے موت کا کچھ بھی ڈر نہیں کہ میں جان دے رہا ہوں اور مجھے لوٹ کر جانا تو اپنے پروردگار ہی کے پاس
اور جب کہ میں بحالتِ اسلام قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کچھ پروا نہیں کہ خدا واسطے میرا پچھڑنا کس کروٹ
پر ہے اور آج میرا قتل ہونا محض اللہ کے لئے ہے اگر خدا چاہے تو میرے پارہ پارہ کئے ہوئے عضو
کے ٹکڑوں میں برکت مرحمت فرمائے۔" اِس کے بعد چالیس کافروں نے نیزے ہاتھ میں لے کر خبیبؓ
کو چار طرف سے گھیر لیا پسلیوں کو چھلنی کر دیا اور یہ زخموں سے چور ہو کر جاں بحق تسلیم ہوئے۔
جس وقت تنعیم میں یہ حادثہ ہو رہا تھا رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور آپ نے وعلیکم السلام
ورحمۃ اللہ کہہ کر صحابہؓ سے فرمایا کہ جبریلؑ خبیبؓ کا سلام پہنچا رہے ہیں جن کو کافروں نے سُولی پر چڑھا دیا ہے
حضرت خبیبؓ کی نعش اس کے بعد سُولی پر لٹکا دی گئی تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو اور چند محافظ
چھوڑ دیئے گئے کہ کوئی لاش کو نہ لیجائے مگر عمر بن اُمیہ ضمری نے رات کے وقت پہرہ داروں کو غافل
پاکر لاش کو نکال لیا اور دفن کر دیا۔ اور بروایتے حضرت زبیرؓ و مقدادؓ ان کی نعش لینے مدینہ سے آئے
اور خفیہ رات کو گھوڑے پر لاد کر لے نکلے۔ صبح کو جب اطلاع ہوئی کہ لاش گم ہے تو سانڈنی سوار چار طرف دوڑ
پڑے آخر حضرت زبیرؓ و مقدادؓ کو تھام لیا اور یہ دونوں حضرات لاش کو زمین پر رکھ کر آمادۂ جنگ ہوئے
دفعۃً زمین شق ہوئی اور اس نے چالیس دن کے بچھڑے ہوئے سعادت مند فرزند کو اپنی گود میں لے لیا

جس پر نزاع تھا جب وہ اِس طرح زیرِ زمین چھپ گئی تو قریشِ مکہ واپس ہوئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ و مقداد مدینہ چلے گئے۔ وَاللہُ اَعلم بالصّواب +

باب ۴۷

بیرِ معُونہ

اِسی ماہِ صفر میں دوسرا حادثہ پیش آیا کہ مکہ اور عسفان کے درمیان بلادِ ہذیل میں ایک جھیل کے پاس جس کا نام بیرِ معونہ ہے ستّر چیدہ و منتخب مسلمان شہید کر ڈالے گئے جن کو قراء کہتے تھے یہ تمام حضرات قرآن مجید پڑھے ہوئے تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اُن میں اکثر انصار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ خاص محبت تھی کیونکہ یہ رات کا اکثر حصہ نماز و ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں گذارتے اور دن کو ازواجِ مطہرات کے حجروں میں لکڑی اور پانی پہنچایا کرتے تھے۔

اِن مقبول صحابہ رضی اللہ عنہم کو نجد کا رہنے والا قومِ بنی عامر کا ایک شخص دھوکہ سے اپنے ساتھ لے گیا جس کا نام عامر بن مالک تھا اور ابو براء کی کنیت سے مشہور تھا جس وقت عامر مدینہ میں آیا تو حضرتؐ نے اس کو اسلام کی ترغیب دی۔ عامر نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو جاتا مگر اپنی قوم کا خیال ہے بس آپ کچھ لوگ میرے ساتھ کر دیں جو میرے وطن میں وعظ کہیں اور میری قوم بنی عامر کو اسلام کی دعوت دلائیں تو کیا عجب ہے ان کو بھی ہدایت ہو اور پھر مجھے بھی تامل نہ ہوگا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے اہلِ نجد کی طرف سے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مضرت نہ پہنچائیں مگر عامر بن مالک نے کہا کہ کچھ خوف نہ کیجئے میں ان لوگوں کو میں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ تب آپؐ نے ستّر صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ امیر تھے، عامر کے ساتھ بھیجدیئے اور عامر بن طفیل کے نام جو قومِ بنی عامر کا رئیس شمار ہوتا تھا ایک خط لکھ دیا جس میں مذہبِ اسلام کی دعوت تھی۔ یہ حضرات مدینہ سے رخصت ہو کر بیرِ معونہ پر پہنچے تو ٹھہر گئے۔ عمرو بن اُمیہ ضمری اور منذر بن عمرو اونٹوں کو لے کر چرانے کے لئے پہاڑ کی طرف لے گئے اور حضرت حرام بن ملحان دو رفیقوں کو اپنے ہمراہ لے کر عامر بن طفیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہنچانے قومِ بنی عامر کی جانب روانہ ہوئے۔ قریب پہنچکر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو پہلے میں جاتا ہوں اگر میرے ساتھ دغا نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کیونکہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے۔

عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا حقیقی بھتیجا تھا جو اِن ستّر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی امان میں لے

تک آیا تھا۔ اس کو اسلام اور اہلِ اسلام سے خاص عداوت تھی۔ حضرتِ حرام نے والانامہ آگے بڑھایا غصّہ میں بھر گیا اور خط کو دیکھا بھی نہیں کہ کیا لکھا ہے۔ قاصد پر ہاتھ اُٹھانا کسی مذہب اور کسی نے بھی جائز نہیں سمجھا مگر عامر کو نہ اس کا خیال ہوا اور نہ چچا کے امان کا لحاظ۔ اس نے حضرت حرام پر کیا اور ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ اتنا کہہ کر کہ "فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ" یعنی قسم ربِّ کعبہ میں مُراد کو پہنچ گیا، زمین پر گر پڑے اور جان بحق تسلیم ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

پھر عامر بن طفیل نے اپنی قوم بنی عامر کو آواز دی اور بھڑکایا کہ ان مسلمانوں کو زندہ نہ جانے دو۔ بنی عامر نے حامی نہ بھری کیونکہ ان کو عامر کے چچا ابو البراء کی دی ہوئی امان میں غدر کرنا پسند نہ تھا آخر عامر نے اس کے گرد و نواح کے قبیلوں سلیم و عصیہ اور رعل و ذکوان سے مدد چاہی اور ان کی پوری جمعیت لے کر بیر معونہ کو آگھیرا جہاں قرّاء مقیم تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رنگ بدلا ہوا دیکھا تو خود بھی آمادۂ جنگ ہوگئے اور لڑائی شروع ہوگئی مگر تا بکے، ستر حضرات اتنی جماعت کا کہاں تک مقابلہ کرتے؟ سب شہید ہوئے اور بجز حضرت کعب بن زید کے کہ اُن میں رمق باقی تھی اور دشمنوں نے مُردہ سمجھ لیا تھا، ایک بھی نہ بچا۔

منذر بن عقبہ اور عمرو بن اُمیّہ نے آسمان کی طرف دیکھا تو پرند اُڑتے ہوئے نظر آئے اور دونوں سمجھ کر وہاں سے لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے کہ مُردار خوار جانور اُڑ رہے ہیں۔ یہاں آکر دیکھا اپنے رفقاء کو خون میں نہایا ہوا شہید پایا اور سواروں کو خون آلود تلواریں لئے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا۔ یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھ کر دونوں ٹھٹکے اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ عمرو بن امیہ نے کہا کہ چلو مدینہ واپس چلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کریں۔ مگر حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو ہوتی رہے گی، مگر میرا تو جی نہیں چاہتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں جہاں ہمارے دوست پڑے سوتے ہیں، چلو قدم بڑھاؤ اور رفیقوں سے جا ملو۔

الغرض یہ دونوں حضرات بھی آگے بڑھے اور میدانِ کارزار میں کود پڑے آخر حضرت منذر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور عمرو بن اُمیّہ گرفتار کر لئے گئے۔ عامر بن طفیل کی ماں کے ذمّہ کسی منّت پر ایک غلام کا آزاد کرنا تھا اور یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ قبیلۂ مضر کے ہیں۔ اس لئے عامر نے حضرت عمرو بن امیہ کو ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر تاکہ غلامی سے آزادی کا نشان ہو جائے، اُن کو چھوڑ دیا اور کہدیا کہ یہاں سے جلد چلے جاؤ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی عامر کے غدر اور رعل و ذکوان و عصیہ کی بدعہدی و ظلم پر بہت افسوس ہوا اور آپ نے صبح کی نماز میں چالیس روز تک قنوت پڑھی جس میں اُن قبائل پر بددعا

کی، اِس کے بعد جب وہ لوگ تائب ہوئے اور اسلام لے آئے آپ نے قنوت ترک فرمادی۔ ابوالبراء
بھی ندامت اور بڑا رنج ہوا کہ اس کے بھتیجے نے اس کی پناہ میں فتور ڈالا۔ آخر انھیں دنوں میں
مرگیا۔ عامر بن طفیل کے چچازاد ربیعہ بن ابی براء نے اپنے باپ کے ذمہ میں فتور ڈالنے کی ندامت پر
مجلس اس کے نیزہ مارا مگر اس نے اس کو برداشت کرلیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا
کہ "مجھ کو چھوٹا آدمی نہ سمجھو یا تو ملک بانٹ دو کہ نرم زمین یعنی دیہات و جنگل تمھارے اور سخت زمین
شہر میرے یا اپنے انتقال کے بعد مجھ کو خلیفہ بنا جاؤ ورنہ ہولناک لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ
ارادہ تم پر شجاعانِ غطفان کی جماعت سے لشکر کشی کا ہے"۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دی اور فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ عَامِرًا ۔ (یعنی یا اللہ
تو خود ہی عامر کو سلٹ لے) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور چند ہی روز بعد عامر بن طفیل طاعون کے جھٹکے
میں مرگیا۔ حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری مدینہ کو آرہے تھے کہ راستہ میں قرقرہ مقام پر بنی عامر کے ۲ دو مشرک
شخص ان کو ملے، انھوں نے سمجھا کہ ان کو قتل کرنا بھی اپنے رفقاء کا انتقام ہے، اس لئے ان
ساتھ ہو لئے اور موقع پاکر اُن کو سوتے ہوئے قتل کردیا۔ ان کو خبر نہ تھی کہ یہ دونوں رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی امان میں تھے یہاں تک کہ جس وقت حضرت عمرو مدینہ منوّرہ میں پہنچے اور تمام قصہ حضور
عرض کیا تو حضرت افسردہ ہوئے اور فرمایا کہ تم نے ایسے ۲ دو قتل کئے جن کی دیت دینی ضروری
مگر جو کچھ ہونا تھا وہ ہوچکا تھا۔ تلوار اپنا کیا ہوا کام لوٹا نہیں سکتی تھی اس لئے حضرت عمرو نے
غلطی تسلیم کی اور بے خبری کا عذر کرکے خاموش ہو رہے ۔

باب ۴۸

بنی نضیر پر چڑھائی

بنی عامر نے اپنے دونوں مقتول مسافروں کی دیت مانگنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
میں آدمی بھیجا اور چونکہ بنی عامر و یہودِ بنی نضیر ہم عہد تھے اور ہجرت کے وقت بنی نضیر نے حضرت سے عہد
تھا کہ ہم آپ کی کچھ بدخواہی نہ کریں گے اور آپ کے دشمن کا ساتھ نہ دیں گے۔ اِس لئے آپ نے چاہا
عمرو بن اُمیہ کے خطاءً قتل کئے ہوئے مستحق امن مشرکوں کی دیت بنی نضیر کے مشورہ سے طے کریں اور
اِس بارہ میں حسب معاہدہ اُن سے اعانت لیں کہ خیر خواہ بن کر اپنی ہم عہد قوم سے قصہ طے کردیں

حضرت ابوبکر و عمر و علی اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر محلہ بنی نضیر میں تشریف لائے اور ان سے اس معاملہ میں گفتگو کی۔ یہود بنی نضیر نے ظاہراً قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیوار کے نیچے بٹھلا کر باہم مشورہ کرنے کے لئے علیحدہ جا بیٹھے۔ مذہبی عداوت چونکہ ان کے دلوں میں بھری ہوئی تھی اس لئے مشورہ کیا کہ دیوار کے اوپر سے پتھر لڑھکا کر حضرت کو شہید کر دیں چنانچہ عمرو بن جحاش اس کام کے لئے کھڑا بھی ہو گیا مگر حضرت کو اس کی اطلاع ہو گئی اور آپ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ مدینہ میں تشریف لا کر آپ نے ان کو کہلا بھیجا کہ تم نے بدعہدی کی اس لئے معاہدہ فسخ ہو گیا۔ اب اسلام لے آؤ یا دس دن کے اندر مدینہ چھوڑ دو ورنہ لڑائی ہو گی اور جان و مال کا نقصان ہو گے۔ بنی نضیر کو چونکہ عبداللہ بن اُبیّ اور دوسرے منافقوں کی مدد پر بھروسہ تھا اور سمجھے ہوئے تھے کہ وہ مسلمانوں کا جو مارِ آستین بنا ہوا ہے اپنے وعدوں کو جو بار بار ہم سے کئے ہیں کہ لڑائی ہو گی تو تمہارا ساتھ دیں گے ضرور پورا کرے گا اس لئے وہ لوگ لڑنے کو تیار ہو گئے اور تعمیلِ حکم سے انکار کر دیا۔

شروع ربیع الاول میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا عزم فرمایا اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا عامل بنا کر ان کی اس گڑھی کو جا گھیرا جس میں یہ قوم آباد تھی اور کامل چھ روز تک ان کو محصور رکھا۔ بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا منافقوں نے باطل اُمیدیں دلا کر بنی نضیر کو اور زیادہ تباہ کیا۔ یہ لوگ بیرونی مدد کی توقع پر قلعہ کا دروازہ بند کئے پڑے رہے آخر جب مسلمانوں نے دیکھا کہ نہ باہر آکر لڑتے ہیں نہ جگہ خالی کر کے جلا وطن ہوتے ہیں تو بحکم رسالتمآب ان کی مرغوب جائداد یعنی قرب و جوار کے باغات میں آگ لگا دی اور درختوں کو کاٹ ڈالا تاکہ مالی نقصان کے صدمہ اور حصار کی قید سے تنگ آکر باہر نکلیں اور قصہ طے کریں چنانچہ بنی نضیر گھبرا اُٹھے اور مدینہ چھوڑ جانے پر راضی ہو گئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "ہتھیار سب چھوڑ جاؤ اور جس قدر اسباب لیجا سکو لیجاؤ اور مع اہل و عیال جہاں چاہو چلے جاؤ"۔ بنی نضیر میں سے دو شخص یعنی یامین بن عمیر اور ابو سعید بن وہب تو مسلمان ہو گئے اور جان و مال پُر امن پا کر اپنی املاک پر قابض رہے۔ باقی یہودیوں نے مال کی حرص میں مکان کے دروازے بند اور چوکھٹ تک کو اکھاڑ اکھاڑ کر اونٹوں پر لاد دیا اور جو کچھ ساتھ لیجاتے بن پڑا وہ لے کر جلا وطن ہوئے۔ اُن کی زمین جائداد اور لڑائی کا تمام سامان چونکہ جنگ کئے بغیر حاصل ہوا تھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تھا جس کو چاہیں دیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں اس لئے آپ نے سارا مال مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور انصار میں صرف ابو دجانہؓ اور سہلؓ بن حنیف دو شخصوں کو ان کی ناداری کے سبب عطا فرمایا۔ اس طرح پر مہاجرین کے بارِ معیشت سے انصار کو سبکدوشی حاصل ہو گئی اور بنی نضیر کے خانماں خراب

یہودی زیادہ ترخیبر میں جابسے اور کچھ ادھر اُدھر ملک شام اور ضمیر کی طرف چلے گئے سورۂ حشر اسی
نازل ہوئی اور منافقوں کے جھوٹے وعدوں کا اس میں اظہار کیا گیا ہے۔ اسی محاصرہ کے وقت شرا
حرمت نازل ہوئی اور اسی سال شوال کے مہینے میں حضرت اُمّ سلمہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ
کے نکاح میں آئیں۔ انھوں نے یہ حدیث سُن کر کہ جو شخص کسی مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُ
کہے گا اُس کو دُنیا میں بھی نعم البدل ملے گا۔ اپنے خاوند ابو سلمہؓ کے انتقال پر پڑھا تھا اور انتظ
تھیں کہ ابو سلمہؓ سے بہتر کون ہے جس کی زوجیت میں داخل ہو کر ابو سلمہؓ کا نعم البدل سمجھوں گ
وہ خیال پورا ہوا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور اُمّ المومنین بننے کی عزت حاصل
اسی سال اُمّ المومنین حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ کا انتقال ہوا اور اسی سال میں حضرت علی کر
وجہہ کی والدہ فاطمہ بنتِ اسد نے وفات پائی۔ اِسی سن میں حضرت زیدؓ بن ثابت نے رسولِ مق
صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہود کی اصل زبان کی خط و کتابت سیکھنی شروع کی تاکہ اُن کے ا
ورموز کو معلوم کر سکیں اور اسی سال یہودی و یہودیہ کی سنگساری کا قصہ پیش آیا جس کو اختص
غرض سے چھوڑ دیا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں مفصّل منقول ہے۔

باب ۴۹

بدرِ صُغریٰ اور دُومۃ الجندل

ابو سفیان نے جنگِ اُحد سے واپس ہوتے وقت کہا تھا کہ سالِ آئندہ بدر کے میدان میں ہمار تمھا
لڑائی پھر ہوگی۔ اِس لئے جب وہ زمانہ قریب آیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی
کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ کو مدینہ پر عامل بنا کر بماہ شعبان ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کو لے کر بدر کی ان
کوچ کیا۔ ابو سفیان کی ہمت نہ ہوئی کہ بدر تک پہنچے اس لئے عسفان ہی سے یہ کہہ کر اپنی جماعت کو
واپس لے گیا کہ "یہ سال جنگ کا نہیں ہے کیونکہ گرانی و قحط نے دبا رکھا ہے"۔ مگر اس کے ساتھ ہی
بدنامی کا اندیشہ تھا اس لئے چاہا کہ کسی طرح مسلمان بھی بدر میں نہ آویں اور الزام انھیں کے
چنانچہ نعیم بن مسعود کو بیش قرار ضرر اُجرت دے کر مدینہ بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو ابو سفیان کے لشکر
جمع کرنے کی خبر دے کر مرعوب بنا دے مگر اس میں کامیاب نہ ہوا اور مسلمانوں نے یہ خبر سُن کر کہا حَسْبُنَا اللّٰہُ
وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ غرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند روز بدر میں ابو سفیان کے منتظر تھے
اور صحابہؓ وہاں کی منڈی میں باطمینان تجارت کر کے نفع اُٹھاتے رہے آخر جب میعاد گذر لی

مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ ابوسفیان کو خجالت سے چھٹکارا نہ ملا اور اہلِ مکّہ نے بھی اِس سفر کا نام غزوۃ السّویق رکھدیا کہ بس ستّو کھانے گئے تھے سو کھا پی کر لوٹ آئے۔ بدر سے واپس آکر چند ماہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مقیم رہے۔

ربیع الاوّل ۵ھ میں آپ کو اطلاع ملی کہ دمشق سے پانچ منزل مقام دُومۃ الجندل پر کچھ کفار جمع ہوتے ہیں اور مدینہ پر چڑھائی کا سامان کر رہے ہیں چنانچہ حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ پر عامل بنا کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ بماہِ ربیع الاوّل آپ نے دومۃ الجندل کا قصد فرمایا۔ وہ لوگ خبر سُن کر متفرق ہو گئے۔ اِس لئے آپ چند روز وہاں مقیم رہ کر واپس تشریف لے آئے۔ مگر آپ نے مختلف طور پر فوجی حصّے سریہ بنا کر اِدھر اُدھر روانہ فرمائے مگر غنیم میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا اور آخر سب کو واپس آنا پڑا۔

باب ۵۰ ـــ ۵ھ

غزوۂ مریسیع اور حضرت صدیقہ رض پر بہتان

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی مصطلق لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کا سردار حارث بن ابی ضرار ان کو اور عرب میں جس پر بھی کامیاب ہوتا ہے اس کو آمادہ کر رہا ہے کہ سب مل کر مدینہ پر حملہ کریں چنانچہ آپ نے حضرت بریدہ اسلمی کو تحقیق کے لئے بھیجا انھوں نے واپس آکر صورتِ حال کی اطلاع دی۔ تب آپ زید بن حارثہ کو عاملِ مدینہ بنا کر بیوم دوشنبہ ۲ شعبان کو صحابہ کے پورے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور مریسیع مقام پر جو فرع سے ایک دن کی مسافت پر ہے قبہ نصب کرایا۔

حارث بن ابی ضرار کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ مسلمان چڑھائی کر رہے ہیں اور اُن کا ایک جاسوس بھی جو اسلامی لشکر کا پتہ لینے گیا تھا مارا جاچکا تھا اس لئے عرب کے پاؤں اُکھڑ گئے اور سب تتر بتر ہو کر اِدھر اُدھر چلدیے۔ مسلمانوں نے بنی مصطلق پر چھاپہ مارا اور ان کے اموال و اولاد پر قبضہ کیا۔ اس پر بھی ان کا کوئی مزاحم نہ ہوا اور چند روز وہاں ٹھہر کر عُیینہ بن حصن سے مصالحت فرمائی۔ چونکہ سردارِ قوم حارث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ بھی اِسی مالِ غنیمت میں آئیں جو تقسیم کے وقت حضرت ثابت بن قیس کے حصّہ میں لگیں انھوں نے حضرتِ جویریہ کو مکاتب بنا دیا کہ اِس قدر ادا کر کے آزاد ہو جاؤ۔ اِس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کے موافق خود بدلِ کتابت ادا فرما کر اپنے نکاح

میں لے لیا۔

جس وقت مسلمانوں کو اطلاع ہوئی کہ حضرت جویریہ اُمّ المومنین بن گئیں اور بنی مصطلق سے
کی سسرال قرار پائی تو ان کو شرم آئی کہ اس قبیلہ کے آدمی اُن کے غلام بنے رہیں اِس لئے سب کو
کردیا اور حضرت جویریہ رضؓ کی برکت سے ایک دن میں ان کی برادری کے سینکڑوں نفوس نے قیدِ غلامی
رہائی پائی۔

اُحد میں عبداللہ بن اُبی منافق کی بے رُخی چونکہ کُھل گئی تھی اِس لئے آئندہ غزوات میں اس
بدباطن جماعت کو ساتھ لینے سے خود ہی احتیاط کی گئی اور مسلمانوں نے نہ چاہا کہ ان سے کسی قسم کی
اعانت لیں۔ عبداللہ یہ رنگ دیکھ کر ڈرا کہ کہیں بھانڈا نہ پھوٹ جائے اور ظاہری اسلام سے جو
سوچا تھا ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ ادھر خلافِ توقع مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہو رہی ہیں مالِ غنیمت سے الگ محرو
ہوئی اور منافقانہ راز منکشف ہو جانے سے اپنی جان و مال کا خطرہ جُدا پیش آیا اس لئے خود خواہش کی
پچھلی واپسی کے جھوٹے حیلے بہانے کرکے جہاد میں شریک ہونے کا اصرار کیا آخر غزوہ مریسیع میں شریک
وہ خباثت جو اُس کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی دَب نہ سکی اور رنگ لائی اور پھر لائی۔ وا
میں شروع منزل پر جب کہ ایک کنوئیں پر قیام تھا اُس کی بدزبانی نے مسلمانوں کے دل دُکھائے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچی۔ مسلمان اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے کہ حضرت
کا ملازم جس کا نام جہجاہ بن مسعود تھا گھوڑے کو پانی پلانے کے لئے کنوئیں پر پہنچا تو سنان بن دبرجہنی
جھگڑا ہو گیا اور یہاں تک جنگ بڑھی کہ حضرت سنان نے انصار سے اور جہجاہ نے مہاجرین سے فریاد
اور اپنی مدد کے لئے پُکارا۔ عبداللہ بن اُبی جو اپنی جماعت میں بیٹھا ہوا تھا جھلا اُٹھا اور یوں کہہ کر
کی شان ہے پردیسی مسافروں کے نوکروں کی بھی اتنی ہمّت ہو گئی کہ ہمارا سامنا کرنے لگے یہ تو وہی مثل
ہوئی کہ اپنے کتّے کو کھلا پلا کر موٹا کرو اور وہی تم پر حملہ کرے۔ واللہ ذرا مدینہ میں واپس ہو جائیں تو ا
عزّت والے ان ذلیلوں کو ضرور نکال باہر کریں گے۔ اِس کے بعد اپنے دوستوں کی طرف متوجّہ ہوا
کہا "یہ تمھارے ہی کئے ہوئے کام ہیں کہ اِن بے ٹھکانوں کو اپنے شہر میں جگہ دی، اپنے مال بانٹ دیئے ا
خوب کھلایا پلایا۔ واللہ اگر تم ان کی کمر پر ہاتھ نہ رکھتے تو ان کی یہ عزّت نہ ہوتی۔ اب بھی اگر خرچ کرنے
ہاتھ روک لو تو جتنے بھی اِدھر اُدھر سے آکر جمع ہو جاتے ہیں میاں کے پاس سے منتشر ہو جائیں ا
کہیں دوسری جگہ ٹھکانا کریں"۔

حضرت زیدؓ بن ارقم جو اس کی بدزبانی سُن رہے تھے ضبط نہ کر سکے اور اُسی وقت ساری تقریر حضو

جا نقل کی۔ حضرتؐ کو عبد اللہ کے اِن کلمات سے نہایت صدمہ ہوا اور ہرچند کہ حضرت عمرؓ نے عرض بھی کیا کہ عباد بن بشر کو حکم دیجئے کہ وہ اس کی گردن مار دیں۔ مگر آپؐ نے مناسب نہ جانا اور یوں فرما کر خاموش ہو رہے کہ ان لوگوں کے حال کی تو کسی کو خبر نہیں ہے لوگ یوں کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں"۔

کس قدر قیمتی جواب ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ وہ کلمات جن میں اللہ کے نام پر وطن چھوڑنے والی شرفاء قوم اور براہِ خدا مصیبت و فاقہ کو ترجیح دینے والے رئیس زادوں کو روٹی کے ٹکڑوں کا حریص اور لالچی بنایا گیا۔ اُن کے اخلاص و حاضریِ آستانۂ نبوی کو طمعِ دنیوی کہہ کر حقارت کی نظر سے دیکھا گیا۔ اپنے آپ کو غنی و سخی اور ان کو فقیر و سائل بنایا گیا۔ غرض ذرا سے قصہ میں اپنا تکبر، ترفع، نخوت، استغنا، سب کچھ ظاہر کر کے حضرت کے جاں نثار مخلصین کو ناگفتہ بہ اور قابلِ شرم الفاظ سے یاد کیا گیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس لئے ضبط فرمایا کہ اس کا انتقام اس خدمت کا مزاحم ہو گا جس کے لئے آپ دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور عبد اللہ کے نفاق سے بے خبر لوگ ایمان لا کر صحابی بننے سے متوحش ہو جائیں گے۔ اِس قصہ سے آپ کے حلم و بے نفسی اور حُسنِ انتظام و دُور اندیشی ہی کا پتہ نہیں چلتا بلکہ اس کا ثبوت مِلتا ہے کہ خداوندی بغاوت کے رفع کرنے اور بندگانِ خدا کے ساتھ ان کی اصلاح آخرت کے فکر و خیر خواہی میں آپ کو اِس درجہ شغف تھا کہ زبردست سے زبردست دشمن بھی اس کو کسی وقت مغلوب نہیں کر سکتا۔ اِدھر آپ کی وطنی شرافت، ہاشمی نجابت، مطلبی حکومت، جدی ریاست، ذاتی ثروت، قومی عزت، طبعی لطافت، فطری نزاکت کو دیکھا جائے، پھر درجۂ عبودیت میں کمال ریاضت، غایتِ توکل، سرتا پا محمود و پسندیدہ خلائق، اخلاق سے مزین ہو کر اصلاحِ خلق میں مال و جان، عزت اور آبرو، کنبہ اور برادری قوم اور وطنی راحت و آرام سب کو خیرباد کہہ کر رات اور دن کے پورے چوبیس گھنٹے مخلوق کی خیر خواہی و بہبودی میں وقف کر دینے پر نظر کی جائے اور اس کے بعد ان الفاظ کو دیکھا جائے جو عبد اللہ بن اُبی کی نجس زبان سے نکلے تھے تو عقلِ انسانی کو حیرت ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز تھے اور آپ کو سردارِ انبیاء اور مومنین کے لئے غایت درجہ شفیق و رحیم ہونے کا خطاب کیوں ملا تھا غرض آپ کو منافق کے الفاظ کا صدمہ ضرور ہوا مگر آپ نے نہ انتقام لیا اور نہ اس کا خیال فرمایا۔ البتہ اس خیال سے کہ لوگوں میں اِس کا چرچا نہ ہو اور دوسروں کے کانوں تک یہ باتیں پہنچ کر باہمی تفرق یا جنگ و جدال کا سبب نہ ہو جائیں نا وقت کوچ کرنے کا حکم دیدیا اور بقیہ دن اور تمام رات اور اگلے نصف دن تک قافلہ چل کر ایسے وقت پڑاؤ پر پہنچا کہ دھوپ تیز ہو گئی تھی، اور سب اس قدر تھک گئے تھے کہ پڑتے ہی سو گئے اور خوش حالی کے ساتھ باتیں کرنے کا وقت ہی کسی کو نہ ملا۔

حضرت اُسید بن حضیرؓ نے ناوقت قافلہ کی روانگی دیکھی تو حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ "تم نے سُنا بھی تمہارے رفیق عبداللہ نے کیا لفظ کہے اور وہ کلمات آپؐ نے نقل کر دیئے جو حضرت زیدؓ سے سُنے تھے۔" حضرت اُسیدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! باعزّت تو آپ ہیں اور وہ اللہ ذلیل عبداللہ بن اُبی ہے۔ سو اُس کا یہ کہنا کہ عزّت والا مدینہ سے ذلّت والے کو نکال باہر کرے گا صحیح ہو سکتا ہے کہ مرضیِ مبارک ہو تو مدینہ پہنچ کر اس کو جلاوطن فرما دیجئے اور یا رسول اللہؐ اس کی حالت یوں بھی قابلِ رحم ہے کیونکہ وہ تو اِس کا متمنّی تھا کہ اس کی قوم اُس کے سر پر تاج رکھ کر تمام ملک کا حاکم تسلیم کرے مگر حق تعالےٰ نے حضرتؐ کو بھیج کے اُس کے سارے منصوبے خاک میں مِلا دیئے۔ پس اس کو یوں سمجھ کر آپؐ نے اُس کی سلطنت چھین لی جو کچھ بھی صدمہ یا حسد اور عداوت ہو وہ کم ہے۔

عبداللہ بن اُبیؔ کو حضرتؐ کے مطلع ہو جانے کی اطلاع ملی تو آپ کے پاس آیا اور جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کچھ نہیں کہا اور کسی نے مجھ کو آپ سے بُرا بنانے کے لئے یوں ہی یہ کلمات میری طرف منسوب کر کے نقل کر دیئے۔ چند انصار کو جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یقین آگیا اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ زید بن ارقمؓ تو عمر بچہ ہیں ممکن ہے کہ ان کو سہو ہوا ہو یا بات کو سمجھے نہ ہوں۔ چنانچہ بات دب گئی اور جرح موقوف ہو گیا۔ حضرت زیدؓ کو جب خبر ہوئی کہ عبداللہ نے بھرے مجمع میں مجھے جھوٹا بنایا تو رنج اور شرمندگی سے باہر نکلنا چھوڑ دیا حضرتؐ کو مُنہ دکھاتے شرمانے اور جھجکنے لگے آخر سورۂ منافقون نازل ہوئی اور حضرت زیدؓ کی تصدیق میں عبداللہ کے کہے ہوئے کلمات ذکر فرما کر متنبّہ کیا گیا کہ مال یا عزّت کے گھمنڈ پر نہ رہنا سچی عزّت وہ ہے جو دشمنوں کے دل میں بھی گھر کرے اور پیٹھ پیچھے بھی احترام کرائے سو وہ خدا کے اختیار میں ہے اور اللہ کے رسول اور ایماندار بندوں کا حصّہ ہے چنانچہ ان کو ملتا ہے مگر منافقوں کو سمجھ نہیں کہ حقیقت اور ظاہر میں فرق کریں۔

اس وقت حضرت زیدؓ مسرور اور سچی عزّت سے بہرہ یاب ہو کر بڑوں کی نظروں میں بھی وقعت سے دیکھے جانے لگے اور عبداللہ کی بنی بنائی بات بھی ایسی بگڑی کہ اب اس کی قوم کو بھی اُس پر اعتبار نہ رہا جب اُس نے کوئی بات کہی جھوٹی سمجھی گئی اور اوپرے اوپر اپنوں ہی کی طرف سے جواب دے کر دبا دی گئی آگے چل کر جب کہ مدینہ قریب آگیا تو قصّۂ افک پیش آیا جو اپنی صورت اور نتیجہ کے اعتبار سے بڑا دردناک اور عبرت خیز واقعہ ہے اور اُس کا پھیلانے والا بھی یہی بدباطن عبداللہ بن اُبی تھا اس لئے اس کا ذکر بھی مناسب ہے: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ سفر کے وقت بیبیوں کے ناموں پر قرعہ ڈالتے اور ان کو ساتھ لے جاتے جن کے نام پر قرعہ نکلتا تھا۔ چنانچہ غزوۂ مریسیع میں حضرت عائشہؓ حضرتؐ کے ہمراہ گئیں

ایسی میں ایک پڑاؤ پر قیام تھا کہ جہاں صبح ہوتے حضرت صدیقہ رض قضائے حاجت کو جنگل میں ذرا فاصلہ نکل گئیں اور وہاں انکا ہار جو اپنی بہن اسماء رض سے مستعار لائی تھیں گم ہو گیا۔ اس کے ڈھونڈنے کو پھر واپس گئیں اس میں ذرا دیر لگی کہ لشکر کوچ کر گیا اور چونکہ حضرت صدیقہ رض کمسن دبلی اور ہلکے بدن کی تھیں اس لئے تختِ لادنے والے یوں سمجھ کر کہ ام المومنین اس کے اندر موجود ہیں بند کا بند اونٹ پر لاد لیا اور یوں بھی جب کسی بوجھ کو عزت سمجھ کر بہت سے آدمی اُٹھاتے ہیں کہ ہر شخص ہاتھ لگانا ثواب سمجھے تو وزن کا ہلکا بھاری ہونا معلوم نہیں ہو سکتا غرض بی بی عائشہ رض جنگل سے واپس آئیں تو میدان صاف دیکھا کہ نہ آدمی ہے نہ آدم زاد ایک ہُو کا میدان ہی جو دور افتادہ تنہا مسافر کو گھبرائے دیتا ہے آخر اس خیال سے کہ اگلے پڑاؤ پر جب حضرت محمد ﷺ کو گم اور میرا کجاوہ خالی پائیں گے تو ضرور میری تلاش میں کسی آدمی کو بھیجیں گے اور وہ مجھ کو ڈھونڈھنے یہیں آئے گا اسی جگہ بیٹھ گئیں اور حقیقت میں یہ حضرت صدیقہ رض کے کمالِ عقل و استقامت کی دلیل ہے کہ نو عمری میں ایسے بھیانک منظر سے گھبرائیں اور نہ از جا رفتہ ہوئیں ورنہ پاپیادہ چل کر قافلہ میں شامل ہونا بھی دشوار تھا اور جگہ چھوڑ دینے پر متلاشی کو پتہ چلنا بھی مشکل تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھی رہیں اس کے بعد نیند کا غلبہ ہوا پس چاروں طرف سے چادر سمیٹ کر سارا بدن چھپایا اور کپڑا اوڑھ کر لیٹ گئیں اور وہیں پڑ کر سو گئیں قافلہ کے پیچھے ایک شخص گری پڑی چیز اُٹھانے کو ذرا فاصلہ پر رہا کرتا ہے اتفاق سے اس قافلہ میں وہ شخص حضرت صفوان بن معطل رض تھے جو غور کے ساتھ راستہ کو دیکھتے ہوئے آرہے تھے۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صفوان بن معطل رض کثیر النوم شخص تھے کہ جہاں پڑتے سو جاتے تھے چنانچہ پچھلی منزل پر بھی قافلہ چلدیا اور یہ سوتے رہے اس لئے پیچھے آیئے تھے بہرحال جو کچھ بھی ہو جس وقت یہاں پہنچے تو دور سے گٹھڑی سی پڑی ہوئی معلوم ہوئی اور کچھ قریب آئے تو آدمی کی پرچھائیں محسوس ہوئی۔ حضرت صفوان رض نے پردہ کے حکم سے پہلے چونکہ حضرت عائشہ رض کو دیکھا تھا اس لئے پاس آکر پہچانا کہ ام المومنین رض ہیں اس لئے افسوس و حیرت کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اس سے حضرت عائشہ رض کی آنکھ کھل گئی اور وہ چادر سے منہ چھپا کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ صفوان رض نے اپنا اونٹ قریب لا کھڑا کیا اور وہ اُس پر سوار ہو گئیں یہ مہار تھام کر آگے ہو لئے اور حضرت صدیقہ رض کو قافلہ میں لا پہنچایا۔

بات تو صرف اتنی تھی مگر اس پر منافقوں نے عیب لگایا اور وہ حاشیے باندھے کہ بیان کرنے سے غیرت مانع ہے عبداللہ بن اُبی نے جس کا شروع منزل کا کارنامہ مذکور ہو چکا آخری منزل میں یہ گل کھلایا۔ اس دردناک قصہ کا بانی اور حامی یہی تھا۔ اس نے گھر گھر اس کا چرچا پھیلایا کوچہ و بازار میں مذکرے کئے اور آنے جانے والے رفقا سے ان دنوں بجز اس کے گویا کوئی بات ہی نہ کی اُسی کی سُنی سُنائی مسلمان مردوں میں حضرت حسان رض بن ثابت و مسطح بن اثاثہ اور عورتوں میں حضرت حمنہ بنت

جحش رضؓ بھی چرچا کرنے لگیں اور جگہ جگہ اس بے بنیاد واہیات قصّہ کے تذکرے ہونے لگے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو غمگین ہو کر بی بی عائشہ رضؓ سے کشیدگی فرمائی اور اُن کے ساتھ وہ پیار کی نظر نہ رہی جن پر دوسری بیبیوں کو بھی رشک ہوا کرتا اور اس سے قبل وہ اس میں مشہور تھیں۔

حضرت صدیقہ رضؓ کو کچھ خبر نہ تھی کہ مدینہ میں ان کے متعلق کیا چرچا ہو رہا ہے اُن کو سفر سے واپس آکر بخار چڑھ آیا تھا جس کی وجہ سے اکثر بیہوش پڑی رہتی تھیں اور جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لاتے ہیں تو بے رُخی کے ساتھ پاس بیٹھنے والی سے اِتنا پوچھ کر چلے جاتے ہیں کہ "اِن کا کیا حال ہے؟" تو اور زیادہ نڈھال ہو گئیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس قدر بے رُخی اُن سے کیونکر ضبط ہو سکتی تھی، اندر ہی اندر گھُرتیں اور اِس افواہ سے بالکل بے خبر تھیں جو شہر میں اُڑ رہی تھی آخر ماں سے جو عیادت کے لئے آئی ہوئی تھیں حضرتؐ کی بے توجّہی کا صدمہ ظاہر کیا اور ہر چند اُنھوں نے سمجھایا کہ ہلکان نہ ہو جب کوئی عورت اپنے خاوند کی پیاری ہوتی ہے تو دشمنوں کو حسد کا موقع مِلتا ہی ہے مگر ان کو تسکین نہ ہوئی اور آخر جب حضرتؐ تشریف لائے تو انھوں نے میکے جانے کی اجازت چاہی حضرتؐ نے تامّل اجازت دیدی اور فرمایا بہتر ہے کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ یہ اپنے گھر چلی آئیں اور روتے روتے بے حال ہوئیں۔

حضرتؐ نے جہانتک ہو سکا اِس قصّہ کی تفتیش بھی کی اور حضرت عائشہ رضؓ کی باندی سے بھی چال چلن دریافت کیا مگر جتنی بھی آپ نے تحقیق فرمائی حضرت صدیقہ رضؓ کی عفّت ہی ثابت ہوئی۔ ان کی باندی نے جو حضرت بریرہ رضؓ تھیں یا اور کوئی بقسم بیان کیا کہ بجز اس کے کہ بھولی اور ناتجربہ کار ہیں اور کوئی بھی عیب نہیں ہے بچپن سے کے آثار کھا ہوا ہو بکری آکر کھا جاتے تو پرواہ نہیں کرتیں سو جاتی ہیں۔ اِس کے سوائے کوئی ایسی بات نہیں جس پر شُبہ کا موقع ہو۔

بیس بائیس دن کے بعد حضرت صدیقہ رضؓ کو ایک روز مرض سے کچھ افاقہ ہوا تو قضائے حاجت کے لئے مسطح کی ماں کو جو رشتہ میں حضرت صدیق رضؓ کی خالہ گویا ان کی دادی ہوتی تھیں ساتھ لے کر جنگل گئیں۔ راستہ میں اتّفاق سے مسطح کی ماں کا پاؤں چادر میں اُلجھا اور بے اختیار اُن کی زبان سے نکلا "تعس مسطح" کہ مسطح ہلاک ہو۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ جو مسلمان جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے اُس کو ایسے بُرے لفظ سے کیوں یاد کرتی ہو؟ مسطح کی ماں نے سانس بھرا اور کہا۔ تمھیں کیا خبر کہ اس نے تمھارے متعلق کیا چرچا کر رکھا ہے یہ کہہ کر واقعہ بیان کیا اور چُپ ہو گئیں۔ پھر کیا تھا حضرت عائشہ رضؓ یہ سُن کر غم کے مارے نڈھال ہو گئیں، آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور گھر پہنچتے پہنچتے ان کو بخار زیادہ چڑھ آیا۔ مکان پر آئیں اور روتے روتے بُرا حال کیا تمام شب اسی بے چینی اور صدمہ میں گذر گئی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے رات ختم ہو گئی اور تارے گِن گِن صبح کی تین دن

متواتر روتے روتے دم نہ لیا تمام تمام رات آنکھوں میں گذری کہ آنکھ کا آنسو نہ تھما اور تمام تمام دن بجز ضرورتِ شرعیہ کے اُٹھ کر بیٹھ نہ سکیں اور منھ لپیٹے زار قطار آٹھ آٹھ آنسو روتی رہیں۔ آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ "اے عائشہ! مجھ کو تمھارے متعلق ایسی خبر پہنچی ہے، اگر تم بے گناہ ہو اور یہ محض دشمنوں کا بہتان ہے تو عنقریب تمھاری برأت نازل ہو جائے گی اور اگر تم سے خطا ہوئی ہے تو توبہ کرلی چاہئے۔ اُس وقت حضرت عائشہ رض کی ماں بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور باپ بھی موجود تھے اور ایک انصاری عورت بھی بیٹھی تھیں۔ حضرت صدیقہ نے باپ سے کہا کہ اس کا جواب دیجئے مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ ماں سے کہا کہ آپ ہی جواب دیں مگر ماں نے بھی جواب نہ دیا۔ مجبوراً خود بولیں اور کہا مجھے معلوم ہے کہ اس قصّہ کا آپ کو یقین آگیا ہے اِس لئے اگر کہوں بھی کہ میں بے قصور ہوں تو آپ کو یقین نہ آئے گا اور اگر اقرار کروں تو جھوٹا اقرار کس طرح کروں؟ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں بے خطا ہوں۔ واللہ میں اپنی اور تمھاری کوئی مثال نہیں پاتی بجز اس کے کہ یوسف ؑ کے باپ کی طرح یوں کہوں فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ "کہ صبر ہی بہتر ہے اور تمھاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی کی مدد چاہئے۔ اُس وقت حضرت صدیقہ رض غصّہ کے مارے کانپ رہی تھیں اور غلبۂ حزن ہی کے سبب حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی یاد نہ رہا کہ یوسف ؑ کے باپ کے عنوان سے ذکر کیا۔ اِس کے بعد روتی ہوئی پلنگ پر جا پڑیں اور روتے روتے بُرا حال کیا۔ اہلِ خانہ اِسی حال میں تھے کہ آثارِ وحی نمودار ہوئے اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ محویت طاری ہوئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی آپ کی پیشانی پر پسینہ آگیا گردن مبارک جُھک گئی۔ آپ کے سر کے نیچے سہارے کے لئے تکیہ رکھ دیا گیا اور سب خاموش ہو کر بیٹھ گئے یہاں تک کہ حضرت کو افاقہ ہوا اور آپ نے تازہ وحی یعنی سُورۂ نُور کی اٹھارہ آیتیں پڑھیں۔ جن میں بڑے شدّ و مد سے بی بی عائشہ رض کی برأت کا اظہار اور بہتان باندھنے والوں پر عتاب فرمایا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افاقہ ہونے پر آیاتِ قرآنیہ سُنائیں اور فرمایا کہ خوش ہو اے عائشہ رض! حق تعالٰے نے تمھارا بے گناہ ہونا نازل فرمادیا۔

حضرت عائشہ رض سے اُن کی ماں نے کہا کہ "اُٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مانو" انھوں نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ادا کروں گی جس نے مجھ پر یہ احسان فرمایا۔ حضرت صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ حق تعالٰے میری اتنی عزت فرمائے گا کہ میری عفت کے اظہار میں قرآن نازل ہو گا ہاں یقین تھا کہ خواب یا الہام کے ذریعہ سے حضرت ؐ پر میری بے گناہی منکشف ضرور ہو جائے گی۔

اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور سورۂ نور کی اُن آیتوں کو

پڑھ کر سنایا۔ بہتان باندھنے والوں کی کمر پر حدِّ قذف کے دُرّے مارے گئے اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو سبق حاصل ہوگیا کہ بلا دلیل بے حیائی کی بات کا چرچا کرنا یا کسی شریف زادی کو تہمت لگانا اسلام کی شان سے بعید ہے۔ مسطح رضی اثاثہ اور حضرت صدیق رضؓ میں رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور مہاجر و مسکین و شریک جنگِ بدر بھی تھے بایں وجہ حضرت صدیق رضؓ ہمیشہ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے چونکہ اس قصۂ افک میں یہ بھی شریک تھے اس لئے حضرت صدیق رضؓ نے ان کا نفقہ بند کر دیا اور قسم کھائی کہ اب ان کو کبھی کچھ نہ دوں گا مگر جب حق تعالےٰ نے یہ وحی نازل فرمائی کہ "اہلِ فضل اور وسعت والے لوگوں کو اس کی قسم کھانی مناسب نہیں ہے کہ وہ کچھ نہ دیں گے۔ ایسے شخص کو جو قرابت دار ہے، مسکین ہے، اللہ کی راہ میں ہجرت کر چکا ہے ہاں ان کو چاہئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم کو محبوب نہیں ہے کہ اللہ تم کو بخش دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے" تو حضرت صدیق رضؓ نے مسطح کے ساتھ سلوک کرنا کھول دیا اور اب یہ قسم کھائی کہ ان پر خرچ کرنے سے کبھی ہاتھ نہ روکوں گا۔ اس کے بعد کہا کہ میں اللہ کی مغفرت کو یقیناً محبوب سمجھتا ہوں اور کچھ نہ دینا اس نعمتِ عظمیٰ کی محرومیت سے سہل جانتا ہوں، غرض قصہ رفت گذشت ہوا اور عبداللہ بن اُبی کی اس قدر رُسوائی ہوئی کہ کوئی بات کا اعتبار نہ کرتا اور برادری کے بھائی بھی اس کی بات سُنتے تو بے وقعت سمجھ کر دباد یتے تھے۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ غزوۂ مریسیع سنہ ۶ھ میں ہوا کیونکہ پردہ کی آیت سنہ ۵ھ میں نازل ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

باب ۵ھ

غزوۂ خندق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی مدافعت اور جہاد و غزوات کے علاوہ جو کچھ وقت ملتا اس کو اندرونی اصلاح اور مسلمانوں کی رُوحانی تکمیل میں صرف کرتے تھے۔ قرآن مجید برابر نازل ہوتا اور حسب ضرورت احکام جو آسمان سے اُترتے رہے آپ اُن کو صحابہ رضؓ تک پہنچاتے، شریعت کی تعلیم فرماتے، اخلاق کی اصلاح کرتے اور اپنی ہمنشینی سے مستفید فرما کر ان رُوحانی طاقتوں کا فیضان پہنچایا کرتے تھے جو تمام اعمال کی جڑ اور زندگی کے کارناموں کا اصل الاصول ہیں۔ صحابہ رضؓ کی پختگی اور ایمان کی مضبوطی جن کا پتہ واقعاتِ مذکورہ سے بھی چل رہا ہے اور آئندہ زمانہ میں تو اس کا اتنا ظہور ہوا کہ مخالفوں کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا یہ سب اسی قوتِ قدسیہ کا پرتو ہے جو چند روزہ زمانہ میں بہت تھوڑے وقت صحابہ رضؓ کو پاس بٹھا کر ان پر ڈالا گیا تھا۔

آپ کی ایک اکیلی ذات پر دو مستقل خدمتوں کا بار ڈالا گیا تھا کہ غیروں کو اپنا بنائیں اور اپنوں کو اِن قرب کے سبب سے بالا حصہ پر پہنچائیں۔ سو دونوں جز کی تکمیل آپ کو مدنی سکونت کے صرف دس سال میں کرنی ضروری تھی اِس لئے آپ بلا تعین وقت گویا ہر لحہ اُس کی انجام دہی میں مشغول تھے اور جب اسلام میں مزاحمت کرنے والی جماعتِ کفار سے فرصت پاتے اپنے لاڈلے مسلمانوں کی رُوحانی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو جاتے تھے۔

اِس درمیان میں آپ کے دشمن بھی غافل نہ رہتے تھے بلکہ اِس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ایک دفعہ سب تمام بدوؤں کو جمع کر کے مدینہ پر یکدم یورش کر دیں اور نام آور ملک کے بہادروں کی شجاعت دکھا کر دل کا حوصلہ نکال لیں۔ اِدھر شوال کا وہ مہینہ بھی آرہا تھا جس میں ہر سال جنگ کرنے کی دھمکی ابوسفیان نے جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو دی تھی اور گذشتہ سال قحط سالی کا عذر کر کے ظہران سے اپنے لشکر کو واپس لے گیا تھا پس اِس خجالت کا اُتارنا بھی منظور تھا اور آئندہ کے لئے بات بھی بنائے رکھنی تھی چنانچہ اپنے قاصدوں کو چاروں طرف روانہ کیا تاکہ گرد و نواح کی جملہ اقوامِ عرب اور مختلف قبیلوں کے بُت پرستوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کریں اور اس مرتبہ ہزار ہا ہزار سپاہیوں کی فوج مدینہ پر اِس قصد سے جا چڑھی کہ اِس نئے مذہب کی بنیاد اُکھیڑ پھینکے۔ اُدھر قبیلہ بنی نضیر کے چند یہودی جو مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر کے پاس جا کر بسے تھے وہ الگ بھڑکا رہے تھے اور اپنی عداوت نکالنے کو لڑنے کے لئے لوگوں کو بھڑکا رہے تھے چنانچہ اِن کا سردار حُیَی بن اخطب قریباً بیس یہودی اپنے ساتھ لے کر مکہ گیا۔ اپنی تدبیر و مشورہ اور کثیر جماعت کی مدد کا وعدہ کیا اور فتح کی توی امید دلا کر قریش کو لشکر کشی کے لئے پختہ کر دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے سے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی تجویز قرار پائی چنانچہ کوہِ سلع کی جانب چوڑی اور گہری خندق کھودنے میں صحابہؓ مشغول ہوئے اور جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کُدال لے کر اُس میں شرکت فرمائی۔ چونکہ مدینہ کی دوسری جانب شہر پناہ اور عماراتِ محکم تھی اس لئے اُن کو چھوڑ دیا گیا۔

منافقوں کا نفاق اِس غزوہ میں بھی کئی بار ظاہر ہوا کہ آتے ہوئے گھبراتے، کام کرنے سے اُکتاتے جھوٹے بہانے کر کر کے چلے جاتے اور بعض وقت بلا اجازت و اطلاع ہی کھسک جاتے تھے، وقت کم تھا اور کام بہت، خصوصاً اِس وجہ سے کہ صحابہؓ نہ خندق کی صورت سے واقف تھے اور نہ اس کا کھودنا جانتے تھے مگر اخلاص سب کچھ کرا دیتا ہے۔ مکہ کا لشکر ابھی آنے بھی نہ پایا تھا کہ خندق بالکل تیار ہو گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حضرت عبد اللہ بن اُم مکتوم کو چھوڑ کر تین ہزار مسلمان ساتھ لے کر کوچ فرمایا

اور کوہ سلع و خندق کے درمیانی حصّہ میں خیمے نصب فرما کر لڑائی کا اہتمام کیا۔ دس ہزار کافروں کا لشکر بھی آپہنچا اور اپنی کامیابی کے موہوم خیال میں مست ہو کر ادھر اُدھر پھیل پڑا۔ قریشی لشکر نے مجتمع السیل پر اور غطفان نے اُحد کی جانب چھاؤنی ڈال دی اور مسلمانوں کو گویا اوپر نیچے کی دونوں جانبوں سے گھیر لیا۔ گروہا گروہ عرب کی سخت یورش کا یہ مقتضا تھا کہ دہشت کے مارے مسلمانوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں، نظر خیرہ بن کر چکرا جائے، کلیجے مُنہ کو آنے لگیں اور باقتضائے بشریّت غلبۂ خوف سے گھبرا کر لمبے وسوسے آنے لگیں کہ دیکھئے جنگ کا انجام کیا ہو اور بچیں یا نہ بچیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ منافقوں نے رہی سہی ہمّتیں کمزور کرنی شروع کیں اور کہنے لگے کہ اہلِ یثرب یہ ہیبت ناک منظر ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے بھلا چاروں طرف سے محصُور ہو کر بچاؤ کی کیا صورت ہو سکتی، پتھروں اور تیروں کی بارش ہی سے کچلا ہو جائے گا۔ لوٹو اور پناہ کی جگہ جائیں بچا کر پڑے رہو۔ مگر اللہ رے استقلال مسلمان از جار فتہ نہ ہوتے اور یوں سمجھ کر یہی امتحان کا وقت ہے اور آج ہی اس کی جانچ پڑتال ہو گی کہ کون پختہ رہ کر خدا اور خدا کے رسول پر جان نثار کرتا ہے اور کون اپنی جان بچاتا اور ہول وہراس سے گھبرا کر بھاگنا چاہتا ہے، پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کہتے رہے کہ حق تعالےٰ کا وہ وعدۂ نصرت جس کو سورۂ بقرہ میں، ارشاد فرمایا ہے کہ جنت میں جانا چاہتے ہو تو جھڑ جھڑا جانے کو تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد ہماری مدد نازل ہو گی، ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ معلوم ہو چکا ہے کہ یہودی فرقوں میں بنی قینقاع اور بنی نضیر جلا وطن ہو چکے اور اب مدینہ میں صرف ایک قوم یعنی بنی قریظہ باقی تھی جس پر مسلمانوں کو اعتماد تھا کہ کافروں کے شریکِ حال نہ ہوں گے اور اپنے معاہدہ پر کاربند رہیں گے لیکن افسوس یہودیوں میں وفا کا نام بھی نہ تھا اور اس بدقسمت قوم کی مصیبت کا وقت بھی آپہنچا تھا۔ اس لئے جس وقت حُیَیّ بن اخطب نے رات کے وقت ان کے سردار کعب بن اسد کے قلعہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اوّل اُس نے ملاقات سے انکار کیا مگر آخر دروازہ کھول کر حُیَیّ کو بلا لیا اور اُس کی دلائی ہوئی اس اُمید پر عہد کو توڑ دیا کہ سارے عرب مخالف ہو کر آخری فیصلہ کرنے کے لئے مسلمانوں پر چڑھ آئے ہیں اور اب اسلام کا تخم بھی قائم رہنا دشوار ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سُنی تو حضرت سعد بن معاذ رضؓ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بغرضِ تحقیق ان کے پاس بھیجا۔ چنانچہ وہ گئے تو ان کو وہاں جانے پر معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ لوگ باغی ہو گئے ہیں اس لئے کہ انھوں نے یوں جواب دیا کہ "ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہیں اور خدا کے رسول کون؟ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں جس کی تابعداری کریں، نہ ہمارا تمھارے ساتھ کوئی معاہدہ ہے، جاؤ اپنا کام کرو" یہ جواب سُنکر دونوں حضراتؓ واپس آئے اور حضرتؐ کو اطلاع دیدی۔

یہ وقت بھی عجیب پریشانی کا تھا کہ ادھر سارا عرب پورے سامان کے ساتھ یورش کرنے کو چڑھا جس میں
[قب]یلہ مذہبی مخالفت کی بنا پر گویا مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ پچھلے زمانہ کی دراز عداوت نکالنے کا تہیہ
[کئے ہو]ئے تھا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کئے ہوئے سرداروں کے انتقام کا جوش جدا تھا اور شکست و ہزیمت
[کی خ]جالت رفع کرنی الگ تھی اور سب پر طرّہ یہ تھا کہ آئندہ کی دشمنوں کا فیصلہ اسی پر سمجھ رکھا تھا کہ فتح ہو یا
[شکس]ت ادھر اندرونی حالت دیکھئے تو منافقوں کا اندیشہ ایک مستقل مزاحمت تھی کہ مار آستین بنے ہوئے اور
[...]بیت کی ہوا کا رخ دیکھنے والے ہیں اس کے علاوہ وقت پر دغا دینا ان کا شعار تھا۔ چنانچہ اب بھی یہ کہہ کر
[...]رتیے تھے کہ ہمارے گھر خالی ہیں کوئی مرد ذات ہے نہیں دیواریں نیچی ہیں، عورتیں اور بچے ڈرتے ہوں گے
[ا]س لئے یہاں ٹھہر نہیں سکتے کیونکہ ان کی حفاظت بھی ضروری بلکہ سب سے مقدم ہے کہ دشمن ان پر آنہ پڑیں
[ک]م سے کم چور ہی آگھسیں اور لوٹ لیں۔ اس پر بنی قریظہ کا اس نازک وقت میں بجائے اعانت کے باغی
[و] مخالف ہو جانا سمند ناز پر تازیانہ بن گیا کیونکہ یہ لوگ مدینہ کے قدیم باشندے ہونے کی وجہ سے اس کے ناکوں،
[ر]استوں اور خطرہ کے مقاموں سے پورے واقف تھے اور گھر کے بھیدی بن کر کافروں کو پوری مدد پہنچا سکتے
تھے مگر اللہ رے ہمت کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبراہٹ بھی لاحق نہ ہوئی بلکہ یوں فرمایا کہ بشارت
ہو اے جماعت مسلمین تم کو کام کرو ہمت نہ ہارو قیصر و کسریٰ کے تخت تمہارے قدم چومنے کو فخر سمجھتے ہیں۔
[آ]پ ہی کے قلب کی قوت قدسیہ کا اثر تھا کہ ان مسلمانوں پر بھی مطلق ہراس نہ ہوا کہ جن کی تعداد بھی کم
تھی سامان جنگ بھی پورا نہ تھا اور بجز توکل کی طاقت کے کسی چیز کی بھی قوت ان کو حاصل نہ تھی۔

دس ہزار کافروں کے لشکر نے خندق کو دیکھا تو حیران رہ گئے کیونکہ عرب نے یہ صورت کبھی دیکھی نہ تھی
اس لئے رکے اور مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ مسلمان بھی پتھر اور تیر پھینک کر جواب
دیتے رہے اور نہایت استقلال و احسن تدبیر کے ساتھ بیرونی و اندرونی دشمنوں کی مدافعت کرتے رہے
کافر بیس دن تک مسلمانوں کو گھیرے پڑے رہے مگر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ آخر ریگستان میں پڑے پڑے
اکتا گئے تو کوشش کی کہ کسی طرح خندق کے پار اتر پڑیں مگر ناکام رہے آخر عمر بن عبدود جو قریش کا وہ مشہور
پہلوان اور نامور اور شجاع تھا جو تنہا پچاس ڈاکوؤں پر بھاری ہو کر ایک بار قافلہ سالم نکال لایا تھا چند
جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر خندق کے کنارے گھوما اور ایک جگہ تنگ سا دہانہ پا کر خندق عبور کر آیا۔ یہ چند
جوان گھوڑوں پر سوار میدان میں آئے اور مقابل کے خواہاں ہوئے کہ ہے کوئی جو لڑنے کے لئے سامنے
آئے؟ چنانچہ حضرت علی رضؓ تلوار ہلاتے ہوئے تشریف لائے اور یہ کہہ کر کہ "اے عمر! میرا جی چاہتا ہے کہ تیرے
خون سے زمین کو سرخ کر دوں" اس پر حملہ کر دیا۔ عمر بھی پہلوان تھا اور جنگ بدر میں کئی زخم کھانے

کی وجہ سے بخیالِ انتقام قسم کھائے ہوئے تھا کہ جب تک بدلہ نہ لے لوں گا سر میں تیل نہ ڈالوں گا اس میں پیچ و تاب کھا کر گھوڑے سے اُتر پڑا اور اُس کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیئے کہ واپسی کا وہم و خطرہ رہے اس لئے چند منٹ اُلٹ پھیر کرتا رہا اور سپہ گری کے کرتب لوگ دیکھتے رہے آخر شیرِ خدا نے وار کیا اور اس کو قتل کر کے زمین پر ڈال دیا۔ اُس کے رفیق جو ساتھ آئے تھے بھاگ پڑے اور اپنی جانب اسی راستہ سے خندق عبور کر کے لشکر میں آملے۔

گروہ کفّار کو پڑے ہوئے جب کئی ہفتے گذر گئے تو اس خیال سے کہ مسلمان گھبرانہ جائیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی جماعتوں میں مخالفت پیدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی تھی کہ خرمائے مدینہ کی ثلث عرب کے غطفان و فزارہ کو دے کر ابو سفیان کی مدد سے کنارہ کش کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس خیال کو میں بھی ڈالا مگر انصار نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلعم جس وقت ہم مشرک تھے اُس بھی ان بدوؤں کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ ہم پر دباؤ ڈال کر کچھ لیجائیں یا تجارت و ضیافت کے علاوہ تیسرے طریق سے ہمارا مال کھائیں اور آج تو ہم کو اسلام کی عزت حاصل ہے اب اُن کی کیا حقیقت کہ مدینہ کی کھجوروں پر دندانِ طمع دراز کریں، ہمارے پاس اُن کے لئے بجز تلوار کے کچھ نہیں ہے ان رہنے دیجئے کہ اپنے دلوں کا حوصلہ نکالیں، آئندہ آپ حاکم ہیں جس طرح ارشاد ہو ہم تعمیل کرنے کو ہیں۔ حضرت نے فرمایا میں تو صرف تمھاری راحت کے لئے اسی خیال سے کہ گھبرا نہ گئے ہوں یہ صورت کرنی چاہتا تھا۔ سو الحمد للہ جب تم کو حق تعالےٰ نے اتنی ہمت عطا فرمادی تو مبارک ہو انشاء اللہ کوئی سبیل پیدا ہوگی۔

کفارِ قریش کو پڑے ہوئے ایک مہینہ کے قریب ہو گیا کہ نہ خندق پھاند کر ان کو مسلمانوں سے دُو بدو لڑنے کی نوبت آئی اور نہ گذشتہ سال کی طرح بے نیلِ مرام واپس ہونے کی ہمت ہوئی عمرو بن عبدود جس کی پہلوانی کا ان میں ڈنکا بجا ہوا تھا مارا ہی جا چکا تھا اور مسلمانوں کی دوری سے سنگباری و تیر باری پر اور بھی مشرک مر چکے تھے۔ سردی سخت پڑ رہی تھی، زادِ راہ ختم ہو چلی تھی کہ اتنے میں قبیلہ غطفان کے ایک شخص جن کا نام نعیم بن مسعود تھا آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میں مسلمان ہو گیا اور آپ پر ایمان لایا ہوں میرے قابل کوئی خدمت بتائیے اور حکم دیجئے کہ اُس کو انجام دوں۔ چونکہ نو مسلم تھے اور گو تنہا تھے مگر ابھی ان کی قوم کو اُن کے مسلمان ہونے کی اطلاع نہ ہوئی تھی اس لئے تدبیر کے ساتھ غطفان و قریش اور بنی قریظہ سب میں تفرقہ ڈال سکتے تھے چنانچہ بمقتضائے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لے کر اول بنی قریظہ میں گئے اور یوں تقریر کی کہ اے

اہل کتاب تم نے بڑی غلطی کی کہ اہل مکہ سے میل کر کے محمدؐ سے نقض عہد کیا۔ تم کو تمہارے دوست نما دشمن نے لاطائل امیدوں کا سبز باغ دکھا کر ایسا دھوکہ دیا کہ کہیں کا بھی نہ رکھا۔ قریش اور غطفان اگر محمدؐ کا کام تمام کئے بغیر واپس ہو گئے اور بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدت سے باہر پڑے ہوئے اکتا گئے ہیں تو تم دیکھ لو کہ مسلمانوں سے تمہارا کس طرح نباہ ہوگا۔ اِدھر فارغ ہو کر جب مسلمان تم پر چڑھیں گے تو تمہارا بیج بھی باقی نہ چھوڑیں گے۔ عقلمند ہو کر تم نے کیا حرکت کی کہ بغیر اطمینان کئے اپنی راحت اور امن کی گذران پر پانی پھیر دیا۔ بنی قریظہ یہ باتیں سُن کر گھبرا اُٹھے اور کہا کہ اے نعیم! جو ہونا تھا ہو چکا، اَب بتاؤ کیا تدبیر کریں؟ انھوں نے جواب دیا کہ تم اہلِ مکہ سے کہلا بھیجو کہ اپنے چند سردار یا اُن کی اولاد بطور رہن کے تم کو دیدیں کہ وہ تمہارے پاس رہیں تاکہ اگر محمدؐ تمہارا قصد کریں تو اہلِ مکہ کو اپنے سرداروں کی حفاظت کے لئے مدد کو آنا ضرور ہو، اور جنگ کی مصیبت تنہا تمہارے اوپر نہ پڑے، پس اگر وہ اس کو منظور کرلیں تب تو سمجھو کہ وہ تمہارے دل سے خیر خواہ اور بُرے وقت کے ساتھی ہیں اور اگر نہ مانیں تو جان لو کہ وہ تمہارے دل سے ساتھی نہیں اس وقت صرف اپنا مطلب نکالنے کو تم سے میل کر گئے ہیں۔ یہ بات بنی قریظہ کی سمجھ میں آگئی اور وہ ایسا کرنے پر پختہ ہو گئے۔

اِس کے بعد نعیم بن مسعودؓ، قریش اور اپنی قوم قبیلہ غطفان میں آئے اور ہر ایک سے اپنا خیر خواہ ہونا ظاہر کر کے کہنے لگے کہ ہم نے سُنا ہے یہود بنی قریظہ در پردہ محمدؐ سے مل گئے ہیں۔ آخر اہل کتاب ہیں اور مدینہ میں ان کو رہنا ہے باہر کے پردیسیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ بگاڑنا اُن کی عقل اور دور اندیشی کے بھی خلاف تھا۔ اَب محمدؐ نے ان کو کہلا بھیجا ہے کہ ہمارا دل تم سے جب صاف ہو کہ قریش میں سے کچھ سردار گرفتار کرا دو اور تدبیر کے ساتھ ان کو ہمارے حوالہ کر دو۔ پس اگر یہ خبر صحیح ہے تو کوئی دن میں ان کی تم سے درخواست ہو گی کہ اپنے سردار ہمارے پاس بھیجدو اور یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے آدمی خائن قوم کے حوالے کریں کہ محمدؐ ان کا خون بہائیں اور ہم کو خجالت پر خجالت حاصل ہو۔

نعیم کی یہ تقریر سُن کر اہلِ مکہ کے دلوں میں قریظہ کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور انھوں نے چاہا کہ قبل از وقت یہودیوں کی جانچ کریں اس لئے اسی دن کہ ہفتہ کی شب تھی ان کے پاس پیام بھیجا کہ اے بنی قریظہ تم دیکھ رہے ہو ہمیں میدان میں پڑے ہوئے عرصہ ہو گیا سامانِ رسد ختم ہوا چاہتا ہے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی اس لئے اپنا وعدہ پورا کرو اور صبح کو آمادۂ کارزار ہو کر ہمارا ساتھ دو کہ تم اندر سے اور ہم باہر سے مسلمانوں پر یکدم یورش کریں اور ان کا کام تمام کر کے فارغ و مطمئن ہو بیٹھیں۔

قریظہ نے اِس کا جواب کہلا بھیجا کہ کل ہفتہ ہے اور تم کو معلوم ہے کہ یہ قابلِ عظمت دن ہمارے مذہب میں

عبادت کا ہے جنگ کا نہیں، اس لئے صبح ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ نیز اپنے اطمینان کی غرض سے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے چند سردار یا اُن کی اولاد بصورتِ رہینہ ہمارے حوالہ کرو تاکہ اپنے اوپر مصیبت پڑنے کے وقت ان کی وجہ سے تمہاری اعانت کا ہم کو وثوق رہے۔" قاصد نے یہ پیام قریش اور غطفان سے پہنچایا تو اُن کی بدگمانی پختہ ہوگئی کہ نعیم کا خیال بالکل صحیح ہے اور صاف انکار کہلا بھیجا کہ ہم اپنا سردار کوئی تمہارے حوالہ نہ کریں گے۔ بنی قریظہ نے یہ جواب سُنا تو ان کی بدگمانی بڑھی اور کہنے لگے کہ نعیم نے واقعی سچ کہا تھا۔ الغرض اِس تدبیر سے دونوں میں اچھا خاصا بگاڑ ہوگیا اور ایک کو دوسرے پر مطلق اعتماد نہ رہا۔

ادھر اہلِ مکّہ کو پڑے ہوئے قریب ایک مہینہ کے ہوگیا اور ادھر بنی قریظہ کی طرف سے اُن کے دل مایوس اور افسردہ ہوگئے، اس پر آسمانی تازیانہ یہ پڑا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک پُروا ہوا نہایت تُند بھیجی کہ چولھوں سے دیگچیاں گر پڑیں خیمے اُکھڑ گئے، کھونٹے اور رسّیاں ٹوٹ گئیں اور گھوڑے بھاگنے لگے یہ حال دیکھ کر فوجِ کفّار کی ہمتیں پست ہوگئیں، دل ٹوٹ گئے اور گھر کی سُوجھی۔ ابوسفیان نے بھی سراسیمہ ہوکر کہدیا کہ اب یہاں ٹھہرنا مصلحت نہیں ہے اس لئے اُسی رات کو سب نے کوچ کر دیا اور صبح ہونے ہوتے وہ میدان جس میں دس ہزار آدمیوں کی چہل پہل نظر آرہی تھی بالکل خالی ہوگیا۔ آفتاب نے جس وقت اُفقِ مشرق سے منہ نکالا ہے تو وہ جنگل ہُو کا عالم اور لق و دق بیابان نظر آیا جس کو مغرب میں چھپانے کے وقت بھرپور و آباد چھوڑا تھا۔

اِس غزوہ میں مسلمانوں کا شعار حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ تھا۔ مہینہ بھر کی تیر و سنگباری سے چھ[۶] مسلمان شہید ہوئے اور تین[۳] کافر مارے گئے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ کفّار کی جماعت ناکام واپس ہوگئی تو انھوں نے بھی واپسی کا تہیّہ کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت سُنا کر کہ اب آئندہ ان کو ہم پر یورش کرنے کی کبھی ہمّت نہ ہوگی بلکہ ہم ہی انشاء اللہ اُن پر چڑھ کر جائیں گے، وہاں سے روانہ ہوئے اور حق تعالےٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہنسی خوشی اپنے شہر میں داخل ہوئے۔

باب ۵۲ ۵ھ

جنگِ بنی قریظہ

حق تعالےٰ کے نزدیک یہ فتح ابھی کامل نہ تھی کیونکہ یہود بنی قریظہ سے مسلمان کسی طرح مطمئن نہ تھے ان کے معاہدہ کا نقض ہو ہی چکا تھا۔ اہلِ مکہ کی طرفداری اور سردارِ اسلام کی شان میں گستاخی کھل چکی تھی اور آئندہ اُن کی قسم کا بھی اعتبار نہ رہا تھا اس لئے مناسب تھا کہ ان کے قابو پانے سے قبل ہی ان کا علاج کر دیا

جائے اور اس مفسد تخم سے مدینہ کی مقدس زمین ہمیشہ کے لئے خالی کرلی جائے۔

چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ہتھیار کھول کر امّ سلمہ رضؓ کے گھر نہا رہے تھے غسل پورا نہ کرنے پائے تھے کہ حضرت جبرئیل ؑ آئے اور کہا کہ حق تعالےٰ کا حکم ہے کہ فوراً بنی قریظہ پر چڑھائی کیجیے اور اُن سے فارغ ہو کر اطمینان سے غسل فرمایئے۔ چنانچہ آپ نے اُسی وقت اسلامی لشکر کو جمع ہونے کا حکم دیا عبداللہ بن امّ مکتوم کو مدینہ میں چھوڑا۔ حضرت علی رضؓ کے ہاتھ میں نشانِ جنگ دیا۔ خود سیدنا ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کو دائیں بائیں لے کر چند دستے فوج کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہوئے اور عام حکم دیدیا کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں۔

اس حکم سے مقصود تعجیل تھی کہ بنی قریظہ میں جلد پہنچنا چاہیے چنانچہ صحابہ رضؓ آگے پیچھے فوراً روانہ ہوئے اتفاق سے راستہ میں آفتاب غروب ہونے لگا تو صحابہ رضؓ میں نماز کے متعلق اختلاف ہوا بعض نے تو ارشادِ نبوی کی حقیقت کو مقصود قرار دے کر نماز پڑھ لی اور بعض نے الفاظ کے ظاہر پر نظر کر کے یوں کہا کہ آج عصر کی نماز کا وقت ہی ہمارے لئے جب ہوگا کہ بنی قریظہ میں پہنچ جائیں اس سے ورے جائز نہیں۔ چند صحابہ رضؓ نے کہا کہ حضرت کے ارشاد کا منشاء یہ نہیں ہے کہ نماز کا وقت نکل بھی جائے تب بھی نماز نہ پڑھی جائے مگر بعض نے نماز قضا کردی اور بنی قریظہ میں پہنچ کر مغرب کے وقت میں عصر کی نماز پڑھی۔ جب حضرت ؐ تشریف لائے تو اس اختلاف کا قصہ سُنا اور دونوں فریق کی تعریف فرمائی کیونکہ ہر ایک کی نیت بخیر تھی۔ عشاء کے بعد تک اسلامی لشکر کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور آخر مسلمانوں نے بنی قریظہ کی گڑھیوں کا ہر چہار طرف سے محاصرہ کرلیا کہ کوئی نکل کر کہیں جا نہ سکے اور تنگ آکر بنی نضیر کی طرح نیچے اُتر آئیں اور قسمت کا آخری فیصلہ جو کچھ بھی صادر ہو اُس کو منظور کریں ماہ ذیقعدہ کے صرف سات دن باقی تھے کہ محاصرہ عمل میں آیا اور کامل پچیس[۲۵] روز تک قائم رہا کہ نہ یہودیوں نے دروازہ کھولا اور نہ جنگ یا صلح کی کوئی کارروائی عمل میں آئی۔ بنی قریظہ کی تباہی کا زیادہ سبب حیی ابن اخطب بنا تھا جس نے اپنی جلاوطنی کی عداوت میں ان کو احزاب کا پشت پناہ بنا کر مسلمانوں سے باغی بنایا تھا اور وہ بھی اہلِ مکہ کی واپسی کے بعد حسب وعدہ ان کے سردار کعب بن اسد کے پاس مقیم تھا۔ ان لوگوں کا مقصود یہ تھا کہ مسلمان محاصرہ سے تنگ آکر لوٹ جائیں۔ مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ پچیس دن گذر گئے اور مسلمان آخری فیصلہ کئے بغیر واپس ہٹنے والے نہیں ہیں۔ تو کعب بن اسد نے سب کو بلایا اور اس طرح تقریر کی کہ اے اسرائیل کے بچو! نبی زادو! میرے بھائیو دوستو! جس حال میں مبتلا ہو اُس کو دیکھ رہے ہو اب تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرو، یا تو مسلمان ہو جاؤ اور محمد صلعم کا اتباع کرلو جس کے زبانوں سے اگرچہ قائل نہیں ہو مگر دلوں میں جانتے ہوئے ضرور ہو کہ وہ برسرِ حق اور نبیِ آخر الزماں ہیں اور

اگر تمھاری غیرتی طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی تو اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے بے فکر ہو جاؤ جی توڑ کوشش سے باہر نکل کر میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرو کہ فتحیاب ہوئے تو بیوی بچے بہت مل جائیں گے اور ناکام رہے تو پس ماندگان کی طرف سے پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ اور یہ بھی منظور نہ ہو تو آج ہفتہ کی شب ہے اور مسلمانوں کو اطمینان ہوگا کہ اس باعظمت دن میں یہود کی طرف سے حملہ نہیں ہو سکتا سو ان کی اس وقت بے خبری کو غنیمت سمجھ کر آج اس دن کی عظمت طاق میں رکھ دو اور دفعۃً ان پر چھاپہ مار کر سب کا کام تمام کر دو۔ مگر بنی قریظہ نے کسی رائے کو منظور نہیں کیا اور جواب دیا کہ "نہ ہم محمدؐ پر ایمان لا سکتے ہیں اور نہ اپنے ہاتھوں ہمراہ عیش بی بی بچوں کو قتل کر سکتے ہیں اور نہ یہ گوارا ہے کہ یوم السبت میں ایسی حرکت کریں جس کے ارتکاب سے ہمارے اسلاف مسخ ہو کر سور اور بندر بن چکے ہیں" کعب بن اسد نے جب دیکھا کہ کوئی رائے کارگر نہیں ہوتی تو خاموش ہو گیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا کہ ذرا سی دیر کے لئے ابو لبابہ کو بھیج دیجئے کہ ان سے مشورہ کر لیں۔ مسلمان ان یہودیوں کا محاصرہ کئے پڑے رہے آخر کو یہودی تنگ آ گئے اور مصالحت کا پیام و سلام شروع ہوا۔

بنی قریظہ کا چونکہ قبیلۂ اوس سے تعلق تھا۔ حلیف اور باہم عہد و پیمان کئے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے کا مددگار ہوگا اس لئے ان کو یہ توقع ہوئی کہ ابو لبابہؓ اوسی اس مصیبت کے وقت ہمارا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ حضرتؐ نے ابو لبابہؓ کو اجازت دی اور وہ بنی قریظہ میں آئے۔ یہودی بچے اور عورتیں ابو لبابہؓ کو دیکھ کر آہ وزاری کرنے اور پاؤں پر سر رکھنے لگے۔ اُن کی بے بسی و واویلا پر ان کو بھی ترس آ گیا اور جب اُن سے پوچھا گیا کہ "تمھاری رائے میں محمدؐ کے فیصلہ پر راضی ہونے کا اقرار کر لینا ہمارے لئے کیسا ہے؟ تو انھوں نے اپنے حلق کی جانب اشارہ کر دیا گویا بتا دیا کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمھارے قتل کرنے کا ہے۔ کہنے کو کہہ گئے مگر آخر صحابی تھے اور فیضانِ نبوت سے قلب میں نور آ چکا تھا اس لئے دل پر دفعۃً چوٹ لگی اور سمجھے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی خیانت ہوئی کہ حضرتؐ کا منشا جو بصورتِ راز تھا ان پر ظاہر کیا اور ان کی بچاؤ کی تدبیر سے حضرتؐ کو محاصرہ کی مشقت میں ڈالا اس لئے اپنے کو خطاوار سمجھ کر سیدھے مسجدِ نبویؐ میں آئے اور اپنے آپ کو ستون سے باندھ کر قسم کھائی کہ حضرتؐ اپنے دست مبارک ہی سے جب کھولیں گے تب کھلوں گا چنانچہ حضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ ابو لبابہؓ میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے لئے استغفار کرتا مگر جب انھوں نے اپنا معاملہ خدا کے حوالے کر دیا تو اب میں بلا نزولِ وحی کچھ نہیں کر سکتا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ بھی قبیلۂ اوس کے سردار تھے اور غزوۂ خندق میں حبان بن عرقہ کا تیر ان کے ہاتھ کی رگ میں آ کر لگا جس سے رگ کا منہ کھل گیا اور خون برابر جاری تھا۔ انھوں نے دعا کی تھی کہ یا اللہ اگر احزاب کے

ام ابھی کچھ کام باقی ہے تو مجھ کو صحت دے کہ حضرتؐ کے دشمنوں سے انتقام لوں اور اگر جنگ ختم ہو چکی ہے تو مجھ کو
شہ...ت نصیب فرما، ہاں اتنا ارمان ہے کہ وقت پر دغا دینے والے یہود بنی قریظہ کا انجام دیکھ لوں اور ان کی
...ی سے آنکھیں ٹھنڈی کر لوں۔ خندق سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی اسلم
...ک طبیب عورت رفیدہ نامی کے خیمہ میں داخل فرما دیا تھا جو بیماروں کی لوجہ اللہ تیمارداری اور جہاد کے
...زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں خیمہ مسجد ہی میں تھا حضرتؐ نے اس میں یہ بھی مصلحت سمجھی کہ پاس کے پاس
...وقت عیادت فرماتے رہیں گے۔ الغرض صبح ہوئی تو بنی قریظہ نے مجبور ہو کر اپنی زندگی کی باگ حضرتؐ کے
...کی اور کہلا بھیجا کہ جو کچھ فیصلہ کرو ہمیں منظور ہے۔ سنہ ۲ھ میں یہود بنی قینقاع کے متعلق جب یہی فیصلہ
...صورت پیش آئی تھی تو ان کے ہم قسم قبیلہ خزرج میں عبد اللہ ابن اُبی نے حضرتؐ سے درخواست کی تھی کہ ان کو
...نہ کیجئے بلکہ جلا وطن کر دیجئے۔ چنانچہ اُن کی رائے مان لی گئی تھی۔ اس لئے بنی قریظہ کی قسمت کا فیصلہ ہوتے
...ت ان کے ہم قسم قبیلہ اوس نے آرزو کی کہ ان کو ہمارے حوالے کر دیجئے کہ جو مناسب سمجھیں برتاؤ کریں۔
...نچہ آپؐ نے منظور فرما لیا اور کہا کہ اچھا تمھارے سردار سعد بن معاذ رضؓ کا فیصلہ ہمیں منظور ہے۔ یہ سن کر قبیلہ
...س کے چند سربرآوردہ اشخاص حضرت سعد کے پاس آئے اور کہا کہ ذرا تکلیف فرمائیے اور مسلمانوں کے
...ع میں چل کر اپنی ہم قسم قوم بنی قریظہ کے متعلق رحیمانہ فیصلہ فرما دیجئے۔ حضرت سعد جن کے زخمی ہاتھ کا خون
...ل وقت بند ہو چکا تھا سواری پر سوار ہو کر مجمع میں آئے اور یوں فرمایا کہ "میں نہیں چاہتا ہوں کہ کسی ملامت
...رنے والے کی ملامت کے اندیشہ سے ناحق فیصلہ کر دوں" گویا اپنی قوم کو مایوس کر دیا کہ وہ عبد اللہ بن اُبی کی
...رح یہودیوں پر زندگی کا احسان کرنا نہیں چاہتے اس کے بعد حاضرین سے اقرار لیا کہ میرا دیا ہوا فیصلہ
...سب پر نافذ اور تمام مسلمانوں کے نزدیک تسلیم شدہ ہوگا اور سب کے اقرار کر لینے پر یوں فرمایا کہ بنی قریظہ
...کے تمام مرد بالغ تہ تیغ کئے جائیں اور عورتیں بچے مسلمانوں کے باندی اور غلام بن کر رہیں اور اُن کا کل
مال و اسباب مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آوے۔

حضرت سعدؓ تو یہ فیصلہ سنا کر اپنے خیمہ میں آگئے اور حضرتؐ نے یہ فرما کر کہ سعدؓ نے آسمانی حکم اور منشاء
خداوندی کے موافق فیصلہ دیا حکم فرمایا کہ "سارے بنی قریظہ کو گرفتار کر کے بنت حارث کے مکان میں قید
کر دیا جائے چنانچہ اسلامی لشکر اپنے مفتوح قیدیوں کو لے کر مدینہ میں آیا اور اگلے دن غدار یہودی قطار در
قطار ان خندقوں پر لا کر قتل کئے جاتے جو شہر میں اس غرض سے کھدوا دیئے گئے تھے چنانچہ تقریباً سات
سو یہودی جو بالغ تھے قتل کر دیئے گئے اور مال و جائداد منضبط ہو کر مسلمانانِ مدینہ کے قبضہ میں آیا۔ نابالغ بچے غلام بنائے
گئے اور یہودنیں باندیاں بن کر اہلِ اسلام کے قبضہ میں آئیں۔ اب حضرت سعدؓ اپنا ارمان پورا کر چکے تھے اور دعا قبول

ہو چکی تھی اس لئے زخم کا انگور پھٹ گیا اور وہ خون جس کا زخم قریب قریب اچھا ہو گیا تھا پھر جاری ہوا۔ سُرخ ندی بہتی ہوئی لوگوں نے دیکھی تو فکر ہوا کہ کہاں سے آرہی ہے مگر جب معلوم ہوا کہ حضرت سعدؓ سفرِ آخرت کی تیاری کر رہے ہیں تو حضرتؐ کو بھی اطلاع کی۔ آخر یہ خون بند نہ ہوا اور حضرت سعدؓ شربتِ شہادت نوش فرما کر راہیِ مُلکِ بقا ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط۔

ان میں سے چند نفر فیصلہ کی رات میں مسلمان ہو گئے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے اور اپنی جائداد و املاک پر قابض رہے۔ عَمر بن سعد بھاگ کر نکل گیا جس کا پتہ ہی نہ چلا کہ کدھر گیا۔ عورتوں میں صرف ایک عورت قتل کی گئی جس نے محاصرہ کی حالت میں حضرت سوید بن صامت کو اوپر سے پتھر مار کر شہید کیا تھا۔ سارا مال خمس نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ باندیوں میں ریحانہ بنتِ عمر کو اپنے لئے انتخاب فرمایا جو چند روز بعد ایمان لائیں اور حضرتؐ کے وصال کے بعد تک رہیں۔ باقی کو حضرت سعد بن زیدؓ کے ہاتھ نجد کی جانب بھیج کر فروخت کرا دیا اور اُن کی قیمت سے مسلمانوں کے لئے ہتھیار اور سامانِ جنگ خرید لیا گیا۔

ماہِ ذی الحجہ ۵ھ میں مدینۃ الرسول یہودیوں سے خالی ہو گیا اور جس طرح بدر کے بعد بنی قینقاع اور اُحد کے بعد بنی نضیر سے امن مِلا تھا۔ غزوۂ خندق کے بعد بنی قریظہ کی طرف سے مطمئن ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخلصین کی رُوحانی تربیت و تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

ابو لبابہؓ ستون سے بندھے ہوئے تھے کہ نماز اور قضائے حاجت کے وقت اُن کی بی بی آکر ان کو کھول دیتیں اور فارغ ہونے کے بعد پھر اُسی ستون سے باندھ جاتی تھیں جس کا نام اِس وقت اسطوانہ ابو لبابہ کے ساتھ مشہور ہے یہاں تک کہ چھ دن بعد آخر شب میں جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِّ سلمہؓ کے گھر میں تھے ان کی توبہ نازل ہوئی اور حضرتؐ کی اجازت لے کر اُمّ المومنینؓ نے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ابو لبابہؓ کو یہ بشارت سُنائی اور مُبارکباد دی۔ مسلمان دَوڑے کہ ابو لبابہؓ کو ستون سے کھولیں مگر چونکہ قسم کھا چکے تھے اس لئے سب کو ہٹا دیا اور فرمایا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جب کھولیں گے تب کُھلوں گا اس لئے میرے کھولنے کا تم لوگ قصد مت کرو۔ آخر صلوٰۃ فجر کے لئے حضرتؐ مسجد میں تشریف لائے تو ان کو ستون سے کھولا اور آئندہ کے لئے بنی قریظہ کے محلہ میں جانے کی انھوں نے قسم کھالی کہ جس زمین میں اللہ اور اللہ کے رسول کی خیانت ہوئی ہے وہاں عمر بھر قدم نہ رکھوں گا۔

باب ۵۳

ابو رافع کا قتل اور عمرو بن عاصؓ کا اسلام

اوس اور خزرج انصار کے وہ مشہور قبیلے ہیں جن میں فطری طور پر ایک کو دوسرے سے بڑھنے کی حرص

مضمون تھا جب دونوں فریق کو حق تعالےٰ نے اسلام کی توفیق عطا کی تو یہ مضمون حسنات اور نیکوکاری کی طرف
منتقل ہو گیا اور اب دین کے بارے میں ہر ایک کا جی چاہتا تھا کہ دوسرے سے بڑھا ہوا رہے چنانچہ بنی قینقاع
کے متعلق فیصلہ خزرج کے حوالہ ہوا تھا اور انھوں نے رعایت و احسان کو ترجیح دی تو بنی قریظہ کا فیصلہ
قبیلہ اوس کے متعلق ہوا اور حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے حکم پر ان کو قتل کر دیا گیا۔ کعب بن اشرف
یہودی کا قتل بھی اسی کے کارناموں میں درج تھا کیونکہ اس کے قاتل حضرت محمد بن مسلمہ اور اُن کے
انصار اوسی تھے۔ پس خزرج میں چرچا ہوا کہ تم کو بھی کسی ایسے دشمنِ اسلام کو قتل کرنا چاہیے جو کعب بن
اشرف کا اس مضمون میں شریک ہو۔ چنانچہ ان کا خیال ابورافع کی طرف گیا جو یہودِ بنی نضیر کا مشہور
تاجر اور مالدار سردار تھا اور احزاب کو مسلمانوں پر چڑھا لانے کی سعی اور ترغیب میں حُیّی بن اخطب کا
شریک تھا جلاوطنی کے بعد خیبر کے قریب ایک گڑھی میں مقیم تھا اور مسلمانوں کی عداوت میں ہمیشہ ہمت
اور مال خرچ کرتا رہتا تھا۔ الغرض بنی خزرج حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابورافع کے قتل کی
جس کا نام سلام بن ابی الحقیق تھا اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دی اور عبداللہ[1] بن عتیک مسعود[2] بن
سنان، عبداللہ[3] بن انیس۔ ابوقتادہ[4] (یعنی حارث بن ربعی) اور خزاعی[5] بن اسود۔ پانچ نفر جس میں حضرت
عبداللہ رضؓ امیرِ جماعت تھے خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بحکم خصوصیت کے ساتھ دیا تھا کہ بچہ یا عورت کو قتل مت کرنا۔ پانچوں حضرات رات کے وقت بنامِ
خدا ابورافع کے محل میں داخل ہوئے اور دربانوں میں مل کر دروازے بند ہوتے وقت کُنڈیاں اور
قفل لگانے میں ان کے شریک رہے۔ دربانوں نے ان کو بھی اپنا جیسا ملازم اور خدمت گار سمجھا اور
کسی کو شبہ بھی نہ ہوا کہ یہ اجنبی ہیں۔ آخر چراغ گُل کر دیئے گئے۔ قفلوں کی کنجیوں کا گچھا کھونٹی پر لٹکا دیا
گیا اور سب پڑ کر سو گئے۔ چونکہ ابورافع قلعہ کے بالائی کمرہ پر رہتا تھا اس لئے کچھ رات گذرنے پر یہ
دروازوں کی کنجیاں اپنے قبضہ میں کر کے زینہ پر چڑھے اور مکان کے متعدد درجے قطع کر کے اس کمرہ
میں داخل ہو گئے جہاں ان کا مقصود پڑا سوتا تھا۔ چاروں طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا اندھیرا
چھایا ہوا تھا اور خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ ابورافع رنگ کا گورا اور بدن کا بھاری خوبصورت شخص تھا اگرچہ اس
کے چہرہ کی دمک کچھ سفیدی بن کر اس کی چغلی کھا رہی تھی مگر پورا وثوق نہ تھا اس لئے ان میں سے ایک شخص
نے آہستہ سے اس کو آواز دی اور کہا "ابورافع!"

ابورافع کی آنکھ کھل گئی اور اُس نے جواب دیا کہ "ہاں کون ہیں؟" آواز کا نکلنا تھا کہ اوپر سے
تلوار کا وار ہوا کیونکہ یہ پکار صرف نشانہ قائم کرنے کے لئے ہوئی تھی کہ پتہ چل جائے سونے والوں میں

ابورافع کونسا ہے۔ تلوار پڑی مگر تاریکی کے سبب موقع پر نہ پڑی، اُچٹتی اور ناتمام، کام کرنے نے لوگوں کو جگا دیا اس لئے فوراً ہی پہلے پکارنے والے نے آواز بدل کر آہ کی اور شور مچایا کہ "ہائے کس نے تلوار ماری" ابورافع نے جو تلوار کے وار سے سہم گیا تھا یوں سمجھ کر کہ میرا کوئی خادم ہے جو میرے دھوکے میں زخمی ہوا غل مچایا کہ مار کوئی دشمن گھس آیا ہے جلد دوڑو اور اس کو پکڑو۔ اس آواز پر اطمینان ہوگیا اور آب پے در پے کئی تلواریں اس پر ایسی پڑیں کہ اس کا قیمہ کر دیا اور اس سے پہلے کہ چیخنے والی بی بی چراغ جلا کر پیارے شوہر کے قاتل اور اپنے بیوہ کرنے والے دشمن کا منہ دیکھے حضرت عبداللہ بن انیس رض نے تلوار کو ابورافع کے پیٹ پر رکھ کر بدن کا اتنا زور دیا کہ وہ معدہ کو عبور کرتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی اور چھیدے ہوئے زخمی نے بحالتِ نزع اتنا کہہ کر "بس بس" جان ملک الموت کے حوالہ کی۔

حضرت عبداللہ بن عتیک اپنے ساتھیوں سمیت اُلٹے پاؤں لوٹے اور جس راستے سے گئے تھے جلد جلد سیڑھیاں اُترتے اور کنجیوں سے دروازے کھولتے ہوئے باہر نکل آئے۔ رات کا وقت تھا اور گھبراہٹ کا عالم جاگ ہو چکی تھی اور محل میں کہرام مچ رہا تھا حضرت عبداللہ کی آنکھوں میں مرض بھی تھا کہ شب کو کم نظر آتا تھا اس لئے سیڑھی سے گرے اور ضرب شدید آئی۔ ساتھیوں نے فوراً ان کو اُٹھایا اور کمر پر لاد کر اُفتاں وخیزاں خیبر کی نہر میں پہنچ کر ان کے خون کو دھویا اور پٹی باندھ کر صبح ہوتے بیوہ کے نوحہ اور بین سے اُس کا پورا اطمینان کر کے کہ کامیاب ہوئے مدینہ کا راستہ لیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصہ عرض کیا اور حضرت عبداللہ بن عتیک کو جو پاؤں سے معذور ہو چکے تھے سامنے لا بٹھایا۔ حضرت صلعم نے ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر ہاتھ پھیرا کہ شفا ہوگئی اور حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار میں غذا کا اثر دیکھ کر فرمایا کہ قاتل یہ ہیں۔

کفارِ قریش جب مدینہ سے بے نیلِ مرام واپس ہو کر مکہ پہنچے تو عمرو بن عاص نے سرداران مکہ کو جمع کیا اور یُوں تقریر کی کہ "اے بہادرانِ عرب! تم دیکھتے ہو کہ محمدؐ کا رنگ دن بدن بڑھتا اور مذہب روز بروز پھیلتا چلا جاتا ہے ہماری ہمتیں پست ہوئی جاتی ہیں، کمریں ٹوٹی جاتی ہیں، کوششیں تھکی جاتی ہیں اور تدبیریں ختم ہوتی جاتی ہیں مدت ہوگئی اور برسہا برس گذر لئے بظاہر تدبیر کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس کو کر نہ گذرے ہوں مگر محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ پر کوئی اثر نہیں ہوا آخر کب تک اس ذلت و ناکامی کو گوارا کیا جائے بس اب میری رائے یہ ہے کہ مکہ چھوڑ دوں اور ملکِ حبش میں نجاشی کی رعایا بن کر گذاروں اگر کسی وقت میں رنگ بدلا اور ہماری قوم مسلمانوں پر غالب آگئی تب تو کام بن گیا اور اگر محمدؐ کو یہی غلبہ رہا جو اب تک ہو رہا ہے اور انجام کار اپنی قوم پر غالب آگئے تو محمدؐ کی رعیت بن کر زندگی گذارنے سے نجاشی کی رعیت بنا رہنا مجھ کو بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور عمرو بن عاص نے عرب کے بہت کچھ چمڑے شاہی نذر گذرانے

ہ کے حبش کا رُخ کیا۔
...کو عرب کا چمڑہ مشہور تھا اور اس زمانہ میں بڑی قدر کے ساتھ بادشاہوں کی نذر میں قبول ہوتا تھا
...عمرو بن عاص نے جس وقت حسب رواج شاہی آستانہ پر سجدہ کر کے نذر پیش کی تو عزت کے
...لی اور ان کو دربار کی حاضری کے ساتھ امن کی زندگی نصیب ہوئی۔ چند روز گذرے تھے کہ
...عمر ابن امیہ ضمری حضرت جعفر وغیرہ کے قصہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر حبش
...مل ہوئے اور حضرت نجاشی سے جو مسلمان ہو چکے تھے گفتگو کر کے باہر آئے۔ عمرو بن عاص نے ان کو
...عداوت نے جوش مارا اور یہ شاہی رسوخ کے غرہ پر اپنے رفقاء سے یہ یوں کہہ کر کہ محمد کے قاصد کو بادشاہ
...ر قتل کروں گا۔ سیدھے نجاشی کے پاس پہنچے اور سجدۂ تعظیمی پورا کر کے جب ملاقات سے مسرور بایا تو درخواست
...خص جو ابھی دربار سے باہر نکلا ہے ہمارے ایک خاص دشمن کا قاصد ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور
مجھے عطا فرما دیں کہ قتل کر کے دل ٹھنڈا کر لوں" حضرت نجاشی یا تو کھلی پیشانی سے باتیں کر رہے تھے اد
...چہرہ کا رنگ بدل گیا اور اپنا ہاتھا پیٹ لیا کہ عمرو بن عاص پر خوف سے کپکپی طاری ہو گئی اور کہا
...ف فرمایئے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا سوال بادشاہ کو اتنا ناگوار ہوگا تو کبھی نہ کرتا" نجاشی نے ادھر
...یا اور فرمایا کہ "اے عمرو! کیا تو ان کے قاصد کو مجھ سے قتل کرنے کے لئے چاہتا ہے جن پر وہ محترم فرشتہ
...ہوتا ہے جو موسیٰؑ بن عمران کے پاس آیا کرتا تھا اور یاد رکھ اے عمرو! قسم ہے خدا کی یہ برسرِ حق ہیں
...ن کو اپنے سارے مخالفوں پر ایسا ہی غلبۂ تام حاصل ہوگا جیسا کہ موسیٰ کو فرعون اور اُس کے لشکر
...صل ہوا تھا اگر تجھ کو اپنے نفس کے ساتھ شفقت ہے تو میرا کہنا مان اور ان کا اتباع کر ورنہ فلاح
...ہاتھ دھو بیٹھ"۔ عمرو بن عاص نے نجاشی کی زبان سے یہ کلمات سُنے تو قلب کا رنگ بدل گیا اور ایمان
...رانی شعاعوں نے ان کے دل پر اپنا رنگ جما لیا کہ بے اختیار بول اُٹھے "اے میرے محسن بادشاہ!
...کی بدولت مجھے ہدایت ہوئی اور میں چاہتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے
...لام پر تم مجھ کو بیعت کر لو"۔ چنانچہ نجاشی نے ہاتھ بڑھا دیا اور یہ بیعت ہو کر واپس آ گئے
عرصہ تک اُنھوں نے اپنے رفقاء سے اسلام چھپائے رکھا آخر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے
...شوق میں وہاں سے رخصت ہوئے تو فتح مکہ سے کچھ قبل خالد بن ولید سے ملے جنھوں نے سب سے پہلے
...بات کہی کہ "اے عمرو اب معلوم ہو گیا کہ محمدؐ واللہ نبی ہیں۔ چلو مسلمان ہو جائیں۔ آخر کب تک نبیؐ کی
...الفت میں دین اور دُنیا برباد کرتے رہیں۔ حضرت عمرو بن عاص یہ سُنکر ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں تو
...ی ارادہ سے مدینہ جا رہا ہوں۔ چنانچہ دونوں ہمراہ ہو لئے اور مدینہ پہنچ کر اوّل حضرت خالد بن ولیدؓ

نے بیعت کی اور بعد میں عمرو بن عاص آگے بڑھے اور یہ کہہ کر کہ یا رسول اللہؐ میں نے بڑی بڑی حرکتیں کی ہیں پس اگر مسلمان ہونے سے وہ سب معاف ہوجائیں تو مجھے بیعت کرلیجئے۔ چنانچہ آپ نے اطمینان دلایا کہ اسلام سارے گذشتہ گناہ جلا دیتا ہے اور ان کو بیعت سے مشرف فرمایا +

باب ۵۴

بنی لحیان اور غزنین

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا چھٹا سال شروع ہوگیا۔ مدینۃ الرسول یہودیوں سے خالی ہوچکا مگر لٹیروں کی دست اندازیاں چلی جاتی ہیں اور بت پرستوں نے جتنی کوششیں کیں ان سب میں اللہ تعالےٰ نے ان کو ناکام رکھا مگر اس پر بھی وہ باز نہیں آئے اور جب موقع ملا اپنی سی کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ ربیع الاوّل یا آخر میں حضرت عکاشہ بن محصن کو چالیس ۴۰ نفر کے ہمراہ غمر موضع کی طرف روانہ کیا گیا کہ اس نواح کی باغی جماعت پر حملہ کریں۔ چنانچہ یہ حضرات نہایت تیز رفتاری سے مقام مذکور پر پہنچے مگر وہ لوگ ان کی خبر پاکر بھاگ گئے اور مجبوراً حضرت عکاشہ ان کے دو سو ۲۰۰ اونٹ جن پر قبضہ کرلیا گیا، لے کر مدینہ واپس آئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو موضع ذی القصہ کی جانب بھیجا گیا۔ چنانچہ یہ اپنے ہمراہیوں کو راتوں رات لے کر وہاں پہنچے اور صبح ہوتے ان پر چھاپا مارا آخر وہ لوگ بھاگ گئے اور پہاڑوں میں جا چھپے، ایک شخص گرفتار ہوکر آیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔ ربیع الاوّل ہی میں حضرت محمدؐ بن مسلمہؓ کو دس ۱۰ آدمیوں کے ساتھ بھیجا گیا کہ دشمن چھپ کر بیٹھ گئے اور جب مسلمان ہوگئے تو دفعۃً ان پر آپڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب مسلمان شہید ہوئے صرف محمد بن مسلمہؓ زخمی ہوکر لوٹے اور مدینہ پہنچکر سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت زید بن حارثہ جموم کی جانب بھیجے گئے جنھوں نے قبیلہ بنی مزینہ کی ایک عورت کو گرفتار کیا جس کا نام حلیمہ تھا اور اس نے بنی سلیم کے اس مقام کا پتہ بتایا جہاں ان کے مویشی رہتے تھے چنانچہ ان صاحبوں نے ان پر حملہ کیا اور کچھ بکریاں، اونٹ اور چند نفر کو قید کرکے مدینہ لے آئے۔ ماہ جمادی الاولیٰ میں یہی زید بن حارثہ پندرہ نفر کے ساتھ بنی ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے طرق کی جانب روانہ کئے گئے جو مدینہ سے چھتیس ۳۶ میل پر ایک کنواں ہے، مگر غنیم بھاگ گیا اور حضرت زیدؓ ان کے بیس ۲۰ اونٹ لے کر پانچویں دن مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

تیسری دفعہ یہی زید بن حارثہ اسی ماہ جمادی الاولیٰ میں موضع عیص کی جانب بھیجے گئے جو مدینہ کے ساحل میں ہے اور اسی ۶ھ میں غزوۂ قریظہ سے چھ ماہ بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو نفر کو ساتھ لے کر بنی لحیان کا قصد فرمایا اس لئے کہ ان لوگوں نے حضرت عاصمؓ شہید کی مختصر دس آدمیوں کی

ے ساتھ رجیع کے میدان میں جو دغابازی کی تھی اُس کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا اور ان مظلوم
کا انتقام لینا اس وجہ سے بھی ضروری تھا کہ آئندہ کے لئے انکی ہمتیں پست ہو جائیں چنانچہ
ں حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم کو جانشین بنا کر آپ روانہ ہوئے اور یہ ظاہر فرمایا کہ شام کی طرف
ہے۔ آمج و عسفان کے درمیان اس مقام پر قیام فرمایا جہاں اصحابِ رجیع کا سانحہ ہوا تھا بیکس
شہدار کی حالت یاد فرما کر آپ چشم نم ہوئے دعائے مغفرت و ازدیادِ مراتب فرمائی اور نزولِ رحمتِ الٰہیہ کا
لیہ بنے۔

بنی لحیان اسلامی لشکر کی آمد سُن کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ مسلمانوں نے دو دن وہاں قیام کیا اور ادھر
ک روانہ کئے گئے کہ دشمن جہاں ملیں گرفتار کر لئے جائیں۔ مگر بھاگے ہوؤں کا پتہ نہ لگا آخر جناب رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم وہاں سے عسفان کی جانب روانہ ہوئے اور دس اسلامی سوار کراع الغمیم کی طرف محض
غرض سے روانہ فرمائے کہ قریش کو بھی اس تہیّۂ انتقام کی اطلاع ہو جائے چودہ دن کے بعد مدینہ واپس
ے۔ اسی سفر میں آپ اپنی والدہ آمنہ خاتون کی قبر پر جو راستہ میں پڑتی تھی بیٹھ کر رو دئے اور صحابہ نے
بہائے کیونکہ بچپن میں انتقال کر جانے والی ماں کی مادرانہ شفقتیں آپ کو یاد آئیں اور وہ محبت
لق یاد آگیا جو ہر بشر کو ماں کے ساتھ قدرت نے قائم کر دیا ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا اور جس کی
م دینے والی گود میں کئی برس پرورش پائی ہو اُسی کو مقتضی تھا۔

بنی لحیان سے واپسی کے بعد چند سواروں کا ایک دستہ آپ نے نجد کی جانب روانہ فرمایا۔ چنانچہ وہ لوگ قبیلہ
نیفہ کے سردار ثمامہ بن اُثال کو پکڑ لائے اور بحکم رسالت مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا کہ کہیں
اگ نہ سکیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے جاتے جب کبھی ان کی طرف ہو کر گذرتے تو مُسکرا کر فرماتے
ہو کیا خیال ہے؟ ثمامہ بن اثال یہ کلمہ جس میں مقناطیسی اثر کی کشش پاتے تھے سُنتے اور یوں جواب دیتے
رکہ والے محمدؐ! اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گذار شخص پر احسان کرو گے اور قتل کرو گے تو صاحبِ دم کو
ل کرو گے لیکن جس فضیلت کو چاہو اختیار کرو اور اگر مال کے خواہاں ہو تو مانگو جتنا کچھ کہو گے دیا جائے گا
رچونکہ یہاں خواہش کچھ دوسری تھی اس لئے آپ خاموش ہو کر چلے جاتے اور کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ آخر
سیری بار جب کہ آپ کے سوال کا ثمامہ نے یہی جواب دیا تو آپ نے صحابہؓ کو حکم فرمادیا کہ ان کو رہا کر دو اور ستون سے
کھول کر اجازت دیدو کہ جہاں چاہیں چلے جائیں چنانچہ فوراً ثمامہ کی رسّی ستون سے علیحدہ کر دی گئی مگر اُس
قت جب کہ ان کے قلب پر نبوی شفقت نے اپنا پورا اثر جما لیا اور نورِ ایمان اپنی شعاعوں کو چاروں
طرف پھیلا چکا تھا کیونکہ حضرت ثمامہ نے رہا ہوتے ہی اُس نخلستان میں کھجور کے درخت کے پیچھے جا کر غسل

کیا جو مسجد کے پاس واقع تھا اور فوراً واپس آکر باآوازِ بلند مسجد میں کلمۂ توحید پڑھا جس سے مسجد گونج اُ
شخص کو معلوم ہو گیا کہ ثمامہ جو ابھی مجرم بنے ہوئے ستونوں سے بندھے پڑے تھے، بندِ کفر و شرک سے بھی
اِس کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہ! چند ساعت پہلے آپ کے چہرہ سے زیادہ میرے نزدیک مبغوض
نہ تھا اور اِس وقت آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی مجھ کو پیارا نہیں معلوم ہوتا۔ میرا جی نہ چاہا کہ حالتِ
رہ کر مسلمان بنوں اور لوگ کہیں کہ رہائی کی طمع میں ثمامہ نے قید سے گھبرا کر اسلام قبول کر لیا اور
کے قصد سے چلا تھا کہ آپ کے لشکر نے گرفتار کر لیا۔ حضرت نے یہ کلمات سن کر ان کو بشارت دی اور فرمایا کہ
کرلو۔ چنانچہ حضرت ثمامہ دولتِ اسلام سے مالا مال ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ میں پہنچ کر جب
کی زبانی سُنا کہ ثمامہ صابی ہو گیا تو طیش میں آکر فرمایا کہ صابی نہیں بلکہ مسلمان ہوا ہوں اور اب قسم
لاشریک کی کہ جو غلہ یمامہ سے مکہ کو آیا کرتا تھا۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت بغیر ایک دانہ بھی تمہا
نہ آسکے گا۔ چنانچہ وطن پہنچ کر مکہ کی بھرتی بند کر دی اور کہہ دیا کہ ہمارے ملک کی پیداوار میں اس قوم کا
نہیں ہے جو اللہ کے رسول کی دشمن ہو۔

اس کے بعد ہر چند اہلِ مکہ نے کوشش کی کہ قبیلہ بنی حنیفہ کو راضی کر لیں کیونکہ اس غلہ کی
ے اُن کو سخت تکلیف پیش آئی تھی مگر ان کی تمام کوششیں بے کار ہو گئیں اور اہلِ یمامہ کسی طرح
نہ ملے۔ جب مایوس ہو گئے تو آخر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑا اور آپ کی خدمت بابرکت
ایک عرضی بھیج کر مراحم خسروانہ کے اِس طرح مستدعی ہوئے کہ اے مخلوق پر رحم کرنے والے مدعیِ
اے بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر ترس کھانے والے سردار! تمہارا کرم اور تمہاری رحمدلی عام ہے
رشتہ دار اور ناتے والے اِس سے کیوں محروم رہیں؟ ہمارے حال پر ترس کھاؤ اور بنی حنیفہ کو لکھ
سے مکہ کو آنے والا غلہ پھر جاری کر دیں تاکہ ہم کو دوبارہ زندگی حاصل ہو ورنہ قحط سالی سے ہم
گے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر فاقہ کشی میں مر جائیں گے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ عظیم اور کرم عام چونکہ کسی قوم کے لئے خاص نہ تھا آپ
ہر دشمن پر رحم کرنا چاہتے تھے اِس لئے اہلِ مکہ کی اِس حالت پر آپ کو افسوس آیا اور آپ نے حضرت ثمامہ
کے نام حکم بھیجا کہ مکہ کا جانے والا غلہ حسبِ دستور جایا کرے۔ چنانچہ فوراً تعمیل کی گئی اور قحط زدہ
لوگ پھر فارغ البال ہوئے۔

ماہِ شعبان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ماتحتی میں چند مسلمان مقام دُومۃ الجندل کی طرف
روانہ کئے گئے اور حضرت عبدالرحمٰن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرما کر

ان تمہارے مطیع ہو جائیں تو ان کی شاہزادی کو اپنے نکاح میں لے آنا۔ حضرتؐ کا یہ ارشاد حقیقت میں معجزہ تھا اور ہونے والے واقعہ کی پیشین گوئی تھی چنانچہ یہ سریہ وہاں پہنچا تو انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی اطاعت اختیار کر لی۔ اس وقت حضرت عبد الرحمٰن نے مسمّاۃ تماضر سے جو دومۃ الجندل کے بادشاہ اصبغ کی لڑکی تھی نکاح کیا اور حضرت ابو سلمہؓ انھیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حیاتِ اُخروی کی بہبودی لے کر آئے تھے اسی طرح دنیوی زندگی کا امن و امان بھی لائے تھے اور آپ چاہتے تھے کہ مخلوق کو حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی محافظت بھی آ جائے تاکہ آسائش کے ساتھ زندگی گذار سکیں مگر جہالت بھری قوم چونکہ اس کی قدردان نہ تھی اس لئے حرکات سے باز نہ آتی تھی اور جب موقع پاتی لوٹ مار ڈکیتی دھوکہ دہی چل جاتی تھی۔

ایک دفعہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے چند بدو مدینہ میں آ کر مسلمان ہوئے اور چند روز بعد شکایت کرنے لگے کہ ہمیں نہ مدینہ کی آب و ہوا موافق آئی اور نہ شہری غذا کیونکہ ہمارا گذارا اپنے وطن میں اونٹ اور بکری کے دودھ پر تھا اور یہاں غلہ اور اناج کھانے کے لئے ملتا ہے اس لئے ہم بیمار ہوئے جاتے ہیں پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو شہر سے باہر رہنے اور اُن اونٹنیوں کا دودھ پینے کی اجازت دیں جو مسلمانوں نے خیرات میں دی ہیں اور جنگل میں چرا کرتی ہیں تو ہماری صحت درست ہو جائے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور یہ بیمار بدو مدینہ کے باہر اس چراگاہ میں جا پڑے جہاں اونٹ چرا کرتے تھے۔ چند ہی روز گذرے تھے کہ یہ لوگ تندرست ہو گئے اور اب ان کو احسان فراموش بن کر خیانت و بغاوت کی سوجھی۔ چنانچہ انھوں نے دستِ طمع دراز کیا اور مرتد ہو کر اُن اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے جن کے دودھ پی پی کر تندرست ہوئے تھے اور چرواہے کو مار ڈالا جو اونٹوں کی نگہداشت پر مامور تھا۔

ان ناشکر گذار بدوؤں نے غریب چرواہے حضرت یسار رضؓ کے قتل ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایسا بے رحمانہ برتاؤ کیا جس کو کوئی مہذب شخص دشمن کے ساتھ بھی گوارا نہیں کر سکتا یعنی ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے زبان میں اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے اور ناک کان کاٹ کر تپتی ہوئی ریگستانی و پتھریلی زمین پر ڈال دیا یہاں تک کہ انتقال کر گئے وہ صرف اس جرم میں شہید ہوئے کہ انھوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کے ہنکاتے وقت ان بدوؤں کا مقابلہ کیا اور اس غدر و بے ایمانی سے مانع آئے تھے۔

۶ھ شوال کا مہینہ تھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کرز بن خالد فہری کو بیس نفر مسلمانوں کے ساتھ ان مرتد ڈاکوؤں کی طلب میں روانہ فرمایا۔ چنانچہ انھوں نے نہایت تیز رفتاری سے اہل عرینہ کا تعاقب کیا۔ آخر اُن سب کو پکڑ لائے اور بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ چونکہ غریب چرواہا وحشیانہ حرکت سے قتل کیا گیا تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان کو بھی کڑی سزا دی جائے چنانچہ ہاتھ پاؤں کاٹ کر ڈلوا دیئے گئے اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے گئے یہاں تک کہ دھوپ کی تپش سے جھلس گئے اور آفتاب کی تمازت میں جھلس کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس قصہ کے بعد آپ کی صفتِ شفقت و ترحم جو نیک خصلتوں پر غالب تھی جوش پر آئی اور آپ نے ہمیشہ کے لئے حکم فرما دیا کہ آئندہ کسی مجرم کو کیسا ہی سخت کیوں نہ کرے ایسی سزا نہ دی جائے کیونکہ وحشیانہ حرکتیں گو قصاصاً ہی کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو سزاوار نہیں۔

باب ۵۵

حدیبیہ و بیعتِ رضوان

چھ برس گذر چکے تھے کہ مکہ کے پردیسی مسلمان جو صرف ایمان لانے کے جرم میں جلاوطن ہوئے تھے وطن کی گلی اور کوچوں کو دیکھنے کو ترس گئے تھے اور گو اہلِ مدینہ کے ساتھ مذہبی اخوت کی بنا پر ان کا وہ تعلق ہو گیا تھا جس کا اس سے پہلے ان کو خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا مگر اس وطن کی محبت جس میں پیدا ہوئے پھلے پھولے تھے چونکہ غیر اختیاری اور فطری تھی اس لئے جا نہیں سکتی تھی اور کبھی کبھی ان کو بے چین بنا دیتی۔ اِدھر طواف اور زیارتِ بیت اللہ کا شوق الگ گدگدا رہا تھا۔ کیونکہ مکہ ابتدا سے اہلِ حجاز کا محترم اور قریب قریب دنیا بھر کا قابلِ عظمت مقام تھا اور مسلمان اس سے دور ہٹا کر گویا محروم کر دیئے گئے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خود بھی بڑی خواہش تھی کہ کعبہ کی زیارت کریں کیونکہ کعبہ تمام عرب کا معبد تھا اور قریش اس کے صرف محافظ تھے ان کو اختیار نہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو بھی کعبہ کے طواف سے روکیں مگر قریش کی مذہبی عداوت کچھ اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ مسلمان نامی ایک شخص کو بھی حج یا عمرہ کرنے کے لئے مکہ میں آنے دینا گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ ان کو کعبہ کی زیارت بھی نصیب نہ ہو۔

مدینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد کسی نے بال منڈوائے کسی نے کتروائے گویا شرعی رسم حلق یا قصر کی ادا کی۔ آپ نے یہ خواب صحابہؓ سے بیان فرمایا تو ان کا دبی ہوئی آگ کی طرح چھپا ہوا شوق بھڑک اٹھا اور یوں سماں بندھ گیا

اسی سال ہم کو زیارتِ بیت اللہ اور عمرہ میں کامیابی نصیب ہو جائے گی۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے
کہ قریش ایسے بھلے مانس نہیں ہیں کہ بلا مزاحمت ہم کو مکّہ میں راستہ دیدیں، اِس لئے آپ نے اعلان فرما دیا
اہلِ شہر و نواحِ مدینہ کے مسلمان جماعت بن کر چلیں تا کہ اہلِ مکّہ پر رعب ہو اور ہم کو روکنا اُن کے لئے
مشکل ہو رہے۔ چنانچہ چودہ سو مسلمان تیار ہوئے اور حضرتؐ نے مدینہ پر نمیلہ بن عبداللہ لیثی کو عامل بنا کر
ذیقعدہ کے مہینہ میں عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکّہ کا رُخ فرمایا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر آپؐ نے احرام باندھ لیا ستّر
اونٹ جو قربانی کے لئے ہدی بنا کر ساتھ لے گئے تھے نذر اللہ ہونے کی علامت یعنی قلادہ اور اشعار سے
مزین کر دیئے گئے گویا آپؐ نے بصورتِ حال اطلاع دیدی کہ ہمارا قصد جنگ کا نہیں بلکہ زیارتِ بیت اللہ کا ہے
عمرہ کریں اور واپس چلے آویں۔ مگر اہلِ مکّہ کو تو گوارا ہی نہ تھا کہ نکالے ہوئے مسلمان پھر مکّہ میں داخل
ہوں، وہ اس کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے کہ ان کا دشمن ان کے گھر میں گھسے اِس لئے یہ خبر پاتے ہی انھوں نے
نواح کے اعراب اور احابیش (اقوام مختلفہ کے بدوؤں) کو جمع کر لیا کہ گردنیں کٹ جائیں خون کی نہریں
بہہ جائیں مگر مسلمان مکّہ میں قدم تو دھریں پر نہ دھریں۔

اسلامی لشکر عسفان میں پہنچا تھا کہ بشر بن سفیان کعبی جو جاسوس بنا کر اہلِ مکّہ کا خیال معلوم کرنے
کے لئے بھیجدیئے گئے واپس ہوتے ہوئے ملے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش آپ کی روانگی کا حال سنتے
ہی ذی طویٰ میں نکل پڑے اور باہم عہد و پیمان کر رہے ہیں کہ آپ مکّہ میں داخل نہ ہونے پائیں اور
خالد بن ولید پیش خیمہ بنا کر کراع الغمیم میں بھیجدیئے گئے ہیں کہ آپ کو آگے بڑھنے سے روکیں چنانچہ
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ راستہ چھوڑ دیا اور پہاڑی راستہ سے سنگستانی وادیاں قطع کرتے
ہوئے حدیبیہ مقام پر آپہنچے۔ راستہ میں آپ کی تیز رفتار ناقہ قصواء چلتے چلتے ٹھٹکی اور یکدم زمین پر
بیٹھ گئی ہر چند صحابہؓ نے اُٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اُٹھی اور اُٹھی تو اُس وقت جب کہ رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا کہ "چھوڑ دو اِس ناقہ کو اس کو اسی ذات نے
روکا ہے جس نے اصحابِ فیل کے ہاتھی کو روکا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قریش تعظیم بیت و صلۂ رحم کے
متعلق جو کچھ بھی چاہیں گے میں اُس کے پورا کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا اور جہاں تک بن پڑے گا ان کی
درخواست ضرور منظور کروں گا۔

چونکہ حدیبیہ میں پانی کی قلت تھی اور چوس کر بھی گذارا کرنا چاہتے تو ڈیڑھ ہزار ذی روح کی
سیرابی مشکل تھی اِس لئے صحابہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت عرض کی اور پانی کی شکایت
زبان پر لائے۔ آپ کے سامنے ایک لوٹا تھا جس سے آپ نے وضو کیا تھا اور جب لوگوں سے سُنا کہ ہمارے لشکر میں

نہ پینے کے لئے پانی ہے نہ وضو کے لئے۔ مگر اسی قدر جو آپ کے لوٹے میں ہے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک لوٹے میں رکھ دیا اور پانی بصورتِ معجزہ آپ کی انگلیوں سے اِس طرح اُبلنے لگا جیسے چشمہ سے اُبلتا ہے یہاں تک کہ سارے قافلہ نے خوب بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا اور وضو بھی کرلیا۔ اِس کے بعد آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت ناجیہ بن جندب کو دیا کہ کنوئیں میں گاڑ دیں۔ چنانچہ انھوں نے تعمیل کی اور وہ کنواں جو ایک ہی دفعہ کی کھچائی سے خالی و پایاب ہو لیا تھا، پانی سے اِس قدر لبریز ہو گیا کہ جب تک اُس جگہ قیام رہا سارا لشکر اس کا پانی استعمال کرتا رہا اور اس میں کمی محسوس نہ ہوئی یہ آپ کا معجزہ تھا اور عصائے موسوی کے پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پیدا ہو جانے سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ پتھر پانی کا خزانہ ضرور ہے اور انگلیاں پانی کا محل نہیں۔

جب اسلامی لشکر حدیبیہ میں باطمینان ٹھہر گیا تو بُدیل بن ورقاء خزاعی مع چند نفر کے آپ کے پاس آیا اور کہا کہ "اے محمدؐ! عرب کے مختلف قبائل نواحِ حدیبیہ میں جمع ہو رہے ہیں اور تم کو بیت اللہ تک بغیر لڑائی کے پہنچنے نہ دیں گے۔ اب بتاؤ کہ تمھارا منشار کیا ہے اور کس نیت سے آئے ہو؟" آپ نے جواب دیا کہ "ہم کو جنگ مقصود نہیں ہے اور تعجب ہے قریش پر کہ ان کو جنگ کے خیال نے کھا لیا کہ سوتے میں بھی یہی خواب دِکھتا ہے کاش وہ یکسو ہو کر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، سارا عرب پڑا ہوا ہے کہ مجھ سے لڑے اور مقابلہ کرے اور قریش چاہیں تو میری پناہ و امان میں داخل ہو کر دوسروں کی طرح مصالحت کرلیں اور اگر جنگ ہی اُن کا مقصود ہے تو ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان دھمکیوں سے میں باز آنے والا نہیں ہوں بہتر ہے لڑیں اور اپنے دِلوں کا حوصلہ نکالیں، میں بھی جواب دینے کو تیار ہوں، لڑوں گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس دین کو غالب کرے یا میں مع اپنے ساتھیوں کے رخصت ہو جاؤں۔" بُدیل آپ کی یہ گفتگو سُن کر قریشی لشکر میں آیا اور کہا کہ "اے اہلِ مکہ! محمدؐ کی بات بڑی خیر خواہی کی ہے تم اپنی قوم کو کیوں تباہ کرتے ہو ان کو چھوڑ دو کہ باقی عرب اُن سے سلٹ لیں اور اجازت دو کہ وہ عمرہ کرکے اپنے احرام کھول لیں۔" مگر قریش نے نہ مانا اور جواب دیا کہ "ہم سے نہیں دیکھا جاتا کہ محمدؐ کا بول بالا ہو اور وہ ہمارے گھروں میں آئیں، کل کو سارا عرب جب یُوں آوازہ کسے گا کہ قریش کے مخالف شخص نے آخر سب کے ہاتھ باندھ دیئے اور مُنہ بند کر دیئے تو ہم ایسی بے حیا زندگی کیونکر گذار سکیں گے۔" اِس کے بعد مکرز بن حفص کو بھیجا کہ مسلمانوں کو واپس کرے چنانچہ مکرز اسلامی لشکر میں آیا اور اس سے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی تقریر کی جو بُدیل سے کی تھی۔ اِس کے بعد حلیس بن علقمہ قریشی قاصد بن کر آیا جو احابیش کا سردار تھا اور کعبہ کی نیاز کے جانوروں کا بہت ادب کرتا تھا۔ اُس کو آتا دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے اونٹ جن کے گلوں میں قلادے پڑے ہوتے تھے کھڑے

دیئے اور بآوازِ بلند تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا۔ حلیس یہ حالت دیکھتے ہی لَوٹ گیا اور قریش سے کہا کہ "اے
ن بکہ ہمارا تمھارا یہ عہد و پیمان نہیں ہے کہ کعبہ کے زائرین کو بھی زیارتِ بیت اللہ سے روکیں اور اللہ
نیاز کی بے حرمتی کریں، مسلمانوں کو اجازت دو کہ زیارت کرلیں اور احرام کھول کر وطن واپس ہوں۔"
ریش نے جب دیکھا کہ اپنی جماعت ہی بگڑ چلی تو حلیس کو ٹھنڈا کیا اور عروہ بن مسعود ثقفی کو جو ہر طرح معتمد علیہ
ا بھیجا کہ مناسب طریق پر قصہ طے کرلیں۔ عروہ بن مسعود اسلامی لشکر میں آیا اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ "اے محمدؐ! قریش تمھارا کنبہ اور برادری ہے اگر تم اُن سے لڑے اور فرض کرو کہ غالب
ئے تو کیا تم سے پہلے کوئی گذرا ہے جس نے اپنی قوم کو یوں برباد کیا ہو اور اگر معاملہ اُلٹا کہ وہ تم پر حاوی ہو گئے
تو خوب یاد رکھو کہ یہ مختصر جماعت جو تمھارے ساتھ ہو گئی اور اپنی مدد کے بھروسہ پر تم کو اُبھارے پھرتی ہے کام
آئے گی، تم کو اکیلا چھوڑ کر سب بھاگ کھڑے ہوں گے، وقت پڑے پر اُن میں سے کوئی بھی تمھارا ساتھ نہ دے گا"
سیدنا ابوبکرؓ جو حضرتؐ کے پاس کھڑے تھے عروہ کا یہ کلمہ سُنکر غصہ سے بیتاب ہو گئے اور ایسا سخت جواب دیا کہ عروہ
اپنا سا مُنھ لے کر رہ گیا البتہ حضرتؐ سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے اور جب معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ ہیں تو اتنا کہہ کر چُپ
ہو رہا کہ ان کا پہلے زمانہ کا مجھ پر احسان ہے اگر وہ نہ ہوتا تو اس کلمہ کا مزہ ضرور چکھاتا۔

عروہ اپنی ملکی رسم کے موافق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنے میں اپنا ہاتھ بار بار آپؐ کی ریش
مبارک پر ڈالتا جاتا تھا جس کا مطلب صرف یہ تھا کہ توجہ کے ساتھ بات سُنئے لیکن آپ کے جان نثار صحابہ رضؓ کو یہ
حرکت کس طرح پسند آسکتی تھی اس لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ جو خود پہنے اور تلوار ہاتھ میں لئے حضرتؐ کے
پاس کھڑے تھے ضبط نہ کر سکے اور اس کے ہاتھ بڑھاتے ہی تلوار کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ "ہاتھ دُور
رکھ اور پرے ہٹ کر ادب سے بات کر۔"

مغیرہ بن شعبہ نے زمانہ جاہلیت میں بنی مالک پر حملہ کر کے اُن کے مال چھین لئے اور اُن کے تیرہ نفر
کو قتل کر ڈالا تھا جب مسلمان ہوئے تو حضرت نے فرما دیا تھا کہ ایمان تو تمھارا قبول ہے مگر مال کے معاملہ سے
مجھے کچھ واسطہ نہیں تو عروہ بن مسعود نے مقتولین کی دیت ادا کر کے اس معاملہ کی اصلاح کرائی تھی اس لئے
اس وقت ان کی یہ حالت دیکھ کر جواب دیا کہ کس قدر سخت مزاج شخص ہے کہ کل ہی کے احسان کو بھول
گیا اور یاد نہ رہا کہ میں کیا احسان کر چکا ہوں۔ غرض عروہ بن مسعود کو بھی حضرت نے وہی جواب دیا کہ میری نیت
لڑنے کی نہیں ہے البتہ اگر قریش لڑیں گے تو میں مدافعت ضرور کرونگا ورنہ عمرہ کر کے مدینہ واپس چلا جاؤں گا
عروہ نے گوشہ ہائے چشم سے صحابہ رضؓ کی اطاعت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا رنگ
دیکھا کہ آپ کے وضو کا پانی گرتا ہے تو زمین پر گرنے سے قبل متبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لیتے اور سینہ و آنکھوں سے لگاتے

ہیں پھر دوسرے آدمی اس کا حصّہ نہیں پاتے تو بھیگے ہوئے ہاتھوں کو چھو کر اُس کی تری سے دل اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر عروہ قریشی لشکر میں آیا اور کہنے لگا کہ اے اہلِ مکہ! میں بڑے بڑے بادشاہوں، قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار کی حالت دیکھے ہوئے ہوں مگر جو رنگ محمدؐ کے ساتھ اُن کے ساتھیوں کا دیکھا وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے دیکھا کہ محمدؐ کے مُنہ کا دھووَن اُنھوں نے لڑ لڑ کر آپس میں تقسیم کیا اور کسی کو قطرہ نصیب نہیں ہوا تو دوسرے کے تر ہاتھ کو چھو کر نمی سے اپنی آنکھوں اور سینہ کو مل لیا۔ ایسی تابعدار جماعت جس کی یہ حالت ہو کہ محمدؐ کے سامنے بلند آواز سے بات نہ کر سکے اور زبان سے حکم نکلتے ہی ہر شخص اس طرح جھپٹ پڑے کہ تعمیل کو عزت اور کارنامہ سمجھے، تمھارے روکے رُک نہیں سکتی ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے تو حضرت عثمان رضؓ کو تمام اہلِ مکہ پر اپنا قصدِ زیارت ظاہر کرنے کے لئے سفیر بنا کر مکّہ بھیجنا مناسب معلوم ہوا اور چونکہ مکّہ میں اُن کے رشتہ دار زیادہ تھے اور مکّہ عموماً اپنی برادری کا زیادہ لحاظ کرتے تھے اس لئے ان کو مکّہ روانہ کیا گیا اور یہ بھی کہدیا گیا کہ اُن مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے جو کہ ضعف کے سبب مکّہ میں رہ کر اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتے کہدینا کہ گھبرائیں نہیں اطمینان رکھیں وہ دن جلد آیا جاتا ہے کہ مکّہ "دارُالاِسلام" ہوگا اور تم اپنا ایمان علی الاعلان ظاہر کر سکو گے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ روانہ ہوئے اور ابان بن سعد کی پناہ میں مکّہ کے اندر داخل ہو کر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابوسفیان و دیگر اشرافِ مکّہ کو جا پہنچایا مگر افسوس وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ آئے اور ان کو بھی یہی جواب دیا کہ محمدؐ کو تو جیتے جی مکّہ میں داخل ہونے نہ دیں گے البتہ تم اگر چاہو تو اپنا عمرہ پورا کر لو۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے ہوئے تھے کہ عثمان رضؓ کو ہرگز گوارا نہ ہوگا کہ میرے بغیر عمرہ کریں اور درحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت عثمان رضؓ نے قریش کو جواب دیا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کروں اور میرے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُکے ہوئے حدیبیہ میں پڑے ہوں۔ اس کے بعد چونکہ اس بات چیت میں کچھ وقفہ پیش آیا ادھر پہلے سفیر حضرت خراش بن اُمیّہ کے ساتھ جو اونٹ پر سوار ہو کر یہی پیام پہنچانے مکّہ کی طرف روانہ کئے گئے تھے، قریش بُرا سلوک کر چکے تھے کہ اُن کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے اور ان کو بھی قتل کرنا چاہا تھا کہ وہ بھاگ کر اپنے قافلہ میں آ گئے۔ اس لئے اس توقف سے مسلمانوں کو تشویش لاحق ہوئی اور یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان رضؓ کو قتل کر دیا گیا اور چونکہ سفرا کی اس آمد و رفت میں صلح کا پیام سلام ہو چلا تھا اور اہلِ مکّہ میں کسی شخص کا تیر چل کر باہمی معرکہ کی صورت بندھ گئی تھی اس لئے اہلِ مکّہ نے حضرت عثمان رضؓ کا روکنا اپنے لئے مصلحت سمجھا اور قصداً اس اِلتوا سے اس خبرِ بد کی گویا تائید ہو گئی۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبرِ بد نے بہت صدمہ پہنچایا اور آپ نے حدیبیہ کے میدان میں

اس کیکر کے درخت کے نیچے کھڑے ہوکر مسلمانوں سے اس مضمون پر بیعت لی کہ جب تک جان باقی ہے کافروں سے
لڑیں گے اور بھاگنے یا پیٹھ پھیرنے کا نام نہ لیں گے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر افواہ تھی
اس لئے بعافیت واپس آگئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ اس بیعت کا نام "بیعت الرضوان" ہے
اس کو بجز جد بن قیس کے جو بیعت لیتے وقت اونٹ کے پیٹ کے نیچے جا چھپا تھا باقی تمام قافلہ نے نہایت
خوشی سے یہ بیعت قبول کی اور جلد جلد حاضر ہوکر حضرت کے دستِ مبارک پر ہاتھ رکھا، جب سب کی بیعت سے
فارغ ہولئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھ کر یوں فرمایا کہ "یہ
ہاتھ عثمان رضؓ کے لئے ہے اور یہ بیعت عثمان رضؓ کی بیعت ہے"
چونکہ اس بیعت پر حق تعالےٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اس لئے
اس کا نام بیعت الرضوان ہوا اور اسی صلہ میں جلد حاصل ہونے والی ایک فتح یعنی خیبر کا مژدہ سنایا گیا

باب ۵۶

مصالحت اور اس کی پابندی

قریش کو بیعت الرضوان اور اسلامی لشکر کے جی توڑ کر لڑنے پر معاہدہ کرنے کی خبر پہنچی تو گھبرائے اور
چاہا کہ کسی طرح مصالحت ہو جائے، مگر اس طرح کہ ہماری بات بھی بنی رہے اور جنگ کی بھی نوبت نہ آئے
چنانچہ عمرو کے بیٹے سہیل کو جو اپنی قوم بنی عامر میں مدبر و عقیل سمجھا جاتا تھا بھیجا اور سمجھا دیا کہ ہماری غیرت
اس عار کو برداشت نہیں کرسکتی کہ محمد (صلعم) اپنے ارادہ میں اس سال کامیاب ہوکر جائیں اس لئے جس طرح
ہو اُن کو مجبور کرنا کہ امسال واپس ہو جائیں اور آئندہ سال اس عمرہ کی قضا کرلیں۔ چنانچہ سہیل آیا،
اور مصالحت کی گفتگو ہونے لگی۔ اس سے قبل قریش نے اپنے چالیس پچاس جاسوس چھوڑ دیئے اور
اُن سے کہدیا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا محاصرہ کئے رہو اور چاروں طرف گشت لگاتے رہو کہ کوئی اکیلا
دُکیلا مل جائے تو پکڑ لاؤ۔ چونکہ یہ لوگ ایسی حالت میں کہ لشکر کا چکر کاٹ رہے تھے گرفتار کرلئے گئے اور جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیئے گئے تھے کہ حکم قتل صادر ہو تو ان کی گردنیں اڑائی جائیں مگر
حضرت نے اپنے کرم سے کام لیا اور ان پر احسان فرما کر حکم دیدیا کہ "سب کو چھوڑ دو جہاں چاہیں چلے جائیں"
سہیل بن عمرو نے شرائطِ صلح پیش کیں تو ایسی جن میں مسلمانوں کو ہر پہلو سے دبایا گیا تھا اور کوئی صورت
نہ تھی کہ مصالحت ہو مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وعدہ یاد تھا کہ حرمتِ حرم بیت اللہ کا حق
پوری طرح ادا کروں گا اس لئے اوّل اوّل گفتگو میں کچھ دیر لگی اور آمد و رفت ہوتی رہی۔ آخر جب حضرت

نے ساری شرائط منظور فرمالیں تو کسی کو گنجائشِ کلام نہ رہی اور تحریر کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو بلایا گیا۔ شرائط
یہ تھیں کہ مسلمان بلا عمرہ کئے یہیں سے واپس ہو جائیں اور اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں البتہ دوسرے سال
آسکتے ہیں مگر اس وقت بھی صرف تین ہی دن رہ کر واپس جانا ہوگا اور مسلمانوں کو بجز پیش قبض اور وہ بھی
نیام کئے ہوئے دوسرے ہتھیار لانے کی اجازت نہ ہوگی (دس برس تک ہر دو فریق میں لڑائی موقوف رہے گی
اور قریش کا جو شخص بغیر اجازت اپنے آقا کے مدینہ میں جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا اگرچہ مسلمان ہو کر گیا۔
اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے تو مدینہ والوں کو اس کی واپسی کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور دس سال
صلح نامہ میں جس کا جی چاہے محمدؐ کے ذمہ میں داخل ہو جائے اور جس کا دل چاہے قریش کا رفیق بن جائے
پس مسلمان قریش کے حلیفوں سے نہ لڑیں گے اور قریش اُن سے تعرض نہ کریں گے جن کا عہدِ موافقت مسلمانوں سے
ہو اور جو شخص اس کی پابندی نہ کرے گا وہ بدعہد سمجھا جائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ بنی خزاعہ مسلمانوں
کے ساتھ ہم عہد ہو گئے اور بنی بکر قریش کے ساتھ۔

اس طرح پر دب کر صلح کرنے سے اکثر صحابہؓ کو رنج و قلق ضرور ہوا مگر چونکہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ
وسلم منظور فرما چکے تھے اس لئے سب خاموش تھے۔ اب کتابت شروع ہوئی تو اُس پر بھی جہالت کی ضد ہونے
لگی کیونکہ حضرت علیؓ نے لکھا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو سہیل نے کہا کہ "میں نہیں جانتا رحمٰن کون ہے" وہی
بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو، جو ہم ہمیشہ سے لکھتے آئے ہیں۔ بات بڑھنے کو اتنی ہی بات کافی تھی مگر حضرتؐ نے اس پر بھی چشم
پوشی فرمائی اور یوں فرما کر کہ حق تعالیٰ کے ننانوے ۹۹ نام ہیں اور سب اچھے ہی اچھے ہیں، حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ بہتر ہے
بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھ دو۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے لکھا کہ "یہ صلحنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش
کے درمیان بشرائطِ مفصلۂ ذیل طے ہوا ہے" یہیں تک لکھا گیا تھا کہ اس پر سہیل نے پھر ہٹ کی اور کہا کہ اگر ہم
محمد کو اللہ کا رسول سمجھتے تو مخالفت ہی کیوں کرتے اِس لئے اس کو مٹاؤ اور "محمد بن عبد اللہ" لکھو۔ یہ ہٹ
ایسے مضمون پر واقع ہوئی تھی جس کی بدولت اِس تفریق و تخالف تک نوبت پہنچی اِس لئے کوئی مسلمان کیونکر
گوارا کر سکتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ آپؐ کا وہ خطاب درج نہ ہو جو خداوندی سفارت کی
گویا سند ہے مگر حضرتؐ کو لفظی بحث میں مقصود کا کھونا پسند نہ آیا اور آپ نے یوں فرما کر کہ "میں اللہ کا رسول
بھی ہوں اور عبد اللہ کا بیٹا بھی ہوں پس میرے لئے دونوں خطاب صحیح ہیں، حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا
کہ رسول اللہ کی جگہ ابْنُ عَبْدِ اللہ لکھ دو" حضرت علی آخر مسلمان تھے اور اس محترم خطاب کے حروف کو کاغذ
سے مٹانا بھی گستاخی سمجھتے تھے اس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ اس لفظ کو مٹاؤں
آخر حضرتؐ نے کاغذ اپنے ہاتھ میں لیا اور چونکہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے اِس لئے دریافت فرما کر کہ لفظ رسول اللہ

اں لکھا ہے، اُس کو قلم زد فرما کر ابن عبداللہ تحریر فرمایا۔

صلحنامہ ابھی پورا نہیں لکھا گیا تھا کہ اسی قریشی وکیل سہیل بن عمرو کے بیٹے ابوجندل نے کلمۂ
حید پڑھتے ہوئے مکّہ سے بھاگ کر اس حالت سے اسلامی لشکر میں قدم رکھا کہ قید کی آہنی زنجیریں پاؤں
ں پڑی ہوئی اور زمین پر گھسٹتی آرہی تھی مگر افسوس رحم دل مسلمان اس مظلوم نومسلم کی اعانت
کر سکے کیونکہ یہ سماں دیکھ کر سہیل نے نامکمل دستاویز ہاتھ سے ڈالدی اور کہا کہ پہلے شرطِ صلح کی
وجب میرا مفرور بیٹا میرے حوالے کردو اس کے بعد صلح نامہ کی تکمیل ہوگی اور ہر چند مسلمانوں
ی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا کہ ابھی دستاویز ناتمام ہے اور شرائط کی پابندی اس کی تحریر کے ختم ہونے
پر لازم ہوگی۔ مگر سہیل نے نہ مانا اور آخر کار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ستم رسیدہ
نومسلم کا ہاتھ پھر کافروں کے ظالم پنجوں میں دیدینا پڑا۔

عجیب وقت تھا کہ ادھر ابوجندل جن کو مسلمان ہونے کی سزا میں پابزنجیر کیا گیا تھا موقع پاکر
قید خانہ سے بھاگے اور دینی مراسم کو آزادانہ طور پر پورا کرنے کے شوق میں مسلمانوں کے لشکر میں آئے کہ
اب نہ کوئی پکڑ سکے گا نہ کفر پر مجبور کرے گا اور ادھر مسلمان اپنے نرم دلوں پر جبر کر کے اُن کو اپنے اندر لینے
سے رُکے ہوئے ہیں کہ نہ جائے رفتن ہے نہ پائے ماندن اور ہر چند کہ ابوجندل نے اپنی حالت پر ترس
دلایا اور چشمِ نم ہو کر بآوازِ بلند کہا بھی کہ مدد اے جماعتِ مسلمین! کیا میں پھر اُسی تکلیف کے جیل خانے
میں بھیجا جاتا ہوں جس سے بہزار کوشش بھاگ کر آیا تھا۔ مگر چونکہ سہیل کی ضد نے صلح کی تکمیل
کا مدار اس پر رکھا تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کسی طرح صلح پوری ہوجائے
اس لئے آپ نے اس وقت ابوجندل کا روک لینا گوارا نہ فرمایا اور یہ فرما کر کہ مدد اے ابوجندل! صبر کرو
اور طالبِ اجر بن کر چند روزہ مصیبت اور برداشت کرلو امید ہے کہ حق تعالیٰ جلد تمہارے اور دیگر
کمزور مسلمانوں کے لئے کوئی سبیل نکالے گا کہ آزادانہ اسلامی زندگی گذار سکو گے، ابوجندل کو مکّہ واپس
بھیج دیا۔

مظلوم ابوجندل جن کی بے بسی پر دیکھنے والوں کو رونا آتا تھا اپنے دشمن باپ کی حراست میں
مکّہ کو لوٹنے لگے۔ تو حضرت عمرؓ اپنے جوش کو ضبط نہ کرسکے اور لپک کر ابوجندل کے پہلو میں جا کھڑے ہوئے
اپنی تلوار کا قبضہ ان کے قریب کو کرتے اور یوں کہتے جاتے تھے کہ صبر کرو اے ابوجندل! یہ لوگ مشرک
ہیں، تم کو ستاتے ہیں اور ان کا خون کتے کا خون ہے۔ گویا اشارہ فرمارہے تھے کہ میرے ہاتھ سے تلوار
لے کر اپنے باپ کی گردن اُڑادو۔ مگر نہ ابوجندل اس مطلب کو سمجھے اور نہ ہاتھ اُٹھایا۔ آخر مکّہ واپس

آگئے اور صلح کی شرائط پر فریقین میں سے حضرت ابوبکر و عمر بن خطاب و علی بن ابی طالب و عبدالرحمٰن بن عوف و عبداللہ بن سہیل و سعد بن ابی وقاص و محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور مکرز بن حفص کے کہ جو اُس وقت مشرک تھے دستخط ہو کر صلحنامہ کی تکمیل ہو گئی۔ حرم میں قربانی کی نیت سے ہمراہ لائے ہوئے جانوروں کو اسی میدان میں ذبح کر دیا اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ہدی کو نحر فرما کر خراش بن اُمیہ سے سر کا حلق کرا لیا۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حضرتؐ احرام کھول چکے تو وہ بھی لپکے اور کسی نے سر مُنڈوایا اور کسی نے بال کتروانے پر اکتفا کیا۔ غرض سب نے احرام کھول دیا، اور حدیبیہ میں بیس دن قیام کے بعد مدینہ واپس ہوئے۔

چند مسلمانوں کو حضرت کی خواب کا بالفعل وقوع نہ ہونے سے کچھ شبہ بھی ہوا مگر جلد زائل ہو گیا کیونکہ اُن کو یاد آگیا کہ حضرتؐ نے اس کی تعبیر پورے ہونے کے لئے وقت کا تعین نہیں فرمایا تھا پس کیا ضرور تھا کہ سر کے بالوں کا حلق و قصر ابھی نصیب ہوتا چنانچہ چند ہی سال بعد مکہ فتح ہوا اور خواب کا واقعہ ہُو بہُو مسلمانوں کو نظر آگیا۔ اِس دبی ہوئی صلح سے اکثر مسلمانوں کو قلق تھا خصوصاً اِس شرط پر کہ قریش اپنے آدمی کو مسلمانوں سے واپس منگا سکتے ہیں مگر مسلمانوں کو ایسا اختیار حاصل نہیں، لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس شرط کو صرف مان ہی نہیں لیا تھا بلکہ برت کر دکھا بھی دیا کیونکہ مصالحت کے بعد قریش میں سے جو کوئی مسلمان ہو کر مدینہ میں آیا آپ نے بلا عذر اس کو واپس کر دیا اور چونکہ یہی صلح جس نے اس وقت مسلمانوں کو بظاہر دبا دیا تھا انجام کار فتح مکہ کا سبب بنی اِس لئے حق تعالٰے نے اِسی کو فتح کے نام سے تعبیر فرمایا اور لشکر کی واپسی میں جبکہ مدینہ قریب آگیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سُورۂ اِنَّا فَتَحْنَا نازل ہوئی۔ البتہ عورتوں کی طرف سے چونکہ نہ جنگ کا اندیشہ تھا نہ اعانت کی توقع اور اُن کی بے بسی ان کو مذہبی نفع سے منتفع نہ ہونے دیتی تھی نیز ان کے مسلمان ہونے اور ہجرت کرنے پر تباین مذہب و تباین دار کے سبب اُن کا نکاح قریش سے ٹوٹ گیا اس لئے چند ہی روز بعد بحکم خداوندی یہ معاہدہ مردوں کے لئے مخصوص ہو گیا اور اس کا اعلان کر دینے کے بعد جو عورت ذات مسلمان ہو کر مدینہ میں آئی وہ واپس نہیں دی گئی البتہ ان کے وہ مہر جو اُن کے کافر شوہروں نے اُن کو دیئے تھے واپس کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ جس طرح مُرتد ہو جانے والی عورت کو اپنے دیئے ہوئے مہر کا مطالبہ مسلمانوں نے اہل مکہ سے کیا۔ اِسی طرح نو مسلم عورتوں کے مہر بلا مطالبہ ان کا فر شوہروں کو پہنچا دیئے، ہاں اگر کسی مرتد عورت کا مہر قریش سے وصول نہیں ہوا تو مسلمان ہو جانے والی عورت کے مہر سے اس مقدار کی تلافی ضرور کر لی اور عوض

سلام
اور عہد کا برابر نباہ کرتے رہے۔ چنانچہ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اُمِ کلثوم اُنھیں عورتوں میں ہیں
مسلمان ہوکر مدینہ ہجرت کر آئی تھیں اور گو اُن کے بھائیوں عمارہ اور ولید نے حضرت سے ان کو
مانگا مگر آپ نے اُن کو اُن کے حوالہ نہیں کیا البتہ مہر واپس کر دیا۔

حدیبیہ سے واپس ہوئے چند روز گذرے تھے کہ عیینہ بن حصن فزاری نے چند غطفانی
سواروں کی معیت میں مدینہ کے باہر ان اونٹوں پر حملہ کیا جو چراگاہ میں چر رہے تھے اور چرانے
والے مسلمان صحابی کو قتل کر کے اُن کی بی بی کو بھی گرفتار کر لیا اور اونٹوں کو ہنکا لے گیا۔ حضرت سلمہ
بن اکوع کو اطلاع ملی تو تیر و کمان ہاتھ میں لے کر تنہا نکل کھڑے ہوئے اور راہ میں اونچی پہاڑی پر بآواز
بلند یوں پکار کر کہ "اے اللہ کے سوارو چلو" ڈاکوؤں کے پیچھے لپکے یہاں تک کہ ان کو پالیا اور تیر پر تیر برسانے
شروع کر دیئے۔

اِدھر یہ آواز مدینہ میں پہنچی تو مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی اور سب سے پہلے حضرت مقداد بن عمر اپنی
زرہ پہنے ہوئے دشمن کے تعاقب میں جانے کو حضرت کے پاس آئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم بھی چلنے کی تیاری فرما رہے تھے۔ چنانچہ ان کے نیزہ میں لوا باندھ کر ارشاد فرمایا کہ تم چلو اور
میں بھی پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ اس کے بعد مسلمان صحابہ رضؓ کا تار بندھ گیا اور جس کے کان میں بھی
حضرت سلمہ رضؓ کی آواز پہنچی وہ پیدل و سوار آگے پیچھے لپکا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بھی حضرت عبد اللہ ابن اُمِ مکتوم رضؓ کو مدینہ پر عامل بنا کر روانہ ہوئے اور دشمن پر حملہ کی غرض سے
چلے مگر اس سے پہلے کہ یہ جماعت دشمن تک پہنچے حضرت سلمہ رضؓ اپنا کام کر چکے تھے کیونکہ صرف تیر کے حملوں
سے دشمنوں کو مقامِ ذی قرد تک جو ایک تالاب کا نام ہے بھگاتے چلے گئے اور ایک ایک کر کے سارے
اُونٹ واپس لے لئے بلکہ تیس۳۰ چادریں بھی دشمن سے چھین لیں اور عشاء کے وقت جب کہ جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اسلامی لشکر ان سے ملے تو یہ اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے مدینہ کی طرف لا رہے
تھے۔ اس وقت حضرت سے انھوں نے عرض بھی کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے دشمنوں کو پانی پینے
کی مُہلت نہیں دی ہے اس لئے اگر سو مسلمان میرے ساتھ کر کے اجازت عطا فرما دیں تو دشمنوں
کو مع اُن کے مال و متاع کے گرفتار بھی کر لاؤں" مگر حضرت نے مصلحت نہ سمجھی اور یہ ارشاد فرما کر
کہ وہ لوگ آب غطفان میں قیام کریں گے وہیں کھائیں پئیں اور ماندگی رفع کریں گے، ہمارے اونٹ
مع گرفتار شدہ مسلمان عورت کے واپس مل ہی گئے ہیں اس وقت آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں وہاں سے
مراجعت فرمائی ✦

باب ۵۷
غابہ اور فتح خیبر

اپنی منشار کے موافق کام میں کسی کی اطاعت کرلینا ہر شخص کو سہل ہے مگر اصل فرماں برداری یہی ہے کہ مضمون نفس کو گراں گذرے اور کسی طرح گوارا نہ ہو اس میں دوسرے کی رائے اور حکم کو مقدم سمجھ کر مخالفت کی جائے اور اس سے بڑا درجہ یہ ہے کہ دل بھی اُس پر راضی ہو جائے اور قلب پر گرانی نہ ہو، اور اس سے بالا درجہ یہ ہے کہ آقا کی عظمت اور محبت اور بڑھ جائے اور بجائے اس کے کہ حکمت و مصلحت کی تلاش ہو ذہن میں آئے کہ طفلِ نوزائیدہ اپنی دایہ کی گود میں ہے کہ جس طرح چاہے بٹھائے چنانچہ حدیبیہ میں صحابہ کی اطاعت خدا اور رسول کا جو کچھ امتحان ہوا اس میں ان کو یہی اعلیٰ ترین کامیابی حاصل ہوئی اور مضمون جس کو نفس کسی طرح پسند نہیں کر سکتا تھا ان کے لئے عظمت و محبت رسول کی زیادتی کا سبب ہوا کہ جب کیکر کے درخت کے نیچے حرم محترم میں قتال کی بیعت ان سے چاہی گئی تو بلا تامل موت کے لئے تیار ہو گئے اور جب چند ہی ساعت کے بعد صورۃً کمزوری کی صلح پر رضامندی چاہی گئی تو اس کو بخوشی مان لیا اس لئے حق تعالےٰ نے علاوہ پروانۂ خوشنودی کے جس کو وحی قرآنی بنا کر نازل فرمایا صلہ میں دنیوی مال و متاع سے بھی صحابہ رضؓ کو بہرہ مند بنانا چاہا تا کہ فی الجملہ اس دل شکستگی کی جس کا منشار بھی اسلام ہی کی محبت ہے تلافی ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اسلام کا بول بہر حال بالا ہے مصلحۃً کسی چشم پوشی سے حقیقۃً کمزور یا نیچا نہیں ہو سکتا بلکہ وقار و حلم کے ساتھ عالی ظرف ہونے کی ہی علامت ہے۔ چنانچہ حدیبیہ سے واپس ہوئے بیس۲۰ دن گذرے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سفر کا قصد فرمایا اور مدینہ پر حضرت سباع بن عرفطہ کو عامل بنا کر بیس۲۰ یا اکیس محرم کو بجز جابر بن عبد اللہ رضؓ کے کہ عذر کے سبب رہ گئے تھے باقی تمام اہلِ حدیبیہ کی ڈیڑھ ہزار جماعت کو لے کر آپ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

خیبر اپنے بانی عملیقی شخص کی جانب منسوب مدینہ سے جانبِ شمال و مشرق آٹھ دن کی راہ یعنی چھیانوے۹۶ میل پر واقع تھا جس میں سات قلعے تھے جو نہایت مضبوط اور ہر قسم کی حفاظت کے سامان سے بھرے ہوئے تھے یہاں عموماً یہود آباد تھے اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کی مخالفت پر بدوؤں کو ابھارتے رہتے تھے اور غطفان سے تو قرار داد ہو چکی تھی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کے ضرور پشت پناہ بنیں گے۔

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ غطفان کو بھی معلوم ہو جائے کہ اسلامی لشکر یہودِ خیبر پر یورش
رہا ہے اِس لئے عصر اور صہبا، مقامات کو گذرتے ہوئے وادی رجیع میں قیام فرمایا جس کے اُس جانب
تھا اور اِس جانب قبیلہ غطفان۔ اِس کے بعد آپ آگے بڑھے اور شب کے وقت جب کہ تمام اہلِ قصبہ
بر پڑے سوتے تھے خیبر کے پہلے قلعہ کے قریب جا پہنچے۔ یہودی اپنی حفاظت سے غافل نہ تھے اور اسلامی
کر کا اُنھیں اندیشہ ضرور رہتا تھا اِس لئے قلعہ سے باہر حفاظت کے لئے چوکیدار رہتے اور باری باری
ت کر کے تمام رات پہرہ دیا کرتے تھے مگر آج کی شب اتفاق سے کوئی پہرہ دار بھی نہ تھا اور خوب موقع
کی غفلت میں مارنا جائز ہوتا تو شبخون مار کر سب کو قتل کر دیا جاتا مگر حضرتؐ کی عادت تھی کہ جب رات
سی قصبہ میں پہنچتے تو ہاتھ روک لیتے اور صبح کی اذان کے منتظر رہتے تھے۔ پس اگر فجر کے وقت اذان سُنتے
علوم ہو جاتا کہ یہاں کوئی مسلمان بھی ہے اِس لئے احتیاط فرماتے اور اذان نہ سُنتے تو حملہ کا حکم دے
ر جنگ کا آغاز فرما دیتے تھے چنانچہ خیبر میں بھی آپ رات کے وقت پہنچے کہ جنگل میں سناٹا چھایا ہوا تھا
ا کی ہوائی مخلوق اپنے آشیانوں میں بسیرا کر رہی اور حجاز کا ریگستان سنسان اور خاموشی کے عالم میں
س لشکرِ جرّار کو ششدر بنا ہوا تک رہا تھا اِس لئے آپ نے صحابہؓ کو ٹھہرنے کا حکم فرمایا اور سب نے وہیں
رام شب گذاری۔ اہلِ خیبر اپنے آلاتِ زراعت لے کر صبح کو باہر نکلے تو اسلامی لشکر جس میں میمنہ، میسرہ
مقدمہ، ساقہ اور قلب پانچوں حصّے تھے، دیکھ کر چلّا اُٹھے کہ "محمد واللہ محمد والخمیس" قسم خدا کی
محمد پورا لشکر لے کر چڑھ آئے اِس کے بعد اُلٹے پاؤں بھاگے اور شہر میں گھس گئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور فرمایا کہ "اللہ اکبر اللہ اکبر، خیبر کی تباہی کا وقت
آگیا۔ ہم جب کسی قوم کے میدان میں اُترتے ہیں تو وہاں کے کافروں کی صبح بُری اور ہولناک ہوتی ہے۔"

اُس رات جس کی صبح کو اسلامی لشکر خیبر میں داخل ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
تھا کہ "صبح کو جنگ کا جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب سمجھتا ہے اور اللہ
اور رسول اُس کو محبوب سمجھتے ہیں، کہ فتح اس کے ہاتھ پر ہوگی۔" چنانچہ ہر شخص نے اِس مژدہ کی تمنا میں
بے چینی سے رات گذاری کہ دیکھیں وہ خوش نصیب کون ہے، آخر صبح ہوئی تو آپ نے حضرت علی رضؓ کو بلایا
اور جب اُن کی آنکھیں دُکھنے کا عذر کیا گیا تو آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک لگا کر جھنڈا اُن کے ہاتھ میں دے کر
فرمایا کہ بسم اللہ کرو اور میدان میں جاؤ۔ چنانچہ آپ کی آنکھیں فوراً اچھی ہو گئیں اور آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ
کر لیا۔ فتح کے متعلق تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما ہی چکے تھے چنانچہ یکے بعد دیگرے خیبر کے قلعے
فتح ہوئے اور وہاں کے اموال و باغات و زمین اور نقود و ہتھیار سب مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے سب سے

پہلا قلعہ جو مفتوح ہوا "ناعم" اور یہاں بجز حضرت محمود بن مسلمہ کے جن کو کسی یہودی نے قلعہ کے اوپر سے پتھر لڑھکا کر شہید کر دیا تھا اور کوئی مقتول نہیں ہوا۔ اس کے بعد قموص کی نوبت آئی جو ابو رافع کی کا قلعہ تھا۔ ان لوگوں نے جنگ کئے بغیر اپنے اموال کا مسلمانوں کو دینا گوارا نہیں کیا اور دونوں طرف صف بندی ہو کر لڑائی شروع ہو گئی۔

مرحب جو بڑا بہادر اور پہلوان یہودی تھا میدان میں نکل کر مقابل کا خواہاں ہوا کر "ہے کوئی جو مقابلہ کرے؟" چنانچہ حضرت علی آگے بڑھے مگر محمد بن مسلمہ رضؓ نے یہ کہہ کر کہ "میرا بھائی محمود شہید ہو چکا اس لئے اُس کا انتقام لینے کو میرا دل چاہتا ہے" مقابلہ کی اجازت حضرت علی رضؓ سے لے لی اور اکیلے میدان میں تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ آخر حضرت محمد بن مسلمہ رضؓ نے مرحب کی دونوں پنڈلیاں کاٹ کر زمین پر ڈال دیا اور ہر چند کہ اُس نے زخموں کی تکلیف سے اُکتا کر درخواست کی کہ میرا کام تمام کر دو مگر انھوں نے یوں فرما کر "اچھا ہے موت کا مزہ چکھتا رہے کیونکہ میرے بھائی کو بھی پتھر سے کچل کر تکلیف کے ساتھ مارا ہے" وہاں سے آئے۔ ان کے بعد حضرت علی رضؓ جب اُدھر سے گذرے اور اس کو تڑپتا پایا تو گردن جدا کر کے اُس کا قصہ طے کیا اور جہنم میں پہنچایا۔

مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر میدان میں آیا اور مقابل کا طالب ہوا۔ چنانچہ حضرت زبیر رضؓ نکلے اور گو اس وقت ان کی والدہ حضرت صفیہ رضؓ نے باقتضائے بشریت عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ صلعم اب یہ میرے بچہ کو قتل کر دے گا۔ مگر جب حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ تمہارا صاحبزادہ ہی انشاء اللہ اُس کو قتل کرے گا تو اُن کو سکون ہو گیا اور دونوں پہلوانوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخر حضرت زبیر رضؓ غالب آئے اور یاسر کو بھی اس کے بھائی کے پاس پہنچا کر اپنے لشکر میں آگئے۔ اس کے بعد یہ لوگ اپنے قلعہ میں گھس گئے اور ہر طرف سے دروازوں کو بند کر لیا۔ مسلمانوں نے قلعہ اپنے حصار میں لے لیا اور چاروں طرف سے گھیر کر وہیں ٹھہر گئے۔ کامل بیس۲۰ روز اسی طرح گذر گئے کہ نہ باہر والے اندر پہنچ سکے اور نہ اندر والے باہر آئے۔ آخر یہودی تنگ آگئے اور اس خوف سے کہ سامانِ رسد ختم ہونے پر فاقہ مرنا پڑے گا اس محفوظ قلعہ میں منتقل ہونا چاہا جو پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا اور جس کے نیچے شیریں چشموں اور خوراک و نفیس غذاؤں کا بہت کچھ بھرپور خزانہ تھا۔ چنانچہ اس قلعہ کو خالی کر کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور خود اس مستحکم قلعہ میں جا بسے جو قلعۃ الزبیر کے نام سے مشہور تھا۔ اسلامی لشکر نے قموص پر قابض ہو کر قلعۃ الزبیر کا محاصرہ کیا اور جب تین۳ یوم کے بعد غزالی نامی یہودی سے اطلاع ملی کہ قلعہ کے آس پاس شاداب جنگلوں اور شیریں نہروں کا بہت کچھ ذخیرہ فراہم ہے جس میں تہہ خانوں کے راستہ قلعہ والوں کو پہنچتا اور برسوں ایام

...ی کرتے رہنا بہت سہل ہے، تو آپ نے ان سرسبز مقامات پر قبضہ کر لیا اور اہلِ قلعہ کی آمد کے راستے بند کر لئے۔ یہودی یہ حالت دیکھ کر گھبرائے اور مجبوراً لڑنے مرنے پر آمادہ ہو کر باہر نکل...۔ چنانچہ جنگ ہوئی اور سخت جنگ ہوئی کہ چند مسلمان بھی کام آئے اور دس یہودی قتل ہوئے ...یہود نے اپنا پلہ گرتے ہوئے دیکھا تو بھاگے اور خیبر کی پرلی جانب جو قلعے کتیبہ اور وطیح اور سلالم ...نام سے مشہور تھے، اُن میں جا پناہ لی۔ مسلمانوں نے ہزیمت خوردہ یہودیوں کا تعاقب کیا اور جو ملا ...کو قید یا تہہِ تیغ کیا۔ اس کے بعد آپ بقیہ سہ قلعوں کی جانب متوجہ ہوئے اور اُن کو چاروں طرف ...گھیر کر منجنیق قائم کر دی کہ اُس کے ذریعہ سے پتھر اُڑا کر قلعوں میں پہنچائے جائیں تاکہ اہلِ قلعہ تنگ ...باہر نکلیں اور مردانہ وار معاملہ کا تصفیہ کریں۔ چودہ[۱۴] دن تک ان قلعوں کا محاصرہ رہا انجامِ کار ...وہ لوگ مال و متاع اور بی بی بچوں کے علاوہ اپنی جانوں سے بھی مایوس ہو گئے تو امن کی درخواست ...ابن ابی حقیق یعنی ابورافع کے بیٹے نے جو باپ کا جانشین اور گویا حاکمِ قوم تھا کہلا بھیجا کہ امان ملے تو صلح ...پیام دینے کو خود حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی اور صلح کی گفتگو ...نے لگی آخر بایں شرط ان کی جان بخشی ہوئی کہ زمین و باغات یعنی جائداد غیر منقولہ مسلمانوں کی ہو چکی ...کے علاوہ ہتھیار اور مویشی اور نقود و نقری و طلائی زیورات پر بھی مسلمان قابض ہوں گے البتہ جو ...بدن پر ہیں ان کو پہنے ہوئے مع اہل و عیال یہاں سے نکل جاؤ اور جدھر منہ سمائے چلے جاؤ ...اگر خلافِ معاہدہ نقدی وغیرہ میں سے کوئی شے مسلمانوں سے مخفی رکھی یا چوری چھپے ساتھ ...لے گئے تو صلح ٹوٹ جائے گی اور پھر مسلمانوں کو قتل و قید کا اختیار حاصل ہے۔

یہود نے جو ہر طرح فاتح کے قبضہ میں آ چکے تھے اس وقت اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانوں کا بچنا بہت غنیمت سمجھا اور وعدہ کر لیا کہ بجز بدن کے کپڑوں کے کوئی چیز ساتھ نہ لے جائیں گے مگر ...رص و طمع اور فریب و مکر جو اُن کی طبیعتوں میں پلا ہوا تھا اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہا۔

حُیَیّ بن اخطب نے کیسۂ زر یعنی نقود و زیورات کے تھیلے کا پتہ نہ دیا کہ کہاں ہے؟ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کی جو یہود بنی نضیر اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے تھے تلاش فرمائی اور ابن اخطب کے چچا کنانہ بن ربیع سے بالتخصیص اس تھیلے کے متعلق دریافت فرمایا کہ کیا ہوا مگر یہ لوگ انکار کر گئے اور کہا کہ بیکاری کے زمانہ میں خورونوش کے اخراجات اور مصارفِ جنگ میں سارا مال کام آ گیا اور جو کچھ اثاثہ تھا خرچ ہو گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند فرمایا کہ مدینہ چھوڑے ہوئے تم کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے اور مال اتنا تھا کہ برسوں ختم نہیں ہو سکتا مگر اس نے پتہ

نہ دیا پر نہ دیا آخر ایک یہودی سے معلوم ہوا کہ فلاں ویران جنگل میں کنانہ کو اکثر گھومتے ہوئے دیکھا ہے ممکن ہے کہ وہ مال وہاں مدفون ہو۔ اُس وقت حضرت نے کنانہ کو پھر بلایا اور فرمایا کہ اگر وہاں مال برآمد ہوگیا تو معاہدۂ امان فسخ ہو جائے گا۔ مگر افسوس کہ اُس نے جان دینی پسند کی اور مال دینا پسند نہ کیا۔ کیونکہ اس کا جواب یہ تھا کہ ہاں بیشک اگر مال نکل آئے تو ہمیں قتل کر دیجئے۔

آخر حضرت نے آدمی بھیجکر اس ویرانہ کو کھدوایا تو وہ تھیلا اس میں سے برآمد ہوگیا اور اس طرح نقضِ عہد کی وجہ سے اس خاندان کے یہودی تہہ تیغ کر دیئے گئے۔ عورتیں باندیاں بنائی گئیں بچے غلام ہوئے اور حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ جو کنانہ بن ربیع کے نکاح میں تھیں اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت حضرت دحیہ رضؓ کے حصّہ میں آئی تھیں قوم کی شہزادی ہونے کے سبب اُن سے واپس لی گئیں کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور اُمّ المومنین قرار پائیں۔ حضرت صفیہ رضؓ کی دو پھوپھی زاد بہنیں جو انھیں کے ساتھ گرفتار ہو کر آئی تھیں، ان کے بدلہ میں حضرت دحیہ رضؓ کو دی گئیں اور انھوں نے بہت خوشی سے یہ تبادلہ منظور کیا۔

جنگ سے واپسی میں مقام سد الصہبا پر پہنچکر آپ نے ولیمہ کیا اور دسترخوان بچھاکر موجودہ توشہ یعنی پنیر، چھوارے اور گھی کا سادہ مالیدہ مسلمانوں کو کھلا دیا۔ جس میں گوشت یا روٹی کا نام بھی نہ تھا۔ حضرت صفیہ رضؓ نے خواب دیکھا تھا کہ گویا چاند اُن کی گود میں آبیٹھا۔ صبح کو انھوں نے یہ خواب کنانہ سے ذکر کیا جس کی زوجیت میں آئے ہوئے چند ہی روز گذرے تھے تو اس نے جھلاکر ان کے مُنہ پر طمانچہ کھینچ مارا اور یوں کہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے تو اس بادشاہ کی دلدادہ ہے جس کا مدینہ میں خروج ہوا ہے۔ اُس وقت حضرت صفیہ کو آپ کے حالات کی خبر بھی نہ تھی آخر چند ہی روز بعد خیبر کا قصّہ ہوا اور اس وقت تک آپ کے مُنہ پر طمانچہ کا نشان موجود تھا۔ بدعہدی ظاہر ہونے کے بعد باقی یہودیوں کو جلاوطن ہو جانے کا حکم ہوا اور ان کے باغات و زمین سب ضبط کر لئے گئے مگر چونکہ انھوں نے کریم پیغمبر کی شفقت کے بھروسہ پر پھر یہ درخواست پیش کی کہ آپ کو یہاں کے انتظام اور کاشت کے لئے بہرحال مزدوروں کی ضرورت ہوگی، اس لئے اگر ہم ہی سے یہ کام لے لیا جائے تو ہم مسلمانوں کی خراج گذار رعیت بنے ہوئے اپنے وطن میں پڑے رہیں گے اِس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔ بٹائی پر خدمت کے لئے یہود کو قائم رکھا اور یوں فرماکر جب تک ہم چاہیں گے تمھیں رکھیں گے پیداوار منقسم فرما دی کہ نصف بحقِ زمین مسلمانوں کا اور نصف بحقِ کاشت یہودیوں کا۔ چنانچہ کئی سال تک یہ صورت قائم رہی اور آخر حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب کہ جزیرۂ عرب کا کفارِ عرب سے خالی

منظور ہوا تو اسی استحقاق مشروط کی بنا پر یہودِ خیبر کو بھی نکال دیا اور وہ ملکِ شام کی طرف چلے گئے۔

خیبر سے ملحق ایک موضع فدک تھا اُنھوں نے ہمایوں ظفر لشکر کی فتوحات اور یہود کی ہزیمت دیکھی تو
یہ اور اِس سے قبل کہ اُن پر چڑھائی کی جائے انھوں نے بایں شرط صلح کا پیام بھیجا کہ نصف زمین فدک
مسلمانوں کو دیدیں اور نصف اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ حضرت صلعم نے اُس کو منظور فرمالیا اور اہلِ فدک
نصف حصّہ پر مالکانہ اور نصف پر مستاجر بن کر قابض رہے۔

اِسی غزوہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کے گوشت کی حُرمت فرمائی اور عین
وقت جب کہ صحابہ رضؓ نے ہانڈیوں میں اس کا گوشت چڑھا رکھا تھا مُنادی ہوئی کہ حمارِ اہلی کا گوشت
حرام ہے۔ صحابہ رضؓ نے یہ آواز سُنتے ہی ہانڈیاں اُلٹ دیں اور گوشت پھینک دیا۔

اسی غزوہ میں مدتِ معینہ تک نکاح کی جس کو متعہ کہتے ہیں ممانعت ہوئی اور غزوۂ اوطاس میں
مباح ہوا مگر پھر حرام ہوا اور حضرت صلعم نے فرمایا کہ "متعہ حرام ہے قیامت تک" آپ خیبر ہی میں تھے
حضرت جعفر رضؓ بن ابی طالب مع دیگر مہاجرین کے جو باجازت رسالت مآب صلعم مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت
کر گئے تھے اور حضرت کے مدینۂ منورہ پہنچنے کی اطلاع پاکر حاضرِ آستانہ ہونے کے متمنی تھے، تشریف لے
آئے۔ حضرت صلعم نے حضرت جعفر رضؓ کو چھاتی سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ
مجھے فتحِ خیبر کی مسرت زیادہ ہے یا جعفر رضؓ سے ملنے کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری جو حضرت صلعم کی ہجرت سے
مطلع ہو کر اپنی قوم کے کچھ اوپر پچاس مسلمانوں کے ساتھ یمن سے روانہ ہوتے تھے، اتفاق سے حبشہ
پہنچے تھے کیونکہ ہوا نے ان کی کشتی کو حبش کے کنارے لا پہنچایا تھا۔ یہاں حضرت جعفر رضؓ سے ملاقات
ہوئی اور ان کو بھی آمادۂ ہجرت دیکھا اِس لئے انھیں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خیبر میں حضرت صلعم سے ملاقات
کی۔ یہ سب حضرات صاحب ہجرتین[1] اور اہلِ سفینہ کے نام سے مشہور ہوئے اور باجازت اہلِ اسلام خیبر کی
غنیمت میں شریک کئے گئے۔

سلام بن مشکم کی بی بی یہودیہ عورت نے جس کا نام زینب بنت الحارث تھا یہ بات معلوم کر کے کہ
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت زیادہ مرغوب ہے بکری کا گوشت بھونا اور سب کو زہر آلود
کر کے دست میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ زہر ملایا اس کے بعد حضرت صلعم کی دعوت کی اور وہ گوشت سامنے
لا رکھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُنہ میں لقمہ رکھا مگر نگلا نہ تھا کہ تھوک دیا اور ارشاد فرمایا کہ

---

[1] یعنی دو ہجرت والے۔ ایک ہجرت مکہ سے حبشہ کی جانب ہوئی جو دار الامان تھا اور دوسری ہجرت حبشہ سے مدینۂ منورہ کی
جانب کہ دار الاسلام ہے۔ ۱۲ منہ

اِس دست نے مجھ سے کہہ دیا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ چنانچہ زینب بلائی گئی اور اُس سے دریافت کیا گیا
اُس نے اقرار کیا اور کہا کہ بیشک میں نے زہر ملایا تھا اور اس سے مقصود یہ تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو
تو آپ ضرر سے بچ جائیں گے اور آپؐ کو اطلاع ہو جائے گی اور اگر طالب حکومت دُنیادار ہیں تو ہم
ہمیشہ کے لئے راحت مِل جائے گی۔ چنانچہ آپ نے اُس کو رہا کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔

براءؓ بن معرور کے صاحبزادے حضرت بشرؓ جو حضرتؐ کے ساتھ شریکِ طعام تھے چونکہ اُس
گوشت کا لقمہ حلق سے اُتار چکے تھے اِس لئے متاثر ہوئے اور آخر جاں بر نہ ہو سکنے کی وجہ سے راہیِ
البقا ہوئے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ چونکہ ایک صحابی نے زینب کی حرکت
سے وفات پائی تھی اِس لئے حضرتؐ نے یہ فرما کر کہ میں اپنا انتقام نہیں لیتا مگر زہر خورانی کے حق العبد سے
چشم پوشی بھی نہیں کر سکتا۔ زینب کو قصاصاً قتل کیا۔ وَاللّٰہُ اَعلم۔

ماہِ صفر میں خیبر سے فارغ ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف متوجہ
ہوئے جہاں کچھ یہود اور کچھ عرب مسلمانوں سے جنگ کا تہیہ کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ وہاں پہنچے تو اُنھوں
نے تیر برسانے شروع کر دیئے جن میں ایک تیر نے حضرتؐ کے ایک غلام مدعم کا کام تمام کر دیا۔ آخر
مسلمانوں نے ان لوگوں کو چار طرف سے گھیر لیا اور تبلیغ اسلام کے بعد صف بندی ہو کر جنگ شروع
ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں گیارہ یہودی مقتول ہوئے اور اگلے دن چاشت کا وقت تھا کہ فتح ہو کر
اسلامی قبضہ میں آگیا۔ یہود تیماء کو ان فتوحات کی خبر پہنچی تو انھوں نے عقل سے کام لیا اور درخواست
صلح میں پیش قدمی کی۔ چنانچہ آپ نے اُن کی درخواست منظور فرمائی اور وہ لوگ اپنے اموال پر
قابض رکھے گئے۔ اِس کے بعد اسلامی لشکر چار دن وادی القریٰ میں گذار کر مدینہ واپس ہوا
اور مدینہ میں حضرتؐ نے ابوہریرہؓ کو موجود پایا جو ہجرت کر کے یہاں پہنچ گئے تھے اور حضرتؐ کے منتظر
ہوئے تھے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جب کہ عرب کو کفار سے خالی کیا تو خیبر اور فدک کے
یہودیوں کو جلاوطن فرمایا اور تیماء، وادی القریٰ کے یہود کو اس لئے رہنے دیا تھا کہ یہ مواضع علاقہ
شام میں داخل ہیں نہ کہ عرب میں۔

اسلامی لشکر نے واپسی کے وقت راستہ میں جب کہ آدھی رات گذری تھی، ایک میدان میں
پڑاؤ کیا اور حضرت بلالؓ کے طلوعِ صبح صادق کے وقت نماز کے لئے جگانے کی خدمت سپرد کر کے
سب باطمینان سو گئے۔ حضرت بلالؓ کو دیر تک تو نفلیں پڑھتے رہے، آخر اپنے اونٹ کی کاٹھی سے کمر

لام مشرق کی جانب منہ کرکے اِس انتظار میں بیٹھ گئے کہ دن کی سفید دھاری نمودار ہو تو فجر کی اذان دے کر کو جگاؤں مگر یہ بھی مسافر اور آخر بشر تھے اِس لئے نیند نے غلبہ کیا اور بے خبر سو گئے۔ آفتاب نکل آیا اور کی آنکھ نہ کھلی آخر سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور گھبرا کر حضرت بلال رضؓ واز دی۔ بلال رضؓ بھی جاگ اُٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ پر بھی اِسی حالت کا غلبہ ہوا جس کا ے لشکر پر غلبہ ہوا تھا۔ اِس لئے کہ دیر تک تو میں نماز میں مشغول رہا آخر مطلع کی طرف طلوعِ صبح کے ار میں منہ کرکے بیٹھا تھا کہ سو گیا اور آپ کی آواز سُننے سے قبل کی مجھے خبر نہیں کیا گذرا اور کب سورج نکلا۔

چونکہ عذر معقول تھا اِس لئے حضرت نے سرزنش نہ فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا کہ اس میدان میں شیطان کا ہے وہاں سے کوچ فرمادیا تھوڑی دُور چل کر جب کہ آفتاب بھی ایک نیزہ چڑھ چکا تھا آپ اُترے اور ان و اقامت کے ساتھ باجماعت نماز فجر قضا پڑھی۔ اِس سے قطع نظر کہ بے اختیاری کی نیند خصوصاً ی حالت میں کہ بیداری کا پورا اہتمام کرلیا گیا تھا مواخذہ کے قابل نہیں ہے اِس واقعہ میں جناب ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا ثبوت ملتا ہے اور ان حضرات کو نماز کے قضا ہونے سے جو کوفت انقباض ہوا ہوگا وہ ان کے لئے ترقی مراتب کا سبب جُدا بنا اور آئندہ قیامت تک کے لئے اس پاک گیا اعت کو نمونہ ہاتھ آکر تسلی مل گئی جن کو ایک نماز کا باقتضائے بشریت قضا ہو جانا پہاڑ سے زیادہ گراں ذر کر عجب نہیں کہ حزن و غم میں ہلاکت کا سبب بن جاتا۔ بہر حال حق تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اور اس قصہ میں جس کا نام قضیہ لیلۃ التعریس ہے کُھلی ہوئی مصلحتیں معلوم بھی ہو رہی ہیں ٭

باب ۵۸

ابُو بصیر رضؓ اور ابُو العاص رضؓ

حق تعالیٰ کی مخفی حکمتوں کا سمجھنا بشر کا کام نہیں ہے کون کہہ سکتا تھا کہ وہی ناگوار شرط جس نے مسلمانوں کے دل دُکھائے تھے یعنی مدینہ میں پناہ لینے والا مسلمان قریش کو واپس دیدیا جائے چند روز بعد ایک عجیب رنگ لائے گی اور اس بہتر انجام کا سبب بنے گی جس کا اِس سے پہلے کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ لئے تو عتبہ بن اسید جو ابو بصیر کی کنیت سے مشہور تھے اور مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مکہ میں محبوس تھے موقع پاکر بھاگ نکلے اور مدینہ میں آپہنچے۔ بالمینان ٹھہرنے بھی نہ پائے تھے کہ ازہر بن عبد مناف اور اخنس بن شریق کا خط لے کر ایک شخص عامری مع اُن کے غلام

کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور ابو بصیر رضہ کی واپسی کا حسب قرارداد مطالبہ کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو بلایا اور فرمایا کہ میاں تم کو معلوم ہے کہ ان لوگوں سے ہماری صلح ہو چکی ہے اور جو شرط قرار پائی ہے اُس سے تم واقف ہو، چونکہ ہمارے مذہب میں غدر اور بدعہدی جائز نہیں ہے اِس لئے ہم تم کو رکھ نہیں سکتے جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا وہی تمہارے اور دیگر ضعفاء مسلمین کی نجات کے لئے کوئی سبیل نکالے گا۔" ابو بصیر نے جو مسلمان ہونے کے جرم میں کافروں کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ کیا پھر مشرکین کے حوالہ کیا جاتا ہوں تاکہ وہ مجھ کو اسلام لانے کے سبب اچھی طرح ستائیں؟ مگر آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ صبر کرو اور جاؤ خدا تمہارے اور دوسرے ضعیف مسلمانوں کے لئے بہتر سبیل کرے۔ چنانچہ ابو بصیر دونوں فرستادہ قاصدوں کے ساتھ کر دیئے گئے اور مکّہ جانے کے لئے مدینۃ الرسول سے باہر نکلے۔

ذوالحلیفہ پہنچکر ابو بصیر ایک دیوار کے سایہ میں آرام لینے کو بیٹھ گئے اور اُن کے پاس ہی اُن کے محافظ ساتھیوں نے بیٹھکر ناشتہ کھانا شروع کیا۔ ابو بصیر رضہ نے عامری شخص کی تلوار پر نظر ڈال کر تعجب کے ساتھ کہا کہ بھائی صاحب! کیا تمہاری تلوار کاٹتی اور وقت پر کام دیتی ہے؟ عامری نے کہا کہ خوب اور اچھا کام دیتی ہے۔ ابو بصیر نے کہا کہ اجازت ہو تو دیکھ لوں؟ عامری سپاہی کو کیا خبر تھی کہ موت سر پر کھڑی ہوئی ہنس رہی ہے اِس لئے بے تکلف اپنی تلوار ابو بصیر کے حوالہ کر دی اور کہا کہ ہاں دیکھو اور اچھی طرح دیکھو کہ کیسی عمدہ ہے۔ ابو بصیر نے وقت کو غنیمت سمجھا اور تلوار کو نیام سے نکالتے ہی ایک جست کی اور عامری کی گردن اُڑا کر زمین پر ڈالدی۔ دوسرے محافظ نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو جان بچا کر بھاگا اور گھبرایا ہوا مدینہ میں آیا کہ حضرتؐ کی پناہ لے اور قصہ سنائے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے ہی پہچان گئے کہ کوئی سانحہ پیش آیا ہے، اِس لئے آپ نے فرمایا کہ ڈرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اِس کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا ہوا؟ غلام نے جو خوف کے مارے کانپ رہا تھا جواب دیا کہ تمہارے صحابی نے میرے رفیق کو قتل کر دیا۔

دیر نہ گذری تھی کہ ابو بصیر رضہ بھی تلوار حمائل کئے ہوئے آ پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا ذمہ پورا ہو چکا کہ حسب وعدہ آپ نے مجھ کو ان کے حوالے کر دیا۔ اب میں نے اپنی جان خود بچائی ہے کہ دین کے متعلق فتنہ میں نہ پڑوں۔ سو نہ کوئی آپ پر الزام ہے اور نہ مجھ سے بازپرس، میں جانوں اور میرا مذہب۔ حضرتؐ یوں فرما کر کہ "عجب لڑائی کا بھڑکانے والا شخص ہے اگر کچھ لوگ ساتھی ہوتے" خاموش ہو رہے۔ ابو بصیر سمجھ گئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا مدینہ میں رہنا پسند نہیں، مناسب ہے

کہ باہر رہوں اور اپنے جیسے گرفتارانِ مصیبت نومسلموں کو اپنا ساتھی بناتا رہوں چنانچہ یہ وہاں سے
بئے اور اُس گذرگاہ پر جا قیام کیا جدھر مال سے لدے ہوئے قریشی کاروان آیا جایا کرتے تھے مکہ
بہتیرے مسلمان تھے جو اپنی کمزوری کے سبب اپنا اسلام ظاہر نہیں کر سکتے تھے کیونکہ نہ اُن میں اتنی
وت تھی کہ ہجرت کرکے مدینہ میں آرہیں اور نہ اتنی سکت تھی کہ مکہ میں رہ کر کھلم کھلا اہلِ مکہ کا مقابلہ
ں اور نہ اتنی ہمت تھی کہ جابر باشندوں کی ایذاؤں کو برداشت کریں۔ مذہبی محبت جو اُن کے دلوں
بڑھ چکی تھی جانے والی نہ تھی اور جب کبھی کسی طرز سے ظاہر ہوتی تو وہ پابزنجیر بنا کر قید کر دیئے
تے تھے۔ اب دو ہی باتیں تھیں کہ ۱ یا تقیہ کرکے اپنے ایمان کے ساتھ جان کو بھی بچائیں اور ۲ یا موقع پاکر
ل نکلیں مگر اس مصالحت نے یہ راستہ بھی اُن کے لئے مسدود کر دیا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام
غدر جائز نہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو جو مکہ سے بھاگ کر جائے گا واپس اہلِ
مکہ کے ضرور حوالہ کر دیں گے اس لئے اُن کی رہی سہی ہمتیں بھی پست ہوگئی تھیں اور سخت امتحان
مُبتلا تھے کہ اس بیکسی میں بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔ اب جب کہ ابوبصیر کا قصہ اُن کے
نوں میں پڑا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "اگر اس کے ساتھ دوسرے لوگ
تے" انھوں نے سُنا تو ان کو اپنی نجات کا راستہ معلوم ہوگیا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ مکہ و مدینہ
درمیان ایک پناہ کی جگہ بھی ہے جہاں رہ کر نہ مکہ والوں کی دست درازی کا خوف ہوگا نہ اہلِ
ینہ پر بدعہدی و غدر کا الزام اس لئے اب جو شخص بھی مکہ میں مسلمان ہوا اور مشرکوں کے پنجۂ ظلم
ھرایا وہ یہیں رُکتا اور ابوبصیر کا ساتھی بنتا گیا یہاں تک کہ چند روز میں ستر آدمیوں کی جماعت
گئی اور ملک شام سے آتا ہوا جو بھی کارواں اُدھر سے گذرا اُس کا مال و اسباب لوٹ کر اُنھوں نے آپس
یں بانٹ لیا۔ حضرت ابوجندل بھی اُنھیں میں آشامل ہوئے اور دن بدن یہ جماعت بڑھتی رہی،
ہاں تک کہ اہلِ مکہ اس رہزنی سے گھبرا اُٹھے کیونکہ کوئی مالی کارواں ایسا نہ تھا جو سالم بچ نکلا ہو اور
کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس راستہ سے گذرنے پر قتل نہ کر دیا گیا ہو۔ انھیں ایام میں ابوالعاص بن
ربیع جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے اور حضرت زینب رضؓ کے شوہر ہونے کی وجہ سے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے، ملکِ شام سے مالِ تجارت لئے ہوئے آرہے تھے کہ
راستہ میں ابوبصیر و ابوجندل رضہ کی جماعت نے قافلہ پر حملہ کیا مال و اسباب لوٹ لیا اور اہلِ کارواں
کو قید کر لیا۔ ابوالعاص جب غزوۂ بدر میں قید ہو کر آئے اور فدیہ بھیجدینے کی شرط پر چھوڑ دیئے گئے
تھے چنانچہ انھوں نے مکہ پہنچ کر اپنا فدیہ روانہ کیا جس میں حضرت زینب رضؓ کا وہ ہار بھی تھا جو اُن کو حضرت

خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا۔ اُس کو دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور صحابہؓ کی رائے سے یہ مال اِس شرط پر واپس کر دیا تھا کہ زینبؓ کو مدینہ بھیجدیں۔ چنانچہ ابوالعاص نے شرط پوری کی اور حضرتؐ کی صاحبزادی کو جو عرصہ سے بچھڑی ہوئی تھیں باپ کے پاس بھیجدیا۔ اُس وقت سے حضرت زینبؓ مدینہ میں تھیں اور ابوالعاص اپنے قدیم خیال جاہلیت پر جمے ہوئے مکہ میں مقیم تھے

ابوالعاص دیانتداری و وفاءِ عہد میں بہت مشہور تھے اور اِسی وجہ سے یہ کاروان جو اُن کی نگرانی میں شام سے آرہا تھا۔ قریش و دیگر اہلِ مکہ کی امانتوں اور ودائع سے گویا بھرا ہوا تھا۔ ابوبصیرؓ نے مال تو اپنی جماعت پر تقسیم کر دیا مگر ابوالعاص کو محض اِس وجہ سے کہ گو مشرک تھے مگر داماد تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ مع اُن کے ہمراہیوں کے چھوڑ دیا کہ جان سالم لے کر چلے جائیں۔ ابوالعاص کے ساتھیوں نے ان کے طفیل میں موت سے نجات پاکر مکہ کا راستہ لیا اور لٹے کھٹے اپنے وطن پہنچے، مگر ابوالعاص نے گوارا نہ کیا کہ اس حالت میں اہلِ وطن کو مُنھ دِکھائیں، اِس لئے سیدھے مدینہ منورہ آئے اور شب کے وقت حضرت زینبؓ کے پاس داخل ہوکر امن کے طالب ہوئے۔ نمازِ فجر کا سلام پھرنے پر حضرت زینبؓ نے جو نسوانی صفوف میں بیٹھی تھیں باوازِ بلند کہا کہ ابوالعاص نے رات مجھ سے پناہ چاہی اور میں نے اُن کو امان دے کر اپنے ذمّہ لے لیا ہے۔ چنانچہ حضرتؐ اور آپ کے تمام صحابہؓ نے بخوشی اِس امان کو منظور فرمایا اور کہہ دیا کہ ہم نے بھی پناہ دی اُس شخص کو جسے زینبؓ نے پناہ دی اِس کے بعد جب ابوالعاص نے اپنے قافلہ پر ابوبصیرؓ کی جماعت کے ہاتھ ڈالنے اور لوٹ لینے کا حال بیان کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کیا اور اِس طرح ارشاد فرمایا کہ ابوالعاص میرا داماد ہے اور اُن کی طرف سے اب تک مجھ کو کوئی ایذا نہیں پہنچی جس کی مجھے شکایت ہو۔ یہ مالِ تجارت اور قریش کی امانتیں لئے ہوئے شام سے آرہے تھے کہ ابوبصیرؓ نے مال تو سارا لوٹ لیا البتہ اہلِ قافلہ کو زندہ چھوڑ دیا۔ سو میں نہیں چاہتا کہ میری یا میرے اصحابؓ کی طرف سے ایسے شخص کو جس نے مجھے ایذا نہیں پہنچائی کوئی ایذا پہنچے۔

ابوبصیر و ابوجندل کو آپ کے اس ارشاد کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے سارا مال جو اس قافلہ سے چھینا تھا اپنی جماعت سے واپس لے کر جمع کیا اور جو اِدھر اُدھر چلا گیا تھا اس کو بھی اکٹھا کیا اور حضرتؐ کے پاس بھیجدیا کہ ابوالعاص کے حوالہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ابوالعاص نے اپنی چھوٹی بڑی ایک ایک چیز پالی اور اب اُس کو لے کر مکہ روانہ ہوئے، مکہ پہنچ کر ساری امانتیں اہلِ امانت کے حوالہ کیں۔ اس کے بعد مجمع میں کھڑے ہوکر دریافت کیا کہ اے اہلِ قریش اور اے اہلِ مکہ کیا تمھاری ساری امانتیں تم تک پہنچ گئیں اور کوئی چھوٹی یا

بڑی چیز باقی تو نہیں رہی؟ اور جب اس کے جواب میں چار طرف سے یہ صدا بلند ہوئی کہ بیشک ہمارے مال و متاع بجنسہٖ ہم تک پہنچ لئے اور ہم نے تم کو ہر طرح امانت دار عہد کا سچا اور وعدہ کا پورا پایا تو انھوں نے کہا کہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" کہ میں مسلمان ہوا اور اپنے مذہب سے توبہ کی۔ اس مذہب کی حلاوت میرے دل میں پہنچتے ہی بیٹھ گئی تھی مگر وہاں اس خیال سے مسلمان نہیں ہوا کہ تم بدعہد کہو گے اور تہمت رکھو گے کہ ہمارے مال ہضم کر کے مذہب تبدیل کیا سو الحمد للہ اب اس سے فارغ ہو چکا اور حقوق العباد میں کوئی حق سر پر نہیں رہا اس لئے باطل کو چھوڑتا ہوں اور حق کو قبول کرتا ہوں۔ اس کے بعد مدینہ روانہ ہوئے اور حضرت زینبؓ کے شوہر رہ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمر گذاری۔

اہلِ مکہ ابو بصیر کی جماعت کے ہاتھوں تنگ آ گئے تو پھر رحمۃ للعالمین کے دامان کرم سے پناہ پکڑی اور بارگاہِ رسالت میں رحم و قرابت کا واسطہ دے کر ملتجی ہوئے کہ کسی طرح ابو بصیر کو اپنے پاس بُلا لیں ہم اپنی شرط سے باز آئے نہ اُن کو واپس لیں نہ آئندہ ایسی جرأت کریں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی کہ میں صلحنامہ کے خلاف کسی مکہ کے مفرور کو مدینہ میں پناہ دینی نہیں چاہتا مگر قریش کی نوبت ابو بصیر کی بدولت خاتمہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس لئے انھوں نے بصد تمنا عرض کیا کہ ہم پر رحم فرمایئے اور ہماری سختی پر لحاظ فرمایئے چنانچہ آپ نے منظور فرما لیا اور ابو بصیر کو لکھ بھیجا کہ مع اپنی جماعت کے مدینہ میں آجاؤ۔ مگر افسوس جس وقت والانامہ ابو بصیر کے پاس پہنچا اُس وقت وہ نزع کی حالت میں مبتلا اور اپنے پاک خدا کے سامنے حاضری کے سامان میں مشغول تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا نام سُن کر ابو بصیر نے آنکھیں کھولدیں اور ہاتھ بڑھا کر اس کو لیا مگر کھول کر دیکھنے نہ پائے کہ جان بحق تسلیم ہوئے اور والانامہ چھاتی پر رکھا رہ گیا۔ حضرت ابو بصیرؓ تو راہیِ عالمِ آخرت ہوئے اور ابو جندل رضؓ نے ان کو یہیں دفن کر کے اپنی ساری جماعت کو ساتھ لے کر بہ تعمیلِ ارشادِ نبوی ۲ مدینۃ الرسول کا راستہ لیا۔ اِس طرح پر وہ ناگوار شرط جس نے مسلمانوں کے دل دُکھائے تھے منسوخ ہو گئی اور اس کے بعد جو مسلمان بھی کافروں کے ہاتھوں تنگ آیا وہ مکہ سے نکلکر سیدھا مدینہ چلا آیا اور بامن و اطمینان مذہبی ترقی میں لگ گیا۔

باب ۵۹

خطوط اور تحریری دعوتِ اسلام

حدیبیہ کی صلح علاوہ اِس کے کہ انجامِ کار فتحِ مکہ کا سبب بنی، یوں بھی فتح مبین تھی کہ اس کی بدولت مسلمانوں کے لئے تبلیغِ احکام اور ہدایتِ اسلام کا دروازہ کھل گیا جو عرب کی آئے دن کی مخالفت کے سبب اب تک بند پڑا ہوا تھا اِس لئے کہ ایامِ مصالحت میں اہلِ اسلام کو کافروں سے مِل جُل کر اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنے کا موقع مِلا اور اُن کو بغاوت و قتال کی مشتعل نظروں سے یکسُو ہو کر اُن کا سُننا نصیب ہوا۔ اور یہی کلمۃ الحق کی تخم ریزی کا بڑا ذریعہ تھا۔ اِس کے علاوہ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کی طرف نبی بن کر تشریف لائے تھے اور آپ کو اپنی تھوڑی عمر میں بہت کچھ کرنا تھا اِس لئے ضرورت تھی کہ اہلِ عرب کی طرف سے اطمینان حاصل ہو تو اسلام کی پیاری صدا عرب سے باہر پہنچائی جائے اور آفاق میں رہنے والی مخلوق کی اصلاح آخرت کا فرض انجام دیا جائے اور اب تک چونکہ قریش کی متعصبانہ اور رات دن کی اِس جنگ و جدال نے جو اسلام کے خلاف میں ان کی طرف سے بھڑکتی رہتی تھی اس کا موقع ہی نہ دیا تھا اِس لئے دس سال کیلئے مصالحت کی دستخطی دستاویز مکمل ہو جانے پر ادھر سے یکسُوئی ہوئی تو دشمنانِ اہلِ کتاب کی مدافعت اور باشندگانِ اطرافِ ارض کی ہدایت کے لئے وقت نکل آیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ دنیا کی طرف دعوتِ اسلام کے والا نامے ارسال فرما کر ادھر اہلِ عرب کو سوچنے کی مُہلت دیدی اور اُدھر اپنا منصب پورا فرما کر غیر مُلکی مخلوق کو اسلامی منافع سے متمتع بنایا چنانچہ مدینۂ منورہ پہنچکر ایک دن آپ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور اِس طرح تقریر کی کہ "اے صحابہ حق تعالیٰ نے مجھ کو ساری مخلوق کے لئے رسول اور رحمت بنا کر بھیجا ہے پس میرے حکم کی تعمیل میں اختلاف نہ ڈالنا جس طرح عیسیٰ علیہ السّلام کے احکام میں اُن کے حواریوں نے اختلاف ڈال دیا تھا" اور جب صحابہؓ نے اس کی صورت دریافت فرمائی تو آپ نے جواب دیا کہ جس اطاعت و اتباع کی طرف تم کو میں بُلا رہا ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں کو بُلایا تھا مگر اُن کی یہ حالت ہوئی کہ اگر کسی قریب جگہ جانے کا ان کو حکم ہوا تو بخوشی انھوں نے مان لیا اور مسافتِ بعیدہ پر پہنچنے کا امر ہوا تو اس کو ٹال گئے اور اُداس چہرہ بنا کر ایسے بوجھل ہوئے کہ گویا زمین پکڑے لیتی ہے اور اُٹھنے نہیں دیتی آخر اُن پر عتاب ہوا اور صبح کو جب سو کے اُٹھے تو ہر شخص اسی زبان میں بات کرتا تھا جس زبان والوں کی طرف بھیجا

کے لئے امرِ علیسوی صادر ہوا تھا" یہ اُن کی سزا تھی اور اسی میں اُنھوں نے جان دی۔

صحابہؓ جن کی اطاعت کا امتحان ایک ایک لحظہ کی حالت سے ہو چکا تھا کہ اپنے دین کی خاطر گھر چھوڑا وطن چھوڑا، جائداد چھوڑی، بی بی بچے چھوڑے، مال و اسباب چھوڑا، عزت چھوڑی حتّٰی کہ جان تک دینے میں تأمل نہ کیا اور اپنے رسول کا حکم پاتے ہی جہاد و غزوات میں نکل کھڑے ہوئے ایسے کا ہیکو تھے کہ تنہا یا مرافقت میں دُور و دَراز کے سفر سے گھبرا جاتے اور حضرتؐ کی طرف سے قاصد بن کر سلاطین و ملوک کے دربار میں داخل ہو کر اپنے مذہب کی پاک اور بلند صدا پہنچانے سے جھجکتے اور اتو صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کی پوری جانچ ہو چکی تھی کہ ایسے مضمون میں جس سے پہاڑ بھی کانپ جائیں۔ اِن حضرات نے اطاعتِ رسولؐ کا حق ادا کر دیا کہ وہ شرائط جن میں ان کے مذہب اور جان کے دشمنوں نے صورۃً ان کو ہر طرح دبایا تھا اور جس کو بلند پایہ مذہب والا شریف خاندان شخص بلا کسی حاکم مختار کی اطاعت کے ذاتی حیثیت سے کبھی گوارا نہ کر سکتا تھا۔ انھوں نے بخوشی منظور ہی نہیں کیں بلکہ ان پر بدل و جان عمل کیا اور بدگمانی کا وسوسہ گذرے بغیر ہمیشہ اِس یقین پر قائم رہے کہ سچی عزت حضرتؐ کی اطاعت پر موقوف ہے اور دین و دنیا کی بہتری اسی میں ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ظاہر ہوا اس لئے ان پاکیزہ نفوس میں ہر شخص سفارت کے لئے آمادہ نظر آیا اور بصورتِ حال ہر ایک نے درخواست کی کہ پیام رسانی کی خدمت پر مجھ کو مامور فرمایئے۔ چونکہ سلاطین سے مراسلت تھی اور دنیوی حکام میں تحریر کو باوقعت بنانے کے علاوہ وثوق و اعتماد کے لئے بھی مُہر ثبت ہونے کی ضرورت تھی اِس لئے صحابہؓ کے مشورہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسم مبارک کی مُہر کندہ کرائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور نگینہ عقیق یا حبشی پتھر کا یا چاندی ہی کا تھا مگر صنعت کے اعتبار سے حبش کی طرف منسوب تھا بہرحال اس پر لکھا ہوا تھا (محمد رسول اللہ) اِس کے بعد حسب رواج ہرن کی جھلیوں پر چند والانامے اسلامی دعوت میں لکھوائے گئے اور مُہر ثبت ہونے کے بعد معتمد سفراء کے ہاتھ سلاطین و ملوک کی جانب ادھر اُدھر روانہ کر دیئے گئے۔

ملہ اس انگوٹھی کو جو سنہ ۶ھ میں کندہ ہوئی تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے وقت اُتار کر رکھ دیتے باقی اکثر اوقات سیدھے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں اِس طرح پہنے رہتے تھے کہ نگینہ ہتھیلی کی جانب رہتا تھا۔ آپکے وصال کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت صدیق و فاروق و ذو النورین خلفاء ثلثہ کے ہاتھ میں رہی۔ آخر خلافتِ عثمانی کے چھٹے سال جب کہ حضرت عثمان رضؓ چاہِ اریس پر بیٹھے ہوئے اُنگلی سے نکال کر اُس کو ہاتھ میں اُچھال رہے تھے، کنویں میں گر گئی اور ہر چند کہ سارا پانی نکلوا دیا گیا مگر نہ ملی پر نہ ملی۔ اِس مبارک انگشتری کے گم ہونے سے جس میں سلیمانی انگشتری کی خاصیت تھی، آخر سلطنتِ اسلامی میں اختلال کا دروازہ کھلا اور ہوئے فتنہ و فساد جو کچھ بھی ہوئے۔ ۱۲ منہ

ہرقل شاہ روم کے نام کا فرمان لے کر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ روانہ ہوئے جس کی عبارت یہ تھی:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ مِنۡ مُحَمَّدٍ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ اِلٰى هِرَقۡلَ عَظِيۡمِ الرُّوۡمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى اَمَّا بَعۡدُ فَاِنِّىۡ اَدۡعُوۡكَ بِدِعَايَةِ الۡاِسۡلَامِ اَسۡلِمۡ تَسۡلَمۡ اَسۡلِمۡ يُؤۡتِكَ اللّٰهُ اَجۡرَكَ مَرَّتَيۡنِ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتَ فَاِنَّ عَلَيۡكَ اِثۡمَ الۡاَرِيۡسِيِّيۡنَ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ [۱]

والا نامہ لے کر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ تیز رفتار سانڈنی پر سوار ہو کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور پیام رسانی کو انجام دیا۔

ہرقل! اپنے مذہب نصرانیت کا عالم اور مملکتِ روم پر حاکم تھا۔ چونکہ فنِ نجوم و کہانت میں کچھ دستگاہ رکھتا تھا اس نے اپنی مہارتِ فن سے معلوم کیا تھا کہ مملکتِ روم پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہونے والا ہے جو ختنون ہوں گے چنانچہ گھبرا اٹھا اور تمام دن مضمحل و پریشان رہا۔ ہرچند اس کے مصاحبین نے اطمینان دلایا کہ سوائے قومِ یہود کے کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی اور یہودیوں کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ ہماری سلطنت کی جانب نظر اٹھا کر دیکھیں، مگر اس کو اطمینان نہ ہوا تاہم بمزید احتیاط نواح کی ولایتوں میں اس مضمون کے پروانے جاری کر دیئے کہ یہودیوں کو جہاں پاؤ تہہ تیغ کر دو اور اس قابل نہ رکھو کہ سلطنت روم پر حملہ کرنے کی جرأت کریں۔ چنانچہ ہزاروں یہودی محض اس شبہ پر قتل کر دیئے گئے کہ یہی ختنون قوم سلطنت نصاریٰ پر قبضہ کرنے والی ہے۔ مگر امر مقدر چونکہ ٹل نہیں سکتا اس لئے آفتابِ اسلام کی شعاعوں نے افق روم پر نظر ڈالی اور عین اس وقت جب کہ ہرقلِ روم شاہِ فارس پر فتحیابی کے تشکریہ میں بیت المقدس آیا ہوا تھا بصریٰ صوبہ دار نے اسلامی قاصد کے آنے کی اطلاع دے کر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ بادشاہ تک پہنچا دیا۔ چونکہ دریافت کرنے سے معلوم ہو چکا تھا کہ فرستادہ شخص بھی ختنہ بریدہ ہے اور تمام عرب میں اس کا رواج ہے اس لئے ہرقل کے ہوش اڑ گئے اور اس نے باآوازِ بلند کہہ دیا کہ اے باشندگانِ روم تمہاری سلطنت کا وقت برابر ہو لیا اور وہ لوگ پیدا ہو گئے جن کو اس مملکت کے

---

[۱] بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہرقل شاہِ روم کی طرف (پیام ہے کہ) سلام اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔ اما بعد میں تم کو بلاتا ہوں دعوتِ اسلام کی طرف مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے، اسلام لے آؤ حق تعالیٰ تم کو دہرا اجر دے گا اور اگر نہ مانا تو یاد رکھو کہ تم پر (تمہاری قوم) اریس کا بھی گناہ ہوگا۔ اے اہلِ کتاب آؤ ایک کلمہ کی جانب جو ساوی ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم نہ عبادت کریں مگر اللہ کی اور نہ شریک کریں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنائے ہم میں ایک دوسرے کو رب اللہ کو چھوڑ کر۔ پس اگر وہ روگرداں ہوں تو کہدو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ

نظام کی باگ ہاتھ میں لینی ہے۔ اس کے بعد ہرقل نے حکم دیا کہ کوئی عربی شخص ایسا لاؤ جو مدعی نبوت کے حالات بیان کرسکے۔ چنانچہ ابوسفیان جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے اور تجارتی ضرورت سے قریشی قافلہ کے ساتھ یہاں آئے ہوئے تھے لائے گئے۔ ابوسفیان چونکہ اپنی جماعت میں معزز سمجھے جاتے تھے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار بھی تھے اس لئے ہرقل نے اُن کو واقف کار و راستگو سمجھ کر اپنی گفتگو کے لئے انتخاب کیا اور ترجمان کی وساطت سے گفتگو شروع ہوئی۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ چونکہ میری جماعت سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر یہ شخص کوئی بات خلافِ واقعہ بیان کرے تو ضرور ٹوکنا، اس لئے گو میں اُس وقت محبِّ اسلام نہ تھا مگر میری ہمت نہ ہوئی کہ ذرہ برابر جھوٹ ملاؤں اور قوم میں رُسوا یا شاہی دربار میں بے عزت بنوں۔ اس کے بعد گفتگو ہوئی اور ہرقل نے سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اور ذات و شرافت کا حال دریافت کیا۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ نہایت شریف النسب ہاشمی و مطلبی نسل کے شریف زادہ ہیں جن سے بہتر عرب میں کوئی خاندان نہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے پوچھا کہ دعوئ نبوت سے پہلے تم نے کبھی کسی بات میں محمدؐ کو جھوٹ بولتے پایا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ کبھی نہیں بلکہ سچائی میں مشہور اور ضرب المثل رہے ہیں پھر ہرقل نے پوچھا کہ انؐ کے خاندان یا اجداد میں کیا کوئی شخص کبھی بادشاہ ہوا؟ ابوسفیان نے کہا کہ کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ ہرقل نے کہا، کیا انؐ سے پہلے کسی دوسرے شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کسی نے نہیں۔ پھر ہرقل نے سوال کیا کہ اچھا جو لوگ اُن کی پیروی کر رہے ہیں وہ امیر ہیں یا غریب ہیں؟ ابوسفیان نے کہا کہ قریب قریب سب غریب اور ایسے ہیں جن کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ پھر ہرقل نے پوچھا کہ انؐ کا گروہ ترقی کر رہا ہے، یا تنزل؟ ابوسفیان نے کہا کہ ان کی جماعت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ہرقل نے سوال کیا کہ جو شخص مسلمان ہوتا ہے وہ اسلام کو ناپسند سمجھ کر کبھی مُرتد تو نہیں ہوتا؟ ابوسفیان نے کہا کہ نہیں۔ ہرقل نے کہا کہ لڑائی میں تم اُن پر غالب آتے ہو یا وہ تم پر؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کبھی ہم غلبہ پاتے ہیں اور کبھی وہ۔ اس کے بعد ہرقل نے پوچھا کہ کیا بدعہدی یا خلف وعدہ کبھی اُن سے صادر ہوا؟ ابوسفیان نے کہا کہ ابھی تک تو کیا نہیں مگر ان چند ایام کی خبر نہیں ہے جو ہم کو سفر کی حالت میں گذرے کیونکہ آج کل ہمارا اُن کا باہمی معاہدہ ہے اور غیب کی خبر اللہ کو ہے دیکھئے یہ وعدہ بھی پورا ہوتا ہے یا نہیں؟

ابوسفیانؓ کہتے ہیں کہ میں اِن تمام باتوں کا جواب دیتے وقت سوائے ہاں یا نہ کے کچھ نہ کہہ سکا البتہ اِس جواب میں اتنی بات بڑھانے کا مجھے موقع مِلا اور اگر اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر

سوال کے جواب میں جھوٹ بِلاتا۔ ہرقل اِس کے بعد ذرا خاموش ہوا اور کہا کہ اے لوگو! میری تحق
کو اس مضمون سے تعلق ہے جو اکثر خدا کے رسولوں میں رہا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ نبوت ہمیشہ
خاندان میں رہی ہے تاکہ مخلوق حقیر نظروں سے نہ دیکھے اور وہ نبی کی اطاعت و ہدایت کا واسط
میں مانع نہ ہو۔

پھر یہ بھی عقل کے نزدیک واجب التسلیم ہے کہ جو شخص دُنیوی اُمور میں جھوٹ بولنے سے ڈرے گ
خدا پر بہتان باندھنے اور غلط بیانی اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی کیونکر جرأت کر سکے گا۔ اِس سے
نکلتا ہے کہ محمد عربیؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور اس کے مؤید یہ قرائن ہیں کہ عالم کے دلوں ر
کرنے کا دعوےٰ ان کی زبان سے کسی کی تقلید سے ظاہر نہیں ہوا کیونکہ ان کے باپ دادا میں اگ
بادشاہ ہوتا تو خیال ہو سکتا تھا کہ وہ نبوت کے حیلہ سے جدی میراث پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں او
سے پہلے اِس خاندان میں کوئی شخص مُدعیِ نبوت ہوا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کر
ہیں لیکن اب اس کا احتمال نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ نتائج و ثمرات بھی دوسرے پیغمبروں سے
ہیں کیونکہ محمد عربی کا اتباع بھی زیادہ انھیں لوگوں نے کیا ہے جو افلاس و فقر کے سبب ملک کی نظ
میں بے وقعت ہیں اور درحقیقت ہر زمانہ میں خدا کے پیغمبروں کا اتباع پہلے غریب ہی لوگوں
ہے کیونکہ رؤسا اپنے مال و ریاست پر مغرور و بدمست ہو کر نبی کے اتباع سے کتراتے رہتے ہیں اس کے
علاوہ ان کے اتباع کرنے والوں کی اپنے مذہب پر پختگی ان کی حقانیت کی مستقل دلیل ہے کہ اسلام
لائے پیچھے منحرف ہونا کوئی جانتا ہی نہیں کیونکہ درحقیقت مذہب حق کے لئے ایک حلاوت ہے جس کا
مزہ آجانے کے بعد چھوٹنا مشکل ہے اور نبی کا اپنی قوم سے مقاتلہ کرنا اور کبھی فتح پانا اور کبھی اہل
کا غالب آجانا ایسا مضمون ہے جو ہمیشہ انبیائے سلف میں ہوتا رہا کہ جنگ و مقاتلہ ہرٹ کا ال
بنا رہا کہ کبھی نیچے اور کبھی اوپر تاکہ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ جبراً ہم کو اپنا مطیع بنا لیا
البتہ معاہدہ کی پابندی خدائی فرستادوں کا زیور ہے جس کو اللہ کا پیغمبر کسی حال نہیں چھوڑ سک
سو میرے نو سوالات اور ان کے جوابات سے محمدؐ کا پیغمبرِ خدا ہونا ثابت ہو رہا ہے اور اب مجھ
یہ پوچھنا باقی ہے کہ وہ اپنا مطیع بنا کر لوگوں سے کیا چاہتے ہیں۔ کن باتوں سے منع کرتے اور کس کام
کرنے کو کہتے ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ کہتے ہیں دیوتاؤں کو خدا نہ سمجھو، ان کے سامنے سر
نہ جھکاؤ۔ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہ کرو۔ پانچ وقت نماز پڑھو۔ اپنے مال میں سے شرعی مقدار کے
موافق زکوٰۃ ادا کرو۔ محتاج رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرو اور نیک برتاؤ رکھو۔ زنا مت کرو اور

ت کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ ایک دوسرے کا ناجائز طور پر مال مت کھاؤ، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سُن کر ہرقل بے اختیار پکار اُٹھا کہ جو باتیں تم نے بیان کی ہیں اگر سچ ہیں، تو بے شک محمد اللہ کے سچے پیغمبرؐ ہیں اور اگر مجھ سے ہو سکتا تو میں ان کے حضورؐ میں حاضر ہو کر قدم چومتا اور پاؤں دھو کر پیتا اور یقین جانو کہ جس جگہ آج میرے قدم ہیں کسی دن یہاں ان لوگوں کا جھنڈا لہراتا ہوگا۔

قیصرِ روم کی یہ تقریر سُن کر حاضرین متحیر رہ گئے اور شاہی توجہ اسلام کی طرف پاکر چار طرف سے اراکینِ سلطنت نے شور مچایا۔ اِس بدامنی اور شور و شغب میں ابوسفیان مع اپنی جماعت کے باہر نکال دیئے گئے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہرقل کے یہ کلمات سُن کر میں حیران تھا اُس کے چہرہ کو تکتا اور خیال کرتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز میں اِس قدر ترقی کر لی کہ بادشاہِ روم کے دل میں بھی ان کا خوف موجود ہے چنانچہ دربار سے باہر نکل کر انھوں نے اپنے رُفقاء سے کہا کہ "ادھو ابوکبشہ[1] کے لڑکے کا اِس قدر رُعب چھا گیا ہے کہ قیصر بھی ڈرتا اور کانپتا ہے"

جان و آبرو ہر شخص کو عزیز ہے اور عزت و جاہ کا چھوڑنا کوئی سہل بات نہیں اِس لئے ہرقل نے اراکینِ سلطنت کا رنگ بدلا ہوا پاکر سکوت اختیار کیا۔ ہرقل نے مصلحۃً اگرچہ اس وقت اپنا حال چھپایا مگر چونکہ اس کے دل میں لگی ہوئی تھی اِس لئے اُس نے آخری کوشش پھر کی اور ایک دن مشہور علمائے نصاریٰ کو قلعۂ حمص میں جمع کیا اور قلعہ کا دروازہ بند کرانے کے بعد اس طرح تقریر کی کہ "اے مذہب اور مُلک کے مددگارو اور اے آسمانی ملّت کے حامی و جاں نثارو! میں تم سے ایک خاص بات کہنی چاہتا ہوں جس میں سراسر تمھارا نفع اور قومی و ملکی بہبودی مضمر ہے پس میری بات کان لگا کر سُنو اور سمجھ کر جواب دو۔ تم کو معلوم ہے کہ حجاز میں ایک شخص نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اور اس شخص کے حالات تمھارے کانوں میں پڑ چکے ہیں سو میں نے جہاں تک غور کیا وہ خدا کے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں اس لئے میری رائے میں ملکی رسوم اور آبائی مذہب کا پاس کرنا نہ قرین عقل ہے اور نہ مقتضائے دیانت پس اگر نجات کے متلاشی ہو تو اسلام لے آؤ اور عربی پیغمبرؐ کا اتباع کرو ورنہ اپنا ملک بھی ہاتھ سے کھو بیٹھو گے اور حق تعالیٰ کے روبرو ذلت و رسوائی جدا ہوگی"۔ ہرقل اتنا کہنے پایا تھا کہ مجمع کا رنگ بدلا ہوا پایا کہ حاضرینِ مجلس سے یک لخت شور برپا کیا اور ناراض ہو کر منہ میں بڑبڑاتے اور طیش میں پیچ و تاب کھاتے دربار سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر کا راستہ لیا مگر کواڑ بند پائے، اِس لئے پھر واپس ہوتے اور

---

[1] ابوکبشہ بی بی حلیمہ رضہ کے خاوند کی کنیت ہے اور اس وقت ابوسفیان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لقب سے یاد کرنا اسی جاہلیت کا اثر تھا جس پر وہ تھے۔ ۱۲ منہ

آمادۂ فساد ہو کر بادشاہ پر حملہ کرنا چاہا۔

ہرقل نے رُخ پلٹتا ہوا دیکھ کر اپنی بات کا بھی پہلو بدلا اور کہا کہ "اے مذہب نصرانیت کے شیدائیو میں نے تم کو آزمانا چاہا تھا کہ دیکھوں تم کو اپنے مذہب کا کس قدر پاس ہے اور تمہارے قلب میں کس قدر سمایا ہوا ہے سو الحمدللہ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم اپنے مذہب کے شیدا ثابت ہوئے یہ سنکر سب کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے اور ہرقل کے سامنے سب سجدہ میں گر گئے اِس کے بعد پھر ہرقل کو ہمت نہ ہوئی کہ مذہب اسلام کی تائید و ترغیب میں کوئی کلمہ زبان سے نکالے البتہ قاصدِ اسلام دحیہ کلبی رض کو بلایا اور کہا کہ میری سلطنت میں ایک شخص علمائے نصاریٰ میں نہایت باعظمت ہے جس کا نام ضغاطر ہے تم اس کے پاس جاؤ اور اپنے پیغمبر کے حالات سُناؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے پس اگر اُس نے اسلام قبول کر لیا تو سمجھ لو کہ تمام روم مسلمان ہو جائیں گے"۔ چنانچہ حضرت دحیہ رض وہاں سے اُٹھ کر ضغاطر کے مکان پر گئے جو عمر رسیدہ ضعیف شخص تھا اور اس کو اسلام کی تبلیغ فرما کر ہرقل کا قول بھی سُنا دیا جس سے ظاہر ہوا تھا کہ ضغاطر کے اسلام پر مذہب حق کی ترقی موقوف ہے۔

ضغاطر درحقیقت اپنے مذہب کا فہیم عالم تھا اس لئے قبولِ حق میں تامل نہ ہوا اور دولتِ ایمان سے مالامال ہوئے اِس کے بعد عصا ہاتھ میں لیا اور سپید کپڑے پہن کر باہر نکلے تا کہ اپنا ایمان علی الاعلان ظاہر کریں اپنے مکان سے چل کر اُس کلیسا میں پہنچے جہاں علمائے نصاریٰ کا مجمع تھا اور باآوازِ بلند کہا "اے عیسائیت کے دیندار مولویو! میں پیغمبرِ عربی پر ایمان لے آیا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کی غرض سے کہتا ہوں کہ یہی وہ پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسیٰ ع روح اللہ نے خبر دی ہے پس اگر نجات کے خواہاں ہو تو لبیک کہو اور اسلام سے بہرہ یاب بنو"۔ ضغاطر کے یہ کلمات سُنکر علمائے نصاریٰ کے چہرے سُرخ ہو گئے اور ضغاطر پر حملہ کرنے کے لئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ حضرت ضغاطر اس ضرب شدید کے متحمل نہ ہو سکے اور جان حق تسلیم ہوئے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط۔

ہرقل کو اِس قصّہ کی خبر ہوئی تو اُس نے سمجھ لیا کہ مذہب اسلام کا اقرار کرنا اِس وجہ سے موجب ہلاکت ہے اِس لئے دُنیوی چند روزہ عیش و عشرت پر آخرت کی دائمی راحت کو ترجیح نہ دے سکا اور حضرت دحیہ کلبی رض مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

باب ۶۰

خسرو پرویز اور باذان!

جس طرح رُومی بادشاہ کا خطاب قیصر تھا۔ اِسی طرح بادشاہِ فارس کا لقب کسریٰ تھا جو خسرو کا معرب

اور جس کسریٰ کا ہم ذکر بیان کر رہے ہیں، اس کا نام پرویز ہے۔
یہ متکبّر بادشاہ ہرمز کا بیٹا اور نوشیروانِ عادل کا پوتا ہے اُس کے نام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
خط لکھا اور عبد اللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ روانہ فرمایا جن کو متنبّہ کر دیا گیا تھا کہ والا نامہ بحرین کے
...م منذر بن ساوی کے حوالہ کر دیں اور کہہ دیں کہ خسرو پرویز کے پاس پہنچا دے چنانچہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ
...نہ ہوئے اور نامۂ مبارک منذر کے حوالہ کیا جو بصرہ و عمان کے مابین شہر بحرین پر کسریٰ کا ماتحت حاکم
اور منذر بن ساوی نے والا نامہ کسریٰ کے پاس پہنچا دیا۔ اِس خط کا مضمون یہ تھا:
"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى
...نَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَدْعُوْكَ
...عَايَةِ اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْحَقُّ عَلَى الْكَافِرِيْنَ اَسْلِمْ
...لَمْ فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ"[1]
پرویز شاہِ فارس نہایت مغرور اور بدمست بادشاہ تھا حالانکہ چار سال ہوئے قیصر کے ہاتھوں ذلیل
...وار ہو چکا اور شکستِ فاش کھا چکا تھا مگر جو نخوت خمیر میں پڑی تھی وہ نہ گئی اور جو بدحالی اس کی تقدیر
...میں لکھی جا چکی تھی اس کے اسباب مہیّا ہوئے۔ جس وقت نامۂ مبارک ہاتھ میں پہنچا اور اُس نے دیکھا کہ محمد
...صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس کے نام سے پہلے لکھا ہوا ہے تو جھلّا اُٹھا اور اس غصّہ میں کہ مرسل نے اپنا نام میرے
...سے پہلے کیوں لکھا، نامۂ مبارک کو پاش پاش کر دیا۔ اِس کے بعد اپنے ماتحت باذان صوبہ دار یمن کے
...م حکمنامہ جاری کیا کہ عرب تمہارے علاقہ میں ہے اِس نئے مدّعیِ نبوّت کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیجدو۔
...چنانچہ اس نے تعمیل کی اور دو سپاہیوں کے ہاتھ آپ کے نام اِس مضمون کا خط بھیجا کہ "اے محمد! تم
...حاملِ خطِ ہذا کے ساتھ خسرو پرویز شاہِ فارس کے پاس چلے آؤ۔"
یمنی قاصد بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو رعب اور ہیبت سے کانپ اُٹھے۔ جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا کہ دو شخص جن کی ڈاڑھیاں منڈی اور مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں سامنے
کھڑے ہیں اور شانہ کی رگیں خوف کے سبب حرکت کر رہی ہیں تو دریافت فرمایا کہ ایسی بُری صورت بنائے

---

[1] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ شاہِ فارس کی طرف (پیام ہو کہ) سلام اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ یگانہ ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ میں تم کو بلاتا ہوں خدائی دعوت کی جانب کیونکہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تمام مخلوق کی جانب تاکہ ڈرائے اس کو جو زندہ ہو اور حق ثابت ہو جائے کافروں پر۔ مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے، ہاں اگر انکار کیا تو (یاد رکھو کہ) مجوس کا گناہ بھی تم ہی پر ہوگا۔ ۱۲ منہ

کا تم کو کس نے حکم دیا؟

قاصد جو خوف زدہ اور مبہوت کھڑے تھے بدشواری اتنا جواب دے سکے کہ "ہمارے رب خسرو پرویز نے" اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میرے رب نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ مگر افسوس کہ تم سچے معبود کا حکم چھوڑ کر جھوٹے معبود کا کہنا مانتے ہو" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "اچھا ٹھہرو کل میرے پاس آنا"

اگلے روز دونوں سپاہی حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "جس کے پاس مجھے لیجانا چاہتے ہو وہ دنیا سے رخصت ہو لیا اور خسرو پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں رات قتل ہو گیا" قاصدوں نے ایک زبردست سلطنت کے بادشاہ کے متعلق یہ قطعی فیصلہ سنا تو متعجب ہوئے اور آخر یمن واپس ہوئے تاکہ اس پیشین گوئی کی تصدیق کریں جو دسویں جمادی الاول سنہ ۷ ھ شب سہ شنبہ کے متعلق کی گئی تھی چنانچہ باذان بھی حیران رہ گیا مگر جب شاہِ فارس کا اطلاع نامہ ہاتھ میں پہنچا کہ فارس کے بادشاہ شیرویہ کی جانب سے اطلاع دی جاتی ہے کہ خسرو پرویز چونکہ ظالم تھا اس لئے اپنی پاداش کو پہنچا اور رات کے وقت مقتول ہو کر سلطنتِ فارس ہمارے ہاتھ میں آئی۔ عربی مدعیِ نبوت کے متعلق جو حکم پرویز کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اس کو تا صدورِ حکمِ ثانی ملتوی رکھو" تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا معترف ہوا اور اپنے دونوں بیٹوں سمیت مسلمان ہو گیا۔ حاکم کے مسلمان ہو جانے پر یمن میں اسلام پھیل گیا اور گروہا گروہ مسلمان ہو گئے خسرو پرویز نے والا نامہ کے ساتھ جو گستاخی کی تھی جس وقت حضرت عبداللہ ابن حذافہ کی زبانی اس کی اطلاع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ کو رنج ہوا اور آپ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ "یا اللہ کسریٰ کی سلطنت کو بھی پارہ پارہ کر دے" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پرویز بن ہرمز کے قاتل شیرویہ کو بھی اطمینان کے ساتھ سلطنت کرنی نصیب نہ ہوئی اور صرف چھ مہینہ حکومت کر کے یہ بدنصیب بھی وہ زہر کھا کر راہیِ ملکِ بقا ہوا جس پر اس کے مقتول باپ نے بخیال انتقام دواءِ مقویِ باہ لکھ دیا تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے چند بادشاہوں نے فارس پر حکومت کی اور آخر سارا خاندان تباہ ہو گیا یہاں تک کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے خلافتِ فاروقی میں عراق کی جانب چڑھائی کی اور وہ زبردست سلطنت جو ہزارہا سال سے قائم تھی ایسی پاش پاش ہوئی کہ ہمیشہ کے لئے نابود ہو گئی ۔

باب ۶۱

نجاشی و مقوقس اور منذر بن ساوی

ایک خط والیِ حبش کے نام لکھا گیا اور عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ روانہ کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلَی النَّجَاشِیِّ مَلِكِ الْحَبْشَةِ اَسْلِمْ اَنْتَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ

اللّٰہ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ وَاَشْھَدُ اَنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رُوْحُ
وَکَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ الْبَتُوْلِ الطَّیِّبَۃِ الْحَصِیْنَۃِ فَحَمَلَتْ بِعِیْسٰی فَخَلَقَہُ اللّٰہُ مِنْ رُوْحِہٖ وَنَفْخِہٖ
خَلَقَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ اِلَی اللّٰہِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَالْمُوَالَاۃِ عَلٰی طَاعَتِہٖ وَاَنْ تَتَّبِعَنِیْ
مِنَ بِالَّذِیْ جَآءَنِیْ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ وَجُنُوْدَکَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ
بَلُوْا نَصِیْحَتِیْ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی[1] حضرت عمرو بن امیہ والانامہ لے کر روانہ ہوئے اور
وبحری سفر طے کرکے ملک حبش پہنچکر شاہ حبشہ کو خط پہنچایا۔

یہ نجاشی جس کے نام والانامہ بھیجا گیا وہ نجاشی نہیں ہے جس کے زمانہ میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی اور
ہکے جنازہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز پڑھی تھی بلکہ یہ دوسرا بادشاہ ہے جو ان
بعد ملک حبش کا والی ہوا اور اس کے ایمان کا حال معلوم نہیں کہ لایا یا نہیں۔

چونکہ اکثر مورخین کو نجاشی کے لفظ سے جو ہر والی حبش کا خطاب ہوتا تھا شبہ پڑ گیا ہے اس لئے اس خط
حضرت اصحمہ والی حبش کے نام سمجھ کر ان کے ایمان اور حضرتؐ کے ساتھ اظہار محبت وارسال تحائف
ذکر کرگئے ہیں مگر علامہ ابن قیم رح کی تحقیق جو زاد المعاد میں ہے یہی ہے کہ مرسل الیہ دوسرا النجاشی ہے
چوتھا خط مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ کے نام حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ روانہ ہوا جس کا مضمون یہ تھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقِسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ
اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاَسْلِمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ
فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمَ اَھْلِ الْقِبْطِ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا
نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا
اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ[2]

---

[1] بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہؐ کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف پیام ہے کہ اسلام لے آؤ تم۔ پس میں حمد بیان کرتا ہوں
تمہاری طرف اس اللہ کی کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا بادشاہ ہے پاک ہے سلامتی والا ہے امن دینے والا ہے محافظ ہے اور گواہی
دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ اور اس کا ایک کلمہ ہیں جس کو مریم بتول پاکباز طاہرہ کی طرف ڈالا پس وہ عیسیٰ کی حاملہ ہوگئیں
سو ان کو اللہ نے پیدا فرمایا اپنی روح اور نفخ سے جیسا کہ آدم کو پیدا فرمایا اپنے دست (قدرت) سے اور میں تم کو بلاتا ہوں اللہ
یگانہ کی طرف جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور (بلاتا ہوں) اس کی اطاعت پر موافقت کی جانب اور یہ کہ میرا اتباع کرو اور ایمان لاؤ
اس (شریعت) پر جو میرے پاس آئی کیونکہ میں اللہ کا واقعی رسول ہوں اور میں بلاتا ہوں تم کو اور تمہارے ماتحتوں کو اللہ عزوجل
کی طرف اور (یاد رکھو کہ) میں پہنچا چکا اور نصیحت کر چکا پس تم سب میری نصیحت قبول کرو اور سلام اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا ۱۲ منہ
[2] بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ کے بندے اور پیغمبر کی طرف سے مقوقس بادشاہ قبط کی طرف (پیام ہے کہ) سلام ہے اس پر
جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔ اس کے بعد میں تم کو بلاتا ہوں دعوت اسلام کی طرف۔ مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے (بقیہ بر صفحہ ۲۷۲)

حضرت حاطب والا نامہ لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے اور شاہی دربار میں پہنچکر والی مصر کے دربار میں داخل ہوئے۔ نامۂ مبارک اس کو دیا اور یوں تقریر فرمائی کہ "اے بادشاہ! تم سے پہلے اس ملک کا حاکم ہو چکا ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو ربّ اعلیٰ کہا تھا سو حق تعالٰے نے اُس کو دنیا و آخرت کے عذاب میں پکڑا اور ایسا انتقام لیا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہوئی سو تم کو بھی عبرت لینی چاہئے ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو تمہارے حال سے عبرت لینے کا موقع ملے"۔ بادشاہِ مصر نے عربی قاصد کی یہ محابا دلیرانہ گفتگو سُن کر تعجب کیا اور کہا کہ "ہم بھی صاحبِ مذہب ہیں اور نصرانیت پر قائم، سو جب تک اس سے بہتر مذہب نہ آوے اُس کو تبدیل کرنا ہمیں گوارا نہیں ہے"۔ حضرت حاطب نے جواب دیا کہ "ہم تم کو مذہبِ اسلام کی طرف بلاتے ہیں جو تمام مذہبوں سے بہتر اور ہر دُنیوی و دینی ضرورت کو کافی ہے ہمارے پیغمبر نے جس وقت اس مذہب کی مُنادی کی تو سب سے زیادہ سخت اُن کی قوم تھی جو قریش کہلاتے ہیں اور آپ کے سب سے زیادہ دشمن یہود ہوئے اور نصاریٰ تو نسبتاً نرم اور قریب تر ثابت ہوئے، اپنی قسم ہے اپنی زندگی کی کہ موسیٰ علیہ السلام نے جیسی بشارت عیسیٰ علیہ السلام کی دی تھی ایسی ہی عیسیٰ علیہ السلام نے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے اور ہمارا بُلانا تم کو قرآن کی جانب ایسا ہے جیسا کہ تم نے اہلِ توریت کو انجیل کی طرف بُلایا اور جو لوگ نبیؐ کو پائیں وہ ان کی اُمت کہلاتے ہیں اور ان پر لازم ہے کہ اس کا اتباع کریں اور چونکہ تم نے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اس لئے تم کو ان پر ایمان لانا پڑے گا اور ہم تم کو دینِ مسیحی سے روکتے نہیں بلکہ اس کا حکم کرتے ہیں کہ اس کو بھی مذہبِ حق سمجھو اور اس کا ادب قائم رکھو البتہ اعمال میں شریعتِ محمدیہ پر عمل کرنا پڑے گا اور آج اس کے بغیر کہیں نجات نہیں ہے۔

مقوقس ایک سمجھدار شخص تھا اگر جانتا تھا کہ اسلام کے اختیار کرنے میں سلطنت ہاتھ سے جاتی ہے اس کے ساتھ ہی نصرانی المذہب ہونے کی وجہ سے آخرت کا معتقد اور جزا و سزا سے واقف تھا اس لئے فکر میں پڑ گیا کہ دنیوی حکومت کو ترجیح دے جو سر دست اختیار میں ہے مگر جلد فنا ہونے والی ہے یا اُس سلطنت کی رغبت کرے جو چند روز بعد دوسری زندگی اور دوسرے عالم میں حاصل ہو گی مگر ہمیشہ قائم رہے گی۔ غرض اس وقت کوئی فیصلہ نہ کر سکا اور یہ کہہ کر کہ اچھا ہم سوچ کر جواب دیں گے دربار

(بقیہ صفحہ ۲۷۱) اور اسلام لے آ۔ اللہ تم کو تمہارا اجر دو چند عطا فرمائے گا۔ پس اگر تم نے نہ مانا تو (یاد رکھو) تم ہی پر تمام قبطیوں کا گناہ ہوگا۔ اے اہل کتاب آؤ ایک کلمہ کی طرف جو مساوی ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم نہ عبادت کریں مگر اللہ کی اور نہ شریک کریں اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بناوے ہم میں ایک دوسرے کو رب اللہ کو چھوڑ کر پس اگر وہ رُوگرداں ہوں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ

...لام ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے حرم کے حوالہ کر دیا کہ اس کو احتیاط سے رکھے۔ اس کے بعد غور کیا اور ...ار کیا کہ بے شک یہ مدعیِ نبوت نہ جادوگر ہیں نہ کاہن، پھر غیب کی باتوں سے مطّلع کرنا ضرور معجزہ اور ...ت صادقہ کی علامت ہے۔ آپ ایسے اعمال، سوجن باتوں سے یہ منع کرتے ہیں درحقیقت وہ رغبت ...قابل نہیں اور جن اُمور کا حکم کرتے ہیں وہ نفرت کے لائق نہیں۔ پس آپ کے سچے ہونے میں تو ...ی شبہ نہیں ہوسکتا۔ بایں ہمہ آپ کا اتباع بحالتِ موجودہ خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے ایمان نہ ...ا اور کاتب کو بلا کر بزبانِ عربی یہ خط لکھوا کر قاصد کے حوالہ کیا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ[1] لِمُحَمَّدِ ...بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مِنَ الْمُقَوْقِسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَرَءْتُ كِتَابَكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ ...يْهِ وَمَا تَدْعُوْا اِلَيْهِ وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّ نَبِيًّا بَقِيَ وَكُنْتُ اَظُنُّ اَنَّهٗ يَخْرُجُ فِي الشَّامِ وَقَدْ اَكْرَمْتُ رَسُوْلَكَ وَبَعَثْتُ اِلَيْكَ بِجَارِيَتَيْنِ لَهُمَا مَكَانٌ فِي الْقِبْطِ عَظِيْمٌ وَبِكِسْوَةٍ وَاَهْدَيْتُ اِلَيْكَ بَغْلَةً لِتَرْكَبَهَا السَّلَامُ عَلَيْكَ ۝

شاہِ مصر کا یہ خط لے کر جس میں اسلام کا اقرار نہیں کیا گیا حضرت حاطب مدینۂ منورہ واپس ہوئے اور ماریہ و سیرین دونوں باندیاں اور وہ خچر جس کا نام دُلدُل تھا مع اُس مصری لباس کے جو مقوقس نے ہدیۃً آپ کی نذر گزرانا تھا، حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

پانچواں خط منذر بن ساوی شاہِ بحرین کے نام لکھا گیا اور حضرت علاء بن الحضرمی اُس کو لے کر روانہ ہوئے چنانچہ حضرت منذر مشرف باسلام ہوئے اور بدستور اپنی حکومت پر قائم رکھے گئے اُن کی رعایا جو مذہب یہودیت و مجوسیت رکھتی تھی کچھ مسلمان ہوئی اور کچھ اپنے مذہب پر قائم رہی اس لئے انھوں نے ان کے متعلق بارگاہِ رسالت سے حکم چاہا کہ کیا برتاؤ کریں اور اس مضمون کا خط لکھ کر روانہ کیا۔ اَمَّا بَعْدُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنِّيْ قَرَءْتُ كِتَابَكَ عَلٰى اَهْلِ الْبَحْرَيْنِ فَمِنْهُمْ مَنْ اَحَبَّ الْاِسْلَامَ وَاَعْجَبَهٗ وَدَخَلَ فِيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهٗ وَبِاَرْضِيْ مَجُوْسٌ وَيَهُوْدُ فَاَحْدِثْ اِلَيَّ فِيْ ذٰلِكَ اَمْرَكَ ۝

---

[1] بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ کی خدمت میں مقوقس شاہِ قبط کی طرف سے (عرض ہے کہ) آپ پر سلام۔ امّا بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں جو کچھ آپ نے ذکر کیا اور جس مذہب کی دعوت دی ہے اُس کو سمجھا اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ ایک نبی باقی ہیں (جو ضرور پیدا ہوں گے) مگر میرا گمان یہ تھا کہ اُن کا ظہور ملک شام میں ہوگا اور میں نے آپکے قاصد کا اعزاز کیا اور دو باندیاں جو قبطیوں میں بڑی صاحبِ مرتبت ہیں مع کچھ کپڑے کے آپ کے لئے ہدیۃً بھیجتا ہوں نیز ایک خچر تاکہ آپ اُس پر سوار ہوں، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔ ۱۲ منہ

[2] بعد حمد و صلوٰۃ یا رسول اللہ میں نے آپ کا والا نامہ باشندگانِ بحرین کو پڑھ کر سُنا دیا تو بعض نے اسلام کو محبوب سمجھا اور پسند کیا اور اُس میں داخل ہو گئے اور بعض نے پسند نہیں کیا۔ اور میرے ملک میں (بقیہ بر صفحہ ۲۷۴)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر کی صلاحیت وسعادت کو بنظرِ عزت دیکھا اور جو
میں یہ والانامہ تحریر فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلَی الْمُنْذِرِ بْنِ سَاوٰی سَ
عَلَیْکَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَ
وَرَسُوْلُہٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اُذَکِّرُکَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّنْصَحْ اِنَّمَا یَنْصَحُ لِنَفْسِہٖ وَاِنَّہٗ مَنْ
یُّطِعْ رُسُلِیْ وَیَتَّبِعْ اَمْرَھُمْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ نَّصَحَ لَھُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِیْ وَاِنَّ رُسُلِیْ قَدْ اَثْنَوْا عَلَیْکَ خَ
وَاِنِّیْ قَدْ شَفَّعْتُکَ فِیْ قَوْمِکَ فَاتْرُکْ لِلْمُسْلِمِیْنَ مَا اَسْلَمُوْا عَلَیْہِ وَعَفَوْتُ عَنْ اَھْلِ الذُّنُوْبِ فَ
مِنْھُمْ وَاِنَّکَ مَھْمَا تُصْلِحْ فَلَنْ نَّعْزِلَکَ عَنْ عَمَلِکَ وَمَنْ اَقَامَ عَلٰی یَھُوْدِیَّۃٍ اَوْ مَجُوْسِیَّۃٍ فَعَ
الْجِزْیَۃُ ۵۱ زمانۂ نبوت میں خطوط ہرن کی جھلی یا اونٹ کی ہڈی وغیرہ پر لکھے جاتے تھے امتدادِ زمانہ
سبب حروف کی صورتوں اور طرزِ کتابت میں بھی کچھ فرق آگیا ہے اس لئے جی چاہا کرتا تھا کہ کہیں وہ
روش نظر آئے تو آنکھوں سے لگالی جائے۔ اتفاق سے یہ والانامہ جو منذر بن ساوی کے نام ہرن کی
پر ارسال ہوا تھا ۱۲۷۵ھ میں کسی فرانسیسی سیاح نے باطراف بلادِ مصر ایک قبطی راہب سے مول لے کر
المعظم امیر المومنین عبد المجید خان عثمانی والیٔ قسطنطنیہ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اُ
والانامہ کو ہمراہ تبرکات نبوی قسطنطنیہ میں محفوظ رکھا اور عکسی فوٹو کی چند کاپیاں اِدھر اُدھر ارسال فرما
چنانچہ مولانا قاضی محمد ایوب صاحب بھوپالی کی وساطت سے اس کا عکس ہندوستان میں بھی پہنچا اور خو
سے ایک نقل بندہ کو بھی مل گئی جسے عام مسلمانوں کو اُس کا نظارہ کرانے کے لئے چربہ لے کر خوبصورت
مع ترجمہ و نقل بخطِ نسخ مروجہ طبع کرا کے علیحدہ شائع کر دیا گیا اور خریداران رسالہ ہٰذا کے لئے اس کو
صرف ۲ کر دیا گیا ہے تاکہ قلب و مکان کو زینت اور آنکھوں کو خنکی و روشنی پہنچانے کا موقع مل سکے۔

(بقیہ ص۲۷۳) مجوس اور یہود آباد ہیں سو اُن کے متعلق میری جانب حکم صادر فرماویں (کہ کیا برتاؤ کروں؟) ۱۲ منہ

۵۱ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے منذر بن ساوی کی جانب (قلمی ہے کہ) سلام علیک میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جس
سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ اور بیشک محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اما بعد میں تمہیں اللہ
وجل کو یاد دلاتا ہوں بیشک جو خیر خواہی کرتا ہے وہ اپنی ہی خیر خواہی کرتا ہے اور جو اطاعت کرتا ہے میرے قاصدوں کی اور حکم مانتا
میری اطاعت کی اور جس نے انکی خیر خواہی کی اس نے میری خیر خواہی کی بیشک میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے اور میں نے تمہاری قوم کی بابت
سفارش قبول کی پس چھوڑ دو مسلمانوں کے لئے (وہ مال خراجت) جس پر وہ ایمان لائے اور میں نے درگذر کی خطاواروں سے
تم بھی قبول کرو اور جب تک تم اصلاح کرتے رہو گے ہم تمہیں تمہارے کام سے معزول نہ کریں گے اور جو شخص یہودیت یا
پر قائم رہے اس پر جزیہ ہونا چاہیئے۔ ۱۲ منہ

باب ۶۲

شاہِ عمّان و حاکمِ یمامہ

چھٹا خط عمّان کے دو بادشاہوں جیفر بن جُلندی اور عبد بن جلندی کے نام لکھا گیا جو باہم حقیقی بھائی تھے اور عمرو بن العاص رض کے ہاتھ روانہ کیا گیا اس کا مضمون یہ تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مِنۡ مُحَمَّدِ ابۡنِ عَبۡدِ اللّٰہِ اِلٰی جَیۡفَرَ وَ عَبۡدِ ابۡنَیِ الۡجُلَنۡدِیۡ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی اَمَّا بَعۡدُ فَاِنِّیۡ اَدۡعُوۡکُمَا بِدِعَایَةِ الۡاِسۡلَامِ اَسۡلِمَا تَسۡلَمَا فَاِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَی النَّاسِ کَآفَّةً لِاُنۡذِرَ مَنۡ کَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الۡحَقُّ عَلَی الۡکَافِرِیۡنَ فَاِنَّکُمَا اِنۡ اَقۡرَرۡتُمَا بِالۡاِسۡلَامِ وَلَّیۡتُکُمَا وَاِنۡ اَبَیۡتُمَا اَنۡ تُقِرَّا بِالۡاِسۡلَامِ فَاِنَّ مُلۡکَکُمَا زَآئِلٌ عَنۡکُمَا وَخَیۡلٌ تَحِلُّ بِسَاحَتِکُمَا وَتَظۡهَرُ نُبُوَّتِیۡ عَلٰی مُلۡکِکُمَا[1] حضرت اُبی رض بن کعب نے یہ خط لکھ کر مُہر لگائی اور حضرت عمرو بن عاص رض کے حوالہ کیا چنانچہ وہ عمّان کی طرف روانہ ہوئے اور پہلے عبد بن جلندی کے پاس پہنچے جو عمر میں گو چھوٹا تھا مگر دُور اندیش اور نرم دل تھا۔ حضرت عمرو رض نے ارشاد فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد بن کر تمہارے اور تمہارے بھائی کے پاس آیا ہوں پس میری سُنو اور سوچ سمجھ کر جواب دو۔ عبد نے کہا کہ میرا بھائی مجھ سے عُمر میں بھی بڑا ہے اور حکومت میں بھی مقدم۔ اِس لئے میں تم کو اُن کے پاس بھیجے دیتا ہوں تاکہ وہ تمہارا خط پڑھیں اور جو مناسب سمجھیں جواب دیں۔ اِس کے بعد دریافت کیا کہ "تمہارا مطلب کیا ہے اور کیا پیام لے کر آئے ہو؟" حضرت عمرو بن عاص نے اتنی گنجائش کو غنیمت سمجھا اور دلبرانہ طرز پر نرم الفاظ میں اس طرح تبلیغ فرمائی کہ "میں تم کو بُلاتا ہوں اللہ وحدہٗ لاشریک کی جانب کہ اس کے ماسوا سب کی عبادت چھوڑ دو اور گواہی دو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندہ اور رسول ہیں"۔

حضرت عمرو رض کے والد عاص بن وائل سے شاہِ عمّان اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ

---

[1] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ کی طرف سے جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد کی طرف (پیام ہے کہ) سلام اُس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔ امابعد میں تم دونوں کو بُلاتا ہوں اسلامی دعوت سے مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے۔ پس بیشک میں اللہ کا پیغمبر ہوں تمام لوگوں کی جانب تاکہ ڈراؤں اُس کو جو زندہ ہے اور ثابت ہو حق کافروں پر، سو بیشک اگر تم دونوں نے اقرار کرلیا اسلام کا تو میں تم کو بحال رکھوں گا تمہارے مُلک پر اور اگر انکار کیا اسلام کا اقرار کرنے سے تو بلاشبہ تمہارا ملک جاتا رہنے والا ہے اور گھوڑے تمہارے میدان میں حملہ کرتے (نظر آئیں گے) اور میری نبوت تمہاری سلطنت پر غالب آکر رہے گی۔ ۱۲ منہ

اپنی قوم قریش کے سرداروں میں شمار ہوتا ہے اس لئے دریافت کیا کہ ملے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے
ہو بتاؤ تمہارے باپ کا محمدؐ کے متعلق کیا خیال رہا؟" حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ وہ ایمان نہیں لایا اور
بحالتِ کفر میں مر گیا۔ مگر آج میری تمنا یہی ہے کہ کاش وہ حضرتؐ پر ایمان لے آتا اور میں بھی اپنے باپ
ہم خیال تھا مگر الحمد للہ کہ مجھ کو ہدایت اور اسلام کی توفیق ہوئی۔ عبد نے کہا کہ تم نے محمدؐ کا اتباع کہ
اور کہاں کیا؟ انھوں نے کہا کہ تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے کہ حبشہ میں شاہِ حبش حضرت اصحمہ کے ہاتھ
مسلمان ہوا ہوں۔ شاہِ عمان کو نجاشی کے مسلمان ہو جانے پر تعجب ہوا اور پوچھا کہ نجاشی کی قوم نے اپنے باد
کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ سب بدستور مطیع رہے اور اپنے بادشاہ کے طریقہ کو اختیار
کرتے چلے گئے۔ عبد نے کہا کہ کیا علماء و صوفیائے نصاریٰ نے بھی کچھ مخالفت نہیں کی؟ حضرت عمر
نے جواب دیا کہ نہیں وہ بھی موافق رہے اور نبیِ عربی پر ایمان لے آئے۔ شاہِ عمان یہ سنکر مت
ہو گیا اور کہا کہ "اے عمر! ذرا سنبھل کر کہو دیکھو شریف آدمی کے لئے جھوٹ سے زیادہ کوئی خصلت
رسوا کُن نہیں ہے" حضرت عمروؓ نے فرمایا کہ بیشک جھوٹ بُری چیز ہے، نہ میں جھوٹ بولتا ہوں
اور نہ جھوٹ بولنا اپنے مذہب میں جائز سمجھتا ہوں واقعی بات یہی ہے جو بیان کر رہا ہوں۔ یہ سُن
عبد ابن جلندی نے کہا غالباً ہرقل شاہِ روم کو اپنے ماتحت صوبہ کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع
ہوئی ہو گی ورنہ ضرور کوئی گُل کھلتا۔ عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ خبر کیوں نہیں ہوئی۔ ہرقل اس قصہ سے خو
مطلع ہو چکا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ شاہِ حبش شاہِ روم کو جو خراج ادا کیا کرتا تھا وہ مسلمان ہونے کے
بند کر دیا اور کہا کہ واللہ اب اگر ایک درہم بھی مانگے گا تو ہرگز نہ دوں گا۔ کسی نے یہ خبر ہرقل کو جا پہنچائی اور
اس کے بھائی نیاق نے غضبناک ہو کر بھائی کو بھڑکایا بھی کہ کیا حبشی غلام کو اس حالت پر چھوڑ دیا جا
گا کہ وہ آپ کو خراج بھی ادا نہ کرے اور آپ کے مذہب کو چھوڑ کر نو پیدا دین کا معتقد بن جائے تو ہرقل
نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہر شخص مختار ہے کہ اپنے لئے جو مذہب چاہے پسند کرے میں اس کا کیا کر سکتا
ہوں اور واللہ اگر سلطنت کی محبت نہ ہوتی تو میں بھی وہی کرتا جو نجاشی نے کیا۔

عبد بن جلندی نے یہ کلمہ سُن کر حیرت کے ساتھ حضرت عمروؓ کو دیکھا اور کہا کہ دیکھو دیکھو اے عمرو
کیا کہتے ہو؟ حضرت عمرو بن العاص نے قسم کھائی اور فرمایا کہ قسم ہے حق سبحانہٗ کی میں جو کچھ کہہ رہا ہوں
کہہ رہا ہوں۔ حضرت عمروؓ کی اس گفتگو کا عبد بن جلندی پر بہت کچھ اثر ہوا اور اس خیال کہ دعوتِ
محمدیہ کا آوازہ حبش و روم میں گونج چکا ہے۔ مذہبِ اسلام کی عظمت شاہ عمان کے دل میں بیٹھتی چلی
گئی، آخر اُس نے کہا کہ اچھا اے عمرو! تمہارے پیغمبر کس کام کا حکم دیتے اور کن باتوں سے منع کر

؟ عمرو بن عاص رضؓ نے جواب دیا کہ سب سے اوّل اللہ عزّ وجلّ کی اطاعت کا امر فرماتے اور اُس کی نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ نیکوکاری وصلہ رحم کی تاکید فرماتے اور ظلم و زیادتی سے روکتے، زناکاری اور شراب خواری سے منع کرتے اور پتھروں، مورتوں اور صلیب کی پرستش کی ممانعت فرماتے ہیں۔ شاہِ عمان یہ نصائح سُن کر مسرور ہوا اور بے اختیار کہہ اُٹھا کہ کیا عجیب و مرغوب احکام ہیں جن سے کسی صاحب عقل کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اے کاش میرا بھائی بھی اِس مضمون میں میری موافقت کرے تو ہم دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں مگر میرے بھائی کو سلطنت سے محبت ہے اِس لئے امید نہیں کہ اس کا چھوڑنا گوارا کرے۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا کہ ایسا خیال نہ کیجئے مذہب اسلام اور سلطنت میں منافات نہیں ہے اگر وہ اسلام لے آئے تو بدستور مُلک پر قائم رکھے جائیں گے البتہ زکوٰۃ و عُشر وغیرہ کے کچھ حقوق کا مطالبہ ہوگا جو آپکے اُمراء سے وصول کیا جائے گا اور آپ ہی کے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اِس کے بعد اُنھوں نے نامی صدقات کی تفصیل بیان کی اور عبد بن جُلندی نے عمرو بن عاص رضؓ کو یہ کہہ کر رُخصت کر دیا کہ میں مناسب موقع دیکھ کر بھائی صاحب سے تذکرہ کروں گا تم چند روز توقف کرو اور کبھی کبھی مجھ سے ملتے رہو۔

حضرت عمرو رضؓ وہاں ٹھہرے اور عبد نے اپنے بھائی جیفر سے وقتاً فوقتاً اس کا تذکرہ کرنا شروع کیا، آخر ایک دن عربی قاصد کو جیفری دربار میں بُلا بھیجا اور حضرت عمروؓ نے مُہر کردہ خط جیفر کے حوالہ کیا جیفر نے والانامہ اوّل سے آخر تک پڑھا اور اپنے بھائی عبد کے ہاتھ میں دے کر قاصد سے دریافت کیا کہ قریش اور دیگر قبائلِ عرب کا اُن کے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا کہ بعض نے برضا و رغبت اتباع کر لیا ہے اور بعض نے تلوار کے خوف سے گردن جھکائی ہے اور اکثر نے تو اپنی اپنی سمجھ کے موافق اللہ کی ہدایت کو مان ہی لیا ہے اور اس نواح میں بجز آپکے کوئی نہ رہا جس نے ضلال پر ہدایت کو ترجیح نہ دی ہو۔ اِس لئے مناسب ہے کہ آپ بھی اسلام قبول کریں اور اگر آج آپ نے انکار کیا تو یاد رکھئے کہ بہت جلد جنگی گھوڑے اِس میدان میں ہنہناتے دکھائی دیں گے جو سبزہ کو پامال اور کھیتی کو برباد کر کے چھوڑیں گے اور اگر آپنے پیغمبر خدا کی دعوت کو قبول کر لیا تو مجھے اُمید ہے کہ اپنی حکومت پر بحال رکھے جائیں گے اور کوئی گزند کسی قسم کا نہ پہنچے گا۔ جیفر نے یہ تقریر سُنکر قاصد کو واپس کیا اور کہدیا کہ آج مجھے غور کرنے کی مُہلت دو اور کل آؤ تاکہ جواب فیصل دیدوں۔ چنانچہ حضرت عمرو رضؓ وہاں سے لوٹ کر عبد بن جُلندی کے گھر آئے اور عبد نے اطمینان دلا دیا کہ آج کی گفتگو سے اُمیدِ بہبودی معلوم ہوتی ہے اگر بھائی صاحب نے مُلک کی زیادہ حرص نہ کی تو توقع ہے کہ ضرور مسلمان ہو جائیں گے۔ آخر اگلا دن ہوا تو حضرت ابن العاص جیفری دربار کی طرف چلے مگر چوبداروں نے روک دیا اور باریابی نہ ہوئی اِس لئے

پھر عبد کے پاس آئے اور صورتِ حال بیان کی، تب عبد نے اُن کو اجازت دلوائی اور جیفر بن جلندی نے جواب دیا کہ "بلاجدال وقتال اپنا ملوکہ مال کسی شخص کے حوالہ کر دینا بڑی کمزوری کی علامت ہے اور اگر اس میدان میں جنگ ہوئی تو وہ کوئی معمولی جنگ نہ ہوگی"

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یہ گفتگو سن کر جیفر کے ایمان سے مایوس ہوئے اور یہ کہہ کر وہاں سے واپس ہوگئے کہ "بہتر ہے میں کل کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا" جیفر کو جب یقین آ گیا کہ راست گو قاصد کل کو روانہ ہو جائے گا اور اب جنگ کا ہولناک منظر قسمت کا فیصلہ کرے گا تو اپنے بھائی عبد کو خلوت میں لے گیا اور دیر تک اِس موضوع پر گفتگو کرتا رہا کہ مدعیِ نبوت کے ساتھ جن کی ہیبت سلاطینِ روم وحبش کے دلوں پر بیٹھ چکی ہے، ہمیں کیا برتاؤ کرنا چاہیئے؟ آخر اتباع ہی میں بہبودی دیکھ کر حضرت ابن العاص رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بُلایا اور دونوں بھائیوں نے متفق اللفظ ہو کر اپنے اسلام کا اظہار کر دیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کے ہر فیصلہ وحکم پر بخوشی راضی ہیں چنانچہ حضرت واپس ہوئے اور حضرت ؐ کو اس کی اطلاع دے کر مسرور بنایا۔

ساتواں خط یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی کے نام لکھا گیا اور حضرت سلیط بن عمرو عامری کے ہاتھ روانہ ہوا اس کا مضمون یہ تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ[1] مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى هَوْذَةَ ابْنِ عَلِيٍّ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاعْلَمْ اَنَّ دِيْنِيْ سَيَظْهَرُ اِلٰى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ فَاَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاَجْعَلْ لَكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ"

حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے یمامہ پہنچ کر والا نامہ ہوذہ کے حوالہ کیا اور منتظرِ جواب ہو کر قیام فرمایا۔ ہوذہ نے ان کی خوب عظمت کی، خلعتِ فاخرہ دیا اور ہجر کی بیش قیمت مصنوعات کا حلّہ دے کر والا نامہ کا جواب بایں مضمون لکھ کر واپس کیا کہ جن باتوں کی طرف آپ بُلاتے ہیں ان کے پیارے اور مستحسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے مگر آپ کو معلوم ہے کہ اہلِ عرب مجھ کو بڑی عظمت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اُن کے دلوں میں میری ہیبت بیٹھی ہوتی ہے اِس لئے ملک کا کچھ حصہ بانٹ لیجئے اور مخصوص اختیارات میرے حوالے کر دیجئے، تب میں آپ کا اتباع کر لوں گا۔

---

[1] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ؐ کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف (پیام ہے کہ) سلام اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا اور معلوم کر لو کہ میرا دین عنقریب ظہور پائے گا جہاں تک بھی اونٹ اور گھوڑے پہنچ سکیں۔ پس اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے اور جو کچھ تمہارے قبضہ میں ہے بحال رکھوں گا۔ ۱۲ منہ

حضرت سلیطؓ یمامہ سے روانہ ہوئے اور حُلّہ و خلعت جو کچھ ملا تھا حضرتؐ کے سامنے رکھ کر خط حوالہ اور صورتِ حال بیان کر دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط دیکھ کر یوں ارشاد کیا کہ "ایک پورے برابر زمین بھی مانگے گا تو نہیں مل سکتی۔ وہ اور اُس کا مال و متاع غنقریب تباہ ہونے والا ہے"۔ چنانچہ جس وقت آپ فتح مکّہ کے سفر سے واپس ہوئے، جبریلِ امین نے وحی پہنچا کر اطلاع دی کہ ہوذہ دنیا کو چھوڑ گیا اور راہیِ مُلکِ بقا ہوا۔ حضرتؐ نے اس کی اطلاع صحابہ کو دی اور یہ بھی فرمایا کہ یمامہ میں ایک جھوٹا مدّعیِ نبوت پیدا ہوگا جو میرے بعد قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ مسیلمہ کذّاب کا وجود جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اِس پیشین گوئی کا مصداق ہوا اور خلافتِ صدّیقی میں حضرت وحشی رضؓ کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ ہوذہ کے پاس ایک نصرانی المذہب دمشقی عالم رہتا تھا اس سے ہوذہ نے مشورہ لیا اور والانامہ و دعوتِ اسلام کا قصّہ بیان کیا تھا۔ اُس نے اِس کو نصیحت کی تھی کہ تمھاری فلاح اِسی میں تھی کہ اطاعت کرتے کیونکہ محمدؐ ہی وہ نبیِ عربی ہیں جن کی بشارت سیّدنا عیسیٰ بن مریمؑ نے دی ہے اور ہمارے پاس انجیل میں صاف لکھا ہوا ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، مگر چونکہ ہوذہ کی تقدیر میں ایمان نہ تھا اس لئے وہ صرف اِس واہمہ سے کہ مُلک ہاتھ سے جاتا رہے گا اور دب کر رہنا پڑے گا، نعمتِ اُخرویہ سے محروم رہا۔

آٹھواں خط حُدیبیہ سے واپسی کے وقت غوطہ دمشق کے حاکم حارث بن الشمر غسانی کے نام لکھا گیا جس کو لے کر حضرت شجاع بن وہب روانہ ہوئے، اس کا مضمون یہ تھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى الْحٰرِثِ بْنِ اَبِيْ شِمْرٍ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِهٖ وَصَدَّقَ وَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ اِلٰى اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَبْقٰى لَكَ مُلْكُكَ ۝"[1]

نواں خط جبلہ بن ایہم غسانی کے پاس شجاع بن وہب کے ہاتھ بھیجا گیا۔ اور دسواں والانامہ یمن کے بادشاہ حرث بن عبد کلال حمیری کے نام لکھا گیا جس کو لے کر مہاجر بن ابی اُمیّہ مخزومی روانہ ہوئے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ملکِ عرب میں شعر و شاعری اور علمِ انساب کا چرچا نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا مگر یہ سب محض زبانی تھا جس کا مدار صرف حافظہ اور گویائی پر تھا اور تحریر کا رواج مطلق نہ تھا بلکہ حروف کی کوئی صورت بھی نہ جانتا تھا کہ الف۔ با۔ تا کی شکل کیا ہے اور کتابت کس کو کہتے ہیں؟

---

[1] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہؐ کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی طرف (پیام ہے کہ) سلام اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا اور اس پر ایمان لایا اور تصدیق کی، اور میں تم کو بلاتا ہوں اس امر کی جانب کہ ایمان لاؤ اس پر جو یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں تمھارا ملک تمھارے لئے بحال رہے گا۔ ۱۲ منہ

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اشخاص جنھوں نے کتابتِ نسخ کے فن کی بنیاد ڈالی قبیلۂ بنی طلحہ کے تین افراد ہیں جن کے نام مرامر، اسلم اور عامر ہیں اُنھوں نے قدرتی ذکاوت کی بنا پر یکجا جمع ہو کر حرفوں کی شکل اور وضع قرار دی اور حروفِ تہجّی اس ترکیب سے مقرر کئے جس طرح سُریانی زبان میں تھے جب یہ لوگ اپنے کام سے فارغ ہو چکے اور نقوش و صُوَرِ حروف کے ساتھ ان کی باہمی ترکیب پر قابو ہو گیا تو باشندگانِ حیرہ نے اِس فن کو اُن سے سیکھا۔ حیرہ والوں کا ایک شاگرد جس کا نام بشیر بن ولید تھا اور دومۃ الجندل کا رئیس تھا بغرض زیارتِ کعبہ یا اور کسی ضرورت سے مکہ آیا تو ابو سفیان بن حرب سے جو امیر معاویہؓ کے والد تھے مِلا ابوسفیان نے فنِ کتابتِ عربی کے سیکھنے کی بشیر سے درخواست کی۔ چنانچہ ابوسفیان اور ابوقیس بن عبد مناف دو شخص مکہ میں بشیر کے شاگرد بنے۔ بشیر تو لکھنا سکھا کر چلا گیا اور ان دونوں نے اہلِ طائف کو جہاں بغرض تجارت ان کی آمد و رفت رہتی تھی تحریر سکھائی اور اس طرح پر فنِ کتابت عرب میں رائج ہوتا رہا۔

ملک مصر اور شام میں بھی بہت لوگ بشیر بن ولید کے شاگرد بنے مگر اہلِ عرب چونکہ اپنی ہٹ کے پکّے اور قلم کے محتاج ہونے سے غیر مانوس تھے اِس لئے بہت ہی سُست رفتار پر چلے اور کتابت کی تعلیم و تعلم کو زیادہ قدر کی نظر سے نہیں دیکھا تاہم جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو قبیلۂ قریش میں سترہ ۱۷ شخص صاحبِ قلم موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عثمان بن عفانؓ اور ابو عبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

قریش کے علاوہ دیگر قبائل جو عرب میں آباد تھے رفتہ رفتہ وہ بھی اِس فن کو سیکھتے گئے اور اِس طرح حجاز کے اکثر قبیلوں میں اِس کا رواج ہو گیا۔ چنانچہ مدینۂ منوّرہ میں بھی اسلام سے پہلے تحریر کا رواج تھا اور انصار اپنے ان قصائد و اشعار کو بذریعۂ کتابت قلم بند کرنے لگے تھے جو اَب تک حافظ اور زبان پر تھے اِس فنِ کتابت سے سلسلۂ علم کے بقا کا وہ ذریعہ اہلِ عرب کے ہاتھ آگیا جس نے ان کی زبانی روایتوں کو محفوظ بنا کر دُور کے زمانوں اور مقامات میں پہنچا دیا۔ آغازِ اسلام یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو تحریری سرمایہ مسلمانوں کا مایۂ ناز ہے وہ قرآن مجید کی متفرق آیات و سُورتیں صلحِ حدیبیہ کے معاہدے وغیرہ اور وہ خطوطِ مسطورہ ہیں جو بارگاہِ رسالت سے سلاطینِ عالم کی طرف بھیجے گئے مگر بعد میں اِس فن کی بدولت جو نعمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی وہ ایسی باعظمت ہے کہ گویا اس کے بغیر ان کو اسلام کا پہنچنا ہی ناممکن تھا۔ چنانچہ زمانۂ صدّیقی میں جمع قرآن اور اُس کی کتابت اور خلافتِ فاروقی و عثمانی میں اس کی جامع مانع تدوین مسلمانانِ ہند و فارس و روم و روس وغیرہ اس بارِ احسان سے

مت تک سُبکدوش نہ ہونے دے گی اور خلفاءِ بنی اُمیّہ وعبّاسیہ کے دور میں تو جو کچھ اس کے پھل پھول
لے اُس کا پتہ اُن عظیم الشان شاہی کتب خانوں سے چلتا ہے جن میں ہر فن اور ہر علم کی کتابیں بخطِ نسخ لکھی
ی پائی گئیں اور جس کی بنا پر وہ بے بہا اور بھرپور اسلامی علمی سرمایہ اپنی نُدرت وکثرت کے اعتبار سے
لم اقوام میں ضربُ المثل بنا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ امّتِ محمدیہ مذہبی علم
علاوہ جملہ فنونِ نافعہ کی معدن ومنبع بنے اِس لئے اس کا ذریعہ بعثتِ محمدیہ سے چند سال قبل پیدا
ایا اور یہ شرف بھی جس کے احسان سے قیامت تک آنے والی نسلیں سرنگوں ہیں باشندگانِ مکہ میں قریش ہی کے
الا گیا کہ وُہی اُستاذِ کُل اور معلّمِ اوّل قرار پاویں۔

چونکہ زمانۂ نبوّت کی روشِ کتابت بھی جُدا تھی اِس لئے وہ طرز دکھانے کے لئے حضرت منذر بن ساوی
کے نام والا نامہ کی نقل ہدیۂ ناظرین کر کے اِس حصّہ کو ختم کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله الى المنذر بن ساوى
سلام عليك فانى احمد الله اليك الذى لا اله غيره و
اشهد ان لا اله الا الله و ان محمد عبده ورسوله اما
بعد فانى اذكرك الله عزوجل فانه من ينصح فانما ينصح
لنفسه و انه من يطع رسلى ويتبع امرهم فقد اطاعنى ومن نصح
لهم فقد نصحنى وان رسلى قد اثنوا عليك خيرا وانى قد
شفعتك فى قومك فاترك للمسلمين ما اسلموا عليه وعفوت عن اهل
الذنوب فاقبل منهم وانك مهما تصلح فلن نعزلك عن عملك
ومن اقام على يهودية او مجوسية فعليه الجزية

گو اس نقل میں پورا نمونہ جو فوٹو کے چربہ میں ہے نہیں آیا تاہم درستی حروف کے ساتھ پوری کوشش
کی گئی ہے کہ نقل میں اصل کی جھلک صاف نظر آجائے۔ حق تعالیٰ بندہ کی اِس خدمت کو قبول فرماوے
اور توفیق بخشے کہ حصّۂ سوم جس میں دو سالِ نبوی تک کے حالات درج ہوں گے، پورا ہوجاوے جس کا
مدتہائے دراز سے مسلمانوں کو انتظار ہے اور میں بھی اس کو اپنا زندگی کا کارنامہ وصدقہ جاری قرار
دینے کا اُمّیدوار ہوں۔ آمین آمین بجاہِ سیّدِنا ومولٰنا شفیعِ المذنبین وبحرمۃِ نبیّہِ الامینِ
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

فہرست مضامین تاریخ اسلام

اسلام

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق
مستند اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات پر
مشتمل مکمل ترین کتاب

حصہ سوم

تالیف

مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رح

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل میکلوڈ روڈ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ سوم

باب ۱۳ — ۷ھ

سرایا اور عمرۃ القضا

فتح خیبر کے بعد آخر ماہ شوال تک آپ نے مدینہ میں قیام فرمایا اور مختلف سرایا اپنے صحابہ کی ماتحتی میں اِدھر اُدھر روانہ کئے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں چند صحابہ کا لشکر نجد کی جانب قبیلۂ بنی فزارہ کے مقابلہ میں بھیجا گیا جو فتح مند و منصور واپس ہوا۔

دوسرا سریہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تین ۳۰ سواروں کا ہوازن کی جانب بھیجا گیا مگر ہوازن اِس کی اطلاع پاتے ہی وطن چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اِس لئے اسلامی لشکر نے وہاں پہنچکر جب کسی کو بھی نہ پایا تو واپس ہوا اور گو راہبر نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی ترغیب دی کہ چلتے چلاتے قبیلۂ خثعم پر حملہ کرتے چلیں جو اُس وقت خشک سالی سے بدحال اور قحط زدہ ہونے کے سبب کمزور بنے ہوئے ہیں مگر حضرت فاروق رضہ نے گوارا نہیں کیا اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت پر مامور نہیں فرمایا اور بلا اجازت رسالت پناہ مجھ کو قدم اُٹھانا پسند نہیں ہے۔

تیسرا سریہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضہ کی ماتحتی میں تین ۳۰ سواروں کا بشیر بن دارام یہودی کی جانب بھیجا گیا اِس لئے کہ اُس نے بھی غطفان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر بھڑکایا تھا چنانچہ اسلامی لشکر خیبر میں داخل ہوا اور بشیر کو مع تین ۳۰ یہودیوں کے جن میں ہر یہودی کے ساتھ اونٹ پر ایک مسلمان سوار تھا مدینہ لے چلے تاکہ حضرت خود ہی جو مناسب تصور فرماویں فیصلہ فرماویں راستہ میں مقام قرقرہ پر جو خیبر سے چھ ۶ میل ہے بشیر کی نیت بگڑی اور اُس نے اپنے ردیف حضرت عبد اللہ رضہ بن انیس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ حضرت عبد اللہ اس کی بدنیتی سے آگاہ ہو گئے اور اونٹ کو ایڑ لگا کر قوم کو آواز دی کہ "جلد چلیں اور ہوشیار رہیں"۔

بشیر چونکہ موقع کا منتظر تھا اِس لئے حضرت عبد اللہ بھی ہوشیار رہے مگر آخر دونوں میں جنگ

ہوئی جس میں بشیر کا پاؤں کٹ گیا اور حضرت عبداللہ کے دماغ میں زخم آیا یہودی کی بدعہدی و غدر دیکھ کر مسلمانوں سے ضبط نہ ہو سکا اور ہر ایک نے ردیف کو قتل کر دیا۔ الغرض سارے یہودی مارے گئے اور بجز ایک شخص کے جو باندھا ہوا بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا، کوئی نہ بچا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس کے زخم پر لعابِ مبارک لگایا جس نے مرہم اکسیر کا کام دیا اور پھر مدت العمر اُن کے سر میں نہ کبھی درد ہوا نہ ورم۔

چوتھا سریہ حضرت بشیر بن سعد انصاری کی ماتحتی میں تیس۳۰ صحابہ کا بجانب فدک بنی مرّہ کے مقابلہ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے اور مویشی جو جنگل میں چر رہے تھے اپنے قبضہ میں کر کے مدینہ کا رُخ کیا۔ بنی مرّہ کو اپنی بکریوں اور اونٹوں کا ایسی سہولت کے ساتھ دشمنوں کے حوالہ کر دینا کب گوارا ہو سکتا تھا اس لئے اطلاع پاتے ہی نکل پڑے اور آخر رات کے وقت اسلامی لشکر تک پہنچ گئے مسلمانوں نے دیکھا کہ دشمن سر پر آ پہنچا تو ٹھہر گئے اور تیروں کی بوچھار شروع کر دی یہاں تک کہ تیر ختم ہو لئے اور بعض مسلمان خالی ہاتھ ہو جانے کے سبب وہاں سے چل دیئے۔ صبح ہوئی تو حضرت بشیر نے جنگ شروع کر دی مگر دشمن کی تعداد زیادہ تھی اس لئے اکثر مسلمان شہید ہوئے اور بنی مرّہ اپنے مویشی لے کر چل دیئے۔ حضرت بشیر بھی تھوڑی دیر کے بعد فدک کی طرف روانہ ہوئے اور چند روز وہاں قیام فرمایا یہاں تک کہ جب زخم اچھے ہو گئے تو روانہ ہوئے اور بخیریت مدینہ منوّرہ آ پہنچے۔

پانچواں سریہ قبیلہ جہینہ کے حُرقات کی جانب روانہ ہوا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے یہ غلطی کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے شخص یعنی نہیک بن مرداس کی نیت کو تقیہ پر محمول کر کے قتل کیا، اسی واقعہ میں ہوئی۔ جس کو سنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے اور بار بار فرمایا کہ اے اسامہ! تمہارا کون ساتھ دے گا جب کہ قیامت کے دن کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے مناظرہ ہوگی۔ یہانتک کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے یہاں تمنا تو یہ کی کہ کاش آج اسلام لایا ہوتا کہ مسلمان بن کر اس غلطی کا مرتکب نہ ہوتا اور آئندہ کے لئے عہد کیا کہ کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کو قتل کروں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو خاطر خواہ فتح حاصل ہوئی اور ہر مسلمان کے حصّہ میں دس۱۰ اونٹ کے برابر غنیمت حاصل ہوئی۔

چھٹا۶ سریہ حضرت غالب بن عبداللہ کلبی کی ماتحتی میں قدید کی جانب بنی الملوح کے مقابلہ کو بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ بے خبری میں شب کے وقت دشمن پر چھاپہ ماریں۔ چنانچہ حضرت غالب روانہ ہوئے اور قدید کے قریب پہنچکر حارث بن مالک لیثی سے ملے جو مسلمان ہونے کی نیت سے نکلے تھے،

حضرت غالب نے اُن کو گرفتار کر لیا اور یہ فرما کر "ہم کو احتیاط کی بہت ضرورت ہے پس اگر اسلام کا شوق تمہا سچا ہے تو ایک دن رات بندھا رہنا تم کو کچھ مُضر نہ ہوگا" اُن کی مشکیں باندھ کر ایک شخص کے حوالہ کر دیا اور تاکید فرمادی کہ اگر بدنیتی دیکھو تو فوراً گردن اُڑا دینا۔ اس کے بعد آگے بڑھے اور جب بطنِ عصر قدید کی حد میں داخل ہو گئے تو حضرت جندب بن مکیث جہنی آبادی کے متصل ٹیلہ پر جاسوس بنا کر اس لئے بھیجے گئے کہ دشمن کی تعداد اور حالت کا پتہ چلائیں۔ چنانچہ حضرت جندب ٹیلہ پر چڑھے چونکہ شام کا وقت تھا اور آفتاب غروب نہ ہوا تھا اس لئے ایک دشمن نے دیکھ پایا اور محض اس گمان پر کہ کوئی دشمن معلوم ہوتا ہے تیر کھینچ مارا جو حضرت جندب کے پہلو میں آکر بیٹھ گیا مگر انھوں نے اُف نہ کی اور آہستہ سے اُس کو نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ دشمن نے پھر دوسرا تیر مارا اور وہ اُن کے شانہ میں لگا مگر اس پر بھی انھوں نے حرکت نہ کی اور نکال کر اُس کو بھی پاس رکھ لیا۔ دشمن نے یہ سمجھ کر کہ آدمی ہوتا تو گرتا یا بھاگ جاتا، نظر کو شبہ ہوا ہے خاموشی اختیار کی اور بی بی سے یہ کہہ کر کہ صبح کو میرے تیر ڈھونڈھ لائیو اپنے کام میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ جب تہائی رات گذری اور سب اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر عالمِ خموشاں میں آبسے تو آوازِ تکبیر بلند ہوئی اور دفعۃً اسلامی لشکر نے حملہ کر دیا جس پر قدرت پائی قتل کیا اور مویشی وغیرہ جو ہاتھ لگے لیکر وہاں سے چلدیئے۔ راستہ میں حارث بن مالک کو جنھیں قیدی بنا کر ایک صحابی کی حراست میں چھوڑا تھا ساتھ لیا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مدینہ کا رُخ کیا۔

بنی الملوح نے اپنے دشمن کی یہ جرأت دیکھی تو غصہ میں بیتاب ہو گئے اور اسی سراسیمگی میں گروہ گروہ تعاقب کے لئے نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ چند میل پر مسلمانوں کو پکڑ لیا اور صرف ایک جنگل کا فصل رہ گیا جو قدرتی نشیب کے سبب سیل بنا ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مسلمانوں کا حامی فضلِ خداوندی نہ ہوتا تو بنی الملوح کی جماعت سب کو قتل کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ تھی مگر حق تعالیٰ کو نجاتِ موسویؑ کا دکھانا منظور تھا اس لئے جس وقت اسلامی لشکر سیل میں پہنچا تو دفعۃً پانی کا سیلاب آیا جس نے دشمنوں کے پاؤں پکڑ لئے کیونکہ ادھر مسلمان اس نشیب کو باطمینان قطع کر رہے تھے اور اُدھر بنو ملیح بنظرِ حسرت پیاس کھڑے ہوئے ان کو تکتے تھے نہ اِتنی ہمت تھی کہ تیز رَو میں قدم ڈالیں اور نہ غیرت و غصہ تقاضا کرتا تھا کہ بے نیل مرام واپس ہوں۔ آخر اسلامی لشکر سالماً غانماً مدینہ پہنچ گیا اور بنو ملیح کے ہاتھ نہ کوئی مسلمان آیا نہ اُن کے چھنے ہوئے مال کا کوئی حصہ۔

چند روز بعد حسیل[1] بن نویرہ خبر لایا کہ یمن و غطفان اور حیان و عیینہ مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریا

---

[1] یہ شخص سفرِ خیبر میں اسلامی لشکر کا راہبر بنایا گیا تھا یہ ساتواں سریہ ہوا۔ ۱۲ منہ

کر رہے ہیں اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اس کی روک تھام کی جائے۔ چنانچہ آپ نے اہل الرائے صحابہ کو جمع فرما کر مشورہ کیا اور حضرت بشیر بن سعد کو تین سو مسلمانوں کا سپہ سالار بنا کر حبیل بن نویرہ ہی کی رہبری میں خیبر کی طرف روانہ فرمایا تاکہ دِنوں چھپتے اور راتوں چلتے۔ باغی جماعتوں تک اچانک پہنچیں اور موقع پا کر جُنِّن نذیر چھاپہ ماریں، چنانچہ یہ لوگ روانہ ہوئے اور منزلِ مقصود پر پہنچے۔

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے حکمِ نبوی کی پوری تعمیل کی اور صبح ہوتے دشمنوں کے مویشیوں پر جو آبادی سے باہر پڑے ہوئے تھے جا قبضہ کیا۔ دشمنوں کو خبر ہوئی تو بھاگ نکلے اور تتر بتر ہو کر ادھر اُدھر جا چھپے چنانچہ اسلامی لشکر آبادی میں داخل ہوا تو گھروں کو خالی اور بلا مکین کے پایا اس لئے مویشی لیکر واپس ہوئے۔ مقامِ سلاح پر پہنچے تھے کہ عیینہ کا جاسوس نظر پڑ گیا اس لئے اُس کو مار ڈالا مگر اُن کو خبر نہ تھی کہ عیینہ کی جماعت بھی قریب ہی پڑی ہے کیونکہ آگے بڑھے تو دفعۃً دشمنوں کی جماعت سے مُٹھ بھیڑ ہو گئی اور ہولناک جنگ سے بہادروں کے حوصلے نکلنے شروع ہو گئے۔

حق تعالیٰ کی غیبی نصرت جس نے ہمیشہ مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ چونکہ یہاں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے قدم چومنے کو موجود تھی اس لئے چند ہی گھنٹے میں فتح کے آثار نمودار ہو گئے اور باغیوں کے دلوں میں ایسا رُعب چھایا کہ سب بھاگ نکلے یہاں تک کہ خود عیینہ جو لشکر کا سردار اور نبرد آزما پہلوان کہلاتا تھا گھوڑے پر ایڑ لگائے بدحواس بھاگتا اور کہتا جاتا تھا کہ "ٹھہرنے کا کام نہیں پیچھے سے دشمن پکڑنے کو چلا آرہا ہے" مسلمانوں نے دشمنوں کی یہ بدحواسی دیکھی تو تعاقب کیا اور مال واسباب کے علاوہ دو آدمیوں کو گرفتار کر کے مدینہ کا رُخ کیا۔ غرض بعافیت تمام اپنے وطن پہنچے اور مالِ غنیمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا۔ دونوں گرفتاران بلا قیدی چونکہ مسلمان ہو گئے، اس لئے رہا کر دیئے گئے اور مال واسباب تقسیم ہو کر مجاہدین کے قبضہ و تصرف میں آیا۔

اس کے بعد آپ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ جشم بن معاویہ کا سردار رفاعہ بن قیس ایک بڑی جماعت لیکر غابہ میں مقیم ہے تاکہ بنی قیس کی عداوت کو مشتعل کر کے مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ کرے اس لئے آپ نے حضرت ابو حدرد اسلمی کو بلایا اور صرف دو مسلمان صحابہ کو ساتھ کر کے ارشاد فرمایا کہ بنام خدا جاؤ اور رفاعہ کی پوری اطلاع لیکر آؤ کہ کیا کر رہا ہے۔ چنانچہ تینوں حضرات ایک دبلی اونٹنی پر جو لاغری کے سبب اُٹھ بھی نہ سکتی تھی روانہ ہوتے۔ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ یا تو چلتے وقت اُس اونٹنی کو بمشکل لوگوں نے اُٹھایا تھا اور یا غروبِ آفتاب سے قبل اس نے تینوں مسلح سپاہیوں کو منزلِ مقصود پر پہنچا بھی دیا۔ چنانچہ حضرت ابو حدرد اُترے اور اپنے دونوں

رفیقوں کو پہاڑی ٹیلہ کی اوٹ میں چھپ بیٹھنے کی بایں الفاظ نصیحت فرماکر کہ "جس وقت تکبیر کہوں تم فوراً میرا ساتھ دینا" خود بھی ایک کمین گاہ میں چھپ رہے۔

رات ہوگئی اور شب کی تاریک چادر نے پہاڑی ریگستانی کو ڈھانپ لیا۔ طیور اپنے آشیانوں میں آرام کرنے لگے اور عشاء کے قریب چار طرف سناٹا چھا گیا۔ ابو حدّاد اِس انتظار میں کہ وقت ملے تو اپنا کام بناؤں تاک لگائے بیٹھے تھے کہ کسی آنے والے کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی اور اُنھوں نے ہوشیار ہوکر اپنی تیز نگاہ سے اُس کا تعاقب کیا۔

اِن کو خبر نہ تھی کہ جس شکار کی طمع میں گھر سے نکلے ہیں اس کو موت کا لاسہ ان کے پاس ہی کھینچے لا رہا ہے اور وہ رفاعہ جس کی اطلاع لانے کو مامور ہوئے ہیں قتل ہونے کے لئے کشاں کشاں چلا آرہا ہے اِس لئے کہ اتفاق سے اُس دن مویشیوں کا چرواہا اتنی رات گئے تک آبادی میں نہ پہنچا تھا اور اس کی تلاش میں خود رفاعہ بن قیس یہ کہہ کر کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے تلوار گردن میں ڈال کر تنہا اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا اور ہر چند کہ اس کی قوم نے ہمرکاب ہونے کی خواہش بھی کی مگر اس نے نہ مانا اور کسی کو ساتھ نہ لیا یہاں تک کہ حضرت ابو حدّاد کی کمین گاہ پر گذرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور عین اُس مقام پر پہنچ گیا کہ ہوشیار تیر انداز کا نشانہ بن سکتا تھا۔ اِس لئے ابو حدّاد نے وقت کو غنیمت سمجھا اور کمان کا چلّہ چڑھا کر ایسی شِست لگائی کہ تیر ہوا پر اُڑتا ہوا رفاعہ کی چھاتی میں لگا اور سوادِ قلب میں اُتر چلا گیا۔

رفاعہ کی زبان سے چیخ بھی نہ نکلی اور وہ وہیں گر کر چند منٹ میں ٹھنڈا ہوگیا۔ حضرت ابو حدّاد نے اپنے آپ کو کامیاب دیکھا تو لپکے اور رفاعہ کا سر کاٹ کر قبضہ میں کر لیا اس کے بعد باآوازِ بلند تکبیر کہی اور تلوار لے کر لشکر میں کود پڑے۔ اِن کے دونوں رفیقوں نے جو آوازِ تکبیر پر کان لگائے بیٹھے تھے کلمہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ سُنا تو باجہر تکبیر کہتے ہوئے نکل پڑے اور بھرے دشمنوں پر جی توڑ کر حملہ کر دیا۔ بے خبر قوم جو چرواہے کی تاخیر سے متوحش بیٹھی تھی۔ اس وسوسہ سے کہ غنیم آچڑھا تین مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکی اور سراسیمہ ہوکر اِدھر اُدھر بھاگ نکلی۔ فاتح مسلمانوں نے مالِ غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور غلام باندیاں، مال و اسباب، بکریاں اونٹ جتنا کچھ بھی لا سکے خاطر خواہ لے کر چلدیئے چنانچہ بعافیت تمام مدینہ پہنچے اور مال اسباب کے ساتھ رفاعہ کا سر حضرت ابو حدّاد نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاڈالا۔ حضرت نے اِس کامیابی پر مسرور ہوکر حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا فرمایا اور حضرت ابو حدّاد کو جنھیں اپنے نکاح کے لئے مہر کی پوری مقدار ادا کرنی ضروری تھی مالِ غنیمت سے تیرہ ۱۳

نٹ عطا فرمائے۔

نواں[9] سریّہ رضم کی جانب روانہ کیا گیا جس میں ابو قتادہ اور محلم بن جثامہ بھی شریک تھے اور اسی واقعہ
ں عامر بن اضبط اشجعی جو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہوئے گذرے محلم بن جثامہ کے ہاتھوں قتل ہوئے اس لئے
ِ سارے اسلامی لشکر نے ان کو مسلمان سمجھ کر اپنے ہاتھ روک لئے مگر محلم بن جثامہ کسی عداوتِ سابقہ پر وقت
غنیمت سمجھ کر ان کا اسلام تقیہ اور نجات کے حیلہ پر حمل کر کے تلوار چلا بیٹھے اور ان کے مال و متاع
قبضہ کر لیا۔ چنانچہ ان کے بارے میں قرآن مجید بھی نازل ہوا کہ "اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں
فر کیا کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور اُس شخص کو جو تم سے سلام علیک کرے یوں نہ کہو کہ تو مسلمان
یں ہے۔ کیا تم دُنیوی متاع چاہتے ہو حالانکہ اللہ کے پاس بہتیری غنیمتیں موجود ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے
ی تھے پس اللہ نے تم پر احسان کیا اس لئے مناسب ہے کہ تفتیش کیا کرو بیشک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔"

سریّہ کے واپس آنے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصّہ سُنا تو بہت مغموم ہوئے اور بار بار
رمایا کہ "اے محلم کیا تو نے قتل کیا اس کے بعد کہ مقتول نے ایمان کا اظہار کر دیا تھا"۔ اس کے بعد جب
عیینہ بن بدر نے عامر کے خون کا مطالبہ کیا اور اس پر مُصر ہوئے کہ قاتل اور اس کے قبیلے سے دلخواہ انتقام
یں گے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی سعی فرمائی اور آخر اقرع بن حابس کی کوشش
سے عامر کی قوم دِیت لینے پر راضی ہو گئی اور محلم کے لئے حضرت نے استغفار فرما کر قصّہ رفع دفع کیا۔

دسواں[10] سریّہ عبداللہ بن حذافہ سہمی کا ہے جن کو چند صحابہؓ کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا اور وہ قصّہ پیش
آیا کہ کسی بات پر غصّہ ہو کر انھوں نے آگ جلوائی اور لشکر سے کہا کہ اس میں گھس جاؤ اور چونکہ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حکم دیدیا ہے کہ امیر الجیش کی اطاعت سے مُنہ نہ پھیرنا اس لئے تم کو میرے
حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ آمادہ ہو گئے اور بعض بایں معنی ٹھٹکے کہ گھر بار
چھوڑ کر حضرتؐ کی خدمت میں تو اسی لئے آئے کہ آگ سے نجات ملے پھر آپ کا مطیع ہو کر آگ میں جانا
کیوں کر جائز ہوگا۔ چنانچہ اس وقت بات رفع دفع ہو گئی اور واپسی پر جب حضرتؐ کو اس قصّہ کی
اطلاع ہوئی تو آپ غصّہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر آگ میں گھس جاتے تو پھر کبھی نکلنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ
امر غیر مشروع میں کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں۔

خیبر ہی[1] کے بعد نجد کی جانب غزوۂ ذات الرقاع ہوا جس میں ننگے پاؤں میں زخم اور چھالے ہو جانے کی وجہ سے

---

[1] اس غزوہ کا حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مگر چونکہ اختلاف ہے کہ ۴ھ میں ہوا یا ۶ھ میں اس لئے تبعاً یہاں بھی مجمل طور پر ذکر کر دیا ہے۔ مذکورہ سریوں میں بعض ۶ھ میں ہوئے مگر چونکہ تاریخ متمیز نہیں ہوئی اس لئے سب کو خیبر کے ذیل میں ذکر کر دیا گیا۔ ۱۲ منہ

مسلمانوں نے چھپڑے باندھے تھے اور اس غزوہ کا نام غزوہ نجد اور غزوہ بنی انمار بھی ہے۔

اسی سال مدینہ میں قحط بھی پڑا کہ معصوم و شیر خوار بچے بھی بھوک و پیاس سے بلکنے لگے آخر ماہ رمضان المبارک میں جب کہ آپ جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہوئے خطبہ پڑھ رہے تھے صحابہؓ نے حضرت سے درخواست اور آپنے دُعا فرمائی تو خوب پانی برسا اور قحط رفع ہوگیا۔

ذلیقعدہ ۷ھ میں حسب قرار دادِ صلح آپنے عمرۃ القضا کا تہیہ فرمایا اور حکم دیدیا کہ سفر حدیبیہ میں جو ساتھ تھے وہ ضرور چلیں۔ چنانچہ صحابہ جوق جوق ساتھ ہولئے اور جس وقت مقام یاجج پر پہنچے تو ہتھیار، تیر کمان، بھالا نیزہ وغیرہ وہیں چھوڑے اور صرف تلواروں کو نیام میں کئے ہوئے آگے بڑھے یہیں سے آپنے حضرت جعفر بن ابی طالب کو مکہ روانہ فرمایا کہ میمونہ بنت الحارث عامریہ کو حضرت کا نکاح کا پیغام دیں چنانچہ وہ آگے پہنچے اور حضرت میمونہ نے اپنا وکیل حضرت عباس کو بنایا جو اُن کے بہنوئی تھے اس لئے کہ حضرت عباس کی بی بی امّ الفضل حضرت میمونہ کی حقیقی بہن تھیں چنانچہ حضرت عباسؓ نے اس رشتہ کو بڑی خوشی سے منظور کیا اور حضرت میمونہ بعوض چار سو درہم دَینِ مہر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

جس وقت سے مدینہ اسلامی دُنیا کا دارُ السّلطنت قرار پایا تھا اسلام کی شوکت ترقی کر رہی تھی اہلِ اسلام کی قوت و غلبہ کا نقارہ حجازی پہاڑیوں میں گونج رہا تھا۔ اہلِ مکہ کے کان بھی اس آواز سے ناآشنا نہ تھے اور اندلیشہ تھا کہ عورتیں اور بچے جنھوں نے مسلمانوں کی قوت آنکھوں سے نہیں دیکھی مسلمانوں کی ہیبت سے متاثر نہ ہوجائیں اس لئے پیش بینی کے طور پر مشہور کردیا کہ مسلمان جب سے مکہ چھوڑ کر گئے ہیں آب و ہوا کی ناموافقت اور مدینہ کے وبائی بخار کی وجہ سے بہت ناتوان بن گئے ہیں اس افواہ کے چار طرف پھیلانے سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان بیت اللہ کا طواف چونکہ سکون کے ساتھ کریں گے اس لئے ضعف و کمزوری کی تائید ہوجائے گی مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوچکا تھا اس لئے جس وقت صحابہؓ اپنے سردار کو اس طرح درمیان میں لیکر چلے جیسے ہالہ اپنے بیچ میں قمر کو لے لیتا ہے تو آپنے حکم دیدیا کہ مونڈھے کھولدیں اور طواف کے تین چکروں میں سینہ نکال کر سپاہیوں کی طرح شانے ہلاتے اور بہادرانہ طرز پر اکڑتے ہوئے تیز قدم چلیں تاکہ مشرکینِ مکہ کے خیال کی عملاً تردید ہوجائے۔

بعض اہلِ مکہ ان ایام میں مکہ چھوڑ کر رشک و عناد کے سبب باہر جارہے تھے تاکہ حضرت کو بالکل جاہ و جلال آنکھوں سے نہ دیکھیں اور جو بچے بوڑھے اور عورتیں وغیرہ باقی رہے تھے وہ چونکہ وہ ضعیف

بسمت آئے تھے کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والے پر اُس حد تک نظر ڈال سکیں جہاں رُکنِ یمانی ہے اِس
لئے دوسری جانب اصلی رفتار پر چلنے کی اجازت باقی رہی چنانچہ صحابہؓ نے اِس کی تعمیل کی اور حضرت عبداللہ
بن رواحہ رضؓ اپنی تلوار کو حمائل کئے ہوئے اِس مضمون کے دل سوز اشعارِ رجز پڑھتے ہوئے جنابِ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے چلے کہ اے کافروں کے بچو! ہٹو راستہ چھوڑ دو!
ہم خداوندی ارشاد کے موافق حضرت پر ایمان لائے اور ایسی ضیافت سے تمہاری مہمانی کرنے کو تیار ہیں
جو کھوپریوں کو بدن اور دوست کو دوست سے جُدا کر دے گی۔

مسلمانوں کا اندازِ شجاعت دیکھ کر اہلِ مکہ خوف زدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ جھوٹی بات ہے کہ،
مسلمانوں کو مدینہ کی ہوا نے کمزور بنا دیا یہ تو پہلے سے بھی زیادہ چُست اور قوی ہیں کہ بحالتِ طواف جب کہ
ہر شخص نرم اور عاجزانہ رفتار سے چلتا ہے۔ ان کی طبعی چُستی اِن کو سینہ نکالنے پر مجبور کر رہی ہے اب اگرچہ
یہ وجہ باقی نہیں رہی مگر یہ حالتِ طواف کی سُنّت ہو کر باقی ہے اور قیامت تک رہے گی تین دن ختم
ہوئے تو کفارِ مکہ کا حضرت علی رضؓ پر تقاضا ہوا کہ معاہدہ کے موافق مدینہ واپس ہوں، نیز سہیل بن عمرو
اور حویطب بن عبدالعزیٰ کی معرفت عین اس وقت جب کہ آپ انصار کی مجلس میں بیٹھے ہوئے حضرت
سعد بن عبادہ سے باتیں کر رہے تھے تقاضا پہنچا اور حویطب نے چیخ کر کہا کہ "ہم تم کو اللہ تعالیٰ کی اور معاہدہ
کی قسم دیتے ہیں کہ ہمارے مُلک سے نکل جاؤ" یہ سُنکر حضرت سعدؓ نے غصہ میں جواب بھی دیا کہ تو جھوٹا
ہے واللہ یہ تیری یا تیرے باپ دادا کی زمین نہیں ہے اور ہم ہرگز نہ جائیں گے۔ مگر حضرت نے سختی کو پسند نہ
فرمایا۔ البتہ نرمی کے ساتھ یوں جواب دیا کہ "میں نے تمہارے کُنبہ کی قریشیہ عورت سے نکاح کیا ہے سو اگر
اتنی اجازت دو کہ ولیمہ یہاں کر لوں کہ اپنی جماعت کے ساتھ تم کو بھی شریکِ دعوت کر سکوں تو اس میں
کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا" مگر جب اہلِ مکہ نے اِس کو بھی نہ مانا اور کہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں
ہے۔ تو آپ نے ابورافع کو جو آپ کے غلام تھے حکم دیدیا کہ کوچ کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ اُن کی آواز سُنتے ہی سب نے
سامانِ سفر باندھ لیا اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کے موافق تین دن قیام کے بعد مکہ سے روانہ
ہو کر سرف کے مقام پر قیام فرمایا اور ابورافع کو پیچھے چھوڑا کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضؓ کو ساتھ لیتے آئیں
چنانچہ وہیں خلوت فرمائی اور وہیں ماحضر ولیمہ میں کھلایا گیا۔

حضرت میمونہ رضؓ حارث کی بیٹی اور ازواج مطہرات میں سب کے بعد وفات پانے والی بی بی ہیں اور حُسنِ
اتفاق سے سنہ ۶۳ھ میں اسی مقام سرف پر وصال فرمایا جہاں خلوت کا اتفاق ہوا۔ بعض مورخین کا خیال ہے
کہ اُمہات المومنینؓ میں سب کے بعد انتقال فرمانے والی حضرت صفیہؓ ہیں۔ واللہ اعلم۔ کچھ رات رہے اندھیرے

سے اسلامی لشکر نے سرف سے کوچ کیا اور وہ ماہ ذی الحجہ میں بعافیت مدینہ پہنچے۔

مکہ سے چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی نوعمر صاحبزادی جو اس وقت تک مکہ میں تھیں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر چچا چچا پکارتی ہوئی پیچھے دوڑیں اس لئے حضرت علیؓ نے اُن کو گود میں اُٹھا لیا اور حضرت فاطمہؓ کے حوالہ کیا تاکہ پرورش کریں۔ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت حمزہؓ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی تھے جس کی بنا پر انہوں نے آپؐ کو چچا کہا اور حضرت حمزہؓ چونکہ ابو طالب کے حقیقی بھائی تھے اس لئے حضرت علیؓ و جعفر ابن ابی طالب اس بچی کے چچازاد بھائی ہوئے البتہ حضرت جعفر کی بی بی حضرت اسماءؓ اس لڑکی کی خالہ تھیں جس کی وجہ سے ان کو دوہری خصوصیت تھی چنانچہ حضرت حمزہؓ کی یتیم بچی کی تربیت کے متعلق حضرت علیؓ و جعفر اور حضرت زید بن حارثہ میں اختلاف ہوا اور ہر ایک نے اپنے رشتے اور تعلق یعنی قرابت و یگانگت کے استحقاق کو ظاہر کیا۔

حضرت زید بن حارثہؓ کا حضرت حمزہؓ سے اگرچہ کوئی نسبی رشتہ نہ تھا مگر ہجرت کے بعد صحابہؓ کی باہمی مواخاۃ کے وقت چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دونوں حضرات کو دینی بھائی قرار دیا تھا اس لئے حضرت زید اس یتیم بچی کو اپنی بھتیجی سمجھتے اور یہی وجہ استحقاق قرار دے کر اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر کہ محبت میں خالہ بمنزلہ ماں کے ہے حضرت جعفرؓ کو ترجیح دی اور دوسروں کے لئے تسلی بخش کلمات اِس طرح فرمائے کہ اے علیؓ نسب اور دامادی کے تعلق سے تم میرے ہو اور میں تمہارا اور اے جعفر! تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو اور اے زید! تم ہمارے دینی بھائی اور مددگار ہو۔ علیٰ ہذا اِس عمرۃ القضا کا یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے ایسے ایسے مشہور آدمی جنھوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور ہجو بیانی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور مسلمانوں سے پہلے بھی جنگ کر چکے اور آئندہ بھی لڑنے کے لئے مستعد تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و دریا دلی اور وعدہ وفائی دیکھ دیکھ کر سچے مسلمان ہو گئے اور چند ہی روز بعد مکہ کو چھوڑ کر اس بادشاہ کے قدموں میں آ پڑے جس کے ساتھ سالہا سال سے گہری عداوت قائم کر رکھی تھی۔

باب ۶۴

منبرِ نبوی اور غزوۂ موتہ

جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے تو قبلہ بیت المقدس تھا اور بنا مسجد نبوی کی یہ صورت تھی کہ بحالتِ امامت آپ کا مصلےٰ وہ جگہ تھی جہاں کھڑے ہو کر اسطوانہ مخلق پشت کی جانب اور باب عثمان کی محاذات میں شام کی جانب اس وقت توجہ ہوتی ہے اور جب

بعد کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تو چودہ پندرہ دن آپ نے اسطوانہ مخلق کے پیچھے جس کو اب اسطوانہ عائشہ کہتے ہیں نماز ادا کی اور اس کے بعد آپ کا قیام اس جگہ متعین ہو گیا جہاں اب محراب قائم ہو گئی ہے۔

مسجد کی اس تعمیر میں منبر بھی نہ تھا اور آپ محراب کے متصل چھان کی جانب فرش پر کھڑے ہو کر خطبہ سناتے اور طولِ قیام کی وجہ سے کسل عارض ہوتا تو اس لکڑی سے سہارا لیتے تھے جو وہاں نصب تھی۔

فتح خیبر کے بعد آپ کو خیال ہوا کہ مسجد میں کچھ وسعت ہو جانی چاہئے۔ اس لئے آپ نے اس کی اصلاح فرمائی اور طولاً عرضاً سو سو گز مسجد کو وسعت دیدی۔ اسی اثناء میں ایک انصاریہ عورت کے غلام میمون نجار نے درخواست کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں سیڑھی دار منبر بنا دوں جس پر کھڑا ہونا اور بیٹھنا آسان ہو اور خطیب کی جگہ بلند ہو جانے کے سبب جملہ حاضرین کو نصائح کا سننا سہل ہو جائے چنانچہ آپ نے منظور فرمایا۔ اور میمون نجار کی آقا انصاریہ کو کہلا بھیجا کہ اپنے غلام کو میرے لئے منبر تیار کرنے کی اجازت دیدو۔ اس طرح پر غابہ کی مستحکم و مضبوط لکڑی سے جو مدینہ سے نو میل کے فاصلہ پر تھا ایک خوبصورت منبر تیار ہو کر مسجدِ نبوی میں اس جگہ رکھا گیا جہاں کہ آج رکھا ہوا ہے۔

یہ منبر ۲ دو ذراع لمبا اور ایک ذراع چوڑا تھا جس میں تین درجے تھے اور ہر درجہ کا عرض ایک بالشت، اس کا تیسرا درجہ بیٹھنے کے لئے تھا۔ جب منبر شریف مسجد میں رکھا گیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جگہ چھوڑ دی تو وہ لکڑی جس پر کبھی کبھی تکیہ فرمایا کرتے تھے آپ کے فراقِ صحبت سے یک لخت تڑق گئی اور سسکیاں لے کر اس طرح رونا شروع کیا جس طرح صاحبدل انسان اپنے محبوب کے صدمہ ہجر و مفارقت سے روتا ہے۔ لکڑی کا اس مفارقت کے رنج میں رونا اور اونٹنی کی طرح چلانا ایسا مشہور واقعہ ہے جو متعدد روایات سے ثابت ہے، اور مستند کتابوں میں باسانیدِ مختلفہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لکڑی اس قدر بیقرار ہوئی کہ تمام حاضرینِ مجلس اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے یہاں تک کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور جسم مبارک کو لکڑی سے مَس کرنے کے بعد لکڑی کو فرمایا کہ "اگر تو چاہے تو جس حالت پر تھی اسی حالت پر تجھ کو چھوڑ دوں اور اگر تیری خواہش ہو تو تجھ کو بہشت میں بٹھاؤں کہ وہاں کی نہروں اور چشموں سے سیراب و شاداب ہو"۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا مَس کرنا اور ان کلمات کا فرمانا تھا کہ بیجان لکڑی کا گریۂ نالہ بند ہو گیا اور آخر کار آپ نے یہ فرما کر اس نے دار الخلد کو اختیار کیا منبر کی جانب مراجعت فرمائی۔

حضرت حسن بصریؒ اس قصہ کو سنکر رو یا کرتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "لکڑی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روئے اور مسلمان انسان کی آپ کے ہجر میں آنکھ بھی نہ پسیجے"۔

سنگے و نباتے کہ در و خاصیتے ہست
بر آدمی داں کہ در و معرفتے نیست

یہ منبر شیخین کے زمانہ تک اپنے حال پر رہا اور حضرت عثمان غنی رضؓ اپنی خلافت کے چھ سال گذرنے پر نیچے کے درجہ سے جس کو خلافت صدیقی کے بعد حضرت فاروق رضؓ نے ادباً اختیار کیا تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ پر گئے اور سب سے پہلے منبر شریف کے لئے جامہ قبطیہ کی پوشش بنائی بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ منبر اطہر کو لباس پہنانے والے شخص حضرت معاویہ رضؓ ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت معاویہ رضؓ جب اپنے زمانہ امارت میں دمشق سے مدینہ حاضر ہوئے تو قصد کیا کہ منبر شریف کو ملک شام میں لیجائیں مگر منبر کا جگہ سے ہلانا تھا کہ عالم تاریک ہو گیا اور آفتاب سیاہ پڑ کر ایسا اندھیرا چھایا کہ دن کو تارے نظر آنے لگے، تب حضرت معاویہ رضؓ اس قصد سے باز آئے اور فرمایا کہ میرا مقصود منبر کے ہلانے سے یہ تھا کہ دیکھوں اس کی مقدس لکڑی کو زمین نہ کھا گئی ہو۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضؓ نے چھ درجے اور زیادہ کئے اور منبر شریف کو اس جدید منبر پر اٹھا کر رکھا۔

کئی سال بعد جب کہ زمام سلطنت خلفائے عباسیہ کے ہاتھ میں آئی تو خلیفہ مہدی نے قصد کیا کہ امیر معاویہ رضؓ کی طرح چھ درجے اور بڑھائے مگر حضرت امام مالک رحؒ نے منع فرمایا کہ نبوی یادگار کے ساتھ شاہی مباہاۃ کو دخل دینا گویا سلاطین کے لئے نمود و تفاخر کا مشغلہ قائم کر دینا ہے جو عند الشرع پسندیدہ نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضؓ کا بنوایا ہوا منبر جب امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بوسیدہ ہو گیا تو خلفائے عباسیہ میں کسی با اقتدار بادشاہ نے منبر کی تجدید کی اور بقایائے منبر نبوی کی کنگھیاں بنائی گئیں، مگر افسوس کہ ۶۵۴ھ کی مشہور آتش زدگی سے عباسی خلیفہ کا بنوایا ہوا منبر بھی جل گیا اور پھر از سر نو منبر بنوایا گیا ہے جس میں بادشاہانِ اسلام اپنے اپنے عہدِ حکومت میں کچھ کچھ تغیر کرتے رہے یہاں تک کہ سلطان روم سلطانِ مراد خاں بن سلیم خاں مرحوم نے ۹۹۸ھ میں منبرِ مقدس رومی پتھر کا بنوایا اور ہفت جوش کا قبہ قائم کیا جس کا تاریخی سال کسی رومی فاضل نے اس عبارت میں ظاہر کیا ہے "منبر اعظم سلطان مراد"

سلطان مراد مرحوم کے بعد کسی بادشاہ نے منبر پر تغیر نہیں کیا البتہ حسب ضرورت ترمیم ہوتی رہی چنانچہ سلطان عبد المجید خان بن سلطان محمود خاں نے جب کہ مسجدِ نبوی کو از سر نو تعمیر کرایا اور ۱۲۷۷ھ میں عمارت سے فراغت پائی تو اسی منبر کو اپنی جگہ قائم کیا اور شاید کچھ ترمیم ہوئی ہو مگر تجدید نہیں ہوئی جیسا تواریخ سے ثابت ہے۔

اسی سال حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ کے بطن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور جس صحابی نے یہ مژدہ حضرت تک پہنچایا ان کو ایک غلام عنایت کیا گیا۔

مسجدِ نبوی قرلیہ سے شمال کی جانب نخلستان کے درمیان حرہ شرقیہ کے نزدیک بغیر چھت کی ایک چار دیواری ہے جس کا طول مشرق سے مغرب کی طرف چودہ گز اور عرض قبلہ سے شام کی جانب گیارہ گز ہے یہ مقام مسجدِ مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند باغات بھی یہیں تھے جن کو آپ نے فقرا پر وقف فرمایا۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ شاہ اسکندریہ کی ہدیہ بھیجی ہوئی باندی تھیں جن کو حضرت نے اپنے لئے پسند فرمایا تھا اور جن کے ساتھ حسن سیرت و حسن صورت سے مالا مال ہونے کے سبب حضرتؐ کو خاص اُنسیت تھی اور چونکہ بی بی عائشہ رضؓ کو باقتضائے بشریت ان کی نسبت ایک غیرت پیدا ہوئی تھی اس لئے حضرت نے ان کو حارث بن نعمان کے مکان سے منتقل کر کے عوالی مدینہ میں اس مقام پر لا ٹھیرایا تھا جہاں یہ مبارک مسجد ہے اور اسی جگہ کبھی کبھی تشریف لاتے اور دیکھ جایا کرتے تھے اور اسی جگہ حضرت ماریہ رضؓ کو صاحبزادہ کی وہ دولت نصیب ہوئی جس سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد دوسری عورتیں محروم رہیں۔

اِس قصہ کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس قصہ سے جو حضرت ہاجرہ اور بی بی سارہ کے درمیان پیش آیا ایک خاص مناسبت ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ بلحاظِ نبوت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وراثتِ ابراہیمی سے بہرہ یاب ہونا بھی ضروری تھا۔

چند روز ہوئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمر ازدی کو قیصرِ روم یا حاکمِ بصریٰ کے نام کا خط دے کر شام کی جانب روانہ فرمادیا تھا اور آپ کو اطلاع ملی تھی کہ قیصر کے ایک ماتحت نے جس کا نام شرحبیل بن عمر غسانی ہے اوّل ان کو قید کیا اور پھر سامنے بلا کر قتل کر دیا اس لئے آپ اِس رنج و غصہ کو ضبط نہ کر سکے اور ماہ جمادی الاُولیٰ ۸ھ میں مسلمانوں کی تین ہزار فوج حضرت زید بن حارثہ رضؓ کی ماتحتی میں ملک شام کی جانب اِس غرض سے روانہ فرمائی کہ ظالم و بدعہد غسانی شہزادہ سے اِس غدر و بے رحمی کا انتقام لے چنانچہ شرحبیل نے قاصد کے قتل کا اقرار کیا اور ایک عظیم الشان جنگ کی بُنیاد ڈالی۔

مسلمانوں کا قیام معان میں تھا کہ ان کو دشمن کے آمادہ پیکار ہو کر چلد دینے کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ خود ہرقل ایک لاکھ جرار فوج لئے ہوئے بلقاء مقام پر پڑا ہوا ہے چنانچہ مسلمان رُکے اور دو رات اسی مشورہ میں گذاریں کہ لڑنا چاہیے یا حضرتؐ کو اطلاع دے کر اس وقت تک لڑائی موخر کرتی

چاہیئے کہ مدینہ سے کافی کمک آجائے آخر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے نہ رہا گیا اور آپ نے اِس طرح تقریر کی کہ
"اے بہادرانِ اسلام! جس آرزو کے حاصل کرنے کو تم مدینہ سے نکلے ہو واللہ اسی سے آج ڈرنے ہو آخر
بتاؤ تو سہی کہ شہادت کے سوا تمہارا مقصود کیا ہے جس نے تم کو گھروں سے نکالا پھر تمہارا گھبرانا یا کمک کے
انتظار میں جنگ سے پس و پیش کرنا عبث ہے تم کو معلوم ہے کہ ہم قوت یا کثرت کے بھروسہ کبھی نہیں لڑے
ہم کو تو اپنے اِس دین پر لڑنا اور جان دینا منظور ہے جس سے ہم کو حق تعالےٰ نے نوازا ہے سو ظاہر ہی
کہ جنگ کا انجام یا فتح ہے اور یا شہادت۔ بہرحال ہمارے لئے ہر دو صورت پسندیدہ ہیں اس لئے تن بہ تقدیر چلو
اور نظر بخدا آمادۂ کارزار ہو جاؤ" یہ تقریر سُن کر مسلمانوں کے بدن میں حرارت پیدا ہو گئی اور رگِ شجاعت میں
ہمت و مردانگی کا خون لہریں مارنے لگا۔ چنانچہ سب چل پڑے اور اب ہر ایک کی خواہش ہوئی کہ سب سے آگے
قدم میرا ہو۔

مشارف پر پہنچکر معلوم ہوا کہ دشمن قریب آپہنچا اِس لئے مسلمان اُس کے قریب موضعِ موتہ میں سمٹ
آئے اور جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔

مدینہ سے چلتے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداری کا جھنڈا حضرت زیدؓ
بن حارثہ کے ہاتھ میں دیا اور یوں فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو ابوطالب کے بیٹے جعفرؓ کو جھنڈا الینا اور
اور جعفرؓ بھی انتقال کر جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ اور یہ بھی شہید ہوں تو مسلمانوں میں سے کوئی شخص حاکم بنا
لیا جائے" گویا ان الفاظ سے اشارہ کر دیا تھا کہ ایسا ضرور ہونا ہے اور اس پیش آنی والی جنگ میں اِن تینوں حضرات
کے شہید ہونے کے بعد چوتھے مسلمان کے ہاتھ پر فتح و ظفر نصیبِ اہلِ اسلام ہو گی۔

اُفقِ مشرق سے آفتاب نے مُنھ نکالا تو اس خوفناک نظارہ کو بھانکا جو شام کے سرسبز و شاداب زمین پر
آج ہونے والا تھا کہ وہ میدان جس کی ٹھنڈی ہوائیں شباب پر تھیں کشت و خون کا بازار گرم ہوا چاہتا
ہے چنانچہ حضرت زید بن حارثہؓ اسلامی پھریرا اہلاتے اپنی تین ہزار کی مختصر جماعت کو لئے ہوئے جاتے نظر
آئے شجاعت و مردانگی نے اُن کے قدم چُومے اور اقبال و ظفر نے پیشانیوں کا بوسہ لیا کیونکہ باوجود قلت کے
اُن کی ثابت قدمی اور تینتیس گنی تعداد سے زیادہ فوج کے مقابلہ پر آمادگی بایں سادگی و متانت عقل کو خیرہ
بنائے دیتی تھی غیبی نصرت اور کرمِ خداوندی کا چھتر سر پر رکھے ہوئے جس وقت حضرت زید صف بندی فرما کر
آگے بڑھے تو فوج میں زلزلہ پیدا ہو گیا اور ہیبت ناک جنگ شروع ہو گئی۔ تین ہزار کی جماعت کو ایک لاکھ
فوج کا مقابلہ کرنا تھا اس لئے مسلمان نیزہ و تلوار لئے ہوئے گھمسان میں کُود پڑے اور اس میدان میں جو
رنگ برنگ کے پھُولوں سے گلکار بنا ہوا تھا۔ خون کی سُرخ ندیاں بہنے لگیں۔ آخر حضرت زید زخمی ہوئے اور نیزہ

اور چھاؤں میں گھر گئے اور تھوڑی ہی جنگ کے بعد دفعۃً گر کر جان بحق تسلیم ہوئے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت زید شہید کے ہاتھ سے نشان کا چھوٹنا تھا کہ حضرت جعفرؓ نے لپک کر اس کو اٹھا لیا اور للکارا کہ بہادر مسلمانو! آگے بڑھو اور خدا پر نظر رکھ کر دشمنوں کا قلع قمع کر دو۔ یہ روح پھونکنے والی آواز مسلمانوں کا مذہبی جوش بڑھانے کو کافی تھی اس لئے شیر ببر کی طرح لپکے اور جس طرح دھوپ کی شعاعیں صبح ہونے شب کی تاریکی میں گھستی ہیں یہ بھی دشمنوں کے جمِ غفیر میں گھستے چلے گئے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور خود حضرت جعفرؓ اپنی فوج کے ساتھ اپنے کمالِ استقلال و جوانمردی کا ثبوت دے رہے تھے کہ ایک دشمن نے ان پر حملہ کر دیا اور تلوار کے وار سے اُن کے گھوڑے کا پاؤں کاٹ دیا گھوڑے کا گرنا تھا کہ حضرت جعفرؓ پیادہ ہو کر فوج میں گھسے اور اسلامی نشان سنبھالے ہوئے بائیں ہاتھ سے لڑتے رہے آخر دشمن نے داہنے ہاتھ پر وار کیا اور اس کے کٹ جانے پر انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ چونکہ حضرت جعفرؓ اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے اور دشمن کی زیادہ نظر انھیں پر تھی کہ سردار مارا جائے تو جماعت کو بھاگنے کی سوجھے اس لئے اُن کے بائیں ہاتھ پر وار ہوا اور ایسا کاری ہوا کہ ہاتھ کو قطع کرتا چلا گیا۔ حضرت جعفرؓ دونوں ہاتھوں سے بیکار ہوئے تو اسلامی نشان سینہ پر رکھ کر دانتوں سے داب لیا اور کوشش کی کہ جھنڈا گرنے نہ پائے اور مسلمانوں کو انتشار لاحق نہ ہو مگر حضرت کا ارشاد پورا ہونا اور ان کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہونا تھا اس لئے نیزوں اور تلواروں کے ان پر وار پر وار ہونے لگے اور سینہ اور شانہ کے مابین سامنے کے رخ پر نوے زخم کھا کر جان اپنی خالق کے حوالہ کی۔ چونکہ ان کے دونوں ہاتھ خدا کی راہ میں کام آئے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کو دو بازو عطا فرمائے جن میں پرواز کی طاقت دی گئی کہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھریں۔ چنانچہ اب بھی اُن کا لقب جعفر طیّار اور ذُوالجناحین ہے جس کے معنی ہیں اڑنے والا اور دو بازو والا

حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ سے اسلامی نشان گرا تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے لیا اور فوج کو لڑائی کے گھمسان میں بڑھائے لئے چلے گئے مگر چونکہ ان کی رفتار میں ضعف تھا اس لئے ان کے چچازاد بھائی نے اُن کی بھوک کو محسوس کیا اور ذرا سا گوشت کا ٹکڑا دے کر کہا کہ اس کو کھا لیجئے تا کہ کچھ سہارا اور کمر مضبوط ہو جائے چنانچہ انھوں نے اس کو منہ لگایا ہی تھا کہ فوج کی ایک سمت شور برپا ہوا اور حضرت عبداللہؓ یوں فرما کر چلے ابن رواحہ تو ابھی دنیا ہی میں موجود ہے۔ گوشت کو پھینک کر آگے بڑھ گئے۔ لڑے اور خوب لڑے مگر امر حق اُن کے لئے بھی مقدر ہو چکا تھا اس لئے تھوڑی ہی دیر بعد زمین پر گرے اور شہید ہو کر عالمِ بقا کو سدھارے

حضرت عبداللہؓ کی شہادت کے بعد اسلامی نشان حضرت ثابت بن ارقمؓ نے اٹھا لیا اور فرمایا کہ اے مسلمانو!

حسب ارشادِ نبوی کسی مسلمان کو اپنا سردار قرار دو" اور جب اُن کی طرف سے یہ صدا ہوئی کہ تم کو ہی سپہ سالار تجویز کرتے ہیں تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں اور نہ اِس خدمت کو انجام دے سکتا ہوں آخر حضرت خالد بن ولید امیرِ لشکر بنائے گئے اور اُنھوں نے اسلامی نشان ہاتھ میں لے کر آگے قدم بڑھایا۔

حضرت سیف اللہ رضؓ کو وہ دن یاد تھا کہ بحالتِ کفر میدانِ اُحد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں بہادری اور تدبر دِکھائی تھی اِس لئے اُس کی تلافی کا اُن کو ارمان تھا اور چاہتے تھے کہ موقع ملے تو کافروں کے مقابلہ میں شرافت شجاعت کا ثبوت دوں۔ اِس لئے بکمال ہمت بسم اللہ کہہ کر رُومی فوج کے ٹڈی دل میں گھسے اور وہ تہلکہ برپا کیا جس کا نمونہ کئی صدی بعد سُلطان صلاح الدین نے دِکھایا ہے۔

حضرت خالد بن ولید کا شیرانہ حملہ ایسا نہ تھا جو فوج کو بجائے خود قائم رکھتا اِس خونخوار یورش نے دشمن کی صف بندی میں اِنتشار پیدا کر دیا اور مسلمان عیسائی افواج کو چیرتے پھاڑتے آگے بڑھے چلے گئے حضرت سیفُ اللہ کو اِس جنگ میں یکے بعد دیگرے نَو تلواریں بدلنی پڑیں اور آخر ایک چوڑی یمانی تلوار نے دیر تک کام دیا جس کا آخر انجام یہ ہوا کہ رومی فوج ٹھہر نہ سکی اور سیکڑوں لاشیں چھوڑ کر میدان سے رُخ پھیر گئی اِسلامی لشکر بھی لڑتے لڑتے اُکتا گیا تھا اور زید بن حارثہ و جعفر و عبد اللہ بن رواحہؓ کے علاوہ مسعود بن اوس وہب بن سعد، عباد بن قیس، حارثہ بن نعمان، سراقہ بن عمرو اور عمرو بن زید کے دونوں صاحبزادے کلیب و صابر اور سعید ابن حارث کے دو لڑکے عامر و عمر وغیرہ شہید ہو چکے تھے اِس لئے دشمن کا تعاقب مصلحت نہ سمجھا اور یُوں بھی جنگ سے مقصود مُلک گیری نہ تھی بلکہ اِس ظُلم کا اِنتقام لینا تھا جو مظلوم شہید حضرت حارث بن عامر ازدی کے ساتھ کیا گیا تھا اور وہ حاصل ہو چکا تھا اِس لئے مدینہ کی طرف واپسی مناسب معلوم ہوئی اور اسلامی لشکر نے مراجعت کی، لہٰذا مدینہ واپس ہوا۔ اِس سے قبل کہ اسلامی لشکر مدینہ پہنچے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ سے فرما دیا تھا کہ تینوں سردار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور آخر خدا کے پہلوان خالد سیف اللہ نے ہاتھ میں شمشیر لی۔ حضرت اِن کی خبرِ شہادت بیان فرماتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے آخر حضرت یعلیٰ بن منبہ موتہ سے اطلاع لیکر جب حضرت کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے حرفاً حرفاً سارا واقعہ اُن سے نقل فرما کر ارشاد فرمایا کہ حق تعالےٰ نے زمین کا فاصلہ میرے لئے مُرتفع کر دیا تھا اور میں معرکہ کی حالت بچشم خود دیکھ رہا تھا۔ اِس کے بعد جب مجاہدین کی آمد آمد کا شور ہوا تو حضرت مع صحابہؓ کے بغرض استقبال شہر سے باہر تشریف لائے اور لڑکوں میں سے جو دوڑتے ہوئے ساتھ آ رہے تھے حضرت جعفر کے صاحبزادے عبد اللہ کو اُونٹنی پر اپنے آگے بٹھا لیا اور باقی صحابہ رضؓ کو حکم فرمایا کہ بچوں کو اپنے ساتھ سواریوں پر سوار کر لیں۔

اسلامی لشکر کو بھی چونکہ اِس غزوہ میں مشقت زیادہ اُٹھانی پڑی تھی اس لئے دشمن کے کنارہ کرنے

ان کو بھی کنارہ کشی پسند آئی اور گویا اس بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ جنگ کا انجام ہر دو فریق کے لئے برابر رہا کہ مسلمانوں نے ان کو کنارہ کش سمجھا اور انھوں نے اُن کو۔ اور اسی وجہ سے جب مسلمانانِ مدینہ نے مجاہدین کا استقبال کیا تو بعض صحابہؓ نے فرار اور جہاد سے بھاگنے والا لقب دیا مگر حضرتؐ نے یوں ارشاد فرما کر کہ نہیں یہ لوگ فرار نہیں کرار ہیں کہ پھر جنگ ہو تو پھر لڑنے کو تیار ہیں" سب کو خاموش کر دیا۔

جس دن حضرت جعفرؓ کے انتقال کی خبر سُنائی گئی تو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا پکوا کر اُن کے گھر بھیجا کہ بیوہ اور یتیم بچے کھالیں اور یوں ارشاد فرمایا کہ "مصیبت زدوں کو پکانے کا ہوش نہ ہوگا نیز تین روز تک اپنے چچازاد بھائی کی تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھے اور خود صبر فرما کر دیگر متعلقین کو صبر کی تعلیم و تلقین فرمائی۔

باب ۶۵ ــ ۸ ھ

ذُوالخلصہ اور ذاتُ السّلاسِل!

کعبۂ مکرّمہ کا مرجعِ خلائق ہونا کچھ ایسا لوگوں کو کھٹک رہا تھا کہ حجازی باشندے عام مخلوق کا اس کی طرف جھکاؤ نگاہِ حسد دیکھتے اور یوں چاہتے تھے کہ اس کے مقابل ایک ایسا مکان اپنے ملک میں ہم بھی تیار کریں جس کی عظمت کی جائے اور قریش کی طرح باعظمت و متولّی بیت الحرام بن کر ہم بھی لوگوں کے مقتدا و مقدس قرار پائیں۔ چنانچہ اہلِ یمن میں قبیلۂ خثعم نے اِس خیال کو عملی جامہ پہنا کر ایک مکان بنایا اور اس کا نام کعبہ رکھ کر باشندگانِ ملک کو ترغیب دی کہ مکّہ کے سفر کی صعوبت و خرچ کو برداشت نہ کریں۔ چنانچہ ان کو کامیابی ہو بھی چلی تھی اور لوگوں نے اس کا طواف و احترام شروع کر دیا تھا۔

اہلِ مکّہ کو اپنے تفاخر و مشیخت ہی سے فرصت نہ تھی کہ اِدھر توجّہ کرتے اور یوں بھی اُن کو مذہب اور دین سے مَس نہ تھا البتہ ذاتی عظمت میں کمی کا وسوسہ پیدا ہو کر اہلِ یمن سے مقابلہ کی شاید ہمّت ہوتی مگر ہر وقت مسلمانوں کے درپئے تخریب رہنے کی آگ اور رات دن خانہ جنگیوں کے بکھیڑوں سے اُن کو اِس کا خیال بھی نہ ہوا کہ یمن کی بدعت کو ملیامیٹ کریں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اگرچہ اہلِ مکّہ نے حرمِ محترم میں داخل ہونے اور بیت اللہ کا طواف کرنے سے روک رکھا تھا چونکہ کعبہ کے سچّے حامی و متولّی تھے اور آپ کی بعثت کا مقصودِ اعظم یہی تھا کہ خانۂ خدا کو ہر قسم کی گندگی و نجاست اور بے حرمتی و سُوءِ ادب سے محفوظ بنائیں۔ اِس لئے اہلِ یمن کی یہ حرکت آپ کو بہت گراں گذری اور آپؐ نے غزوۂ مُوتہ سے فارغ ہوتے ہی حضرت جریر بن عبد اللہ کو قبیلۂ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کا افسر بنا کر بعجلت تمام یمن کی جانب روانہ فرمایا کہ قبیلۂ خثعم پر حملہ آور ہوں اور اس مکان کی جس کا نام انھوں نے کعبہ قرار دیا ہے

اینٹ سے اینٹ بجادیں چنانچہ محمدی کچھار کے شیرمین کی طرف لپکے اور چند ہی روز میں بانیل مرام واپس آکر مژدہ کامیابی حضرتؐ کو آکر سنایا۔

اسی اثناء میں آپ کو اطلاع ملی کہ قضاعہ کی ایک جماعت مدینہ کی طرف آیا چاہتی ہے اس لئے آپؐ نے ماہ جمادی الثانیہ ۸ھ میں حضرت عمرو بن العاص کو بلایا اور سفید لواء و سیاہ نشان عطا فرما کر تین سو سرداران مہاجرین و انصار کی جماعت پر امیر بنا کر حکم دیا کہ قضاعہ کی اس سے پہلے کہ وہ مدینہ کا رُخ کریں مدافعت ہونی چاہیئے چنانچہ یہ مختصر لشکر جس میں صرف تین ۳۰ اونٹ تھے جن پر صحابہؓ باری باری سوار ہو جاتے تھے مدینہ سے روانہ ہوئے اور راتوں چلتے، دنوں چھپتے دشمنوں کے قریب پہنچ گئے وہاں پہنچکر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور مدینہ سے کمک آئے بغیر حملہ کرنا قرین مصلحت نہیں اس لئے حضرت رافع بن مکیث جہنی کو روانہ کیا گیا کہ بارگاہِ رسالت میں مدد کی درخواست کریں چنانچہ آپؐ نے دو سو مسلمان جن میں حضرت ابوبکرؓ و عمر فاروقؓ بھی داخل تھے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے ماتحت بنا کر عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لئے روانہ فرمائے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو نصیحت فرمائی کہ اختلاف نہ کریں اور دونوں باہمی اتفاق کے ساتھ دینی خدمت انجام دیں۔

نیا اسلامی لشکر پہنچ جانے سے غازیانِ اسلام کی ہمت بڑھ گئی اور گو بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ لشکر مہاجرین کی سرداری حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ میں ہو مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے حسب وصیّتِ نبوی اختلاف گوارا نہ کیا اور اس طرح پر نماز کی امامت اور سارے لشکر کی سیادت حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہاتھ میں رہی آخر پانچسو کا لشکر آگے بڑھا اور قضاعہ کے قصبات کو روندتا ہوا نکلا چلا گیا کسی دشمن کی ہمت نہ ہوئی کہ سامنے آئے یہاں تک کہ منتہیٰ پر پہنچکر بنی قضاعہ کا جتھا نظر آیا اور مسلمانوں نے اُن پر حملہ کیا۔ قضاعہ میں کہاں طاقت تھی کہ بہادرانِ اسلام کا مقابلہ کریں، اس لئے اُن کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور ادھر اُدھر بھاگ کر بصد مشکل اپنی جانیں بچائیں۔ دشمنوں سے میدان خالی دیکھ کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے عوف بن مالک اشجعی کو قاصد بنا کر مدینہ روانہ کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ فتح سنائیں چنانچہ وہ حاضر آستانہ ہوئے اور وہ واقعہ بیان کیا۔ چونکہ لشکرِ اسلام کا قیام اُس پانی پر ہوا تھا جس کا نام سلسل ہے اس لئے اس غزوہ کا نام ذات السلاسل ہو گیا اور بعض نے کہا ہے کہ سلاسل سلسلہ وار ریگ کو کہتے ہیں اور چونکہ وہ زمین ریتلی تھی کہ دُور تک یہ سلسلہ قائم تھا اس لئے یہ واقعہ ذات السلاسل کہلایا۔

یہی غزوہ ہے جس میں سیّدنا عمرو بن العاصؓ کو احتلام ہو گیا تھا اور چونکہ سردی شدید تھی کہ علی الصباح غسل میں اندیشۂ ہلاکت تھا تو انھوں نے تیمم کر کے نمازِ فجر پڑھائی اور جب حضرتؐ کو اطلاع ہوئی کہ بعض

مسلمانوں پر گراں ہے کہ بلا غسل کئے ہوئے جنبی امام کا اقتدا کیا تو آپ نے براہِ بے تکلفی اُن سے اِس طرح فرمایا کہ کیوں صاحب بحالتِ جنابت امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھادی؟" مگر جب انھوں نے سردی کی زیادتی بیان فرما کر یوں عرض کیا کہ یارسول اللہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سُن چکا ہوں کہ "اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو، بیشک اللہ تم پر نہایت مہربان ہے" تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُسکرا کر خاموش ہو رہے۔

رجب ۸ھ میں تین سو مہاجرین و انصار حضرت ابو عبیدہؓ بن جرّاح کی ماتحتی میں ساحلِ سمندر کی جانب جہنیہ کے ایک قبیلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر تھا چنانچہ یہ لوگ کامل پندرہ دن ساحلِ بحر پر پڑے رہے کہ اوّل تین تین اونٹ یومیہ ذبح ہو کر تقسیم ہوئے اور جب سواریوں کے کم ہوجانے کے خوف سے امیرِ لشکر کی ذبح کے متعلق ممانعت ہوگئی تو سُوکھے درختوں سے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی اسی وجہ سے اِس غزوہ کا نام سریّہ خبط ہے اور سیف البحر کہلاتا ہے کیونکہ سیف کے معنی عربی میں ساحل اور کنارہ کے ہیں۔

اِس غزوہ میں لشکر کی فاقہ کی تکلیف دیکھ کر جب سب کے بچے ہوئے چھوارے جمع کئے گئے تو دو تھیلیاں بھریں جو تین سو آدمیوں کو بھی ناکافی تھیں مگر مجبوری سب کچھ کراتی ہے اِس لئے یہ مشترکہ توشہ تھوڑی تھوڑی مقدار میں سب کو بانٹ دیا گیا اور آخر جب اس کے بھی ختم ہونے کا وقت آیا تو حکم دیا گیا کہ ایک ایک چھوارے سے زیادہ کسی سپاہی کو نہ دیا جائے اور جب یہ بھی ختم ہو لیا تو اس چھوارہ کی قدر معلوم ہوئی جو سارے دن کی خوراک میں نصیب ہوتا تھا۔ آخر اس قانع و فاقہ کش لشکرِ اسلام کی غیب سے مہمانی ہوئی اور سمندر نے ایک بہت بڑی مچھلی کنارہ پر لا ڈالی جو تین سو مجاہدین کے لئے اٹھارہ دن کی خوراک کو کافی ہوئی حضرت ابو عبیدہؓ نے اُس کی ایک پسلی زمین پر کھڑی کرائی تو ایک اونچا اونٹ محمل سمیت اُس کی کسی جانب مَس کئے بغیر بیچ میں کو نکل گیا اور اس کی آنکھ کے حدقہ میں منوں آٹا گوندھ کر خمیر ہوا۔

بھوکے پیاسے لشکری سپاہی پندرہ دن سے زیادہ اسی مچھلی کا گوشت کھاتے اور چربی بدن پر ملتے رہے جس کا نام عنبر ہے یہاں تک کہ تیل کی مالش سے لاغر بدن فربہ اور خوراک نہ پہنچنے سے کمر سے لگے ہوئے پیٹ تر و تازہ ہوگئے آخر مدینہ آکر جب صحابہؓ نے حضرت سے سب حالات بیان کئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس میں کا بچا ہوا گوشت کچھ ہے بھی؟ تب صحابہؓ نے اس کو حضرت کے سامنے رکھا اور آپ نے اس کو تناول فرمایا۔

بعض مورخین کی رائے ہے کہ یہ لشکر اس قریشی قافلہ سے تعرض کرنے کو چلا تھا جو سمندر کے کنارہ کنارہ جا رہا تھا اور چونکہ صلحِ حدیبیہ کے بعد قریش کا تعرض چھوڑ دیا گیا اس لئے کہنا پڑے گا کہ یہ سریّہ خبط قبل ۶ھ میں قبل حدیبیہ ظہور میں آیا اور چونکہ یہی قرینِ قیاس بھی ہے اس لئے عنوان میں ہم نے اس

کو درج نہیں کیا۔

اسی ماہ رجب ۸ھ میں حضرت زیدؓ شہید کے صاحبزادہ حضرت اسامہؓ ایک مختصر اسلامی جماعت کے سردار بناکر جہیش بن عامر کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے جس نے قتل و قتال کی آگ سلگا کر حرقہ کا لقب پایا تھا چونکہ اس کے جدِ اعلیٰ یعنی جہینہ کی اولاد میں سرکش قبائل متعدد تھے اس لئے اس سریہ کا نام سریہ حرقات جہینہ ہے۔

بعض مورخین کی رائے ہے کہ اس غزوہ کا دوسرا نام سریہ غالب بن عبداللہ لیثی ہے جو مقام میفعہ کی جانب غزوۂ موتہ سے قبل ۸ھ کے ماہ رمضان میں ہوا۔ پس ماننا پڑے گا کہ حضرت اسامہؓ امیر الجیش نہ تھے کیونکہ حضرت زیدؓ کی حیات میں یہ سردارِ لشکر نہیں ہوئے اور حضرت زید غزوۂ موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے ہیں۔

اسلامی نشان جو صبح کی ٹھنڈی ہوا میں جھونکے لے رہا تھا نظر آتے ہی بدوؤں نے فرار کے سوا مخلصی نہ دیکھ کر شروع کیا اور مسلمان فتح و نصرت کے ساتھ بہت کچھ مالِ غنیمت لے کر مدینہ واپس ہوئے۔

باب ۶۶ — ۸ھ

غزوۂ مکہ کی تیاری اور حاطب بن ابی بلتعہ

زمانہ نبوت سے قبل مالک بن عباد حضرمی جو بغرض تجارت جا رہا تھا خزاعہ کے قصبات میں گذرا تو بنی خزاعہ نے اُس پر حملہ کیا اور مالک کو قتل کر کے اس کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ بنو بکر نے اپنے آدمی پر خزاعہ کی یہ زیادتی دیکھی تو انتقام کے درپے ہوئے اور موقع پاکر ایک خزاعی شخص کو قتل کر بیٹھے۔ اس طرح خزاعہ اور بنی بکر میں عداوت قائم ہوگئی۔ چند روز بعد خزاعہ نے بنی اسود کے تین سرداروں سلمی، کلثوم اور ذویب پر عین میدانِ عرفات میں حملہ کیا اور حرم کے قریب ان کو قتل کر دیا۔ بنی بکر کو اپنے اشرافِ قوم بنی اسود کے تین نفر کا مقتول ہونا بہت شاق تھا اور فکر میں تھے کہ اس کا انتقام خزاعہ سے لیں مگر چند ہی روز بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اہلِ عرب اپنی خانہ جنگیوں کو بھول کر باہمی اتفاق کے ساتھ آپ کی مخالفت اور اسلام کی مزاحمت پر تُل گئے یہاں تک کہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا قصہ پیش آیا اور بنی بکر قریش کے ذمہ میں داخل ہوئے اور خزاعہ مسلمانوں کے ذمہ آئے۔ اس معاہدہ کی رُو سے جس طرح مسلمانوں سے قریش کو لڑنا ممنوع ہوا اسی طرح بنو بکر کو خزاعہ سے جنگ و جدال حرام ہوگیا مگر افسوس کہ بنی بکر کے دلوں سے وہ کینہ جو بنی اسود کے تین نفر مقتول ہونے سے پیدا ہوا تھا نہ گیا بلکہ انھوں نے صلح حدیبیہ کو غنیمت سمجھا کہ خزاعہ کا اس بھروسہ پر

مطمئن اور غافل بنا رہنا ہمارے جوشِ انتقام کے لئے مفید اور معین ثابت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شعبان ۸ھ میں نوفل بن معاویہ دیلی اپنی ایک جماعت بنی بکر کو لے کر بنی خزاعہ پر جو وتیر چشمہ پر مقیم تھے چڑھ آیا اور آخر شب میں جب کہ وہ بیخبر پڑے سوتے تھے شبخون مارا۔ بنی بکر کا یہ حملہ صرف اپنی قوت کے بھروسہ پر نہ تھا بلکہ قریش ان کی پشت و پناہ تھے اور خفیہ طور پر ہتھیاروں سے مدد کرنے کے علاوہ صفوان ابن امیہ حویطب بن عبد العزّیٰ اور مکرز بن حفص یوں سمجھ کر کہ رات کو دیکھتا کون ہے منہ چھپائے ہوئے میدانِ جنگ میں بھی آئے۔ خزاعہ چونکہ معاہدہ پر قائم اور دشمنوں کی طرف سے عہد و پیمان ہو جانے کی وجہ سے مطمئن تھے اور یوں بھی رات کا وقت تھا اور آرام کی نیند پڑے سوتے تھے اس لئے مدافعت نہ کر سکے اور وہاں سے مکہ کی طرف بھاگے کہ حرمِ محترم میں داخل ہو کر اپنی جانیں بچائیں مگر بنی بکر نے حرم کا لحاظ بھی بالائے طاق رکھا اور قتل و غارت کرتے ہوئے دار الامن میں گھس گئے یہاں تک کہ خزاعہ کے بیس نفر کام آئے اور باقی نے مکہ میں بدیل بن ورقاء و رافع کے گھر میں پناہ لی۔

خزاعہ نے عین اس وقت جب کہ مصیبت میں مبتلا تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر دہائی دی اور بحکمِ خداوندی وہ فریاد آپ کے کان میں پڑی تو آپ حضرت میمونہؓ کے حجرہ سے جہاں اس وقت آپ تشریف فرما تھے "لبّیک لبّیک" پکار اُٹھے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا بھی کہ قریش نے بدعہدی کی اور بنی بکر کے مددگار بن کر خزاعہ پر شبخون مارا۔ تین دن کے بعد جب عمرو بن سلام خزاعی فریادی بن کر مدینہ آیا اور اس وقت جب کہ آپ صحابہؓ کے درمیان مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے قصہ سنایا تو آپ فریادرسی کا وعدہ فرما کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور سفر کی تیاری شروع فرما دی۔ بنی بکر اور قریش کرنے کو تو کر گذرے مگر بدعہدی و صلح شکنی ایسا جرم نہ تھا جس کی پاداش سے وہ لوگ غافل رہتے اس لئے جس وقت ان کو ہوش آیا اور سوچا کہ اگر مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہو گئی تو مصیبت کا آسمان سر پر ٹوٹ پڑے گا تو دم بخود رہ گئے اور پیش بندی کے طور پر ابوسفیان کو بعجلت تمام مدینہ روانہ کیا کہ بحسنِ تدبیر اس قصہ کی مکافات کرے اور صلح کی مدت میں اضافہ کرنے کے حیلہ سے معاہدہ کی تجدید و اصلاح کرائے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ میں داخل ہوا اور اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ کے گھر اترا جو عرصہ ہوا مسلمان ہو کر حبشہ ہجرت کر گئیں اور بعد فتح خیبر حضرتؐ کی زوجیت میں داخل ہو کر ام المومنین بن چکی تھیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے کہ "معاہدہ کو مضبوط کرنے کے لئے اہلِ مکہ کا سفیر بن کر ابوسفیان آیا چاہتا ہے"۔ اس لئے ابوسفیان کے آنے پر حضرت ام حبیبہؓ کو بھی تعجب نہ ہوا اور انھوں نے باپ کو دیکھتے ہی وہ بچھونا جس پر حضرتؐ آرام فرمایا کرتے تھے، تہہ کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ ابوسفیان نے کہا کہ بیٹی! میرے قابل یہ بستر نہیں ہے یا اس بستر کے قابل میں نہیں ہوں؟ مگر جب بیٹی کا یہ جواب سنا کہ "یہ بستر ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور تم مشرک ہو" تو بہت شرمندہ ہوا اور یہ کہہ کر کہ مجھ سے جدا ہو کر تیری عادت بدل گئی وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا

ابوسفیان متفکر تھا کہ مقصود کی تمہید کس طرح اٹھائے اور جب بیٹی کا یہ حال ہو تو دوسرے سے کیا توقع؟ آخر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور مطلب ظاہر کر کے چاہا کہ درمیان میں پڑ کر درخواست منظور کرا دیں مگر حضرت صدیقؓ نے صاف جواب دیدیا کہ مجھ سے یہ کام کسی طرح نہ ہو سکے گا۔ آخر وہاں سے اُٹھ کر حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آیا اور وُہی درخواست کی۔ مگر یہاں جواب اِس سے بھی زیادہ تیز اور طنز و مذاق سے لبریز تھا کہ ہاں جناب میں تمھاری سفارش کے لئے مناسب بھی ہوں، جس کی یہ حالت ہے کہ ذرا بھی موقع پاؤں تو تم کو برباد کرنے میں دریغ نہ کروں۔

یہاں سے مایوس ہو کر صاحبزادی کے حجرہ میں گیا جہاں حضرت علیؑ و فاطمہؓ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت حسنؓ سامنے کھیل رہے تھے۔ ابوسفیان نے بہزار نرمی حضرت علیؑ سے کہا کہ "اے ابوطالب کے صاحبزادے تم نیک دل اور کُنبہ داری کا زیادہ لحاظ کرنے والے ہو اُمید ہے کہ میری درخواست رَد نہ کرو گے اور مجھ کو نامراد لوٹنا ہوا نہ دیکھ سکو گے"۔ اِس کے بعد منشاء بیان کیا۔ حضرت علیؑ مسکرائے اور جواب دیا کہ "افسوس اے ابوسفیان! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کام کا عزم فرما چکے ہیں جس کے بدلنے کی ہم کو ہرگز طاقت نہیں ہے"۔ یہ مایوس کُن فقرہ سُن کر ابوسفیان نے حضرت زہراؓ کی طرف مُنہ کیا اور کہا کہ اے فاطمہؓ! کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ اپنے اِس بچہ سے کہو جو تمھارے سامنے کھیل رہا ہے کہ مخلوق کو پناہ دلائے اور ہمیشہ کے لئے لوگوں کو احسان مند بنا کر سارے عرب کا سردار و حاکمِ مختار قرار پائے۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ میرے بچّہ کا یہ کام نہیں اور آج ابّا جان کے خلاف کوئی بھی اہلِ مکّہ کو پناہ نہیں دے سکتا تم اِس خیال سے درگزر کرو اور جو کچھ مناسب سمجھو کرو۔

ابوسفیان نہایت پریشان تھا کہ نہ صورتِ کامیابی ہے نہ بے نیل مرام واپس ہو جانے کی ذلّت و رُسوائی کا تحمّل۔ اُس کی تمام امیدوں پر پانی پھر چکا تھا اور اُس کی حالت اہلِ ظرافت کا کھلونا بن گئی تھی۔ خدا کی شان ہے یا وہ وقت تھا کہ اُحد کی تلہٹی میں مسلمانوں کے مقابلہ پر اپنے دل کا حوصلہ نکالنے کو عزّت سمجھتا تھا اور یا یہ وقت ہے کہ مدّتِ صلح بڑھ جانے کی درخواست نہ حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی جراَت ہے اور نہ کوئی سفارش کا ذمّہ لیتا ہے کہ اس کا ہمکلام ہی بنے۔ آخر مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں اُس کو اُمنڈتی ہوئی نظر آئیں۔ دُنیا دفعتًہ اس کی نظر میں تاریک ہو گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور اُس نے دَبی ہوئی آواز سے کہا کہ اے علی! میں تو کسی گھر کا بھی نہ رہا اب مکّہ والوں کو کس طرح مُنہ دکھاؤں۔ رشتہ قرابت کا واسطہ مجھے مشورہ دو کہ کیا کروں کیونکہ میری عقل ٹھکانے نہیں اور نہ میرے ہوش و حواس بجا ہیں۔ حضرت علی اس کو ٹالنا چاہتے تھے اِس لئے فرمایا کہ "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر یُوں پکار دو کہ میں نے امان دی، اور اس کے بعد مکّہ چلے جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا۔ کیا اِس سے میری کار برآری

جائے گی اور محمد میری دی ہوئی امان کو مان لیں گے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کی تو مجھے خبر نہیں مگر تمھارے لئے اس کے علاوہ اور بات سمجھ میں بھی نہیں آتی۔

ابوسفیان دریائے ندامت و یاس میں کچھ ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ جد و ہزل میں بھی تمیز نہ کر سکا اور یہ بھی سمجھا کہ یہ میرا مخول اُڑایا گیا ہے چنانچہ الفاظِ مذکورہ پکار کر جواب لئے بغیر مکہ واپس ہو گیا اور قریش کے سامنے سارا قصہ دوہرایا لیکن جب اہلِ مکہ نے اپنی سفارت بے سود پائی تو ابوسفیان پر لعن کرنے لگے اور کہا گیا کہ افسوس نہ لڑائی کی خبر ملی نہ صلح کی اور نہ اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی نہ جنگ کی تیاری کا موقع ملا عجب ہے کہ علیؓ نے ابوسفیان کے ساتھ مذاق کیا اور یہ بیوقوف سمجھا بھی نہیں۔"

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ و مدینہ کی مراسلت مسدود فرما دی اور چاہا کہ مکہ پر حملہ اچانک وقوع میں آئے مگر افسوس حاطب بن ابی بلتعہ سے اس موقع پر غلطی ہوئی کہ انھوں نے حضرتؐ کے غزوۂ مکہ کا عزم خط میں لکھ کر معقول اُجرت پر ایک عورت کے حوالہ کیا کہ مکہ والوں کو پہنچا دے۔ چنانچہ اس عورت نے اپنے سر کی مینڈھیوں میں اس خط کو چھپا لیا اور مکہ روانہ ہوئی۔ اِدھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی اس کی اطلاع ہوئی اور آپ نے علیؓ اور زبیرؓ یا مقدادؓ کو حکم دیا کہ فوراً جائیں اور روضۂ خاخ پر پہنچیں جہاں وہ عورت ملے گی جو حاطب کا خط لئے جا رہی ہے۔ چنانچہ یہ حضرات روضۂ خاخ پر پہنچے اور عورت کو روک کر اس کے مال و اسباب کی تلاشی لی اور جب خط نہ ملا تو عورت کو ڈانٹا کہ یا خط حوالہ کرے ورنہ برہنہ کر کے تلاشی لی جائے گی۔ آخر عورت نے اوٹ میں آکر سر کھولا اور بالوں کے بندھے ہوئے گچھے میں سے خط نکال کر حضرت علیؓ کے حوالہ کیا جس کو لے کر یہ حضرات واپس ہوئے اور حضرتؐ کے حضور اس کو لا رکھا۔ اس کے بعد حضرت حاطبؓ کی طلبی ہوئی اور دریافت کیا گیا کہ کیا بات ہے جو ظہور میں آئی؟

حضرت حاطبؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ یہ خط میرا ہے مگر الحمدللہ میں مسلمان ہوں اور جو حرکت مجھ سے ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قریشی نہیں ہوں اور میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں مجھے خیال ہوا کہ عام مسلمانوں کے اہل و عیال کی حفاظت تو ان کے رشتہ اور تعلقِ رحم کی وجہ سے ہو گی مگر میں جب تک کوئی خاص احسان اہلِ مکہ کے ساتھ نہ کروں اس وقت تک میرے بچوں کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں اس کے ساتھ ہی میں سمجھتا تھا کہ اللہ کے پیغمبرؐ کو ضرور فتح حاصل ہونی ہے دشمنوں کو کوئی اطلاع دے یا نہ دے بہر حال بول بالا اسلام کا ہو گا پس بلحاظ منفعت کرم داشتن میں نے آپ کے عزم کی اطلاع اہلِ مکہ کو دے کر اپنے بچوں کی محافظتِ جان و مال کا وسیلہ بنانا چاہا تھا اور بس۔

حضرت فاروقؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہؐ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں مگر جب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ "اے عمر! تمھیں کیا خبر ہے جنگِ بدر میں شریک ہونے والے مسلمان

کس رتبہ کے ہیں اور کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ نے یوں کہدیا ہو کہ جو چاہو کرو میں تم کو بخش چکا ہے۔ تو حضرت عمرؓ زار زار گریہ طاری ہو گیا اور کہنے لگے کہ "اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے"۔ الغرض حضرت حاطبؓ کا قصور معاف کر دیا گیا اور حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "مسلمانو! ان کافروں سے کسی قسم کا رابطۂ اتحاد مت رکھو جو میرے اور تمہارے دونوں کے دشمن ہیں"۔

باب ۶۷

جنگ کی تیاری

چونکہ وہ وقت آگیا تھا کہ لات و عزیٰ اور منات کی مورتیں ملیامیٹ کی جائیں۔ کعبہ میں رکھے ہوئے اصنام نگوں سار ہوں اور مکہ سے کفر و شرک حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے اس لئے حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم کو اور بروایتے ابورہم یعنی کلثوم بن حصین غفاری کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان المبارک کی دسویں تاریخ کو دس ہزار مسلمانوں کا لشکرِ ظفر پیکر لے کر مدینے سے روانہ ہوئے اور راستہ میں دو ہزار ۲۰۰۰ مسلمانوں کی تعداد اور شامل ہوئی جس کو ملا کر اسلامی لشکر بارہ ہزار ہو گیا جن میں مہاجرین و انصار، اسلم و غفار، مزینہ اور سلیم و جہینہ جملہ اقوام کے مسلمان شریک تھے چونکہ مسلمان روزہ دار تھے اس لئے قدید پر پہنچکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار کیا اور آپ کو دیکھ کر تمام مسلمانوں نے روزے افطار کر لئے۔

ظفر پیکر لشکر منزل بمنزل چلا جاتا تھا کہ راستہ میں جحفہ مقام پر حضرت عباس مع اہل و عیال آتے ہوئے ملے جو جنگ بدر کے بعد مسلمان ہوئے پیچھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکّہ واپس ہو گئے اور اپنی سقایتِ زمزم کے منصب پر قائم تھے اور اب ہجرت کئے ہوئے مدینہ آرہے تھے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے معانقہ فرمایا اور کہا کہ جس طرح میری نبوّت آخری ہے اسی طرح عباس کی ہجرت آخری ہے چنانچہ حضرت عباسؓ لشکر کے ساتھ ہو لئے اور موکبِ ہمایوں نے مرّ الظہران پر قیام کیا۔ خیمے نصب ہوئے سواری کے جانور چھوڑ دیئے گئے اور خیموں کے سامنے آگ روشن کر دی گئی۔ اب تک اہلِ مکّہ بالکل بے خبر تھے کہ کل کو کیا ہوا چاہتا ہے۔ نہ کسی مخبر کی صورت ان کو دیکھنی نصیب ہوئی اور نہ کوئی جاسوس کسی قسم کی اطلاع لے کر آیا مگر چونکہ ان کے دل اپنے قصور کی پاداش کے اندیشہ سے خود بخود دہل رہے تھے اس لئے کبھی کبھی کوئی سردار اس انتظار میں شہر سے باہر نکل آتا تھا کہ شاید کوئی آتا ہوا مدنی شخص ملے اور معلوم ہو جائے کہ مسلمان کس خیال و ارادہ میں ہیں چنانچہ آج بھی ابوسفیان اور بدیل ابن ورقاء اسی جستجو میں نکلے

وئے تھے اور اتفاق سے یہاں آپہنچے تھے جہاں ہزار ہا آگ کے شعلے اُن کو نظر آرہے تھے۔
حضرت عبّاسؓ نے آخر مکہ میں پرورش پائی تھی اور جو لوگ بھی وہاں آباد تھے آخر وہ رشتہ اور کُنبہ کے تھے اس لیئے ان کو افسوس تھا کہ دفعۃً اسلامی لشکر مکہ میں پہنچا تو اہلِ مکہ پامال ہو جائیں گے کاش ان کو خبر مل جائے کہ اُن پر بلائے آسمانی آنے والی ہے۔ تو حاضرِ آستانہ ہو کر امن چاہیں اور رسول کے قدموں پر گر کر پناہ کے خواہاں ہوں کہ جان بخشی ہو جائے اور قتل و غارت سے بچ جائیں۔
اسی جستجو میں کہ کوئی لکڑہارا یا چرواہا مل جائے تو اُس کو پیغامبر بناؤں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر حضرت عبّاسؓ پیلو کے درخت تک آگئے تھے جو جنگل میں کھڑے ہوئے تھے کہ اُن کو آہٹ محسوس ہوئی اور انھوں نے سُنا کہ دو شخص باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے خزاعہ اپنا انتقام لینے کو مکہ پر چڑھ آئے۔ دوسرے نے کہا کہ خزاعہ کی تو نہ اتنی ہمّت ہے نہ اتنی تعداد۔ حضرت عبّاس کے کان میں یہ آواز پڑی تو انھوں نے پہچانا کہ ابوسفیان ہے چنانچہ یہ آگے بڑھے اور پکار اکر ابو حنظلہ! ابوسفیان نے اپنی خاص کُنیت سُنی تو حضرت عباس کی آواز پہچانی اور کہا کہ ابو الفضل؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں ہوں اور افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ مصیبت تمھارے سر پر آپہنچی اور اب کسی قریشی کو نجات ہونی مشکل ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر لشکر کے ساتھ تشریف لے آئے اور کل کو مکہ کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ ابوسفیان یہ اطلاع پاکر کانپ اُٹھا اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان کوئی تدبیر بتاؤ کہ امان ملے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میرے پیچھے خچر پر سوار ہو جاؤ کہ حضرت کے سامنے لے چلوں اور امان چاہنے میں جلدی کرو ورنہ اندیشہ ہے کہ یہیں گردن نہ اُڑا دی جائے۔
ابوسفیان نے جن کے چھکے چھوٹ چکے تھے اس مشورہ اور وقت کو غنیمت سمجھا اور حضرت عبّاسؓ کی پُشت کی جانب اُسی بغلہ پر سوار ہو گیا حضرت عباس بعجلت تمام نبوی خیمہ کی طرف لپکے اور راستہ میں جو بھی ملا وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر دیکھ کر خاموش ہو گیا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو دیکھ پایا کہ حضرت عبّاسؓ کے ساتھ بغلہ بیضاء پر سوار ہے اس لئے یہ کہہ کر تلوار لے کر لپکے کہ "شکر ہے اس خدا کا جس نے بلا معاہدہ و عقد کے تجھ پر قدرت بخشی کہ جس کا جی چاہے تجھے قتل کر دے" ادھر حضرت عباسؓ نے خچر کو تیز کیا اور اُدھر حضرت عمرؓ نے رفتار میں تیزی کی مگر سوار اور پیدل میں آخر فرق ہے اس لئے حضرت عباسؓ پہلے پہنچ گئے اور جلدی سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے۔ حضرت فاروقؓ جو پیچھے ہی آرہے تھے بولے کہ "یا رسول اللہؐ اجازت دیجئے کہ ابوسفیان کی گردن اُڑا دوں" ابوسفیان جس کی زندگی کا فیصلہ حضرتؐ کا لبِ مبارک ہلنے پہ تھا اس عالمِ بیکسی میں حیران تھا کہ دیکھئے کیا مقدر ہے

یہاں تک کہ حضرت عباس و فاروقِ اعظم میں گفتگو بڑھی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرما کر قصّہ طے کیا کہ "عباس! اِس کو لیجاؤ اور رات کو اپنے پاس رکھو صبح کے وقت آنا تب فیصلہ کیا جائے گا" چنانچہ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لے آئے اور علی الصّباح اس کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا جہان کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے تھے کب چاہتے تھے کہ ابوسفیان پر شفقت نہ فرمادیں۔ اِسلئے آپ مسکرائے اور محبت بھرے لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا کہ "ابوسفیان کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم کو معلوم ہو کہ خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے"

ابوسفیان یہ کریمانہ خطاب سنکر شرما گیا اور کہا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان تم کس قدر حلیم و کریم ہو اور کس قدر رشتہ داری و قرابت کا لحاظ رکھنے والے ہو۔ درحقیقت اگر کوئی شریکِ خدا ہوتا تو آج مصیبت پڑنے پر ضرور کام آتا۔

اِس کے بعد آپ نے فرمایا "تو کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لیتے کہ میں اللہ کا سچّا رسول ہوں؟"

ابوسفیان نے جواب دیا کہ "میرے ماں باپ تم پر قربان! تم کس قدر حلیم و کریم ہو اور کس قدر رشتہ و قرابت کا لحاظ رکھنے والے ہو۔ ابھی اس کی طرف سے دل میں کچھ شُبہ چلا جاتا ہے" حضرت عباسؓ نے یہ کلمہ سُنا تو گھبرا گئے اور فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان، جلدی کلمہ پڑھ اور اسلام لے آ اِس سے پہلے کہ گردن اُڑا دی جائے۔ چنانچہ ابوسفیان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" حضرت عباسؓ سمجھتے تھے کہ ابوسفیانؓ کا دل ابھی اچھی طرح صاف نہیں ہوا اور ایسے شخص کو جو عمر بھر حکومت و تفاخر کا عادی رہا ہے، مطیع بن کر عام مسلمانوں میں شامل ہونا سہل نہیں ہے اِس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوسفیان کو کوئی امتیاز عطا فرمائیے جس سے اُن کو اپنی قوم پر فخر کا موقع ملے چنانچہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بہتر ہے "جو کافر بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان دی جائے گی"۔ اِس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "نیز جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اُس کو بھی امان اور جو حرم میں داخل ہو جائے اُس کو بھی امان"

حضرت ابوسفیانؓ نے مسلمان ہو کر اور امتیازی تمغہ لے کر مکّہ جانا چاہا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ اچھا ہے اگر ابوسفیان کو اِن دو پہاڑیوں پر لے کر کھڑے ہو جاؤ جہاں کو اسلامی لشکر گذرے گا تا کہ اسلامی عظمت اُن کے قلب میں پیوست ہو جائے اور مشاہدہ سے نورانیت میں برکت ہو چنانچہ حضرت عبّاس رضؓ ابوسفیان رضؓ کو گھاٹی کے کنارے پر لے کر کھڑے ہو گئے اور اسلامی لشکر کا معائنہ کرایا۔ ابوسفیان رضؓ نے دیکھا کہ موکب ہمایوں قطار در قطار آرہا ہے کہ قبیلہ قبیلہ

الگ اور گروہ گروہ اپنے نشان سے ممتاز ہے۔ اوّل خالد بن ولید نشان لئے ہوئے نکلے جن کے ماتحت ایک ہزار بنی سلیم کا گروہ تھا جس وقت یہ لوگ ننگی تلواریں ہلاتے اور بآوازِ بلند تکبیر کہتے ہوئے چلے تو پہاڑ گونجنے لگے اور سننے والوں کے دل سینوں میں دہل گئے۔ اس کے بعد ہر گروہ مستانہ وار جوشِ شجاعت میں جھومتا اور اپنے سردار کے جھنڈے کے نیچے تکبیر کی آواز دل سے گونج پیدا کرتا ہوا نمبر وار گذر رہا تھا۔

ابوسفیان رضؓ ہر جماعت کو دیکھتے اور پوچھتے جاتے تھے کہ عبّاس یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضؓ اُن کو قبیلہ کا نام بتلاتے اور جتاتے جاتے تھے کہ فلاں جماعت ہے، اور فلاں گروہ یہاں تک کہ انصار کی وہ جماعت نظر آئی جنھوں نے اہلِ مکّہ کی رد کی ہوئی نعمت کو دامنوں میں لیا اور اس ضعف کے زمانہ میں اللہ کے پیغمبرؐ کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا تھا جب کہ آج کے دن کی حالت کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا انصار کا فوجی نشان حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جس وقت ابوسفیان رضؓ کے قریب پہنچے تو پکار اُٹھے کہ "اے ابوسفیان رضؓ! آج اُس جنگ کا دن ہے جس میں کعبہ کی حُرمت حلال سمجھی جائے گی" ابوسفیان رضؓ یہ کلمہ سُن کر گھبرا اُٹھے اور کہا کہ اے عبّاس رضؓ! افسوس آج مکّہ والوں کا کوئی مددگار نہیں۔

انصار کے بعد مہاجرین کا وہ مختصر گروہ چلا جس میں فلکِ اسلام کا ماہتاب جلوہ افگن تھا اور جنگ کا سیاہ نشان حضرتؐ کے پھوپی زاد بھائی زُبیر بن العوام تھامے ہوئے تھے آپ اُس روز سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اُسی قصواء اونٹنی پر سوار تھے جس پر مکّہ سے ہجرت کرتے وقت غارِ ثور کے لئے سوار ہوئے تھے اور بکمال شوق و ذوق سورۂ فتح کی وہ شروع آیتیں پڑھتے جاتے تھے جن میں حق تعالےٰ نے اس فتحِ عظیم کا آپ کو مژدہ سُنایا اور وقوع سے بہت قبل آج کا مبارک دن واقع ہونے کی بشارت دی تھی جس وقت آپ ابوسفیان کے قریب پہنچے تو ابوسفیان رضؓ نے حضرت سعد رضؓ کا کلمہ سُنایا کہ وہ کہتے ہیں "آج حرم کی حُرمت کے حلال ہونے کا دن ہے" آپ نے فرمایا کہ "نہیں اے ابوسفیان! آج تو وہ مبارک دن ہے جس میں کعبہ کی عظمت کی جائے گی اور اس کو لباس پہنایا جائے گا"

ایک زمانہ وہ تھا کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کو اہلِ مکّہ نے ہر طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں اَب ایک وہ زمانہ آیا کہ آپ اہلِ مکہ پر اپنی شفقت و رحمت ظاہر کرنے کے لئے تشریف لائے۔ ایک دن وہ تھا کہ آپ کو اپنا یہ وطن اندھیری رات کی تاریکی میں صرف ابوبکر رضؓ کو ساتھ لے کر چھوڑنا پڑا تھا اور ایک یہ دن ہے کہ آپ بارہ ہزار مسلمانوں کے سردار بن کر مکّہ فتح کرنے کے لئے دن کے وقت تشریف لائے ایک وہ وقت تھا کہ مکّہ کا بچہ بچہ آپ کی جان کا دشمن اور خون کا پیاسا بنا ہوا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ قریشی سردار جان کے خوف سے مکّہ چھوڑ بھاگنے پر تیار ہیں۔ غرض جب ابوسفیان نے تمام لشکر دیکھ لیا تو کہا کہ

"اے عباس رضؓ! تمھارے بھتیجے نے چند روز میں بڑی ترقی کر لی کہ اتنی فوج اور سلطنت بڑھالی" حضرت عباس رضؓ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ سلطنت نہیں نبوت ہے اور خدا داد عطیہ ہے کہ آپ کو آپ کی کوشش کا ثمرہ دُنیا ہی میں دیکھنا نصیب ہوا۔ اِس کے بعد ابوسفیان تو رخصت ہو کر مکّہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو پیدل اور بے ہتھیار فوج کا افسر بنایا اور حضرت خالد کو جو میمنہ پر تھے یہ حکم دیا کہ مکّہ کی اسفل جانب سے داخل ہوں اور بنفسِ نفیس مکّہ کی جانب اعلیٰ سے داخل ہونے کا قصد فرما کر جنّت المعلّٰی کی سمت حجون مقام پر قبہ اور اس جگہ جہاں اس وقت مسجدِ فتح تعمیر ہے نشان نصب کرایا +

باب ۶۸

فتح مکّہ

حضرت ابوسُفیان رضؓ مکّہ میں آئے تو بآوازِ بلند پُکار کر کہا کہ "اے قریش! یہ محمدؐ آگئے، ایسا لشکر لے کر جس کے مقابلہ کی تم میں سکت نہیں، سو اب نجات کی فکر کرو اور سُن لو کہ جو شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے گا اُس کو امان مِل جائے گی"۔ ابوسفیان رضؓ کی بیوی ہند بنتِ عتبہ کو یقین نہ آیا اور یہ کمزوری کی بات اِس قدر ناگوار گذری کہ اس نے شوہر کی مونچھیں پکڑ کر کہا کہ لوگو اِس بیوقوف چربی کی لوتھ احمق کو قتل کر ڈالو۔ ابوسفیان نے کہا اِس گھمنڈ میں نہ رہو اور اپنی لاطائل امیدوں کے غرّہ پر اپنے کو تباہ نہ کرو۔ پس آخری نصیحت یہی ہے کہ جان بچاؤ اور میرے گھر میں داخل ہو کر پناہ پکڑو۔ یہ سُنکر اہلِ مکّہ پر ہراس چھاگئی اور حسرت کے ساتھ ایک دوسرے کا مُنھ تکنے لگے کہ ابوسفیان کے گھر میں کون کون سما سکے گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہاں اور جو حرم میں گُھس آیا اس کو بھی امان ہے اور جس نے گھر میں بیٹھ کر اپنا دروازہ بند کر لیا اُس کو بھی امان ہے۔ تب لوگوں میں بھگی مچ گئی اور کوئی حرم میں آگُھسا اور کوئی ابوسفیان کے گھر میں اور جو بچے انھوں نے اپنے کواڑ بند کر کے کُنڈیاں لگالیں۔

عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن اُمیہ نے اس حالت میں بھی عافیت کی قدر نہ پہچانی اور لوگوں کو اُبھارا کہ "دوبک کر عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھ رہنا شرافت کے خلاف ہے اس لئے مارو اور مرو یہاں تک کہ فتح پاؤ اور یا شرافت کا نام چھوڑ کر ہمیشہ کی نیند سو رہو" چنانچہ اوباش اور مختلف قبائل کے لوگ آمادۂ جنگ ہو گئے جنھوں نے خندمہ میں جمع ہو کر عکرمہ کو اپنا سردار بنایا اور تلواریں لے کر اُس جانب چلے جدھر حضرت سیف اللہ خالد بن الولید تعینات تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا کہ دیکھا تم نے؟ اہلِ مکہ اب بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے اِس لئے جاؤ اور جو کوئی بھی آمادہ جنگ نظر آئے اُس کو کاٹ کر پھینک دو اور مجھ سے کوہِ صفا پر آکر ملو۔

صحابہؓ کے کانوں میں اِس حکم کا پڑنا تھا کہ جو قتل کا شیدا نہ تھا وہ بھی اہلِ مکہ کو قتل کرنے پر تل گیا۔ مگر عکرمہ کی جماعت ہی کیا تھی جو اس لشکرِ عظیم کی مزاحمت کرسکتی اس لئے جو بھی ملا صحابہؓ نے اس کو ہی سُلا دیا اور تھوڑی دیر میں بارہ اور بروایتے چوبیس کافر قتل کردیئے گئے جن میں بیس قبیلہ بنی بکر کے تھے اور چار ہذیل کے۔

مسلمانوں میں حضرت کرزؓ بن جابر فہری اور خنیسؓ بن خالد صرف دو صحابی شہید ہوئے اور وہ بھی اِس وجہ سے کہ جماعت سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؁

آخر لشکرِ اسلام مظفّر و منصور آگے بڑھتا چلا آیا اور ہزیمت خوردہ کفّار میں کسی نے اپنے گھر میں گھس کر کواڑ بند کرلیئے اور بعض سردارانِ قریش نے جلا وطنی کو وسیلۂ نجات سمجھ کر مکّہ کو چھوڑ دیا۔

ابو طالب کی ساری جائداد و مکانات چونکہ عقیل اور طالب یعنی ان دو بیٹوں کے قبضہ میں آئے تھے جو باپ کے انتقال کے وقت کافر تھے اور حضرت جعفر اور علی چونکہ مسلمان تھے اِس لئے ایک حبّہ نہ لے سکے تھے اور حضرت عقیل نے ساری جائداد بحالتِ کفر ہی بیچ کھوچ کر برابر کردی تھی اِس لئے اِس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں داخل ہوں ایک صحابی رضؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ مکہ میں کس مکان میں قیام فرمائیے گا؟ تو آپ نے یہ کہہ کر کہ عقیل نے چھوڑا ہی کیا ہے یوں فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں، اور کافر مسلمان کی میراث نہیں پاسکتا۔ کل انشاء اللہ مکّہ فتح ہونے پر خیف بنی کنانہ یعنی اس پہاڑی ٹیلہ پر قیام ہوگا جو پہاڑی کی تلہٹی میں سیلِ آب سے مرتفع اور جہاں مسجدِ خیف واقع ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ کفّارِ قریش نے ایک زمانہ میں حضرتؐ سے عداوت کی بنا پر بنی ہاشم و بنی مطّلب کو گویا برادری سے گرا دیا تھا اور اِس مضمون کا تحریری معاہدہ مرتب کیا تھا کہ نہ اُن سے لڑکی کا لین دین ہو اور نہ مال و اسباب کی خرید و فروخت۔ اور اس تین سال کے زمانہ میں جو قریش کی ظالمانہ روش کا ایک شعبہ تھا حضرتؐ کو اپنے کنبہ یعنی ہاشمی و مطلبی خاندان سمیت شعب ابو طالب میں رہنا اور فاقہ و بھوک کی ناقابلِ برداشت تکالیف کا جھیلنا پڑا تھا۔ یہ مقامِ خیف وہی جگہ ہے جہاں اِس معاہدہ کی تکمیل اور اس کی تعمیل پر قسما قسمی ہوئی تھی۔ آج اس جگہ قیام اسی لئے تجویز ہوا کہ وہ گذرا ہوا وقت یاد آکر نعمتِ خداوندی کا شکر ادا ہو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سانڈنی پر سوار، ۱۰ رمضان المبارک کو دن چڑھے مکّہ میں داخل ہوئے

صحابہ کا جم غفیر ہالۂ قمر کی طرح ہر چہار طرف سے آپ کو گھیرے ہوئے تھا اور آپ سورۂ فتح کی آیتیں پڑھتے جاتے تھے۔ تواضع کے سبب آپؐ کی گردن جھکی جاتی تھی، گویا کہ آپؐ ناقہ کے پالان ہی پر سر بسجود تھے۔ مسجد الحرام میں داخل ہو کر سب سے پہلے آپؐ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور پھر بیت اللہ کے گرد سات چکر لگا کر طواف کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا جن کے پاس کعبہ کی کنجی تھی اور قفل کھول کر حضرت بلال رضؓ کو ساتھ لئے ہوئے اندر داخل ہوئے وہاں جا کر فرشتوں اور پیغمبروں کی وہ مورتیں جن کی کافر پرستش کرتے تھے نکلوا کر پھنکوادیں۔ دو نفل نماز ادا کی اور دروازہ پر تشریف لا کر مختصر وعظ فرمایا جس میں توحید کا اعلان، اسلام اور تقویٰ کی ترغیب، نخوت کی برائی اور زمانۂ جاہلیت کے کینے اور عداوتوں کے ناقابل انتقام ہونے کا اظہار تھا اور بیت اللہ کی دربانی و سقایۂ زمزم کے سوا وہ تمام حقوق باطل فرمائے جو قریش نے اپنے لئے تجویز کر رکھے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے اہل مکہ سے جو حرم میں بھرے بیٹھے تھے اور بیکسی و عاجزی کے ساتھ آپ کا منھ تک رہے تھے، متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے اہل مکہ بتاؤ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ اور جب سب طرف سے یہ آواز آئی کہ اے ہمارے بھتیجے اور اے ہمارے شہزادے رحم و شفقت رحم و شفقت تو آپ نے وہ لفظ فرمائے جو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے خطادار بھائیوں سے کہے تھے کہ آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرے اور وہ تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے جاؤ! تم سب آزاد ہو اور کسی پر غلامی کا داغ آنے والا نہیں۔ اس کے بعد ایسا عجیب نظارہ ظاہر ہوا کہ اس جیسا تواریخ میں نہ لکھا گیا نہ لکھا جائے اور وہ یہ کہ جماعت پر جماعت آتی اور اسلام میں داخل ہو رہی تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کسی زمانہ میں دس برس ہوئے اہل مدینہ کی بیعت لے چکے تھے اسی طرح اہل مکہ سے بھی اقرار لے رہے تھے کہ ہم عبادت میں کسی کو خدا کا شریک نہ کریں گے، چوری زنا نہیں کریں گے، لڑکیوں کو ماریں گے نہیں، نہ جھوٹ بولیں گے اور نہ عورتوں پر جھوٹی تہمتیں دھریں گے اس طرح پر قرآن شریف کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس میں کھلے الفاظ سے یہ بشارت دی گئی تھی کہ "اے محمدؐ! ہم نے تم کو کامل اور کھلی فتح دی تاکہ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں اور نعمت تمام ہو کر نصرت کاملہ تم کو نصیب ہو۔"

کوئی مذہب اور کوئی عقیدہ کیسا ہی صاف یا چھوٹا کیوں نہ ہو نا آشنا کانوں میں ڈال کر دلوں میں بٹھانا جس قدر دشوار ہے اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اپنا ہم خیال بنانے کی کبھی کوشش کی ہو اس کے بعد جب یہ دیکھا جائے کہ کس قدر صاحب مذہب ہیں جنھوں نے اپنی کامیابی اپنی آنکھوں سے دیکھی تو اور بھی عقل حیران ہوئی جاتی ہے۔ بدھ مذہب کے بانی سکھیامنی اور یونانی حکیم افلاطون نے اپنے

فلسفیانہ خیالات کے پھیلانے کی جو کچھ کوشش کی اُس سے ہندی اور فارسی کی کتابیں بھری ہوئی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عالی دماغ بانیانِ مذہب اپنے مقصود کو پورا کئے بغیر ایسے وقت دُنیا سے رحلت کر گئے کہ اُن کے دشوار کام کا کوئی سنبھالنے والا بھی نصیب نہ ہوا۔ آخر نیابت کی مُہتم بالشّان خدمت خونخوار ——— شاگردوں اور ظلم کے خوگر بادشاہوں کے حوالہ ہوئی۔ چنانچہ عیسائی قوم کا بادشاہ قسطنطین بودھ مذہب کا باتحت حامل اشوکا زشتیوں کا نائب حاکم دارا اور اسرائیلی جماعت کا سردار پوشانظیر میں پیش کئے جاسکتے ہیں یہ فضیلت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مخصوص تھی کہ آپ اپنی رسالت کو بذاتِ خود پورا کریں۔ عرب جیسی اَن پڑھ اور ضدّی قوم میں ہدایت پھیلائیں، ہزاروں ہزار بندگانِ خدا کی زبانوں پر کلمۂ توحید جاری ہوتا ہوا کانوں سے سُنیں اور کُل رُوحانی و اخلاقی نعمتوں کی تکمیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ چنانچہ مکّہ جو نافِ ارض ہونے کی وجہ سے گویا زمین کی مملکت کا دارالسلطنت ہے جس روز دارالسّلام بنا اور کعبہ جس کو جلالت گاہ ہونے کی بنا پر بیت اللہ کا لقب ملنے کی عزّت حاصل ہے جس دن بُتوں کی گندگی و نجاست سے پاک صاف ہوا تو آپ کی بعثت کا وہ مقصودِ اعظم حاصل ہو گیا جس کے لئے آپؐ دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ آج کوہِ ابو قبیس و قعیقعان سے تکبیر و تحمیدِ الٰہی کی گونج سُنائی دینے لگی اور عرب کے ریگستانی ذرّے نورِ معرفت سے چمکتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ یا وہ وقت تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ کے خواہشمند ہو کر اپنے نفس کو قبائلِ عرب پر پیش کرتے اور ہر شخص کانوں پر ہاتھ دھر کر الگ ہو جاتا تھا اور یا یہ وقت ہے کہ ہر مجرم سے مجرم اور خطادار سے خطاوار شخص جو امان سے مایوس ہے حضرت اُس کو اپنی چھاتی سے لگاتے اور شفقت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ تمہارا کوئی شخص بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ایک دن وہ تھا کہ طائف کے بچوں اور اوباش غلاموں نے وعظ و نصیحت کرتے وقت آپؐ پر پتھر برسائے تھے اور ایک آج کا دن ہے کہ باوجود فاتح و قابو یافتہ ہونے کے تلواروں کو میان میں کر لینے کا حکم دیا گیا ہے کہ کسی دشمن کی اُنگلی بھی نہ کاٹو۔ یا وہ وقت تھا کہ اہلِ مکّہ نے آپ کے قتل اور قید کے منصوبے باندھے تھے۔ غلاموں تک نے ڈانٹا اور گالیاں سُنائی تھیں، یتیم و لاوارث سمجھ کر جس کسی نے جو کچھ چاہا کہہ لیا تھا اور یا یہ وقت ہے کہ بے رحم دشمنوں پر شفقتوں کی پکھالیں اُنڈیل کر اُن سے یوں کہا جاتا ہے کہ آج میں تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا جیسا کہ حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا تم کو ذلیل ہوتے دیکھ نہ سکوں گا اور تم پر ملامت ہوتے سُن نہ سکوں گا۔ ع

"بہ بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا"

یہ ہے نبوّتِ محمدیہ کا کارنامہ جس کی نظیر عالم میں ملنی ناممکن ہے اور یہ ہیں وہ اخلاق جن پر مسلمانوں

کو آج تک ناز اور دعویٰ ہے کہ سردارِ انبیاء میں ہر خصلتِ محمودہ بدرجۂ اتم موجود تھی۔ دنیا بھر میں کسی مذہب اور کسی قوم کو اگر دعویٰ ہو تو اپنے پیشوا کے حالات بیان کرے اور اخلاقِ محمدیہ کے ساتھ مقابلہ کر کے دکھائے کیونکہ کھوٹا کھرا کسوٹی پر کس کر جانچا جا سکتا ہے اور اَدنیٰ و اعلیٰ مقابلہ ہی کے وقت پہچانا جا سکتا ہے

جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے فضالہ بن عمیر لیثی نے چاہا کہ اہلِ مکہ کے دلوں کا غبار نکالے اور موقع پا کر آپ پر پیش قبض چلائے۔ مگر حضرتؐ نے اس کی پروا بھی نہ کی اور جب فضالہ پاس آیا تو مسکرا کر فرمایا کہ فضالہ ہیں؟ فضالہ نے جواب دیا کہ جی حضور! آپ نے فرمایا کہ دل سے کیا باتیں کر رہے ہو؟ فضالہ نے کہا کہ کچھ نہیں یادِ الٰہی میں مشغول ہوں۔ حضرتؐ ہنسے اور فرمایا کہ توبہ کر دو یہ جھوٹ بولنا اور وہ بھی بحالتِ طواف بڑا گناہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ فضالہ کے سینہ پر رکھا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے دست مبارک میرے سینے سے اُٹھایا نہیں تھا کہ میرے قلب کو سکون حاصل ہو چکا تھا اور حضرتؐ کی محبت دل میں ایسی جگہ کر گئی تھی کہ آپ سے زیادہ دنیا میں کوئی پیارا معلوم نہیں ہوتا تھا اس کے بعد آپ اپنی چچازاد بہن اُمِّ ہانی کے گھر میں تشریف لائے اور غسل فرما کر آٹھ رکعت قبل از دوپہر چاشت کے وقت اَدا فرمائیں۔

ایک زمانہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے درخواست کی تھی کہ بیت اللہ کا قفل کھول دو تو میں اندر سے زیارت کر لوں مگر عثمان نے سختی سے انکار کیا اور آپؐ کو جھڑک دیا تھا۔ اُس وقت آپ نے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ کیا عجب ہے ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو کہ جسے چاہوں دوں۔ عثمان نے جواب دیا تھا کہ خدا وہ دن نہ دکھائے قریش کی کس قدر ذلت کا دن ہوگا اگر ایسا ہوا۔ تو حضرت یوں فرما کر خاموش ہو رہے تھے کہ "نہیں وہ دن قریش کی ذلت کا نہ ہوگا بلکہ ان کی عزت بڑھے گی اور اُن کا اکرام کیا جائے گا" بات تو آئی گئی ہو چکی تھی مگر آج جب حضرتؐ نے عثمان بن طلحہ سے کنجی لے کر دروازہ کھولا تو عثمان کو وہ قول یاد آ گیا اور باوجودیکہ حضرت عباس رضؓ نے عرض بھی کیا کہ کنجی بردار مجھ کو بنا دیجئے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا اور کنجی یہ کہہ کر عثمان کے حوالہ کی کہ تم کو یہ خدمت مبارک ہو اور اب اس کو بجز ظالم کے کوئی تم سے نہ چھینے گا اور جب حضرت عثمان کنجی لے کر چلنے لگے تو آپ نے دوبارہ آواز دی اور فرمایا کہ عثمان وہ بات بھی یاد ہے جس کو مدت ہوئی میں نے زبان سے نکالا تھا؟ حضرت عثمان اُس وقت شرما گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ خوب یاد ہے حق تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہم پر فضیلت دی اور بیشک ہم ہی خطا وار تھے۔

اہلِ مکہ کے ساتھ باوجودیکہ انھوں نے مسلمانوں پر ہر قسم کی زیادتیاں کی تھیں اور کسی زمانہ میں ایذا

سانی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا۔ حضرتؐ کی طرف سے نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا گیا اور آپ نے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ اب تلوار نہ نکالیں اور مکّہ والوں کے ساتھ بلطف و کرم پیش آویں۔ البتہ گیارہ مرد اور چھ عورتیں جنھوں نے ناقابلِ عفو جرم کئے تھے، قصوروار باقی رہے اور اجازت دی گئی کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔

وہ گیارہ مرد جن کے خون ہدر کئے گئے تھے مفصلہ ذیل ہیں: ابوجہل کا بیٹا عکرمہ۔ اُمیہ کا بیٹا صفوان۔ میر حمزہ کا قاتل وحشی۔ سعد بن ابی سرح کا بیٹا عبداللہ۔ زہیر کا بیٹا کعب۔ اسود کا بیٹا ہبار۔ زبعری کا بیٹا عبداللہ۔ خطل کا بیٹا عبدالعزیٰ۔ صبابہ کا بیٹا مقیس۔ نغیل بن وہب کا بیٹا حارث۔ نقید کا بیٹا حویرث۔ چنانچہ پچھلے چار قتل کئے گئے اور باقی سات مسلمان ہو جانے کے سبب چھوڑ دیئے گئے۔

اور وہ چھ عورتیں جن کو قتل کرنے کی اجازت دی گئی تھی ابوسفیان کی بیوی ہند اور ابن خطل کی دو باندیاں قرتنا و قریبہ اور ارنب، سارہ و اُمِ سعد ہیں۔ جن میں آخر کی چار عورتیں قتل کی گئیں اور ہند و قرتنا مسلمان ہو گئیں۔

بیت اللہ کے اندر اور اِردگرد ایام سال کی تعداد کے موافق تین سو ساٹھ بُت چسپاں اور منصوب تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اُس لکڑی سے جو آپ کے دست مبارک میں تھی بتوں کی طرف اشارہ کیا، یہ آپ کا معجزہ تھا کہ جس بُت کے مُنھ کی طرف اشارہ ہُوا وہ چت اور جس کی پُشت کی جانب اشارہ ہوا وہ اوندھے مُنھ گر گیا یہاں تک کہ کُل وہ مورتیں جن کے پاؤں سیسہ سے جمائے گئے تھے زمین پر آ پڑیں اور وہ تصویریں جو دیوارِ کعبہ پر کھنچی ہوئی تھیں چاہِ زمزم سے پانی منگوا کر دُھلوا دی گئیں۔ اِس طرح کفّار کے مصنوعی خدا اور ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیں بالکل توڑ ڈالی گئیں۔ بُت پرست اپنے جھوٹے معبودوں کو ٹوٹتے ہوئے حسرت کے ساتھ دیکھتے تھے لیکن آج اُن پر یہ بات کُھل گئی تھی کہ اُن کی مورتیں بالکل بیکار ہیں اور اب اُن کو یہ آیتِ قرآنی جس پر وہ ایک زمانہ میں ہنستے تھے سچ معلوم ہونے لگی کہ "حق آیا اور باطل غائب ہوا حقیقت میں باطل ایک دن مٹنے والا ہے" آپ کی شفقت و کرم گستری اور ظالموں کے ساتھ احسان و دریادلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو اہلِ مکّہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے وہ تو بھاگ گئے باقی جو بھی آیا وہ سر جھکاتا اور کلمۂ شہادت پڑھتا ہوا آیا یہاں تک کہ عین اُس وقت جب کہ آپ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے نومسلموں کو بیعت فرما رہے تھے حضرت ابوبکرؓ اپنے بوڑھے باپ ابو قحافہ کو جن کی بصارت جاتی رہی تھی، ہاتھ تھامے ہوئے لے کر آئے تو حضرتؐ نے یوں فرما کر کہ بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی ہم ہی اُن کے مکان پر چلے چلتے اُن کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور حضرت ابو قحافہ رضؓ جن کی سفید ڈاڑھی نیچے لٹک رہی تھی بصدق

دل مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ خضاب کرو اور ڈاڑھی کو مہندی سے رنگ لو تاکہ یہود سے مشابہت نہ رہے۔

فتح مکہ کے دن اسلامی لشکر میں مہاجرین کا شعار یا بنی عبدالرحمٰن اور انصار میں خزرج کا شعار بنی عبداللہ اور قبیلۂ اوس کا شعار یا بنی عبید اللہ تھا۔

باب ۶۹

مجرموں کے انجام اور مکہ کی سیاست و انتظام

گیارہ مرد اور چھ عورتیں جن کے خون ہدر کئے گئے اور دربار نبویؐ سے حکم ہوا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں چونکہ قابلِ ذکر ہیں تاکہ ان کے جرائم اور جرم کے انجام و نتائج معلوم ہو جائیں اس لئے مختصر ا ہر ایک کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

عبدالعزیٰ بن خطل عرصہ ہوا مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور عبداللہ نام قرار پایا تھا مگر اس وقت جب کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کو محصّل بنا کر اس کو بھیجا تھا اس نے اپنے خدمت گار کو اس قصور پر کہ کھانا پکنے میں ذرا دیر ہو گئی تھی جان سے مار ڈالا اور خود اس خوف سے کہ مدینہ واپس ہونے پر قصاصاً قتل کیا جائے گا مرتد ہوا اور مالِ زکوٰۃ لے لوا کر مکہ چلا آیا تھا۔ آج فتح مکہ کے دن جب کہ اس کا خون ہدر کیا گیا تو کہیں جائے فرار نہ پا کر حرم شریف میں گھس آیا اور بیت اللہ کے پردوں سے لپٹ گیا کیونکہ سمجھتا تھا کہ یہاں ضرور جان بچ جائے گی مگر چونکہ اسلام کی ترقی اور کفر کے ملیامیٹ کر دینے کے لئے آج کے دن حرم میں بھی قتل کی اجازت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی۔ اس لئے جس وقت ایک مخبر نے آپ کو یہ خبر پہنچائی کہ عبدالعزیٰ پردہائے کعبہ کو پکڑے کھڑا ہے تو آپ نے حکم فرمایا کہ جاؤ اور فوراً قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ارشاد عالی کی تعمیل کی گئی اور ابن خطل کا خون دیوارِ کعبہ کے نیچے بہا دیا گیا۔ فتح مکہ کے اگلے دن جو وعظ آپ نے فرمایا اس میں ظاہر کر دیا تھا کہ مکہ زمین کی پیدائش کے دن سے عنداللہ محترم ہے اور قیامت تک اس کی یہ حرمت باقی رہے گی کہ ہر اس شخص کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو نہ یہاں خون بہانا جائز ہے اور نہ درخت کاٹنا حلال۔ اور اگر کوئی میرے فعل سے استدلال کرے تو اس سے کہدو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں ہے اور میرے لئے بھی صرف دن کی ایک ساعت کے لئے قتال حلال ہوا تھا اس کے بعد آج اس کی حرمت وہی ہو گئی جو کل تھی۔ پس حاضرین کو چاہئے کہ دوسروں کو یہ مضمون

...ادیں۔

مقیس بن صبابہ بھی مسلمان ہوکر مدینہ میں ہجرت کرگیا تھا۔ مگر وہاں ایک عجیب قصہ پیش آیا کہ اس کے ...لم بھائی ہشام بن صبابہ کو ایک انصاری نے مشرک سمجھ کر قتل کردیا اور جس وقت مقیس کی طرف سے ...دم ہشام کے قتل کی بابت عدالتِ نبویؐ میں استغاثہ دائر ہوا تو قاتل انصاری بلائے گئے اور ...ا علیہ قرار دیئے گئے مگر چونکہ یہ قتل خطاءً صادر ہوا تھا اس لئے اس سچے اظہار کے بعد شرعی قانون ...موافق انصاری مسلمان پر دیت کے سو اونٹ واجب کئے گئے اور یہ خون بہا وصول کرکے مقیس ...ہدیا گیا۔ معاملہ طے ہولیا اور عدل و انصاف کے قاعدہ پر جھگڑا مٹ چکا تھا مگر مقیس کو اس کی خباثت ...لیند ور طبیعت نے پیغمبرؐ کے فیصلہ پر راضی نہ ہونے دیا اور اس نے موقع پاکر اپنے بھائی کے قاتل ...ماری مسلمان کو قتل کرڈالا اور گرفت و مواخذہ کے اندیشہ سے مرتد ہوکر مکہ بھاگ آیا۔ آج جبکہ ...وق العباد کی تلافی کی جارہی تھی تو اس کا خون ہدر ہوا۔ چنانچہ حضرت نمیلہؓ بن عبداللہ لیثی نے ...ن اس وقت جب کہ مقیس اپنے مشرک رفقاء کے ساتھ ایک گوشہ میں بیٹھا شراب پی رہا تھا قتل کیا۔

حارث بن طلاطلہ اہلِ مکہ میں وہ ایذا رساں کافر تھا جس نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ...پہنچانا اپنی عزت سمجھ رکھا تھا۔ اس کی خباثت حد سے بڑھ گئی اور شانِ رسول میں ناشائستہ کلمات اس کے ...یہ کلام بنے ہوئے تھے آج فتح مکہ کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

حویرث بن نقید بھی ایذا رسانی و ہجو بیانی میں حارث کے قدم بقدم تھا جب غلبۂ اسلام کے ...بارک دن اس کا وقت آن کر برابر ہوا اور موت سر پر کھیلی تو خوف زدہ ہوکر گھر میں بیٹھ رہا حضرت علیؓ ...لاش کرتے ہوئے اس کے گھر پہنچے تو جواب ملا کہ "جنگل گیا ہوا ہے یہاں موجود نہیں" حالانکہ گھر میں ...موجود تھا مگر یہ جواب سنکر حضرت علی واپس ہوگئے اس کے چند ہی لحظہ بعد حویرث گھر سے نکل کر کسی جانب ...بانا چاہتا تھا کہ راہ میں حضرت علیؓ نے دیکھ پایا اور واصل جہنم کیا (یہیں وہ چاروں مقتول مرد جن کو فتح مکہ میں جان سے مارا گیا)۔

عکرمہ بن ابوجہل کی ایذا رسانی محتاج بیان نہیں ہے۔ عکرمہ نے اپنے باپ ابوجہل کی دیکھا دیکھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ غزوۂ مکہ میں بھی خالد بن ولیدؓ کے لشکر کی مزاحمت عکرمہ نے کی اور دو شہید ہونے والے مسلمانوں میں ایک مسلمان عکرمہ ہی کے ہاتھ سے شہید ہوئے مگر اللہ کی رحمت کے دریائے ناپیدا کنار کی غواصی انسان کی طاقت سے باہر ہے جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عکرمہ کے ہاتھوں فوجی مسلمان کے شہید ہونے کی اطلاع

ہوئی تو آپ مُسکرا دیئے اور فرمایا کہ قاتل و مقتول دونوں جنت میں نظر آتے ہیں۔
صحابہ رضؓ کو یہ کلمہ سُنکر تعجب ہوا اور سمجھ گئے کہ اس لفظ میں عکرمہ کے مسلمان ہونے کی بشارت تھی
مکہ پر اسلامی تسلط ہونے پر عکرمہ نے اپنی بغاوت یاد کر کے اس اندیشہ سے کہ یہ برسوں کی خطائیں ہرگز قابل عفو
نہیں ہیں مکہ چھوڑ کر جلا وطنی اختیار کی مگر عکرمہ کی بی بی اُم جمیل جو مسلمان ہو کر اپنے باغی خاوند کے لئے
امان کی خواہشمند ہوئیں تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کے خون ہدر ہونے کا حکم واپس لے لیا
اُم جمیل رضؓ اپنے خاوند کی تلاش میں مکہ سے باہر نکلیں اور اُس وقت جب کہ عکرمہ سمندر کے کنارے پہنچ لیا اور جہاز پر
چڑھ کر کسی دوسرے مُلک میں جانے کا تہیّہ کر رہا تھا، خاوند سے ملیں اور بارگاہ رسالت سے امان حاصل ہونے کا
ذکر کر کے واپسی کی خواہش کی۔ عکرمہ یہ حال سُنکر حیران ہو گیا کبھی اپنی عداوت و بغاوت کے قصے یاد کرتا اور
کبھی اس لُطف و کرم اور نرمی و ملاطفت پر نظر ڈالتا تھا۔ آخر کار اُم جمیل کے ہمراہ ہو لیا اور مکہ واپس آکر رسول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھ کو امان مرحمت فرمائی ہے
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ "ہاں تم کو امان دی گئی ہے" یہ جواب سُنکر عکرمہ
حیران ہو گیا اور یہ کہہ کر کہ اس قدر تحمل و کرم اور عفو و چشم پوشی نبی کے سوا دوسرے میں نہیں ہو سکتی مسلمان ہو گئے
اسلام لانے کے بعد حضرت عکرمہ رضؓ کی یہ حالت ہوئی کہ قرآن مجید دیکھ کر ایک وجد کی حالت پیدا ہوتی
اور یہ کہہ کر کہ "یہ میرے رب کا کلام ہے" رقت طاری ہو جاتی تھی۔ خلافت صدیقی میں جب کہ فتنۂ مرتدین کے
دفع کرنے کے لئے بارہ لشکر مرتب کئے گئے تھے ایک لشکر کی سپہ سالاری حضرت عکرمہ کے ہاتھ میں تھی اور اسی
مبارک عہد میں حضرت عکرمہ جنگِ اجنادین کا ہولناک منظر دیکھتے ہوئے شہید ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
صفوان بن اُمیّہ نے بھی ایذا و کفر میں عکرمہ کا ساتھ نہیں چھوڑا یہاں تک کہ غزوۂ مکہ کے اسلامی لشکر
کی مزاحمت میں عکرمہ رضؓ کی مرافقت بھی کی اس لئے اسلام میں بھی ساتھ چھوڑنا گوارا نہ ہوا البتہ حضرت
عکرمہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور حضرت صفوان کا اسلام غزوۂ حنین کے بعد ہے۔ رسولِ مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر بن وہب جمحی کی سفارش پر ان کے ہدرِ خون کا حکم واپس لے لیا اور امان
کی علامت میں اپنا عمامہ حضرت عمیر رضؓ کے حوالے فرمایا۔ حضرت عمیر رضؓ نے صفوان کو عین اُس وقت جبکہ وہ بھی دریائی
سفر کے لئے تیار تھا امان کی اطلاع دی اور صفوان نے حاضر ہو کر دو ماہ کی مُہلت مانگی کہ میں سوچ
لوں۔ حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دو ماہ چھوڑ چار ماہ کی مُہلت ہے۔
جنگِ حنین کے وقت سو زرہ اور اسی کے موافق جنگی سامان صفوان سے عاریۃً لیا گیا اور جب فتح حنین
کے بعد مالِ غنیمت کے بھیڑ بکری اُونٹوں کے گلے پر صفوان کی نظر پڑی تو صفوان حیران ہو کر بولے کہ کس قدر

ں میں جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔" یہ سُن کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے صفوان لیجاؤ یہ سارا گلہ
ینے تم کو ہبہ کیا" صفوان بن اُمیّہ رسالتمآبؐ کی یہ دریادلی دیکھ کر حیران ہو گئے اور یہ کہہ کر کہ "اس قدر
ودت سوائے پیغمبرؐ کے دوسرے میں نہیں پائی جاسکتی" مسلمان ہو گئے۔

وحشی کے ہاتھ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّ بزرگوار سیدنا امیر حمزہؓ کا شہید ہونا وحشی
ون ہدر ہونے کا سبب ہوا تھا لیکن وحشی اس سے پہلے کہ قتل کیا جائے طائف کی جانب بھاگ گیا کیونکہ
صحابہؓ وحشی کے خون کے پیاسے تھے اور ہر مسلمان چاہتا تھا کہ حمزہؓ کے قاتل کا خون میرے ہاتھ سے
یا جائے مگر خیال پورا نہ ہونے پایا اور وحشی قرآن کی یہ آیت سُن کر کہ "اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بندو اللہ
ہمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ تمام گناہ بخشدے گا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر
لمان ہو گئے حضرت وحشی نے خلافتِ صدیقی میں مسیلمہ کذّاب کو قتل کیا ہے اور اس خطا کی عملاً تلافی کی جو
التِ کفر حضرت امیر حمزہ رضؓ کو قتل کرنے کی ان سے صادر ہوئی تھی۔

عبداللہ بن ابی سرح فتح مکّہ سے قبل مسلمان ہوا اور کتابتِ وحی پر مامور ہوا تھا۔ ایک بار "واللہ سمیعٌ
بصیرٌ" یا "اِنَّ اللہَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ" جیسی آیتوں میں یہ قصہ پیش آیا کہ وحی کے نقل کراتے وقت اس سے قبل کہ
خری کلمہ زبانِ نبویؐ سے ارشاد ہو عبداللہ کاتب وحی کے دل میں وارد ہوا اور اس نے زبان سے کہدیا۔
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرما کر کہ "ہاں یہی نازل ہوا ہے" نقل کرا دیا مگر عبداللہ کی گمراہی
لئے یہ وسوسہ کافی ہو گیا اور اس نے وحی کا دعویٰ کرنے کے بعد عام طور پر مشہور کیا کہ جو کلمات محمد صلی اللہ
یہ وسلم پر وحی ہوتے ہیں وہی مجھ پر القا کئے جاتے ہیں نیز کبھی یہ بھی بیان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر بھی
ہیں ہوتی اور میں جو چاہتا ہوں لکھ دیتا ہوں۔ الغرض عبداللہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور آج فتح کے
ن خون بہائے جانے کے اندیشہ سے عثمانی امان میں پناہ گزیں ہوا کیونکہ حضرت ذوالنورین عبداللہ کے رضاعی
ھائی تھے۔ حضرت عثمانؓ ہی نے کمال سعی و کوشش کے ساتھ عبداللہ کا قصور معاف کرایا اور عبداللہ مسلمان
و گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ کی عرصہ تک یہ حالت رہی کہ اپنے ارتداد اور دعویٰ نبوّت کی شرم و ندامت
ے سبب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مُنہ نہ کر سکے آخر کار عثمانی کوشش سے یہ حجاب مرتفع ہوا
ور حضرت عبداللہ کو نبوی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ خلافتِ عثمانیہ میں جب کہ حاکم مصر مقرر ہوئے
ے ملک افریقہ کی فتح انھیں کے ہاتھوں ہوئی اور آخر شہادتِ حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمان کے خون سے بچنے کی
نیت پر یکسو ہو بیٹھے اور پیش آنے والی اسلامی خانہ جنگیوں میں کسی فریق کے طرف دار نہیں بنے۔

کعب بن زہیر ایک شیریں بیان شاعر تھا جس نے ابتدائے اسلام میں جب کہ عرب کو کلمۂ توحید سے

تنفر تھا اپنے بھائی کو دریافتِ حال کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس روانہ کیا تھا چنانچہ کعب کے بھائی جذبۂ اسلام کی مقناطیسی کشش کے سبب مسلمان ہوکر مدینہ سے واپس نہ آسکے اور بھائی کو لکھ بھیجا کہ "آخرت سنبھالنے کے لئے کسی کی تصدیق کی حاجت نہیں ہے اگر بھلا چاہتے ہو تو بلا تامل حاضر ہوکر مجھ جیسے بن جاؤ" کعب کو بھائی کا وہاں رہ جانا اور بلا مشورہ مسلمان ہوکر اس طرح بیباکانہ جواب لکھ بھیجنا اس قدر ناگوار گذرا کہ اس نے اس خط کے جواب میں چند اشعار ہجویہ لکھ بھیجے جن میں ایک شعر یہ بھی ہے ؎

سقاك ابوبكرٌ بكأسٍ رديةٍ   فانهلك المامور منها وعلّكا

(اوّل ابوبکرؓ نے تجھ کو ایک ناقص پیالہ پلایا اور اس کے بعد وہی پیالہ اُس شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھ کو پلایا جو ابوبکرؓ سے علاقہ رکھتا ہے اور بار بار پلایا۔) اس کے بعد کعب کی بغاوت اور مخالفت دن بدن زیادہ ہوتی رہی اور آخر فتح مکہ کے دن جان کے اندیشہ سے اُس کو مکہ چھوڑنا پڑا۔

چند روز بعد جب کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیاستِ مکہ سے فارغ ہوکر مدینہ واپس تشریف لے گئے تو کعب بن زہیر مدینہ حاضر ہوکر اسلام لانے کی نیت سے روانہ ہوا۔ راتوں چلتا دنوں چھپتا اُس وقت جب کہ سید البشر مسجد میں تشریف فرما تھے مسجد کے دروازہ پر اونٹنی بٹھا کر یکبارگی چیخ اُٹھا کہ "میں کعب بن زہیر ہوں، اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله"۔ اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

ان الرسول لسيف يستضاء به   مهند من سيوف الهند مسلول

(حقیقت میں پیغمبر قابلِ تعریف ہندی تلواروں میں ایک ایسی ننگی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔) اس شعر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح بھی فرمائی اور بجائے سیف کے نور اور سیوف الہند کے "سیوف اللہ" بنوادیا جس کا ترجمہ یوں ہوگیا کہ (پیغمبر اللہ کی تلواروں میں ایک ننگی تلوار اور ایسے نور ہیں جس سے دوسرے روشن ہوجاتے ہیں۔)

یہ قصیدہ "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے اور اسی قصیدہ کے صلہ میں حضرت کعبؓ کو وہ ردائے نبوی مرحمت ہوئی جس کو اپنی مدت العمر حضرت کعبؓ نے علیحدہ کرنا گوارا نہیں کیا اور باوجود حضرت امیر معاویہؓ کے اصرار اور دس ہزار قیمت دینے کے بھی فروخت کرنا منظور نہیں فرمایا البتہ ان کے انتقال کے بعد اُن کی اولاد سے بیس ہزار دینار کے عوض وہ چادر لی گئی اور شاہی تبرکات میں داخل کی گئی

اسلام لانے کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لکھا ہوا ہجویہ شعر جس کو ہم اوپر لکھ چکے ہیں کعب کو سنایا اور مزاح کے طور پر دریافت فرمایا کہ یہ شعر بھی تمہارا ہی لکھا ہوا ہے؟ حضرت کعب آخر شاعر تھے اور

حاضر جوابی میں مہارتِ تامّہ رکھتے تھے، عرض کرنے لگے کہ بیشک یہ شعر میرا ہے مگر نہ اس طرح جیساکہ آپ نے پڑھا بلکہ رَوِیّہ میں دال کی جگہ واؤ ہے جس کے معنی خوش گوار کے ہیں اور مامور نہیں بلکہ ماموں ہے جس کے معنی امانت دار کے ہیں۔ اِن دو حروف کی تبدیلی سے ہجو یہ شعر مدحیہ بن گیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسائی ذہن سے خوش ہو کر آفریں فرمائی۔

ہبّار بن اسود کا یہ جرم تھا کہ جب جنگِ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے وقت ابوالعاص اس شرط پر رہا کئے گئے کہ اپنی بی بی یعنی حضرت کی بڑی صاحبزادی زینب کو مدینہ بھیج دیں تو ابورافع اور مسلمہؓ ان کے لینے کو مکّہ گئے اور ابوالعاص نے وعدہ کے موافق حضرت زینبؓ کو ہودج میں بٹھلا کر مدینہ کی جانب روانہ کر دیا۔

ہبّار بن اسود نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا اور چند اوباش کفار کو ساتھ لے کر مدینہ کے راستہ میں حضرت زینبؓ پر حملہ آور ہوا۔ دونوں صحابہ سے مقاتلہ ہوا اور آخر ہبّار نے حضرت زینبؓ کے ایک نیزہ مارا آپ کی وہ تاب نہ لا سکیں اور پتھر پر گر پڑیں۔ حضرت زینبؓ حاملہ تھیں اِس صدمہ سے حمل گر گیا اور اسقاطِ حمل کے اُس مرض میں گرفتار ہوئیں جس سے جاں بر نہ ہو سکیں اور آخر مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد راہیِ ملکِ بقا ہوئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

فتحِ مکّہ ہی کے دن ہبّار بن اسود کا خون ہدر رہا مگر ہبّار اس سے پہلے کہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے رُوپوش ہو گیا آخر حضرت کعبؓ کی طرح عین اس وقت جب کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے مدینہ پہنچکر اچانک نبوی دربار میں حاضر ہوا اور بآوازِ بلند پکارا کہ میں ہبّار بن اسود ہوں اور مسلمان ہو کر حاضر ہوا ہوں۔" رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول فرما کر بیعت لے لی اور جانکاہ حادثہ کے متعلق جو کچھ قصور صادر ہوا تھا معاف فرما دیا۔

گیارھویں مرد یعنی عبداللہ بن زبعری کے جرم اور اسلام کی صورت کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملی۔

واجب القتل چھ مستورات میں ہندہ بنت عتبہ نے جو ابوسفیان کی بی بی تھیں، مسلمانوں کے ساتھ جو سختی کا برتاؤ کیا تھا وہ جگہ جگہ معلوم ہو چکا ہے خصوصاً حضرت حمزہؓ کو قتل کرانا اور نعش کے ساتھ وحشیانہ حرکت سے پیش آنا کہ سینہ چیر کر کلیجہ نکالا اور دانتوں سے چبایا، چہرے کے اعضاء کاٹے اور ناک کان کا ہار بنا کر پہنا۔ اِس جرم میں ہندہ کا خون ہدر کیا گیا لیکن اِس سے پہلے کہ قتل کی جائیں، ہندہ عورتوں کے زمرہ میں شامل ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور مسلمان ہو گئیں۔

حضرت ہندہ نے مسلمان ہوئے پیچھے گھر واپس آ کر وہ ساری مورتیں جو پرستش کے لئے رکھی ہوئی تھیں توڑ ڈالیں اور یہ کہہ کر کہ "افسوس میری اتنی عمر تمہارے فریب میں ضائع ہوئی" بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے

کر ڈالا۔ ہندہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہا کرتی تھیں کہ "یا رسول اللہ! ایک دن وہ تھا کہ میرے نزدیک زمین پر آپ سے زیادہ دشمن کوئی نہ تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ دنیا میں آپ سے زیادہ پیارا اور محبوب کوئی نظر نہیں آتا۔" ہندہ رضی نے ایک مرتبہ بکری کے دو بچے ہدیۃً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر گذرانے اور عرض کیا کہ میرے پاس بکریاں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ نے برکت کی دعا فرمائی اور چند ہی روز بعد اس کا ایسا ظہور ہوا کہ ان سے بکریاں سنبھالی سنبھلتی تھیں۔

قرتنا اور قریبہ ابنِ خطل کی دو باندیاں اور ارنب ابن خطل کی آزاد کی ہوئی لونڈی تینوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں لغو و بیہودہ اشعار سُریلی آواز سے گایا اور سُننے والے اہلِ مکہ کے دل لبھایا کرتی تھیں۔ اِن تینوں کنیزوں کے بھی خون ہدر کئے گئے تھے جن میں قریبہ اور ارنب ماری گئیں البتہ قرتنا خوف زدہ ہو کر مکہ سے بھاگ گئی اور جب کسی مکی شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان حاصل کر لی تو قرتنا حاضرِ خدمت ہو کر مسلمان ہو گئیں۔

سارہ بنی مطلب کی آزاد شدہ باندی تھی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزا کرنے اور ہجویہ اشعار گانے، ایذا پہنچانے اور بیہودہ مخول اُڑانے میں بیباک تھی۔ چونکہ فتح مکہ کے دن اس کا بھی خون ہدر ہوا تھا اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں قتل ہوئی البتہ چھٹی عورت یعنی ام اسعد کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ بھی آج ہی کے دن قتل ہوئی، اور اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ کون تھی اور کیا خاص جرم تھا اور کس نے قتل کیا۔

مکہ مکرمہ میں کل مورتوں کے برباد کرنے اور تمام رسوماتِ مشرکانہ کے منسوخ فرمانے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ با آوازِ بلند پکار دے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت یا مورت نہ رکھے۔ چنانچہ گھروں کی مورتیں بھی توڑ پھینکدی گئیں۔ اس کے بعد آپ نے اُن بتوں کو توڑنے کو جو نواحِ مکہ میں واقع تھے سرایا روانہ فرمائے۔ چنانچہ ۲۵ رمضان کو حضرت خالد رضی تیس سواروں کے ساتھ عزیٰ کے مٹانے کو بھیجے گئے جو قریش اور بنی کنانہ کا مشہور اور سب سے بڑا بت تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی سواع کی طرف کہ ہذیل قبیلہ کا بت تھا۔ اور حضرت سعد بن زید اشہلی بیس سواروں کے ساتھ مناۃ کو نابود کرنے کو جو قدید کے قریب اوس و خزرج اور غسان وغیرہ کا بت تھا، روانہ ہوئے۔ چنانچہ یہ حضرات کارگذاری

سے فارغ ہوکر آئے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر جو کچھ زر و نقد ان کے خزانوں اور بیٹوں میں سے برآمد ہوا لاکر حضرتؐ کے سامنے رکھ دیا۔

اِس کے بعد بماہِ شوال حضرتؐ خالد بن ولید رضؓ تین سو پچاس ۳۵۰ مہاجرین و انصار اور بنی سلیم کے سردار بن کر قبیلۂ بنی جذیمہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ ان کو اسلام کی تبلیغ اور مذہب حق کی ہدایت کریں۔ چنانچہ حضرت خالد رضؓ جب وہاں پہنچے تو بنی جذیمہ جو مسلمان ہو چکے تھے ہتھیار لئے ہوئے سامنے آئے اور بجائے اَسْلَمْنَا کے صبانا صبانا پکارنے لگے۔ صبا کے معنی انحراف کے ہیں اور اس سے بنی جذیمہ کا مطلب یہ تھا کہ ہم بت پرستی کے آبائی مذہب سے منحرف ہوکر اسلام کے نئے طریقہ میں داخل ہوئے مگر چونکہ کافر مسلمانوں کو صابی کہتے تھے کہ انھوں نے اپنے قدیم مذہب سے انحراف کیا تو حضرت خالدؓ نے اِس لفظ سے ان کو مسلمان نہ سمجھا اور ہر چند کہ انھوں نے ظاہر کیا کہ ہم نے آبادی میں مسجد بنائی ہے اور اذان و نماز کے پابند ہیں مگر صورتِ حال نے کہ ہتھیار لے کر آئے تھے اس کی تائید نہ کی اور گو اس کا بھی انھوں نے عذر کیا کہ ہم میں اور عرب کے بدوؤں میں چونکہ عداوت ہے اس لئے تمہارے آنے پر ہمیں اندیشہ ہوا کہ شاید وہ ہم پر چڑھ آئے ہوں۔ مگر اس کو جان بچانے کا حیلہ سمجھا گیا اور حضرت خالد رضؓ نے ان کو حکم دیا کہ اچھا ہتھیار دیدو اور اپنی مشکیں کسوا کر اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کردو۔ چونکہ بنی جذیمہ سچے مسلمان تھے اور حملہ آور لشکر کو مسلمان سمجھے ہوئے تھے اِس لئے اُن کو اس میں بھی تامل نہ ہوا اور انھوں نے نہایت خوشی سے اپنے ہتھیاروں اور جانوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد شب گذرنے پر صبح ہوتے حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو حکم دیدیا کہ بنی جذیمہ کا جو قیدی جس کے پاس ہو وہ اس کو قتل کر دے۔ چنانچہ بنی سلیم نے تعمیل کی اور بہتیرے مسلمان اس غلط فہمی کی بدولت مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ مگر انصار و مہاجرین نے کہنا نہ مانا اور اپنے تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ نیز یہ کہہ بھی دیا کہ یہ تمہاری غلطی ہے جس کا فیصلہ دربارِ رسالت میں چل کر ہوگا اور ہم کو ایسی اطاعت کا حکم نہیں ہے جس کی غلطی کا علم ہمیں ہو چکا ہو۔

اِس کے بعد جب اسلامی لشکر مکہ واپس آیا اور حضرتؐ نے قصہ سُنا تو آپ کو بہت رنج ہوا اور اوّل آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دو مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ "اے اللہ! جو کچھ خالد رضؓ نے کیا ہے میں اُس سے بَری ہوں"۔ اِس کے بعد حضرت علی رضؓ کو روانہ فرمایا کہ بنی جذیمہ کے جس قدر اشخاص مقتول ہوئے اُن کی دیت ان کے وارثوں کو پہنچائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ بنی جذیمہ

کے پاس آئے اور جس کا جتنا حق تھا اس کو پورا پورا ادا کر دیا۔ جب آپ دیت کا روپیہ حق داروں کو دے چکے اور کچھ دراہم و دنانیر آپ کے پاس بچے تو آپ نے نہایت سخاوت و دریا دلی کے ساتھ اس کو بھی انھیں کے باقی رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔

اس وقت جب کہ مکہ دار الکفر بنا ہوا تھا اور ہزار ہا بُت پرست اُس میں آباد اور شرافت و شجاعت کے مدعی بن کر ہر طرح قابو یافتہ تھے، کیا کوئی شخص خیال کر سکتا تھا کہ مذہب اسلام کے ہونہار اور پھلدار درخت کو یہ استحکام نصیب ہوگا کہ خاص کفرستان کو دار الامان والایمان بنا دے۔ جس وقت عرب کی ریگستانی زمین میں ضدی و جنگجو بدوؤں کی اصلاح کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے تو مایوسی کی گھنگور گھٹائیں پھیلی ہوئی اور نا امیدی کے تاریک بادل اُمڈے نظر آرہے تھے۔ آپ کو کعبہ میں وعظ کہنے سے کفار قریش نے روک دیا تھا اور جھُنڈ کے جھُنڈ آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آکر اس بات کے ملتجی ہوئے تھے کہ "اپنے بھتیجے کو روکو کہ وہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ" قریش کا غصہ دن بدن بڑھتا رہا اور آخر ابو طالب کا انتقال گویا اہلِ مکہ کے لئے عام اجازت ہوگئی کہ مصیبت و ایذا کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا استقلال تھا کہ آپ نے دنیا بھر میں اپنے ایک مُربی و محافظ یعنی ابو طالب کی علیحدگی کا بھی خیال نہ کیا اور صاف الفاظ میں فرمایا کہ "چچا جان اگر کافر میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب دے کر بھی اس پاک کلام کے چھوڑنے کو مجھ سے کہیں، تب بھی میں اپنے مقصد سے ہرگز نہ ڈگوں گا یہاں تک کہ خدا اپنے مقصد کو ظاہر کر دے یا میں اسی کوشش میں شہید ہو جاؤں"۔ الحمدللہ کہ مقصد پورا ہونے کا وہ مبارک دن دنیا ہی میں آپ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کے لئے آپ نے اس فقرہ میں لوگوں کو منتظر بنایا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی رسالت کا وہ ثمرہ ظاہر ہوا جس میں آپ عقل کو حیران بنانے والی اُس مستعدی کو کام میں لائے جس نے اعزا و اقارب کی مفارقت کنبہ اور برادری کی مخالفت، وطن اور مولد و مسکن کی ہجرت۔ غرض ہر پریشان کرنے والی حالت کو محض خواب و خیال بنا دیا تھا۔ آپ ہمت نہ ہارے اور آخرت کی جاوید نعمتوں کے کریمانہ ہاتھوں سے لٹانے میں ایسے سخی و کریم ثابت ہوئے جس کی نظیر ملنی محال ہے۔

اگر لوگ ایمان نہ بھی لاتے تب بھی آپ کے کام کی عظمت میں کوئی بٹہ نہ لگتا۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا اثر اپنے رشتہ داروں پر نہ پہنچا بلکہ آپ کے حواریین بھی آپ پر ایمان لانے میں اس قدر مضبوط ثابت نہیں ہوئے، جیسے امتِ محمدیہ میں ابوبکر صدیق رض اور عمر فاروق رض، مگر پھر بھی

[ر]ت رُوح اللہ کی رسالت میں کوئی ضعف نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ ضعفِ ایمان خود معتقدین کی
[ا]نی کمزوری کے سبب تھا اور جب حضرتؐ کے کام کی عظمت کے ساتھ یہ نتیجہ بھی پیشِ نظر ہو کہ بعالم
[ت]ائی مکہ چھوڑنے کے آٹھ برس بعد آپ بصد شان و جلال اور بہزار شوکت و عظمت لطف و کرم کی
[ب]ارش کرتے اور احسان و انعام کی پکھالیں اُنڈیلتے ہوئے اپنے وطن میں داخل ہوئے تو عقل
[حی]ران ہوئی جاتی ہے۔

چونکہ نواح و اطراف کے عربؔ نے آپ کی صداقت کا آخری معیار فتح مکہ کو ٹھیرایا تھا کیونکہ وہ
[ا]صحابِ فیل کے قصے اور دیگر واقعات سے تجربہ کر چکے تھے کہ کوئی اہلِ باطل مکہ پر فتح نہیں پا سکتا
[ا]س لئے جس وقت مکہ آپ کے قبضہ میں آگیا تو عربؔ کے ایمان کی رکاوٹ جاتی رہی اور گروہا گروہ لوگ
آکر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے لگے۔ اہلِ مدینہ نے جب یہ عالم دیکھا تو یوں سمجھ کر کہ وطن ہر شخص کو
[پ]یارا ہوتا ہے کیا عجب ہے کہ اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں اقامت فرمادیں گر
[ج]ب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے انصار کو مخاطب بنایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ "معاذ اللہ
[ت]م کو میں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔ مجھ کو تم ہی میں جینا اور تم ہی میں مرنا ہے" انصار
[ب]ے حد مسرور ہوئے اور اُنیس[۱۹] یوم مکہ میں اقامت فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ
[م]نورہ کو مراجعت فرمائی ؎

باب ۷۰ — ۸ھ

غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف

مکہ و طائف کے مابین موضعِ حُنین و موضعِ اوطاس کے باشندوں یعنی قبیلۂ ہوازن اور اُن کے
ساتھ دوسرے فرقوں ثقیف و مضر و جشم نے جو مکہ کے اِرد گِرد بھیڑ بکریاں اور اُونٹ چرایا کرتے
تھے فتح مکہ کی اطلاع پاکر آخری جُھرجُھری لی اور قسمت آزمائی کا منصوبہ باندھ کر چاہا کہ سب مل کر
اپنے ملک و مذہب کی حفاظت پر جی توڑ کر کوشش کریں۔ چنانچہ چار ہزار کفّار کی جماعت حنین میں
جمع ہوئی جو مکہ سے براہ عرفات طائف کے قریب دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ذوالمجاز کے پہلو میں
ایک مشہور وادی ہے۔ اِس جماعت کا سردار مالک بن عوف نضری تھا اور اُس نے اپنے لشکر کے
ساتھ ان کے بی بی بچّوں اور تمام مویشیوں کو لے لیا تھا تاکہ اُن کی حفاظت کے لئے جان کا دینا سہل

ہو جائے. مقام کی جانب نسبت کے اعتبار سے اِس غزوہ کا نام حُنین و اوطاس ہے اور مقاتلین کے لحاظ سے غزوۂ ہوازن۔

جب ہوازن و ثقیف کے وادیٔ حنین میں جمع ہونے کی خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو جنگ کا عزم فرما کر اوّل حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ دشمنوں کی جمعیت و کیفیت معلوم کر کے آویں اور جب انھوں نے واپس آکر مفصّل کیفیت سُنا دی تو آپ نے دس ہزار مدنی مہاجرین و انصار طلقائے مکہ یعنی نو مسلم اصحابؓ کو ہمراہ لیا اور حضرت عتابؓ بن اسید کو امیرِ مکہ بنا کر ۶ شوال ۸ھ کو حُنین کی جانب روانہ ہوئے جہاں ہوازن کی جماعت اپنے اہل و عیال سمیت سامانِ عیش و طرب کو لئے اپنی بھیڑ بکریوں کے گلے گھیرے ہوئے پڑی تھی۔

مسلمانوں کو حنین میں پہنچنے کے لئے ایک تنگ گھاٹی سے نکلنا تھا اور مالک بن عوف نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اُس کے ناکوں اور راستوں پر قبضہ کر کے فوج کے دستے بٹھا دیئے اور بکمال مستعدی ان کو مامور کر دیا تھا کہ جس وقت مسلمان بے خبری کے ساتھ یہاں پہنچیں تو دفعۃً ان کو تیروں کا نشانہ اور نیزہ و تلوار کا شکار بنا لیا جائے اور اتنا موقع نہ دیا جائے کہ وہ باخبر یا جنگ کے لئے آمادہ ہو سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس وقت اسلامی لشکر اِس وادی سے نیچے اُترا تو اچانک ان پر حملہ ہوا اور دشمنوں کا جمِ غفیر ٹڈی دل کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا جس سے وہ گھبرا گئے اور بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔

دشمنوں کی چال اور خفیہ تدبیر کی وجہ سے جب اسلامی لشکر میں بھگی پڑ گئی تو گویا مسلمانوں کو شکست ہو گئی کیونکہ اُس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے چند اصحابؓ کے مُہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور اہلِ بیت میں علیؓ و عباسؓ اور ابوسفیانؓ بن حارث و فضل بن عباس و ربیعہ بن عباسؓ، اُسامہ بن زیدؓ اور ایمن بن اُمّ ایمن وغیرہ کے کوئی بھی نہ رہا سب تتر بتر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور اِس بے سروسامانی کی حالت میں اُن کے پاؤں ایسے اُکھڑے کہ جمنا مُشکل پڑ گیا یہاں تک کہ بعض بدگمان ضعفاء کو بدگمانی کا موقع ملا۔ کسی نے کہا "آج مسلمان ایسے بھاگے ہیں کہ دریا سے ورے رُکنے کا نام نہ لیں گے" اور کوئی بولا کہ "آج سحر کے ملیامیٹ ہونے کا دن آپہنچا" غرض جس نے جو چاہا کہا مگر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی کچھ پروا نہ کی اور اِس کس مپرسی کے ہنگامے میں آپؐ کی شجاعت و استقلال نے ثابت کر دیا کہ آپؐ کے ہاشمی خون میں جوانمردی کا بھی وہ پورا حصّہ شامل ہے جو افضل الرسل میں ہونا چاہئے کیونکہ

آپ اِس تنہائی و کس مپرسی کے خوفناک وقت میں اپنی سواری سے نیچے اُتر گئے اور پا پیادہ یہ کلمات پڑھتے ہوئے آگے بڑھے "میں نبی ہوں جھوٹا نہیں اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں" چند صحابہ رض آپ کے ساتھ رہ گئے تھے ہالہ بنے ہوئے آپ کو اپنے اندر لئے ہوئے تھے اور آپ چاہتے تھے کہ سب سے آگے رہیں اور بنفسِ نفیس دشمنوں کے جمِ غفیر کا مقابلہ کریں، آخر حضرت ایمن ابن امّ ایمن شہید ہوئے اور ہوازن کا ایک شخص حضرت کی طرف بڑھتا ہوا نظر پڑا جو سرخ اونٹ پر سوار جنگ کا سیاہ نشان اور ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں لئے قوم کے آگے آگے جولانی کرتا اور جس کو پاتا قتل کرتا تھا حضرت علی رض اور ایک انصاری شخص نے اُس کو اِس نخوت کے عالم میں دیکھا تو لپکے اور حضرت علی رض نے پیچھے سے آکر اونٹ کے پاؤں میں ایسی تلوار ماری کہ اس کے دونوں قدم کٹ گئے اور وہ سُرین کے بَل گر گیا۔ سامنے سے انصاری نے مہلت نہ لینے دی اور سوار پر وار کیا کہ پنڈلی میں اُترتا چلا گیا آخر سوار گرا اور اُس کے ہمراہیوں نے مجتمع ہو کر دست بدست لڑائی شروع کر دی۔

مسلمانوں کا یہ انتشار چونکہ عارضی تھا اس لئے جس وقت حضرت عبّاس رض نے باوازِ بلند پکارا "اے جماعتِ انصار! اور اے گروہ مہاجرین! اے بیعتِ رضوان والو! اور اے کیکر کے نیچے کھڑے ہو کر لڑنے اور پیٹھ نہ پھیرنے کا عہد کرنے والو! کہاں جا رہے ہو؟" تو سب لبیک پکارتے ہوئے لوٹ پڑے اور گھمسان کی لڑائی میں مشغول ہو گئے مسلمانوں کا بصد حیرت و ندامت لوٹنا اور شجاعت کے جوش میں بھرے مارنے والے خون کا اُبلنا تھا کہ چند ہی لمحے میں میدانِ جنگ کا رُخ پھر گیا اور اب اِس میدان میں کافر بھاگتے نظر آئے جہاں مسلمانوں کو بھاگنا پڑا تھا اور چونکہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک لشکرِ کفّار کی طرف پھینک کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ "یہ مُنہ ذلیل و خوار ہوں" اِس لئے ہوازن و ثقیف کے ہزیمت خوردہ بدوؤں کے جماؤ کی کوئی صورت نہ رہی اور بی بی بچّوں کے ساتھ سارے مال و متاع کو چھوڑ کر بہزار سراسیمگی کافروں نے ستّر جانوں کے تلف ہوتے پیچھے نہایت نقصان کے ساتھ شکست پائی۔

کفّار کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب اور کثیر التعداد مویشی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، بھاگے ہوئے ہوازن میں ایک جماعت گرفتار ہوئی اور کچھ لوگ جن میں زیادہ تر قوم ثقیف کے بدو تھے اپنے سردارِ لشکر یعنی عوف بن مالک کے ساتھ طائف کے اُس قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے جہاں کھانے پینے کی سال بھر کے لئے کافی مقدارِ رسد پہلے سے جمع کر رکھی تھی اور باقی جو بچے وہ اوطاس کے مستحکم درہ میں جا چھپے یا نخلہ کی جانب رُوپوش ہو گئے۔

شیبہ بن عثمان جن کے دل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ اور مکہ پر بسہولت قابض ہونا کھٹک رہا تھا اسلامی لشکر کے ساتھ اس نیت سے ہولئے تھے کہ ممکن ہے ہوازن کے ساتھ مسلمانوں کی مڈبھیڑ کے وقت موقع ملے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وار کرنے سے قریش کے دلوں کی آگ نکلے اس لئے عین اس وقت جب کہ مسلمان منتشر ہو رہے تھے یہ اپنی بدنیتی کے ساتھ حضرتؐ کی طرف بڑھے خود حضرت شیبہ کا بیان ہے کہ میں اس وقت حضرتؐ کا اتنا دشمن تھا کہ عداوت کا شعلہ دبا نہیں سکتا تھا اور یوں کہا کرتا تھا کہ اگر سارا عرب و عجم بھی محمدؐ کا اتباع کرلے گا تب بھی میں اتباع نہ کروں گا مگر جس وقت تلوار سونت کر میں آپ کی طرف بڑھا ہوں کہ اپنا خیال پورا کروں تو دفعۃً آگ کی ایک بڑی چنگاری میری طرف بڑھی جس کے خوف سے میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور دفعۃً میں نے حضرتؐ کا ہاتھ اپنے سینہ پر دیکھا کہ آپ نہایت شفقت کی آواز سے یوں فرما رہے ہیں کہ "یا اللہ! اس کو شیطان سے پناہ میں رکھیو" خدا جانے اس دست مسیحا اور کلمۂ روح افزا میں کیا مقناطیسی اثر تھا کہ میری عداوت فوراً مٹ گئی اور آپؐ کا وجود باجود مجھ کو میری آنکھ اور کان اور روح و جان سے زیادہ محبوب معلوم ہونے لگا اس کے بعد میں نے آنکھ کھول دی اور حضرتؐ نے فرمایا کہ آگے بڑھو اور جنگ کرو چنانچہ میں حضرتؐ کی سپر بن کر دشمنوں سے جنگ میں لگ گیا اور اس جوش کے ساتھ آگے بڑھا کہ اس وقت اگر میرا باپ سامنے آتا تو واللہ اس کے پیٹ میں تلوار گھسائے بغیر نہ رہتا۔ چند لمحہ بعد جب مسلمان لوٹ آئے اور کفار کی ہزیمت دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے تو میں بھی اندر داخل ہوا کہ آپ کے پیارے چہرے کی محبت و مسرت کے ساتھ زیارت کروں۔ تب آپ نے میری بدنیتی اور سارے مافی الضمیر کو ذکر فرمایا اور کہا کہ "اے شیبہ! جو بات خدا نے تمہارے لئے پسند کی وہ بہتر ہے اس ارادہ سے جو تم نے اپنے لئے پسند کر رکھی تھی" یہ سنکر میں شرمندہ ہوگیا اور میں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر عرض کیا کہ "میرے لئے استغفار فرمایئے کہ خطائیں معاف ہو جاویں" چنانچہ آپ نے استغفار فرمایا اور بشارت دی کہ حق تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخشد یئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر حضرت ابو موسیٰ اشعری کے چچا حضرت ابو عامر کو جن کا نام عبید بن سلیم ہے صحابہ کی ایک جماعت کا امیر بنا کر مضر و ہوازن کے تعاقب میں اوطاس کی جانب روانہ فرمایا اور خود باقی اصحاب کو لے کر مستحکم قلعہ میں پناہ گیر ہزیمت خوردہ فوج کو سزا دینے کے لئے طائف کی جانب مراجعت فرمائی۔

حضرت ابو عامر اوطاس کی جانب روانہ ہوئے اور جو ملا اس کو پکڑتے یا قتل کرتے آگے بڑھتے

چلے گئے۔ اِس غزوہ کا نام غزوۂ طائف و غزوۂ بنی ثقیف ہے مثل مشہور ہے کہ "مرتا کیا نہیں کرتا"۔ بنی ثقیف اور ہوازن نے جو اپنی جانوں سے تنگ آ گئے جب کسی جانب مفر نہ دیکھا تو بہتیروں نے اپنے آپ کو خود مسلمانوں کا قیدی بنا دیا اور باقی نے لَوٹ کر دوبارہ جی توڑ حملہ کیا اسی حالت میں حارث کے بیٹے علاء جشمی نے حضرت ابو عامر کے گھٹنے میں تیر مارا کہ اندر پیوست ہوتا چلا گیا اور وہ صرف یہ وصیّت فرما کر "حضرت سے میرا اسلام عرض کر دیجو" دفعتہً جان بحق تسلیم ہو گئے۔

ابو عامرؓ کے ہاتھ سے جھنڈا گرا تو اُن کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کو سنبھالا اور جب زخمی چچا سے اُن کے قاتل کا پتہ لگا تو اس کو قتل کیا اور اپنی جماعت کو بھاگتے ہوئے ہوازن کے پیچھے لئے چلے گئے یہاں تک کہ انھوں نے ثقیف کے قلعہ میں پناہ پکڑی اور حضرت ابو موسیٰ رضہ بھرپور مالِ غنیمت لے کر واپس ہوئے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسلامی نشان ہاتھ میں لیا اور یکدم اسلامی فوج کو للکار کر بہادرانہ حملہ کر دیا اسلامی لشکر کا حملہ وہ حملہ نہ تھا جس کو ہوازن کے بدو روک سکتے اِس لئے قوم کا سرغنہ دُرید بن صمہ حضرت ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اس کے جمع کئے ہوئے لشکر نے بے سروسامانی کے ساتھ بھاگنا شروع کیا جس وقت ہزار ہوازن بچے بوڑھے اور عورت و مرد چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں، چوبیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی جو مالِ غنیمت میں ہاتھ آیا حضرت ابو موسیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا اور اپنے مرحوم چچا ابو عامر شہیدؓ کی درخواست پیش کی تو اُس وقت آپ بغیر بستر کوریئے پر استراحت فرما رہے تھے ابو عامر کا حال سُنکر اُٹھ بیٹھے اور وضو فرمانے کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر اس طرح دُعا فرمائی کہ "بارِ الٰہا! ابو عامر کی مغفرت فرما اور اُن کو قیامت کے دن اپنی بہتری مخلوق سے بالا درجہ نصیب کر"

ابو موسیٰؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے لئے بھی دُعا فرما دیجیے۔ تو اسی مجلس میں آپ نے ان کے لئے بھی اِن الفاظ سے دُعا فرمائی کہ "الٰہی! عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ) کی مغفرت کر اور قیامت کے دن کرامت والا مقام اس کو نصیب فرما" انھیں گرفتارِ مصیبت قیدیوں میں جن کو حضرت ابو موسیٰؓ گرفتار کر کے لائے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بنت الحارث بھی تھیں جنھوں نے بہن ہونے کی علامت یہ ظاہر کی کہ بچپن میں جس وقت میں آپ کو گود میں لئے کندھے سے لگائے تھی تو آپ نے میری کمر میں کاٹ کھایا تھا جس کا نشان اب تک موجود ہے چنانچہ آپ نے وہ نشان دیکھا اور اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا کہ تم چاہو تو میرے پاس رہو اور تمھارے خرچ کی میں کفالت کروں اور چاہو تو تمھارے وطن واپس کر دوں گر جب

حضرت شیما نے اپنے وطن کو ترجیح دی تو آپ نے تین۳ غلام اور ایک باندی اور چند اونٹ اور بکریاں دے کر نہایت اکرام کے ساتھ ان کو ان کے وطن واپس بھیجدیا۔

جس وقت حضرت ابو عامرؓ اوطاس کی جانب روانہ کیے گئے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو مقدمۃ الجیش بنا کر اُس قلعۂ طائف کا رُخ کیا جس میں عوف بن مالک اپنے مشرک رفقاء اور حنین کے ہزیمت خوردہ ثقیفی جماعت کو ہمراہ لے کر پناہ گزیں ہوا تھا اور کامل اٹھارہ دن محاصرہ میں چھوڑ رکھا مگر چونکہ قلعہ کی دیوار کے اوپر سے پھینکے ہوئے تیر نیچے پڑتے ہوئے اسلامی لشکر میں اپنا کام اچھی طرح کر سکتے تھے اور مسلمانوں کو دشمن کے جواب دینے کا موقع ملنا مشکل تھا اس لئے منجنیق قائم کی گئی اور اس کے ذریعہ سے پتھر قلعہ کے اندر پھینکے گئے اس پر بھی ان لوگوں نے باہر نکلنے اور کھلے میدان میں لڑنے کا نام نہ لیا تب مُنادی کرادی گئی کہ "جو شخص قلعہ سے باہر آجائے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا" چنانچہ انیس۱۹ آدمی باہر نکل آئے جن میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو قلعہ کا پھاٹک کھولنے اور دروازہ کے راستہ سے باہر نکلنے سے اپنے آپ کو عاجز پاکر قلعہ کی اونچی فصیل سے نیچے لٹک پڑے تھے بالآخر چونکہ ابھی طائف کے فتح کا وقت علمِ الٰہی میں نہ آیا تھا اس لئے اٹھارویں دن محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور یہ دُعا فرما کر کہ یا اللہ! ثقیف کو ہدایت نصیب فرما اور اُن کو میرے پاس آنے کی توفیق دے۔ وہ بارہ صحابی جو اسی غزوہ میں شہید ہوئے تھے دفن کر دیئے اور مراجعت کی وہاں سے چل کر آپ نے جعرانہ قیام فرمایا۔ غنائمِ حنین کو اسلامی لشکر میں تقسیم فرمایا اور اب چونکہ واپسی مدینہ کا عزم تھا اس لئے عمرہ کا احرام باندھ کر مسلمان مکہ میں آئے اور ۱۸ ذی قعدہ کو عمرہ ادا کیا۔ چونکہ ضعیف الاسلام اور نومسلم اہلِ مکہ کے دلوں کا پرچانا منظور تھا اس لئے مالِ غنیمت میں ان کو زیادہ دیا گیا چنانچہ ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ چاندی اور سَو۱۰۰ اونٹ عطا فرمائے اور جب اس پر قبضہ کر کے ابوسفیان نے اپنے صاحبزادہ یزید کا حق مانگا تو چالیس۴۰ اوقیہ اور سَو۱۰۰ اونٹ آپ نے اور دیدیئے اس کے بعد دوسرے صاحبزادے معاویہ کے لئے سوال ہوا تو چالیس۴۰ اوقیہ اور سَو۱۰۰ اونٹ ان کے نام سے عطا فرمائے۔

حکیم بن حزام کو اوّل سَو۱۰۰ اونٹ عطا فرمائے اور جب اُنھوں نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے سَو۱۰۰ اونٹ اور دیدیئے۔ اسی طرح نضر بن حارث کو سَو۱۰۰ اونٹ عطا فرمائے۔ اور علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس، عباس بن مرداس کو اوّل چالیس۴۰ اونٹ عطا فرمائے اور جب انھوں نے ایک تصنیف شعر میں اس عطا کا قلیل ہونا ظاہر کیا تو آپ نے نہایت دریا دلی کے ساتھ سَو۱۰۰ پورے پورے کر دیئے

اس طرح کچھ اور چالیس طلقاءِ مکہ کے ساتھ تالیفِ قلوب کا برتاؤ کیا۔ اس غایتِ سخا کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے قلوب میں اسلام اور ہادیٔ اسلام کی عظمت بیٹھ گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیضان سے وہ مستفید ہونے لگے۔

مخلص انصار نے تو اس تالیفِ قلب کو مصلحت پر محمول کیا مگر بعض انصار کو اہلِ مکہ کی ترجیح گراں گذری اور اس کو حق تلفی سمجھ کر یہ الفاظ زبان سے نکالے کہ "کس قدر بے انصافی ہے اہلِ مکہ تو غنیمتِ حنین سے مالامال ہوں اور ہم حالانکہ ہماری تلواریں اب تک خون آلودہ ہیں محروم ہیں۔"
اس لئے جب یہ خبر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سبھوں کو جمع کیا اور ایک بڑے چرمی خیمے میں جب کہ انصار کے سوائے کوئی نہ تھا اس طرح خطاب فرمایا کہ "اے گروہ انصار! کیا باتیں ہیں جن کا چرچا تم آپس میں کر رہے ہو؟"

انصار نے اوّل تو ادب کے سبب یہی کہا کہ یا رسول اللہؐ کچھ بات نہیں ہے۔ مگر جب آپ نے مکرر دریافت فرمایا تو عرض کر دیا کہ "یا رسول اللہؐ! عقلمند و مخلص اصحاب نے تو کچھ بھی نہیں کہا البتہ بعض کم عقل اور نوعمر لوگ طلقائے مکہ کی ترجیح کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں۔"

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے گروہِ انصار! کیا میں تم لوگوں کے پاس ایسی حالت میں نہیں آیا کہ تم سب تاریکیٔ کفر میں بھٹک رہے تھے، پس خدا نے تم کو میرے ذریعہ سے ہدایت دی، تم لوگ فقر و مصیبت میں مبتلا تھے خدا نے تمھیں میرے ذریعہ سے غنی اور مطمئن کیا، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے میری وساطت سے تمھارے دلوں کو محبت و اتفاق سے بھر دیا، کہو کیا یہ بات صحیح نہیں ہے؟"

ان لوگوں نے جواب دیا کہ "ہاں اللہ اور اُس کے رسول کا احسان ہے۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "ہاں اے گروہِ انصار! اگر تم یوں کہو تو بیشک صحیح کہو کہ اے محمدؐ! تم ایسی حالت میں ہمارے پاس آئے کہ تمام لوگوں نے تم کو جھٹلا دیا پس ہم نے تم کو سچا سمجھا اور تم پر ایمان لائے، تم بے یار و مددگار آئے اور ہم نے تمھاری مدد کی، تم کو سب نے چھوڑ دیا تھا اور ہم نے تمھاری غمخواری کی، تم غریب و بیکس تھے ہم نے تمھیں پناہ دی، تم بے چین تھے ہم نے تمھیں تسلّی دی۔ اے گروہِ انصار! کیا اس مردار دنیا کی بدولت تم مجھ سے ناخوش ہوئے جاتے ہو جس کو میں نے ضعیف الاسلام اہلِ مکہ میں تالیفِ قلوب کی غرض سے تقسیم کر دیا اور تمھارے ایمان کی پختگی پر اعتماد کر کے تم کو اس میں سے بہت کم دیا۔ اے گروہِ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے وطن کو جاؤ۔ قسم ہے اُس ذات کی کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے کہ جو تم لے کر جاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو دوسرے لے کر جائیں گے۔ میں

تم لوگوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی ہوتا اور اگر کُل جہان کے آدمی ایک راستہ چلیں اور تم ایک راستہ، تو میں انصار ہی کے راستہ چلوں گا۔ انصار میرے بدن سے ملصق ہیں، جیسے اندرونی لباس اور دوسرے لوگ بیرونی لباس کے مثل ہیں۔ اے میرے اللہ! رحمت نازل فرما انصار پر اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ انصار رضی اللہ عنہم اِن باتوں کو سُنکر اتنا روئے کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہوگئیں، اور بیتاب ہوکر سب لوگوں نے متفق اللفظ کہا کہ "یا رسُول اللہ! ہم اپنے حصّوں پر راضی ہیں بالآخر وہ لوگ خوش خوش اپنے گھر گئے اور رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید کو مکّہ کا حاکم اور اپنا نائب مقرر فرماکر انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی جانب مراجعت فرمائی۔

غزوۂ حُنین و اَوطاس کے مالِ غنیمت کی تقسیم اور قیدیوں کے بانٹ دینے کے بعد طائف کے قلعہ میں پناہ لینے والے ثقیف و ہوازن باہر نکلے اور چونکہ سمجھ چکے تھے کہ لات و عزیٰ کی مورتیں بالکل بیکار ہیں اِس لئے اسلام لے آئے۔ ہوازن نے جب اپنی برادری اور کنبہ کو مسلمانوں کے لونڈی و غلام بنے ہوئے دیکھا تو اپنی قوم کی طرف سے ایک وفد بھیجا جن میں منجملہ چودہ نفر کے حضرت کے رضاعی چچا ابوبرقان بھی تھے یہ لوگ زہیر بن صرد کی ماتحتی میں مدینہ آئے اور سائلانہ طور پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مستدعی ہوئے کہ خاندان ہوازن کے کُل قیدی رہا کردیئے جائیں اور لُوٹا ہوا مال واپس دلادیا جائے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ ہوازن کی تقسیم اسی انتظار میں کہ شاید یہ خاندان مسلمان ہوکر اپنے قیدیوں کی رہائی کا خواستگار ہو۔ کچھ اوپر دس دن تک ملتوی رکھی تھی اِس لئے جواب دیا کہ تم دیکھتے ہو کہ میں تنہا نہیں ہوں میرے ساتھ اور بہت لوگ ہیں جن کے حقوق اموال و مویشی اور غلام باندیوں میں قائم ہوچکے ہیں سو مجھے سچّی بات بہت بھاتی ہے سچ سچ کہدو کہ تم کو اپنے بال بچّے زیادہ پیارے ہیں یا مال و مویشی؟ اور جب اُنھوں نے کہا کہ عیال کی برابری مال نہیں کرسکتا تو آپنے فرمایا کہ بہتر ہے جاؤ اور جب میں فجر کی نماز سے فارغ ہوں تو بآوازِ بلند اس طرح کہو کہ ہم مسلمانوں کو بارگاہِ رسالت میں شفیع لاتے ہیں اور رسول اللہ کو مسلمانوں سے درخواست میں شفیع بناتے ہیں کہ وہ ہمارے قیدیوں کو آزاد کردیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر جب مسلمانوں نے جانے کا قصد کیا تو ہوازن نے اپنی درخواست انھیں الفاظ میں پیش کی جو اُن کو تعلیم کردیئے گئے تھے۔

یہ سوال سُن کر سب صحابہ بیٹھ گئے اور سب سے اوّل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جو کچھ میرا اور میرے خاندان بنی عبد المطلب کا حق ہے وہ تو میں نے تم کو ہبہ کردیا اور باقی کے

لئے میں لوگوں سے درخواست کروں گا کہ وہ بھی ایثار کو کام میں لائیں۔ یہ سنکر انصار و مہاجرین کی آوازیں بلند ہوئیں کہ جو کچھ ہمارے حصّہ میں آیا وہ رسول اللہ کا ہے آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں تصرف فرمادیں، البتہ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس نے آئے ہوئے مالِ غنیمت کا جانے دینا پسند نہ کیا اور کہا کہ ہم اپنے اور بنو تمیم و بنو فزارہ اور بنو سلیم کے حصّے واپس نہ کریں گے۔ تب جناب رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور کہا کہ یہ تمھارے ملکی بھائی مسلمان ہو کر تمھارے پاس آئے ہیں تم کو معلوم ہے کہ ان کے اسلام کے انتظار میں کئی دن تک ان قیدیوں کی تقسیم بھی ملتوی رکھی اور اب میں نے ان کو دو امر میں اختیار دیا کہ یا بی بی بچّے لے لیں یا مال و مویشی۔ سو انھوں نے اہل وعیال کے برابر کسی شے کو نہ سمجھا اور چاہا کہ صرف ان کے قیدی رہا ہو جائیں۔ پس میں سفارش کرتا ہوں کہ، جو شخص بطیب خاطر ایثار کرنا چاہے وہ اپنا حصّہ ان کو واپس کردے اور جو اپنا حق دینا گوارا نہیں کرتا وہ بھی اِس شرط پر اپنا حق ان کو ہبہ کردے کہ ایک ایک غلام کے بدلے چھ چھ غلام کا غنیمت میں جو مجھے حاصل ہو ادا کرنے کا میں ضامن و ذمّہ دار ہوں، چنانچہ بجز عیینہ بن حصن کے سب نے رضامندی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم بخوشی اپنا حق واپس کرنے پر راضی ہیں مگر آپؐ نے اِس پر اکتفا نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم ہوا کہ تم میں کون راضی ہے اور کون ناراض۔ اِس لئے سر برآوردہ لوگ کھڑے ہو کر اپنے لوگوں کی رضا سے مجھ کو مطلع کریں۔ چنانچہ سر برآوردہ اصحاب یعنی عرفاء قوم نے اپنے اپنے لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد عرض کیا کہ یارسول اللہؐ ہم سب اپنے قیدی رہا کرنے کے لئے بخوشی رضامند ہیں اِس طرح پر چھ ہزار قیدی یکدم آزاد کردیئے گئے اور اِس عالی حوصلگی و حاتمانہ سخاوت کا ایسا عام اثر ہوا کہ بہتیرے ثقیف بھی مسلمان ہوگئے عیینہ بن حصن نے اپنے حصّہ کی بوڑھیا باندی کو اس وقت آزاد نہیں کیا البتہ بعد میں انھوں نے بھی اس کو رہا کردیا۔

ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے بھی بعد میں اسلام قبول کیا اور بارشادِ نبوی طائف کے حاکم مقرر کئے گئے۔ مالک بن عوف کو ایک سو اونٹ انعام میں بھی دیئے گئے اور نیز اہل وعیال جو پکڑے گئے تھے واپس کردیئے گئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت طائف کی طرف چلنے لگے تو آپ نے حضرت طفیل بن عمرو کو مامور فرمایا کہ عمر بن حممہ دوسی کے بت کو جس کا نام ذوالکفین ہے جاکر توڑ ڈالیں اور ضرورت ہو تو اپنی قوم سے استعانت کریں اور جلد فارغ ہونے کے بعد مجھ سے طائف میں آکر ملیں چنانچہ حضرت طفیل نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوئے اور ذوالکفین کو نابود کرکے مین اُس

وقت جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف میں آئے ہوئے چوتھا دن تھا اپنی قوم کے چار سو نفر کے ساتھ طائف میں آپ سے آملے۔ طائف سے بنی ثقیف کا محاصرہ اُٹھا کر جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ روانہ ہوئے تو پیچھے پیچھے عروہ بن مسعود ثقفی روانہ ہوئے اور اس سے قبل کہ آپ مدینہ میں داخل ہوں، حاضرِ خدمت ہوکر اسلام لے آئے۔ اس کے بعد انھوں نے اجازت چاہی کہ میں اپنی قوم میں جاؤں اور اسلام کی تبلیغ کروں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی کہ تمھاری قوم میں نخوت وتکبّر زیادہ ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تم سے مقاتلہ نہ کریں۔ مگر چونکہ حضرت عروہ بن مسعود رضہ ہمیشہ سے اپنی قوم میں بنگاہِ عظمت دیکھے جاتے تھے اس لئے یوں کہہ کر کہ میری قوم مجھ کو اپنے بچّوں اور کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہے وہاں سے روانہ ہوگئے۔ آخر بنی ثقیف میں پہنچکر وہی انجام ہوا جس کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندیشہ ظاہر فرمایا تھا کہ حضرت عروہ نے اپنی جاہ وعظمت کے لحاظ سے قوم کے مان لینے کی توقع پر جب اپنا اسلام ظاہر کیا اور ان کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی تو ہر چہار طرف سے تیروں کا مینھ برسنے لگا اور انھوں نے یوں فرما کر کہ "شکر ہے اُس خدا کا جس نے میرا اکرام فرمایا، اور شہادت کی وہ نعمت عطا فرمائی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو عطا ہوئی تھی پس مجھ کو اِن ہی بارہ حضرات کے ساتھ دفن کرنا جو چند روز ہوئے حضرت کے ہاتھوں اس زمین میں دفن ہوچکے ہیں،" جان ملکُ الموت کے حوالے کی۔

اِس قصّہ کے چند ماہ بعد بنی ثقیف کو ہوش آیا اور حضرتؐ کی دُعا جو اُن کی ہدایت کے لئے ہوچکی تھی اپنی قبولیت کے آثار ظاہر کرنے لگی تو ان کے قلوب میں اسلام کی طرف خود بخود میلان پیدا ہوا، اور اُنھوں نے باہم مشورہ کیا کہ چاروں طرف کے بدو مسلمان ہوگئے اور جو باقی ہیں وہ اسلام قبول کرتے چلے جاتے ہیں، آخر کس کس سے لڑیں گے اور دریا میں رہ کر مگرمچھ سے عداوت کا نباہ کیونکر ہوسکے گا بہتر ہے کہ ہم بھی مسلمان ہوجائیں۔ چنانچہ عبدیالیل بن عمر کو جو حضرت عروہ کے ہم عمر تھے سفارت وساطت کے لئے انتخاب کیا اور درخواست کی کہ تم مدینہ جاؤ اور اپنے موافق شرائط کی تحریری دستاویز لے کر سب کے اسلام کا وعدہ کر آؤ۔ عبدیالیل دیکھ چکے تھے کہ عروہ بن مسعود کے ساتھ اسلام ہی کی بدولت قوم نے کیا سلوک کیا تھا، اس لئے انکار کردیا اور کہا کہ جب تک میرے ساتھ چند آدمی نہ کروگے میں تنہا اِس خدمت کو انجام نہ دوں گا۔ آخر حکم بن عمر۔ شرجیل بن غیلان۔ عثمان بن ابی العاص۔ اوس بن عوف اور نُمیر بن خرشہ پانچ افراد کے ہمراہ کئے گئے اور یہ چھیوں

شخص ماہِ رمضان ۹ھ میں جب کہ حضرت کو تبوک سے واپس ہوتے چند روز گذرے تھے مدینہ پہنچے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا اکرام فرمایا۔ مسجد کے ایک جانب خیمہ ان کے لئے نصب کرادیا اور اُن کو مہمان بنا کر ٹھہرایا۔ حضرت خالد بن سعید باہمی گفتگو کا واسطہ بنے اور شرائط اسلام میں گفتگو ہونے لگی۔ ان کی طرف سے تین شرطیں پیش ہوئیں کہ تین سال کے لئے اُن کا مشہور بُت جس کا نام لات تھا برقرار رکھا جائے، اور اس مدت کے بعد اس کے توڑنے کا حکم بھی ہو تو خود اُن کے ہاتھوں تڑوایا نہ جائے، اور نماز معاف کر دی جائے کیونکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ اس محنتِ شاقہ کا تحمل دشوار ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بُت تو ایک لمحہ کے لئے بھی باقی نہیں رکھا جا سکتا کیونکہ وہ مسلمان ہی کیا جس کے قلب میں مورت کی عظمت ہو۔ اور نماز بھی معاف نہیں ہوسکتی کیونکہ اُس مذہب میں خوبی ہی کیا جس میں نماز نہ ہو، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ لات کے ہٹانے پر دوسروں کو مامور کیا جائے اور اس خدمت سے بنی ثقیف کو معاف کر دیا جائے۔"

آخر تین سال کی مُہلت میں سال سال بھر کی کمی ہوتے ہوتے مہینوں کی نوبت آئی اور اس پر اصرار ہوا کہ صرف ایک مہینہ کی مُہلت ضرور دیدی جائے تاکہ خیال پرست عورتوں اور ضعیف العقیدہ جاہلوں کو مشتعل ہونے کا موقع نہ ملے۔ مگر جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لحظہ کی مہلت بھی منظور نہ فرمائی تو مجبوراً اُنھوں نے شرائط سے دست برداری کی اور اسی کو غنیمت سمجھ کر کہ اُن کا زمانہ جاہلیت کا معبود ان کے ہاتھوں ذلیل و خوار نہ ہوگا، اسلام لا کر ایفاءِ عہد کا اقرار کر لیا چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سعید ہی کے قلم سے امان و حفاظتِ ملک جان کی بایں مضمون تحریر لکھوا کر ان کے حوالہ کی کہ:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد النبی رسول اللہ الی المؤمنین ان عضاہ وج وصیدہ لا یعضد من وجد یصنع شیئا من ذلک، فانہ یجلد وینزع ثیابہ فان تعدی علی ذلک فانہ یوخذ ویبلغ بہ النبی محمد وان ھذا امر النبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]"

---

[1] (ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد نبی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تمام مسلمانوں کو اطلاع ہے کہ وج کا (جو طائف کی وادی کا نام ہے) درخت اور شکار حرام ہے کاٹا نہ جائے اور جو ایسا کرتا ہوا پایا جائے گا اُس کے دُرّے مارے جائیں گے اور کپڑے چھین لئے جائیں گے۔ اگر کسی نے زیادتی کی تو اس کو گرفتار کر کے نبی محمد ﷺ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ یہ حکم ہے نبیِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ ۱۲

جس وقت حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو جو اُن میں بلحاظ عمر اگرچہ سب سے چھوٹے تھے مگر سمجھ دار اور علم کے حریص زیادہ تھے ان کو امیر بنا کر واپسی کی اجازت دی تو ان کے ساتھ ہی ساتھ حضرت ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو روانہ فرمایا کہ جا کر لات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور جو کچھ زر و جواہرات اس پر چڑھا ہوا ہے، لے آویں۔ چنانچہ دونوں حضرات گئے اور حضرت مغیرہؓ نے کدال سے لات کو توڑ پھوڑ کر اُس کا مال و متاع لا کر حضرتؐ کے سامنے رکھ دیا۔

عروہ بن مسعودؓ کے شہید ہونے پر اُن کے صاحبزادہ ابو ملیح اور بھتیجے قارب بن الاسود اپنی قوم بنی ثقیف سے ناراض ہو کر طائف سے نکل کھڑے ہوئے اور مسلمان ہو کر مدینہ میں آ رہے تھے۔ اب جبکہ اُن کی قوم بنی ثقیف مسلمان ہوئی اور لات پر چڑھا ہوا زر و جواہرات غنیمت بن کر آیا تو ابو ملیح نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ میرے باپ عروہ پر قرض تھا اس مال میں سے اُس کو ادا فرما دیجئے۔ چنانچہ آپ نے منظور فرمایا اور مرحوم کا سارا قرض ادا کر دیا گیا۔ حضرت قارب بن اسود کا باپ اسود بھی چونکہ مقروض مرا تھا اس لئے انھوں نے بھی عرض کیا کہ میرے باپ کا بھی قرض ادا فرما دیجئے۔ حضرتؐ نے جواب دیا کہ عروہ مسلمان تھے اس لئے اُن کو قرض سے سبکدوش کرنے کا ہم پر حق تھا مگر تمھارا باپ کافر تھا اُس کا قرض ادا کرنا ضرور نہیں۔ حضرت قارب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ باپ کے مرنے کے بعد تو وہ قرضہ مجھ پر ہو گیا اور میں مسلمان ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سُن کر مسکرائے اور اُس قرض کو بھی اِس مال سے ادا فرمایا +

اسلام

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مستند
اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات پر مشتمل و
مکمل ترین کتاب

حصۂ چہارم

تالیف

مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل میکلوڈ روڈ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب ۱۷ — ۹ھ

بنی تمیم اور تحصیل زکوٰۃ وصدقات

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عظیم الشان خدمت پر مامور ہوئے تھے وہ عقلوں کو حیران بنا دینے والی خدمت ہے کہ ادھر آپؐ کو اپنے باعظمت دعوے رسالت اور توحید خداوندی کی آواز دُنیا کے ہر گوشہ میں پہنچانا اور اہلِ عرب میں متولیانِ کعبہ یعنی قریش کو خصوصیت کے ساتھ بغاوتِ خداوندی یعنی کفر سے توبہ کرانی تھی کیونکہ وہ نبی زادے اور بیت اللہ کے مجاور ہونے کے سبب صرف عرب ہی کے نہیں بلکہ دُنیا بھر کے پیر اور مقتدا بنے ہوئے تھے اور ادھر مسلمان ہونے والی مخلوق کو ایسا زبردست قانون تعلیم فرمانا تھا جو اُن کی دین اور دُنیا کی چھوٹی بڑی ضرورت کو قیامت تک رفع کر سکے اور سلطنت کے انتظام وسیاست سے لے کر غریب رعیت تک کی گذران وفلاحِ آخرت کا وسیلہ بن سکے اس لئے مکہ فتح ہو جانے پر جب آپؐ کو پہلی سعی میں کامیابی حاصل ہوئی کہ جوق جوق لوگ حاضر ہو کر مسلمان ہونے لگے تو آپؐ نے تعلیم وتربیت کی دوسری خدمت کے انجام دینے کی طرف توجہ بڑھا دی اور عملی حیثیت سے اس کی انجام دہی کے لئے محرم کا چاند دیکھتے ہی چاروں طرف سے نومسلم قبائل کے قصبات ودیہات میں اپنے عامل روانہ فرمائے کہ اُن سے زکوٰۃ وصول کر کے لائیں اور ان کے اموال میں جو شرعی حق مقرر کر دیا گیا ہے اس کا مطالبہ کریں تاکہ اسلام کی محبت اور خداوند تعالےٰ شانہٗ کی اطاعت کا امتحان ہو۔ چنانچہ بُرَیدہ بن حصین کو قبیلہ اسلم وغفار کی جانب عبادہ بن بشر اشہلی کو سلیم ومزینہ کی جانب۔ رافع بن مکیث کو جہینہ کی جانب۔ عمرو بن عاص کو بنی فزارہ کی جانب۔ بشر بن سفیان کو بنی کعب کی جانب۔ ابن اللتیبیہ کو بنی ذبیان کی جانب مہاجر بن اُمیہ کو صنعاء کی جانب۔ زیاد بن لبید کو حضر موت کی جانب۔ مالک بن نویرہ کو بنی حنظلہ کی جانب۔ علاء بن حضرمی کو بحرین کی جانب۔ حضرت علی رضہ کو نجران کی جانب اور بنی سعیہ کی زیر

ن بدر اور قیس بن عاصم دو حضرات کو روانہ فرمایا تاکہ ایک جانب کے نصف حصّہ کی تحصیل ایک کریں اور دوسرے حصّہ کے صدقات کی وصولیابی دوسرے۔ چنانچہ یہ حضرات روانہ ہوئے اور بارگاہِ رسالت سے اس کی تاکید کی گئی کہ زکوٰۃ کی وصولیابی میں سختی نہ کریں اور عمدہ سے عمدہ مال انتخاب کرکے نہ لیں بلکہ حسب نصاب مجوزہ نقد ہو یا مویشی اور بکریاں ہوں یا اونٹ متوسّط درجہ کا لیں جس کا دینا ان کو گراں نہ گذرے۔

مسلمانانِ عرب اگرچہ جنگجو ہونے کے ساتھ شخصی حکومت کی ماتحتی سے ناآشنا اور ہمیشہ کے خود مختار تھے مگر چونکہ بیعت ہوچکے تھے اس سردارِ عالم پیغمبرؐ کے ہاتھ پر جس کی کیمیا اثر نظر کی دنیا میں نظیر نہیں گذری اس لئے اب اُن کو وہ مویشی جن پر ان کی گذران کا مدار تھا اور جو کبھی اُن کے نزدیک اولاد اور جان سے بھی زیادہ عزیز تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سامنے ہیچ نظر آتے تھے اور جزوی حصّہ تو معمولی چیز ہے حکمِ رسالت کی تعمیل میں سارے مویشیوں کی مہار اور رسّیوں کا اسلامی محصّل کے ہاتھ میں دیدینا بھی ان کو بار نہیں معلوم ہوتا تھا اس لئے جس وقت مدنی محصّل ان قبائل میں آئے تو وہ لوگ مسرور ہوئے اور پورے اکرام و احترام کے ساتھ حقوقِ شرعیہ دے کر مدینہ واپس کیا۔

متولّیانِ کعبہ یعنی قریش کے اسلام قبول کرنے اور نافِ ارض یعنی مکّہ کے دار الاسلام بنجانے کی آواز اگرچہ سارے کوہستانِ عرب میں گونج چکی تھی اور بدو جو اس عقیدہ سے کہ مکّہ پر ظالم و عاصی شخص کا قبضہ نہیں ہوسکتا اسلام کی حقانیت کا مدار فتح مکّہ کو سمجھے ہوئے بیٹھے تھے اب ہتھیار رکھ چکے اور گروہاگروہ مسلمان ہونے شروع ہوگئے مگر پھر بھی حجاز کے گوشوں میں بعض قبائل ایسے آباد تھے جن کی طرف سے کوئی صدا بلند ہوتی ہوئی سُنائی نہیں دی اس لئے ان کو بھی کھڑکھڑانے کی ضرورت تھی چنانچہ ماہِ محرم ۹ھ میں قبیلۂ بنی تمیم کی جانب جن کو اپنی فصاحت پر ناز تھا اور شجاعتِ قومی کے ساتھ نثر و نظم کی معجزبیانی پر خصوصیت کے ساتھ فخر تھا حضرت عیینہ بن حصن فزاری کو روانہ کیا گیا کہ پچاس۵۰ سوار نومسلم جن میں مہاجرین و انصار میں سے کوئی نہ ہو اپنے ساتھ لے کر جائیں اور تمیم کے اُن شاہزادوں کے کان کھٹکھٹائیں جن کو اپنے شاعر اور خطیب ہونے کے گھمنڈ پر اعجازِ قرآنی پر توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ چنانچہ اسلامی لشکر کے پچاس سوار جو راتوں چلتے اور دنوں چھپتے ایک خاص خدمت کی سرانجامی کو تیز رفتاری کے ساتھ جارہے تھے دفعۃً اُس صحرا میں آپہنچے جہاں بنی تمیم کے مویشی چر رہے تھے۔ بنی تمیم جنھوں نے آنیوالی آفت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا بدنوں میں لرزہ ڈالدینے والا سماں دیکھ کر بھاگ نکلے اور امن و اطمینان کو خیرباد کہکر ایسی بے سروسامانی کے ساتھ چلے کہ مویشی اور بچوں تک کی خبر نہ لے سکے۔ مسلمانوں نے میدان خالی دیکھا تو مالِ

غنیمت پر قبضہ شروع کیا اور گیارہ[۱۱] مرد اکیس[۲۱] عورتیں تیس[۳۰] بچّے گرفتار کر کے مدینہ لوٹ آئے۔

تو گرفتاران مصیبت قیدیوں کو رملہ بنت حارث کے مکان میں اُتار دیا گیا اور اُن کی قسمتوں کا فیصلہ کے لئے قوم کے سربر آوردہ شاعروں کے آنے کا انتظار دیکھا گیا۔ چنانچہ اقرع بن حابس نے جب دیکھا کہ محمدی کچھار کے شیر بھرے جتھے کے کھادر میں گھس کر چنگل مار گئے تو عطارد بن حاجب اور نعیم بن سعد وغیرہ سات سرداران تمیم کو ہمراہ لے کر مدینہ روانہ ہوئے اور عین دوپہر کو مسجد نبوی میں اس وقت داخل ہوئے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر استراحت میں مشغول تھے۔ چونکہ بنی تمیم کے قیدی اپنے پشت پناہ اشراف کو دیکھ کر رونے اور بلکنے لگے تھے اس لئے عورتوں اور بچّوں کی آہ وزاری سے اُن کے دل دُکھ گئے اور اُنھوں نے بیتاب ہوکر مسجد ہی سے باوازِ بلند پکارنا شروع کیا کہ "اے محمدؐ ذرا باہر تشریف لائیے"۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دفعتہً آنکھ کھل گئی اور آپؐ کو ان کی چیخ پکار سے تکلیف بھی پہنچی جس کا ذکر ادب کھانے کے لئے حق تعالےٰ نے بایں الفاظ قرآن میں فرمایا ہے کہ کاش یہ لوگ صبر کرتے اور اتنا انتظار دیکھتے کہ حضرت خود باہر تشریف لاویں تو اُن کے لئے زیادہ مناسب تھا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر حلیم تھے کہ آپ نے ان پر کسی قسم کی ناراضی نہیں فرمائی اور اسی وقت باہر تشریف لاکر جواب دیا کہ کہو کیا کہنا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ ہم آپ سے مناظرہ کرنے آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نثر و نظم دونوں کے اندر ہمارے اور تمھارے خطیب اور شاعر مقابلہ کر کے ہار جیت دکھلائیں۔ چونکہ اذان ہو چکی تھی اس لئے آپ نے مختصر الفاظ میں اقرار فرما کر ظہر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے اور فرمایا بہتر ہے میں اجازت دیتا ہوں کہ اوّل اپنے خطیب سے کوئی فصیح خطبہ سُنواؤ کہ کھڑے ہوکر حاضرین جلسہ کو محظوظ کرے۔ چنانچہ عطارد بن حاجب نے کھڑے ہوکر یہ خطبہ پڑھا: الحمد للہ الذی جعلنا ملوکاً۔ الذی لہُ الفضلُ علینا۔ والذی وھب لنا اموالاً عظاماً۔ نفعل فیھا الامر بالمعروف۔ وجعلنا اعز اھل المشرق واکثرہ عدداً۔ وایسرہ عدۃ۔ فمن مثلنا فی النّاس۔ النساء رؤس النّاس واولی فضلھم۔ فمن فاخرنا فلیعدد مثل ماعددنا۔ فلو شئنا لاکثرنا من الکلام ولکن نستحیی من الاکثار لما اعطانا۔ اقول ھذا لان یاتوا بمثل قولنا وامر افضل من امرنا[۱]۔ جب عطارد بن حاجب بیٹھ گئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ہر قسم کی تعریف کا مستحق اللہ ہے جس نے ہم کو بادشاہ بنایا اسی کو ہم پر برتری حاصل ہے اور اسی نے ہم کو بکثرت اموال بخشے کہ ہم جس قدر چاہیں سلوک کریں اور ہم کو مشرق کے باشندوں میں سب سے زیادہ عزت اور جتھے اور ہلکے سامان والا بنایا پس ہم جیسا مخلوق میں کون ہے؟ کیا ہم لوگوں کے سردار اور صاحبانِ فضل نہیں ہیں پس جو کوئی ہمارے فخر کا مقابلہ کرنا چاہے وہ اتنی ہی خوبیاں گنوائے جو ہم نے بیان کیں۔ سو اگر ہم چاہیں تو اس سے زیادہ کلام کو طول دے سکتے ہیں لیکن ہم کو تطویل سے شرم آتی ہے اور میں یہ اس لئے کہتا ہوں تاکہ لوگ ہمارے کلام کا مثل یا اُس سے برتر لاکر دکھلاویں۔ ۱۲

نے اپنے صحابہ میں سے جو ہالہ بنے ہوئے اس مجلسِ مناظرہ میں آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے حضرت ثابت بن قیس کو ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر جواب دیں۔ چنانچہ حضرت ثابت کھڑے ہوئے اور فی البدیہہ یہ فصیح خطبہ پڑھا:

الحمد لله الذی السموات والارض خلقه + قضی فیهن امره + وسع کرسیه علمه + ولم یکن شیئاً قط الا من فضله + ثم کان من فضله ان جعلنا ملوکا + واصطفی من خیر خلقه رسولا + اکرمه نسبا + واصدقه حدیثا + وافضله حسبا + فانزل علیه کتابا + وائتمنه علی خلقه + وکان خیرة الله من العلمین + ثم دعا الناس الی الایمان بالله + فامن به المهاجرون من قومه + ذوی رحمه اکرم الناس احسابا + واحسنهم وجوها + وخیر الناس فعلا + ثم کان اول الخلق اجابة واستجابة لله حین دعاه رسول الله صلی الله علیه وسلم + نحن فنحن انصار الله + ووزراء رسول الله + صلی الله علیه وسلم + نقاتل الناس حتی یؤمنوا + فمن امن بالله ورسوله منع ماله ودمه + ومن نکث جاهدناه فی سبیل الله ابدا + وکان قتله علینا یسیراً + اقول هذا + واستغفر الله العظیم للمؤمنین والمؤمنات + والسلام علیکم +

فصحاءِ تمیم نے دیکھا کہ مکتبِ محمدیہ کا طالبِ علم مشاہیر شعراء کے بھرے مجمع میں ایک لڑی کے اندر بے تکلّف موتی کو پروتا اور فصاحت سے لبریز شستہ تقریر بے تکان سنا رہا ہے جس میں عظمت و جلال کا رنگ جُدا ہے اور خالقِ برتر کی سچی کبریائی کا اقرار جُدا، تہذیب و حفظِ مراتب علیحدہ ہے اور شجاعت کا سانچہ میں ڈھلا ہوا انداز علیحدہ، ہمت و جاں بازی الگ ہے اور اطاعت و فرماں برداری الگ۔ یہ عجیب اجتماعِ ضدین ہے کہ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ ہیں، پھر عبارت بھی طویل اور سجع کی رعایت بھی ملحوظ، اخوت و

لہ ہر قسم کی مدح کا استحقاق اللہ کو ہے کہ افلاک و زمین اس کی مخلوق ہے کہ ان میں اپنا حکم نافذ فرمایا اس کا علم اس کی کرسی کو محیط ہے اور کسی شے کا وجود نہیں مگر اُسی کے فضل سے۔ پھر اس کا ایک فضل ہم پر یہ ہوا کہ اُس نے ہم کو بادشاہ بنا دیا اور اپنی بہترین مخلوقات میں سے ایک پیغمبر منتخب فرمایا جو سب میں زیادہ کریم النّسب راست گو اور شریف الحسب ہیں۔ پھر ان پر کتاب نازل کی اور اُن کو مخلوق پر امین گردانا اور وہ ہیں ہی تمام جہان میں سب سے بہتر پھر انھوں نے لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی پس اُن کی قوم کے مہاجرین رشتہ دار اُن پر ایمان لائے جو لوگوں میں سب سے بزرگ نسب والے خوبصورت چہرے والے اور سب سے بہتر افعال والے تھے۔ پھر مخلوق میں خدائی آواز کو سب سے پہلے قبول کرنے والے ہم ہیں سو ہم اللہ کے انصار اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء و مددگار ہیں کہ لوگوں سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آویں پس جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے گا اُس نے اپنے مال اور جان کو محفوظ بنا لیا اور جس نے انکار کیا تو ہم اس پر ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے اور اُس کا مار ڈالنا ہمیں بہت آسان ہے۔ بس میرا قول تمام ہوا اور میں عظمت والے اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں سب با ایمان مردوں اور عورتوں کے لئے۔ السلام علیکم +

ہمدردی کا بھی اظہار اور ابتدا سے لیکر انتہا تک مسلسل و مربوط۔ تو سب دنگ ہوگئے اور مان لیا کہ اس میدان میں مقابلہ کا نام لینا اپنے آپ کو خفیف ہی بنانا تھا مگر پھر اس خیال سے کہ شاید نثر کے بیان کرتے وقت عطارد بن حاجب کے سامنے زحل ستارہ آ گیا ہو نظم میں مباحثہ چاہا اور زبرقان کو کھڑا کیا کہ شاعری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ زبرقان بن بدر نے کھڑے ہو کر آٹھ شعر کی ایک نظم پڑھی جس میں اپنی سخاوت، مہمان نوازی، غربا پروری، شجاعت، سرداری اور اپنے ہمعصروں پر بڑائی و تفاخر کا اظہار کیا تھا جب زبرقان بیٹھ گئے تو پھر صحابہ کو ہمہ تن گوش بن کر انتظار ہوا کہ دیکھئے معرکہ میں مقابل بننے کی عزت کس کے حوالے کی جاتی ہے چنانچہ حضرت حسان بن ثابت کو اشارہ ہوا اور انھوں نے بے محابا کھڑے ہو کر اسی بحر اور اسی طرز میں اٹھارہ شعر فی البدیہہ پڑھے جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت، آپ کے صحابہ رض کی فضیلت مدلل بیان کی اور ظاہر کیا کہ وہ افعال جن پر کسی کو تعریف کا استحقاق ہو سکتا ہے آج بجز مسلمانوں کے دوسروں میں نہیں پائے جاتے۔

شعرائے تمیم نے جب نظم میں بھی نیچا دیکھا تو ان کی گردنیں جھک گئیں، زبانوں کو قفل لگ گیا، پیشانیوں پر پسینے آ گئے اور شرم و ندامت میں غرق ہو کر اپنی انصاف پسند طبیعتوں سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ اب کیا جواب دیں؟ آخر اس کا جلد فیصلہ ہو گیا اور انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہاتھ بڑھا کر درخواست کی کہ ہم کو بیعت کر لیجئے بیشک آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل تر ہے ہمارا ناز و تفاخر زیر خاک دفن ہوا، ہم ہارے اور آپ جیتے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توبہ کرائی، اقرار توحید و رسالت لیا اور مسلمان بنانے کے بعد ان کے سارے قیدیوں کی رہائی کا حکم دے کر خلعت و عطایا سے شرف بخشا کہ معزز و محترم و دیندار بن کر اپنے وطن کو جائیں اور باقی قوم کو مذہب حق کی تبلیغ و تعلیم کریں۔

صفر کے مہینہ میں حضرت قطبہ بن عامر مع بیس سواروں کے سردار بن کر قبیلہ خثعم کی جانب روانہ کئے گئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ شبخون مارنے میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ حضرت قطبہ دس اونٹ لے کر جن پر بیس ۲۰ آدمی باری باری سوار ہوتے تھے روانہ ہوئے اور منزل مقصود پر پہنچ کر چھاپہ مارا مگر خثعم بھی کوئی کمزور قبیلہ نہ تھا کہ بیٹھے رہ جاتے اس لئے وہ جاگے اور آنکھیں ملتے ہوئے ہوشیار ہو کر آمادۂ کارزار ہوگئے۔ چنانچہ جنگ ہوئی اور ایسی سخت ہوئی کہ حضرت قطبہ مع چند رفقاء کے شہید ہوئے اور دونوں طرف بہت کچھ زخمی اور لڑائی سے معذور بن گئے۔ آخر چونکہ مسلمانوں کا پشت پناہ فضل خداوندی تھا اس لئے جو مسلمان بچے تھے انھوں نے دشمن کے کچھ قیدی اور مویشی پر قبضہ کر کے مدینہ کا راستہ لیا۔

خثعم نے دیکھا کہ چند نفر ہماری عورتیں اور اونٹ بکری پکڑے لئے جاتے ہیں تو غیرت وحمیت سے بلبلا اٹھے اور مسلمانوں کے تعاقب میں نشانات قدم لیتے ہوئے اس طرح نکل کھڑے ہوئے جیسے بھڑیں اپنے چھتہ پر حملہ کرنے والے کو تلاش کرتی ہیں۔ آخر مسلمانوں کو آپکڑا اور قریب تھا کہ ان کی مشکیں باندھ لیں کہ دفعۃً سیلاب آیا اور ایک قدرتی زور نے دونوں فریق کے درمیان دیوار بن کر مسلمانوں کو موقع دیا کہ تیز قدم چل کر مدینہ میں باطمینان داخل ہو جائیں۔ بنی خثعم سیل آب کے کنارے کھڑے ہو کر بحسرت و یاس دیکھ رہے تھے کہ مسلمان انکی عورتوں اور مویشی کو بھگائے لئے جا رہے ہیں مگر نہ ان کو پانی میں قدم رکھنے کی ہمت تھی کہ اس کو عبور کریں اور نہ اُن کو چھڑانے کی کوئی سبیل تھی جن کے رونے بلکنے اور چیخنے چلّانے کی آوازیں اُن کے کانوں میں پڑ رہی تھیں یہاں تک کہ وہ اُن کی نظروں سے غائب ہو گئے اور ان کو پشیمان و پریشان لوٹنا پڑا۔

ربیع الاوّل میں ایک لشکر ضحاک بن سفیان کی ماتحتی میں بنی کلاب کی طرف بھیجا جنھوں نے مقام زج پر دشمنوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے انکار پر مقاتلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ آخر جنگ ہوئی اور بنی کلاب پیٹھ دے کر بھاگے۔ حضرت اُصَید نے اپنے باپ سلمہ کو بھی زج کے حوض پر دیکھا کہ گھوڑے پر سوار اور اپنی قوم کا ساتھی ہو کر مسلمانوں سے آمادہ پیکار ہے تو آگے بڑھے اور اسلام کی دعوت دے کر امان کا وعدہ کیا۔ مگر سلمہ نے اُس کی قدر نہ جانی اور جواب میں بیٹے کو گالی دے کر مذہب اسلام کو بھی گندے لفظ سے یاد کیا جس کو حضرت اصید سُن کر ضبط نہ کر سکے اور گھوڑے کے سموں پر ایسی تلوار ماری کہ وہ زخمی ہو کر گر گیا اور سلمہ نے پانی کے اندر نیزہ پر سہارا لیا۔ دفعۃً دوسرے مسلمان آگئے اور ان میں سے ایک نے سلمہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے بیٹے کو اس سے بچالیا کہ باپ کے قاتل مشہور ہوں۔

ماہِ ربیع الثانی میں تین ۳۰۰ سو مسلمانوں کا حاکم بنا کر حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی کو حبشہ کی طرف روانہ فرمایا اور کفار کو ہزیمت پیش آئی۔ اسی سال حضرت علی رض کو سفید لواء اور سیاہ جھنڈا دے کر پچاس گھوڑوں اور ننو اونٹ کے سواروں، ایک سو پچاس انصار کا سپہ سالار بنا کر اُس تبخانہ کو منہدم کرنے کے لئے قبیلہ بنی طی کی جانب روانہ فرمایا جس کے مشہور بُت کا نام فلس تھا اور دنیا کا مشہور سخی حاتم اسی قبیلہ کا تھا۔ چنانچہ اسلامی لشکر نے صبح ہوتے چھاپہ مارا اور بتخانہ کو منہدم کرکے فلس کو توڑا جس میں سے تین تلواریں اور تین زرہیں برآمد ہوئیں اس کے بعد مالِ غنیمت پر قبضہ کیا گیا۔ حاتم کے بیٹے عدی جو مذہب نصرانیت رکھتے اور اپنی قوم میں بادشاہ سمجھے جاتے تھے اپنے اہل و عیال کو لیکر ملک شام کی طرف بھاگ گئے البتہ ان کی بہن پکڑی گئیں اور بہت کچھ اونٹ بکری اور عورتیں بچے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے جن کو حضرت علی نے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق نکال کر مجاہدین پر راستہ ہی میں تقسیم کر دیا۔ البتہ حاتم کی بیٹی کسی کے حصّہ میں نہیں لگائی گئیں اور اُن کو مع متعلقات کے مدینہ پہنچکر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدی کی بہن پر گذرے تو انھوں نے عرض کیا کہ "سرپرست غائب ہوگیا اور باپ رخصت ہو لیا میں بوڑھیا بھوس بیٹھی ہوں کہ نہ کوئی والی وارث ہے، نہ خدمت کرنے کے لئے کوئی خدمت گار! میرے ساتھ سلوک کرو خدا تمھارے ساتھ سلوک کرے گا" یہ سُنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی کی بہن کو رہا کر دیا اور سواری عطا فرما کر اجازت دیدی کہ اپنے گھر چلی جائیں۔ عدی کی بہن نے یہ احسان و عطا دیکھی تو حاتم کی سخا کے قصے بھول گئیں، مسلمان ہوئیں اور عدی سے مِل کر کہا کہ محمد نے ایسا کام کیا ہے کہ تیرا باپ بھی زندہ ہوتا تو نہ کر سکتا۔ بیکس پر ترس کھایا، دشمن کو آزاد کیا اور سواری دے کر بعفت و عظمت گھر پہنچا دیا پس اگر شرافت رکھتا ہے تو حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو اور مسلمان بنکر اپنا دامن گوہرِ مُراد سے لبریز کر۔ چنانچہ حضرت عدی جو کسی زمانہ میں فخرِ ملک و مایۂ ناز سخی کا بیٹا اور قوم کا شاہزادہ ہونے کی مشیخت میں بدمست ہوکر یوں کہا کرتے تھے کہ عربی لڑکے کی جس نے مدتوں ہمارے اُونٹ چرائے مجھ سے اطاعت نہ ہو سکے گی اور جس دن میں سُنوں گا کہ محمدؐ کا لشکر آپڑا تو ان اونٹوں پر سوار ہو کر شام کی طرف چلدوں گا۔ جن کو اسی نیت سے کھلا پلا کر آج ہی تیار کر رہا ہوں" بہن کے یہ کلمات سُنکر پروانۂ امان لئے بغیر مدینہ میں داخل ہوئے اور حضرتؐ نے مُسکرا کر اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد آپ اُن کو لئے ہوئے حجرہ میں داخل ہوئے اور فرمایا کہ کیوں صاحب یہ فرار کب تک رہے گا اور کیا اس سے بھاگتے ہو کہ اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرو اور یہود و نصاریٰ کو دشمنِ خدا و گمراہ سمجھو؟ یہ کلمات کچھ ایسے بااثر تھے کہ عدی کے دل میں اُترتے چلے گئے اور انھوں نے بے اختیار کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

باب ۷۲ ۹ھ

غزوۂ تبوک

سلاطینِ دُنیا کی جانب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام بذریعۂ تحریر پہنچا چکے تھے اور اُس کا اثر کم و بیش ظاہر ہو رہا تھا دفعۃً آپؐ کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہِ روم مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور لشکرِ جرّار لے کر براہِ شام حجاز کی طرف چلا آرہا ہے۔ آپؐ کو مناسب معلوم ہوا کہ خود ہی اس پر لشکر کشی فرمادیں اور اس سے پہلے کہ وہ حدودِ عرب میں داخل ہو اُس کو روک کر مقابل بنائیں چنانچہ ماہِ رجب میں آپؐ نے سفر کا عزم فرمایا اور بیٹھے بیٹھے جد بن قیس سے یوں ارشاد فرمایا "میاں چلتے

بڑے والوں کے مقابلہ کی بھی ہمّت ہے؟" جد بن قیس یہ سُنکر گھبرا گیا اور کہنے لگا کہ "یا رسول اللہؐ! آپ کو معلوم ہے کہ میری طبیعت عورتوں کی طرف بہت جھکتی ہے اِس لئے مجھے تو معاف کیجئے اور بلا میں نہ پھنسائیے، حسینانِ روم کو دیکھ کر صبر نہ ہو سکے گا۔" حضرتؐ نے منافق کا یہ جواب سُنکر مُنہ پھیر لیا اور سفر کی تیاری فرماتے ہوئے عام مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ شاہِ روم پر حملہ کی غرض سے چلنے کی جلد تیاریاں کریں۔

مسلمانوں کے لئے یہ وقت بھی سخت امتحان کا وقت تھا کہ اُدھر سفر دُور دراز کا تھا اور اِدھر گرمی سخت پڑ رہی تھی کہ گھروں میں بھی آرام نہ ملتا تھا اس پر طرّہ یہ کہ اِدھر کھجور کی فصل جس پر اہلِ مدینہ کی سال بھر گذران کا مدار تھا تیار کھڑی تھی اور اس کے کاٹنے کے لئے صبح و شام کا انتظار تھا اور اُدھر آلاتِ جنگ میں بہت کمی اور تنگی تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی ترغیب دی اور ارشاد فرمایا کہ جن کے پاس ہتھیار نہ ہوں اُن کو ہتھیار دو۔ جن کے پاس سواریاں نہ ہوں اُن کو سواری دو اور جان سے، مال سے، زبان سے، ہمت سے جو کچھ مدد ہو سکے کرو اور جلد چلو کہ رُومی لشکر حدِ حجاز میں داخل نہ ہو جائے۔

اِدھر منافقوں نے اپنی خفت اُتارنے کے لئے دوسروں کو اپنا جیسا بنانے کی سعی کی کہ چاروں طرف پکارتے پھرے "میاں یہ بھی کوئی سفر کا وقت ہے کہ شدّتِ گرمی کے سبب بلبلائے جاتے ہیں اور تمازتِ آفتاب گھر بیٹھے ہوؤں کو جُھلسے دیتی ہے، چہ جائیکہ جنگل کی لوئیں اور ریگستان کی گرم ہواؤں کے تھپیڑے۔" اور اِدھر معیشت اور مال کی محبت نے دامنوں کو پکڑنا شروع کیا کہ فصل غارت ہونے کے بعد سال بھر تک فاقے کرنے پڑیں گے یا بھیک مانگنی پڑے گی۔ بہرحال عجب کشمکش تھی کہ جہنّم کی آگ کو زیادہ گرم سمجھیں یا موسم گرما کی دُھوپ کو، اور خدا و رسول کی محبّت کو ترجیح دیں یا گذران اور پکی ہوئی کھجوروں کے خرمنوں کو۔ مگر چونکہ مسلمان اپنے اموال اور جانوں کو جنّت کے عوض خدا کے ہاتھ مدّت ہوئی بیچ چکے تھے اِس لئے اُن کو پس و پیش نہ ہوا اور یہ کہکر کہ "سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر پر قائم ہیں تو سب کچھ ہے ورنہ اپنی زندگی بھی ہیچ ہے،" کھڑے ہو گئے اور جلد جلد جو کچھ بن پڑا سامان ساتھ لے کر سفر کے لئے تیار ہو گئے۔

چندہ کی مد میں جو کچھ مسلمانوں سے بن پڑا لیکر حاضر ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے زیادہ اعانت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کی کہ تین سَو اونٹ مع سامان کے خرید کر مجاہدین کے حوالہ کئے اور ایک ہزار دینار نقد پیش کئے۔ کچھ اوپر اَسّی منافقوں نے جھوٹے حیلے اور بہانے پیش کر کے حضرتؐ کے ہمراہ جانے سے معذوری ظاہر کی مگر حضرتؐ نے نہ اصرار فرمایا کہ تم کو جبراً چلنا پڑے گا اور نہ عُذر قبول فرما کر بخوشی اجازت دی کہ بہتر ہے

یہیں ٹھہرو۔ الغرض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو اہلِ بیت پر اور محمد بن مسلمہ رضؓ انصاری کو مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر اور خود بہ نفسِ نفیس تیس ہزار مسلمانوں کا لشکرِ جرار لے کر جن میں دس ہزار گھوڑے تھے روانہ ہوئے۔

حضرت کے روانہ ہونے کے بعد عبداللہ بن اُبی مع اپنی جماعت کے جو ثنیۃ الوداع پر لشکر لئے پڑا تھا مدینہ لوٹ آیا اور مخلص مسلمانوں میں سے بھی پانچ شخص طبعی کسل کے سبب رہ گئے جن میں حضرت ابو خثیمہ رضؓ اور ابوذر رضؓ تو ذرا متنبہ ہو کر روانہ ہو لئے اور تبوک میں حضرت سے جا ملے۔ البتہ تین حضرات یعنی کعب ابن مالک، ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع مدینہ میں مقیم رہے جو معتوب ہوئے اور جن کی توبہ کا قصہ آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا۔

منافقوں نے حضرت علی رضؓ کو مدینہ میں دیکھا تو چھیڑ شروع کی اور اس کا چرچا کیا کہ ان کا لے جانا حضرت کو گراں گذرا اس لئے ان پر تخفیف کر دی۔ حضرت علی رضؓ کو یہ سُنکر بہت رنج ہوا اور سامان جنگ سے تیار ہو کر مدینہ سے نکلے یہاں تک کہ جرف کے پڑاؤ پر اسلامی لشکر کو پا لیا اور حضرت سے اپنی روانگی و شرکت جہاد کا باعث بیان کیا۔ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ منافق جھوٹے ہیں۔ میں نے تم کو اپنے اہل وعیال کی خبر گیری کے لئے اپنا جانشین بنا کر چھوڑا ہے نہ کہ تم پر تخفیف کی غرض سے۔ پس کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میرے ایسے خلیفہ بنو جیسے موسیٰ کے خلیفہ ہارون تھے بجز اس کے کہ وہاں نائب و منیب دونوں نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ وہیں سے واپس ہو گئے اور مدینہ لوٹ آئے۔

چونکہ حضرت ہارون کا وصال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہو چکا ہے اس لئے اس تشبیہ میں قطع نظر اس کے کہ خاص غزوہ میں حضرت علی رضؓ کی جانشینی اور دلشکنی رفع کرنے کے لئے اسنے ایک ثابت خاصہ کی فضیلت فرمائی تھی یوں بھی حضرت کی وفات کے بعد کی خلافت بلافصل کا اشارہ نہیں ہو سکتا البتہ اگر حضرت سلیمانؑ کا داؤد علیہ السلام کے جانشین ہونے کو مشبہ بہ بنایا جاتا تو شاید اہلِ تشیع کو کلام کی گنجائش نکل آتی۔ بہرحال آپ منازل قطع فرماتے ہوئے مقام حجر پر پہنچے جہاں کسی وقت صالح علیہ السلام کی قوم یعنی ثمود کی بستیاں تھیں اور عذاب سے برباد ہونے کے بعد اس کے کھنڈر اب تک نظر آ رہے تھے تو آپنے دامن سے اپنا منھ چھپا لیا اونٹنی کو ایڑ لگا کر تیز کیا اور ارشاد فرمایا کہ بجز اس کنویں کے جس سے ناقۂ صالح پانی پیتی تھی اور کسی کنویں کا پانی کوئی نہ پیئے اور نہ اُس سے آٹا گوندھا ہوا کھائے۔ اس کے بعد آپنے حکم دیا کہ یہاں سے تیز نکل چلو کہ عذابِ الٰہی کا محل ہے اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والی قوم کے گھروں میں نہ داخل ہو مگر عذاب خدا سے ڈرتے اور روتے ہوئے کہ تم پر بھی وہ نہ آ نازل ہو جو اُن پر نازل ہو چکا ہے

چنانچہ مسلمانوں نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں جو پانی لیا ہوا تھا اُس کو پھینک دیا اور جو آٹا گُندھا ہوا تھا وہ گھوڑوں اور اونٹوں کو کھلا دیا۔ صبح کو قیام ہوا تو کسی کے پاس نہ وضو کو پانی تھا نہ پینے کو۔ اس لئے حاضرِ خدمت ہوئے اور تکلیف ظاہر کی۔ تب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست بدعا ہوتے اور حق تعالے نے ایک سیاہ بادل بھیجا جس نے عین اُس میدان میں جہاں اسلامی لشکر پڑا تھا موسلا دھار برس کر سب کو سیر بھی کر دیا اور سب نے اپنے مشکیزوں کو بھر کر آئندہ سفر کے لئے ساتھ بھی لے لیا۔ آگے چل کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جو چرنے کے لئے چھوڑ دی گئی تھی گم ہوگئی اور لوگ اِدھر اُدھر اُس کی تلاش میں نکلے جب دیر ہوئی اور پتہ نہ لگا تو منافقوں نے بدزبانی شروع کی کہ لو صاحب دعوٰی تو یہ ہے کہ آسمان کی خبریں دیتا ہوں اور خبر زمین کی بھی نہیں رکھتے کہ اس وقت اونٹنی کہاں ہے؟ حضرت کو ان کلمات کی اطلاع پہنچی تو بہت رنج ہوا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ یوں کہتے ہیں اور واللہ مجھ کو بجز اس کے کچھ علم نہیں جو خدا نے مجھے دیدیا ہے اور اب مجھے بتادیا گیا ہے کہ میری اونٹنی کہاں ہے۔ سو میں کہتا ہوں کہ فلاں جنگل اور فلاں وادی میں کھڑی ہے کہ اس کی باگ درخت میں اُلجھ گئی اور وہ گویا پکڑی گئی ہے کہ نکل نہیں سکتی۔ چنانچہ صحابہ رض اس جانب گئے اور درخت سے اُس کی باگ چھڑا کر ناقہ کو لے آئے۔

ہرقل شاہِ روم اس وقت شہر حمص میں تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ اُس نے ملک شام میں لخم و جذام اور عاملہ و غسان کے مختلف بہادر جماعتوں کا نہایت کثیر لشکر فراہم کیا اور سال بھر کا سامان رسد سب کو تقسیم کر دیا ہے مگر یہ خبر افواہ ہی افواہ تھی اور ہرقل جو آپ کو دل میں برحق سمجھتا تھا ڈر کے مارے آپ کے مقابلہ کا نام بھی نہیں لے سکتا۔ مگر چونکہ فتح مکہ کے بعد کفار کی طرف سے امن مل جانے کی وجہ سے اب منافقوں کے نفاق کھلنے اور برباد و نگونسار ہونے کا وقت آگیا تھا اس لئے اِس افواہ نے اس کی سبیل پیدا کر دی کہ مسلمانوں کے اخلاص و وفاداری کا امتحان ہو گیا اور منافق جنھوں نے مدینہ ہی سے بہانے بنانے شروع کر دیئے تھے اگر شرما حضور ہی کو ساتھ ہو بھی لئے تو راستوں سے کھسکنے شروع ہوگئے یہاں تک کہ طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ میاں سفید چمڑہ والوں سے لڑنے کو عرب کی سی جنگ نہ سمجھو کہ گئے اور فتح کر آئے، وہ ناچ نچادیں گے اور ہمیشہ کے لئے سبق پڑھا کر دکھا دیں گے کہ باقاعدہ جنگ کس کو کہتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن واہیات باتوں کی طرف توجہ نہ فرماتے اور سیدھے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ تبوک قریب آگیا اور آپ نے صحابہ رض سے ارشاد فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تمہارا قیام اِس چشمہ پر ہوگا جس میں پانی بہت قلیل ہے تو جو شخص اس پر مجھ سے پہلے پہنچ جائے اُس کے پانی کو ہاتھ

نہ لگائے. چنانچہ اگلے دن جب آپ اس چشمہ پر پہنچے جس کی تہہ میں چوسنے کے قابل پانی تھا تو آپنے ایک چلّو لے کر منہ میں رکھا اور کلی چشمہ میں ڈالدی. کلی کا ڈالنا تھا کہ وہ فوّارہ کی طرح اُبلنے لگا اور خدا جانے کہاں سے اتنے سوت کُھل گئے کہ ساری مدّتِ قیام میں تیس ہزار کا لشکر پینے، وضو کرنے، نہانے اور جانوروں کے پلانے کے لئے کفایت سے بھی زیادہ خرچ کرتا رہا اور آج تک اس میں کمی نہیں آئی۔

الحمدللہ بندہ نے بھی اس چشمہ کی زیارت کی اور آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے سوت حیرت انگیز جوش کے ساتھ بیشمار پانی دیئے چلے جا رہے ہیں. سارا قصبہ اس سے سیر ہوتا ہے مگر اس میں قطرہ کی بھی کمی نہیں آتی۔

تبوک پہنچکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صحابہؓ کو اطلاع دی کہ آج رات کو تُند و تیز آندھیاں چلنے والا ہے اس لئے کوئی اپنے خیمہ سے باہر نہ نکلے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسّی خوب مضبوط باندھ کر سوئے. چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شب کو سخت ہوا کے جھونکوں نے پریشان کر دیا اور ایک شخص جو اتّفاق سے اس حال میں باہر نکل آیا. ہوا کے بگولوں میں اُڑ کر بنی طے کے پہاڑوں میں جا کر پڑا جس کو مدّت کے بعد ان لوگوں نے مدینہ پہنچا کر حضرت کے حوالہ کیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ دن تبوک میں ٹھہرے اور قصر نماز پڑھتے رہے اس اثنا میں حاکمِ ایلہ اور جربا و اذرح کے باشندوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر جزیہ دینا قبول کیا اور مسلمان ہوئے بغیر امان و ذمّہ داری کا پروانہ لے کر اپنے وطن کو واپس ہوئے. چونکہ آپؐ کسی حال اور کسی وقت میں اپنے کام سے غافل نہ تھے اور اطراف و جوانب میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اسی توجّہ کے ساتھ قائم تھے جس توجہ سے آپ نے نبی ہوتے وقت اس کا بیڑا اٹھایا تھا اس لئے دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر بن عبدالملک کندی کی طرف جو مذہب نصرانیت رکھتا تھا چار سو بیس اسلامی سواروں پر حاکم بنا کر حضرت خالدؓ بن ولید کو یہ ارشاد فرما کر روانہ کیا کہ "بنام خدا جاؤ اکیدر کو نیل گاؤ کا شکار کرتا ہوا پاؤ گے" چنانچہ حضرت خالد دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے. گرمی کی رات تھی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تھپکیاں دے کر مخلوق کو سُلا رہے تھے اور اکیدر اپنے قلعہ کی چھت پر اپنی بیگم کے پاس بسترِ استراحت پر باامن و اطمینان لیٹا ہوا تھا کہ ایک نیل گائے نے آکر قلعہ کے دروازہ سے اپنے سینگ کھجانے شروع کئے یہ آواز اکیدر کی بیوی کے کان میں پڑی، تو اُٹھی اور خاوند سے کہا کہ ایسی عجیب بات بھی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی کہ شکار خود آکر دستک دے. چنانچہ اکیدر اسی وقت اٹھا اور ہتھیاروں سے مسلح گھوڑے پر سوار ہو کر نیل گائے کے پیچھے ہوا. بادشاہ کو آمادۂ شکار اور شب کے وقت گھوڑے پر سوار جاتے ہوئے دیکھ کر اس کے کنبہ اور قلعہ کے چند لوگ ساتھ ہو لئے جن میں اکیدر کا بھائی حسّان بھی تھا جو دیباج کی قبا پہنے ہوئے تھا جس

یں طلائی کام اور زری کی گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔
حضرت خالد بن ولید کے اپنی اسلامی فوج سمیت قصبہ دومۃ الجندل میں داخل ہونے کا وہی وقت تھا جب کہ اکیدر اپنے کنبہ کو لئے ہوئے اس نیل گائے کا پیچھا کر رہا تھا جو دروازہ پر دستک دے کر جنگل کی طرف چلدی تھی۔ سو شکار کا تو پتہ نہ لگا اور اکیدر نے محل سے نکلتے ہی اپنے شکار کرنے والوں کی بہادر جماعت کو دیکھا۔ چنانچہ مقابلہ ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی۔ حسان قتل ہوا۔ اس کی زرین قبا اپنے پہنچنے سے قبل بارگاہِ رسالت میں پہنچادی گئی اور اکیدر اس شرط پر زندہ گرفتار کر لیا گیا کہ نبوی دربار سے جو حکم صادر ہو اُس پر سرِ تسلیم خم کرے۔
الغرض حضرت خالد مظفر و منصور تبوک میں داخل ہوئے اور اکیدر دومۃ الجندل کو قیدی بنا کر حضرتؐ کے حضور میں پیش کر دیا۔ اکیدر نے اپنے مفتوح ہونے کا اقرار کر کے ذمی بن کر رہنے کی درخواست کی اور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر مصالحت چاہی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ چار سو زرہیں، دو ہزار اونٹ، آٹھ سو راس اور چار سو نیزوں کی ادائیگی پر مصالحت فرمائی اور اکیدر اپنے وطن کو واپس ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلام لایا اور اپنے ملک پر بحال رکھا گیا۔ وَاللہُ اَعلم۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ ہرقل کی فوج کشی کا غلغلہ محض افواہ تھا اور برسوں بھی مقیم رہیں تو اُس کے مقابلہ کی نوبت نہیں آسکتی۔ تب آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کر کے مدینہ کو مراجعت فرمائی اور راستہ میں حضرت ذوالبجادینؓ کو جن کا سفر ہی میں انتقال ہوا آپ نے اپنے ہاتھ سے قبر میں اُتار کر مادرِ گیتی کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد آپ چلے اور ایک مقام پر صحابہؓ کو یہ مشورہ دے کر وادی کے وسیع راستہ کو چلیں خود اس تنگ گھاٹی کے راستہ ہو لئے جو آگے چل کر اسی وادی سے ملجاتی تھی اور مسافت بہت کم قطع کرنی پڑتی تھی رات کا وقت تھا اور اس وقت آپ کے ساتھ صرف دو صحابی تھے یعنی حضرت عمار ناقہ کی باگ تھامے ہوئے آگے اور حضرت حذیفہ جو اونٹنی کے پیچھے تھے کہ اس کو ہنکائے لئے چلیں۔ منافقین جن کو ابھی تک اپنی ناکامی کا ہمیشہ کے لئے یقین نہیں ہوا تھا اور جو اسلام کی ہر جگہ نمایاں ترقیاں دیکھ کر بھی اپنی خباثتوں سے باز نہیں آئے تھے اِس ٹوہ میں لگے کہ شب کی تاریکی اور گھاٹی کی تنگ گذرگاہ کا موقع غنیمت سمجھیں اور مجتمع ہو کر ایک آخری کوشش پھر کریں کہ چراغِ رسالت گل اور سردارِ اسلام شہید ہو جائیں۔ چنانچہ بارہ آدمیوں نے مشورہ کیا اور یہ کہہ کر کہ "میاں اگر مسلمان ہم سے بہتر ہوں تو گویا ہم سب ڈھور اور ڈنگر ہیں، اور محمد ان کے چرواہے، ہم سب احمق ہیں اور ایک محمدؐ ہی عاقل" اس پر قسماقسمی کی کہ آج رات بھر جاگو اور ہمیشہ کا آرام حاصل کرو اور جب اِس پر موافقت ہو گئی تو موقع کی ٹوہ میں عین اُس وقت جبکہ

حضرتؐ کی ناقہ نے تیس ہزار فوج کا ساتھ چھوڑ کر تنگ گھاٹی پر چڑھنا شروع کیا تو اُنھوں نے اپنی سواریوں کو تیز کیا اور وسیع وادی کو جو عام لشکر کی گذرگاہ تھی چھوڑ کر حضرتؐ کے پیچھے ہوئے اُن کی سواریاں ناقۂ نبوی کے قریب پہنچیں تو حضرتؐ اپنے خادموں کو للکارا اور فرمایا کہ "اے عمار تیز چلو اور اے حذیفہ چھپاؤں کو دُور کرو"

حضرت حذیفہ رضؓ جو بیخبری کے عالم میں باطمینان خفیف غنودگی کے ساتھ چل رہے تھے حضرتؐ کی غضبناک للکار سُنکر کانپ گئے اور پیچھے پھر کر دیکھا تو چند اونٹ قطار باندھے آرہے ہیں جن کے سوار ڈھاٹا باندھے اور کپڑوں سے اتنا مُنھ چُھپائے ہوئے ہیں کہ پہچانے نہیں پڑتے اور بجز آنکھوں کے کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ حضرت حذیفہ نے اپنی ڈھال سے اونٹوں کی تھوتڑیوں پر طمانچے مارے اور اُن کو اتنا پرے ہٹادیا کہ مناسب فصل پیدا ہوگیا یہاں تک کہ گھاٹی ختم ہوئی اور کھلے راستہ پر مسلمانوں کے لشکر نے اپنے قمر کو پھر اپنے دائرہ میں لے لیا۔ منافقوں پر حضرت حذیفہ کی ہوشیاری سے ایسا رعب چھایا کہ وہ دم بخود رہ گئے اور یوں سمجھ کر کہ ہمارا راز فاش ہوگیا اُلٹے پاؤں لَوٹ کر لشکر میں رَل مِل گئے۔ جب کُھلا میدان نکل آیا تو حضرتؐ نے حذیفہ کو ان خبیثوں کے ارادۂ بد سے مطلع کیا اور ہر ایک کے نام بہ تفصیل بیان فرمائے کہ فلاں فلاں شخص میرے قتل کا منصوبہ باندھ کر آیا تھا اسی وجہ سے حضرت حذیفہ کو صاحب السّر کہا جاتا ہے اور صحابہ رضؓ جنازوں کی نماز میں یہ دیکھ کر کہ حذیفہ رضؓ کس مسلمان پر نماز نہیں پڑھتے، اِس کا پتہ لگا لیتے تھے کہ یہ شخص منافق تھا جس کی اطلاع حضرتؐ نے حذیفہ کو تبوک سے واپسی میں دی تھی۔

الغرض بماہِ رمضان المبارک آپؐ ثنیۃ الوداع کے راستے سے اپنے جان نثار صحابہ کو لئے ہوئے شاداں و فرحاں مدینہ میں داخل ہوئے اور حسب عادتِ شریفہ اوّل مسجدِ نبوی میں داخل ہوکر دو نفل شکرانۂ وصولِ وطن یا تحیۃ المسجد کی ادا فرمائیں۔ اِس کے بعد پس ماندگان کی ملاقات میں معروف ہوئے۔

باب ۴۳

مسجدِ ضرار اور متخلّفین

ابو عامر راہب قوم خزرج کا ایک مفسد شخص تھا جو کتابیں پڑھ کر نصرانی ہوگیا تھا۔ پہلے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں سُناتا اور آپؐ کی نبوت کی پیشین گوئیاں انجیل سے بیان کرتا تھا مگر جب آپ تشریف لائے تو منکر ہوگیا اور حسد کے مارے آپؐ کی ہجرت کے وقت مدینہ میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے بعد چند متبعین کو ساتھ لے کر اہلِ مکہ سے آملا اور جنگِ اُحد میں اُن کے ساتھ شریکِ جنگ

ا۔ جب مکہ فتح ہولیا تو وہ طائف بھاگ آیا اور جس وقت اہلِ طائف بھی اسلام لے آئے تو وہ یہ کہہ کر ملک
ام کی طرف نکل گیا کہ عرب کے زیر کر لینے پر محمدؐ نازنہ کریں، دیکھو ہرقل شاہِ روم کو کتنے لشکرِ جرار کے ساتھ
ا لاکر لاتا ہوں کہ حجازی میدان خون سے بھر دیں گے اور مشکیں باندھ کر مسلمانوں کو غلام باندیاں
ا چھوڑیں گے۔ پھر جب اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو اس نے منافقین کی جماعت سے جو اس کے ساتھ
فیہ سازشیں رکھتی تھی کہلا بھیجا کہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناؤ وہی مشورت گاہ ہوگی اور اس
رح مسلمانوں سے الگ ہوکر تنہائی میں تدبیر کرنے کا موقع اچھا ہاتھ آجائے گا۔ چنانچہ مسجدِ قبا کے
متصل مسجد بنائی گئی اور یہ حیلہ تراش کر کہ معذور نمازیوں اور بارش کی سردراتوں میں جماعت
کا ثواب حاصل کرنے کے لئے اس کو تعمیر کیا گیا ہے۔ عین اس وقت جب کہ غزوۂ تبوک کا تہیہ ہو رہا
تھا حضرتؐ سے عرض کیا کہ برکت کے لئے پہلے آپؐ اس میں نماز ادا فرمالیں تو پھر ہم اس
میں جماعت قائم کریں۔

اس سے مقصود یہ تھا کہ حضرتؐ کے نماز پڑھنے سے اس کو رونق حاصل ہو جائے گی اور پھر حضرتؐ
کو یا حضرتؐ کے صحابہؓ کو کسی قسم کی بدگمانی یا جماعت سے پیچھے رہ جانے کی شکایت کرنے کا موقع نہ مل سکے
گا۔ حضرتؐ کو خبر نہ تھی کہ اس کی بنیاد مکر و فریب پر رکھی گئی ہے اور آپؐ کی عادت میں داخل تھا کہ سائل
کی درخواست پوری فرماتے اور دل شکنی گوارا نہ کرتے تھے اس لئے آپؐ نے انکار نہیں فرمایا اور جواب دیا کہ
اس وقت تو سامانِ سفر میں مشغولیت ہے جس وقت تبوک سے لوٹیں گے اُس وقت دیکھا جائے گا۔ چنانچہ
جب بعافیت واپسی ہوئی اور آپ مدینہ سے ایک گھڑی کی مسافت والے مقامِ ذی دوان پر پہنچے تو ان
لوگوں نے یاددہانی کی اور عرض کیا کہ ہماری نو تعمیر مسجد یہاں سے قریب ہے، اس لئے اُس میں نماز پڑھتے چلیے
اس وقت آپ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو اطلاع دی گئی کہ اس مسجد کا بنیادی پتھر اسلام کی ضرر رسانی
اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی گھات و تدبیر پر رکھا گیا ہے اس لئے آپؐ کا اس میں قیام بھی نہ ہونا چاہئے
چنانچہ فوراً آپؐ نے مالکؓ بن دخشم اور معنؓ بن عدی کو بلا کر حکم دیا کہ اس مسجدِ ضرار کو جلا کر خاکستر کر دیں اور
اس کی اینٹ سے اینٹ بجادیں چنانچہ دونوں بہ یک لپکے ہوئے محلہ بنی سالم میں جہاں یہ مسجد تھی داخل
ہوئے اور مالک بن دخشم جن کا مکان اسی محلہ میں تھا اپنے ساتھی سے یہ کہہ کر میرے آنے کا انتظار دیکھنا
اپنے گھر سے جلتی ہوئی کھجور کی لکڑی لائے۔ اس کے بعد مسجدِ ضرار کا رُخ کیا اور عین اس وقت جب کہ اس
میں منافقوں کا مجمع بھرا بیٹھا تھا آگ لگا کر جلدی جلدی ڈھانا شروع کر دیا۔ منافق تو آگ کے انگارے
دیکھ کر ادھر اُدھر بھاگ گئے اور وہ جگہ آن کی آن میں کھنڈر بنا کر کوڑی قرار دی گئی جہاں محلہ بھر کی

غلاظت اور کوڑا کرکٹ ڈالا جانے لگا۔

جب آپ دو رکعت نفل سے فارغ ہو کر مسجد میں بیٹھے تو منافقین جو آپ کے ہمراہ نہ گئے تھے یکے بعد دیگرے آنے شروع ہو گئے اور آپ کو مبارکباد دے دیکر اپنی معذوری اور عدم شرکت پر تاسف حسرت ظاہر کر کے درخواستیں کیں کہ ہمارے لئے استغفار کیجئے کہ گو ہم معذور تھے اور ہمارا نہ جانا عین مصلحت تھا مگر پھر بھی آپ کی معافی و استغفار میں ہماری بہبودی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتیں سنتے، ان کے اندرون کو خدا کے حوالہ کرتے اور ان کی ظاہری خواہش کے موافق استغفار فرما کر ان کو رخصت کر رہے تھے کہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع بھی حاضر ہوئے جو مخلص مسلمان تھے اور محض کسل کے سبب معیت سے محروم رہے تھے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ مخلص مسلمانوں میں پانچ صحابہؓ حضرت کے ساتھ جانے سے رہ گئے تھے جن میں ایک حضرت ابو خیثمہ تھے جنھوں نے اپنے باغ سے واپس آکر عین دوپہر کو گھر میں قدم رکھا تو دیکھا کہ دونوں بیبیاں صراحیوں میں ٹھنڈے پانی اور خس پوش کوٹھریوں میں چھڑکاؤ کر کے اپنے خاوند کی منتظر بیٹھی ہیں کہ دھوپ کی تپش سے گھبرائے ہوئے آویں تو ہر طرح کا آرام مہیا پا کر آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں ابو خیثمہ چوکھٹ پر قدم رکھ کر چاہتے تھے کہ اندر داخل ہوں، دفعتہً قلب پر ایک چوٹ لگی اور یہ سماں بندھ کر کہ افسوس میرے دینی بھائی اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھلے میدان کی لو اور ریگستان کی گرم ہوا کے تھپیڑوں میں چلے جا رہے ہوں گے اور ابو خیثمہ ایک چھوڑ دو دو بیبیوں کے گہواروں اور ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لے رہا ہے۔" ان کا کلیجہ ہاتھوں اچھلنے لگا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے آخر ضبط نہ کر سکے اور اسی وقت قدم باہر نکال کر، ہتھیار باندھ، سواری پر سوار ہو ملک شام کا رخ کیا اور حاضر خدمت ہو کر اتنی تاخیر کی معافی چاہی۔

دوسرے ابوذر تھے کہ انھوں نے بھی بعد میں متنبہ ہو کر مدینہ سے کوچ کر دیا اور لشکر سے جا ملنے کی عجلت میں مسلسل چلنے کی وجہ سے جب اونٹنی تھک کر بیٹھ گئی تو رخت سفر کمر پر لاد کر پیادہ پا شام کے راستہ پر لگ لئے یہاں تک کہ اسلامی لشکر میں پہنچے اور حضرت نے دور سے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اللہ ابوذر پر رحم فرمائے کہ اکیلا چلتا ہے اور اکیلا انتقال پائے گا اور اکیلا ہی قیامت کے دن قبر سے اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ جس وقت حضرت ابوذرؓ کی وفات کا وقت آیا تو یہ ایک لق و دق بیابان میں تنہا تھے اور ان کے پاس بجز بی بی کے جو عورت ذات ہونے کے سبب کفن دفن پر قادر نہ تھیں، منہ میں پانی ڈالنے کو بھی کوئی موجود نہ تھا۔ اس عالم بے بسی میں بی بی سخت پریشان تھیں کہ

اللہ کیا کروں گی۔ حضرت ابو ذرؓ نے جو بیماری سے ناتوان ہو رہے تھے یہ حال دیکھ کر پوچھا کہ کیوں پریشان ہے؟ اور جب اُس بیچاری نے یہ جواب دیا کہ میرے یا تمھارے بدن پر نہ اتنا کپڑا ہے جو کفن کو کافی ہو سکے اور نہ کوئی مرد ہے کہ قبر کھودنے اور غسل و دفن کی ضرورت کو انجام دے سکے۔ تو حضرت ابو ذرؓ مسکرائے اور فرمایا کہ "پیغمبرِ اُمت حضرت کا ارشاد پورا ہونا ہے اور منتظر رہو کہ ایک جماعت مسلمانوں کی آیا چاہتی ہے جو میری آخری خدمت انجام دے گی۔

بی بی بیچاری کو اس تسلی سے کیونکر سکون ہو سکتا تھا جبکہ وہ جان رہی تھی کہ حج کا موسم ختم ہو گیا اور قافلوں کی آمد و رفت مدت ہوئی تمام ہو چکی تاہم وہ گھبرائی ہوئی پہاڑ پر چڑھ گئی کہ آنے والوں کا غبار ہی نظر آئے اور جب خاک بھی اُڑتی ہوئی نظر نہ آئی تو پھر اپنے بیمار خاوند کے سرہانے آبیٹھی جو زمین پر پڑے ہوئے جان توڑ رہے اور بار بار بیہوش ہو جاتے تھے آخر چند ہی لمحے گذرے تھے کہ چند اونٹ نظر پڑے جو کجاووں سے کسے ہوئے اسی جانب لپکے چلے آرہے تھے۔ اُمِّ ذرؓ نے یہ صورتیں دیکھیں تو دَم میں دَم آیا اور اب وہ عورت جسے پیارے خاوند کے اِس بیکسی و ناداری میں مرنے اور اپنے بیوہ ہونے کا عبرتناک سماں دیکھ کر رونا چاہئے تھا یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ کفنانے اور دفنانے والے آپہنچے۔ چنانچہ اُمِّ ذرؓ نے کھڑے ہو کر اہلِ قافلہ کو اشارہ کیا اور وہ ایک عجیب نظارہ دیکھ کر ادھر متوجہ ہو گئے۔ اُمِّ ذرؓ نے کہا کہ ایک بیکس مسلمان مر رہا ہے کیا تم میں اتنی ہمت ہے کہ اس کو کفنا دفنا دو؟ اہلِ قافلہ حیران تھے کہ اس جنگل میں مسلمان کہاں اور تنہائی میں دفن و کفن کی فکر کیسی؟ اس لئے سوال کیا کہ وہ کون ہے؟ اور جب ابو ذرؓ نام سُنا تو نہایت تعجب سے یہ کہہ کر کہ کیا ابو ذرؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فوراً نیچے اُتر پڑے کہ اس خدمت سے بہتر کیا خدمت ہو سکتی ہے۔

حضرت ابو ذرؓ نے جن پر اُس وقت غشی طاری تھی آنکھ کھول کر اپنی دفنانے والی جماعت کو متحیر کھڑا ہوا دیکھا تو خوش ہو گئے اور یوں فرمایا کہ "بشارت ہو تم کو اے مسلمانو! کہ تمھارے مسلمان جماعت ہونے کی اطلاع پیغمبرؐ کی زبان سے نکلی ہے۔ اور اگر میرے یا میری بی بی کے پاس ایک کپڑا بھی اتنا ہوتا جو میرے کفن کو کافی ہو سکے تو میں اس کے علاوہ دوسرے کپڑے میں کفنایا جانا ہرگز پسند نہ کرتا مگر جب پاس نہیں تو اس کی کفالت تمھارے ذمہ ہے تاہم میں قسم دیتا ہوں کہ تم میں جو شخص حاکم یا چودھری یا النقیب رہ چکا ہو وہ اپنے کپڑے کا کوئی سوت بھی میرے کفن میں شامل نہ کرے۔" چنانچہ سب دم بخود ہو گئے کیونکہ ان میں سے ہر شخص کچھ نہ کچھ حکومت کر چکا تھا۔ البتہ ایک انصاری نوجوان نے کہا کہ بہتر ہے چچا جان میں خاص اپنی چادر اور کرتا اور تہبند میں آپ کو کفناؤں گا کیونکہ یہ میری ماں کے ہاتھ کے بُنے ہوئے ہیں اور اس

میں کسی حکومت کا کوئی دعا گر شامل نہیں ہوا۔ پس حضرت ابو ذرؓ نے تو یہ فرما کر کہ بہتر ہے تم ہی کفن دینا آنکھیں بند کر کے جان ملک الموت کے حوالہ کی اور نو وارد قافلہ نے قبر کھود کر انصاری کے کپڑوں میں کفنایا اور جب نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دیا تو بیوہ عورت کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

باقی تین اصحاب اسی خیال میں کہ ہم اپنی تیز رفتار سانڈنیوں پر سوار ہو کر حضرت سے جا ملیں گے آج کل کرتے رہے یہانتک کہ وقت نکل گیا اور جب ان کو لشکر میں پہنچنے سے خود مایوسی ہو گئی تو ارادہ سفر بھی فسخ ہو گیا۔ اب یہ لوگ مدینہ کے کوچوں میں نکلتے تو دیکھتے تھے کہ یا عورتیں اور بچے باقی ہیں جو درحقیقت سفر کے قابل نہیں اور یا وہ لوگ جن کے دامن نفاق سے آلودہ ہیں اس لئے پریشان ہوتے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ہوا بن کر اُڑ جائیں مگر حق تعالےٰ کو خود اُن کی اور ان کے ذریعے سے دوسرے مسلمانوں کی آزمائش کرنی منظور تھی اس لئے توفیق نہ ہوئی اور اب اس خیال میں دن پر دن گذرتے رہے کہ حضرت آج آتے ہیں کل آجائیں گے۔

جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے منافقوں کے قلوب کا معاملہ خدا کے حوالہ اور زبان کی معذرتوں پر استغفار فرما رہے تھے یہ تینوں مخلص بھی پہنچے اور یوں سوچ کر کہ آج جھوٹ بول کر حضرتؐ کو راضی بھی کر لیا تو اس کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے سچ ہی نجات دہندہ ہے اور یہی رسول کے سامنے شایان" صاف عرض کر دیا کہ "یا رسول اللہ ہم کو کوئی عذر نہ تھا اور بجز کسل و بدنصیبی کے کسی چیز نے ہم کو آپ کے ساتھ جانے سے نہیں روکا۔" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر جواب دیا کہ بیشک انھوں نے سچ بولا۔ اور اُن سے یوں ارشاد فرمایا کہ "جاؤ جب تک حق تعالےٰ فیصلہ فرما کر وحی نہ بھیجے اُس وقت تک میں تمہارے قصور کی معافی نہیں دے سکتا۔"

حضرت کعب بن مالکؓ یہ جواب سنکر اُٹھے تو حیران تھے کہ کیا ہو گیا اور ہرچند کہ ان کی قوم بنی سلمہ نے ان کو ملامت بھی کی کہ آج سے پہلے تم سے کبھی کوئی خطا صادر نہ ہوئی تھی اور یُوں بھی تم بہت کچھ بولنے والے ہو اس لئے جس طرح کچھ اوپر اسی آدمیوں نے معذرتیں کر لیں، اگر تم بھی کر لیتے تو کیا حرج تھا اور جھوٹ کے گناہ کا اگر خیال تھا تو اس کے لئے حضرتؐ کا استغفار کافی ہو جاتا مگر یہ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اور حضرت کے ساتھ فریب اور چال کی معصیت اپنا رنگ لائے بغیر رہ نہیں سکتی اس لئے انھوں نے اِس کی پروا نہ کی اور جب ان کو معلوم ہوا کہ ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع بھی میرے ساتھی ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہو چکے ہیں تو حضرت کعب یہ کہہ کر کہ "میرے لئے ان دو بزرگوں کا اقتدا کافی ہے" حق تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھ کر تن بہ تقدیر اس سزا کو برداشت کرنے کے لئے تیار

ہوگئے جو آرام طلبی کی بدولت حضرت کا ساتھ چھوڑنے پر ہوئی چاہیے تھی۔
یہ بالکل صحیح ہے کہ شکایت اسی کی ہوتی ہے جس سے محبت ہو اور تنبیہ اسی کو کی جاتی ہے جس کی اصلاح مطلوب اور متوقع ہو۔ اس لئے منافقوں کی مکاری پر بھی گرفت نہ ہوئی اور ان اصحابِ ثلٰثہ کو باوجود سچ بولنے کے اس جرم کی سخت سزا دی گئی جو ذرا سی راحت کی بدولت شرکتِ جہاد سے رہ جانے اور راستہ کی صعوبت سے ڈر کر حضرتؐ کی معیت چھوڑ دینے کی ان سے صادر ہوئی تھی چنانچہ حضرتؐ نے ان سے بولنا چھوڑ دیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ کوئی ان سے کسی قسم کی بھی بات نہ کرے۔ اب یہ حضرات بازاروں میں نکلتے تو منافق الگ آوازہ کستے۔ مسلمان جُدا منہ پھیر لیتے۔ دشمن ہنستے۔ اور پچھلے دوست جن سے کسی زمانے میں ان کے بغیر نوالہ نہ توڑا جاتا تھا، ان کو دیکھ کر راستہ کترا جاتے تھے، دکاندار سے چیز کا نرخ پوچھتے تو وہ بتاتا نہیں اور کسی سے اپنی مصیبت بیان کرتے تو وہ سنتا نہیں یہاں تک کہ ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع تو اس ناقابلِ برداشت تکلیف سے گھبرا کر اپنے گھروں کے پیوند ہوگئے باہر نکلنا چھوڑ دیا، رات دن روتے اور خالقِ برتر کے حضور میں سربسجود پڑے رہتے تھے کہ رحم فرما اور معافی دے۔ مگر کعب بن مالک جو دل جگرے کے شخص تھے اس حالت پر بھی چلتے پھرتے مسجد میں آتے اور جماعت میں شریک ہوتے رہے کیونکہ ان کو اعتماد تھا کہ عادل و مہربان خدا کے یہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں، اور سچ کی ناؤ کبھی نہیں ڈوبتی۔

یہ عجیب آزمائش کا وقت تھا کہ وہ لوگ جو چند سال پہلے اسلام کے نام سے متوحش اور حضرتؐ کے خون کے پیاسے تھے آج اطاعتِ رسول کی جانچ میں جھڑ جھڑائے جاتے ہیں اور ان کی اس ناک کا جس کی وجہ سے اُن کو دب کر رہنا عار معلوم ہوتا تھا ایسی عبرت خیز سزا سے امتحان لیا جاتا ہے کہ سچ بولنے کی سزا میں اور ایک بار حضرتؐ کے ساتھ جان لڑانے کے لئے جانے سے رہ جانے کی خطا پر چھوٹے بڑے رئیس و فقیر اور وضیع و شریف نے ان کو نظروں سے گرا دیا کہ جدھر جاتے ہیں لوگ گونگے بنجاتے ہیں اور جہاں بات کرتے ہیں تو جواب کے لئے گویا سُننے والوں کے منہ میں زبان ہی نہیں۔ اس میں خود ان کی بھی آزمائش تھی اور دوسروں کی بھی کہ وہ اُن کے قصور اور سزا کو دیکھتے اور وجہ پوچھے بغیر اس پر عمل کرنے کو بخوشی تیار تھے۔ عقل حیران ہوتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر نظر نے یکدم کایا پلٹ دی "تانبہ کو سونا بنا کر دکھا یا" دشمنوں کو دوست بنایا اور دوستوں کو ایسا جان نثار بننا سکھایا کہ سخت سے سخت امتحان کے وقت بھی ان کے پاؤں نہ ڈگے پر نہ ڈگے۔
چند روز کے بعد تینوں کی بیبیوں کو حکم پہنچا کہ تم بھی مسلمان ہو اور اس حکم کے اندر داخل ہو اس لئے

خاوندوں سے بے تعلق ہو جاؤ اور اُن سے کسی قسم کا کلام نہ کرو۔ یہ عورتیں بھی چونکہ اسی فیضانِ نبوت کی تعلیم یافتہ تھیں اس لئے حضرتؐ کے ارشاد کی تعمیل میں اُن کو پس و پیش نہ ہو سکتا تھا کہ اس خاوند کو جن کے ساتھ عمر بھر کے لئے دامن باندھ دیا گیا کیونکر چھوڑیں اور سُہاگن ہونے کی حالت میں رانڈ بن کر کس طرح زندگی گذاریں اس لئے فوراً بے تعلق ہوگئیں اور شوہروں سے بات کرنا چھوڑ دیا اور شوہروں نے جب ارشادِ نبوی سُنا تو دریافت کرا بھیجا کہ حضرت کا منشا کیا ہے آیا ہم طلاق دیدیں یا بے تعلق رہیں؟ اور جب جواب ملا کہ صرف بے تعلقی مقصود ہے تو انھوں نے بیویوں سے کہدیا کہ جاؤ میکے چلی جاؤ اور جب تک آسمانی حکم سے ہماری قسمتوں کا فیصلہ نہ ہو جائے ہم سے کوئی واسطہ نہ رکھو۔ ہلال بن اُمیہؓ چونکہ بہت بوڑھے تھے اور ان کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا کہ خبرگیری کر سکتا اس لئے ان کی بی بی کو یہ اجازت دی گئی کہ مقاربت کو حرام سمجھیں اور ضروری خدماتِ بشریت کو انجام دیتی رہیں۔ باقی دونوں حضرات چونکہ جوان اور نفس پر قادر ہونا مشکل سمجھتے تھے اس لئے بحالتِ تجرد ایام گذاری کرنے لگے

حضرت کعبؓ خود کہتے ہیں کہ مجھ کو زمین باوجود وسعت کے تنگ معلوم ہوتی تھی اور میں اس بے تعلقی کے ہاتھوں اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا تھا مگر اسی کو غنیمت سمجھتا تھا کہ میرا معاملہ خدا سے صاف ہے، میں نے جناب رسول اللہ کو دھوکا نہیں دیا اور منافقوں کی طرح مکر و فریب کو سپر نہیں بنایا۔ چنانچہ مسجد میں جاتا تو السلام علیکم کہہ کر حضرت کے لبہائے مبارک کو دیکھا کرتا کہ ملتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور نماز پڑھتا تو حضرت کے پاس کھڑا ہو کر چوری کی نظروں سے جھانکا کرتا تھا کہ حضرت مجھ کو دیکھتے بھی ہیں یا نہیں؟ اور جب دیکھتا کہ جوابِ سلام کے لئے لبوں کو ایسی حرکت بھی ہوتی ہے کہ آواز سُنائی نہیں دیتی اور جب حضرت مجھ کو نماز میں مشغول پاتے ہیں تو کن انکھیوں سے بار بار دیکھتے بھی ہیں تو میں پھولا نہ سماتا اور دل میں کہا کرتا تھا کہ اس محبت بھرے عتاب کے قربان جائیے جو صرف تنبیہ کے لئے صورت پر ہے اور دل میں مطلق نہیں۔

ایک مہینہ کامل گذر گیا اور ان پاکبازوں کی سزا میں تخفیف نہ ہوئی یہاں تک کہ دُنیا نظروں میں تاریک ہوگئی۔ زندگی دوبھر اور حیات اُپری معلوم ہونے لگی۔ آخر ایک دن حضرت کعبؓ نے بدقت تمام گھر کی دیوار پر چڑھ کر حضرت ابو قتادہؓ کو جھانکا جو ان کے پڑوسی ہونے کے علاوہ چچازاد بھائی اور دنیا میں اُن کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ ابو قتادہؓ نے سلام کا لفظ سُن کر اوپر کو نظر اُٹھائی تو کعب کو دیکھ کر مُنہ پھیر لیا اور جواب دیئے بغیر دوسرے شغل میں لگ گئے۔ حضرت کعب کے دل پر ایک برچھی سی لگ گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اے ابو قتادہ تم کو قسم ہے خالقِ برتر کی اتنا تو بتا دو کیا میں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب نہیں سمجھتا؟ ابو قتادہ نے کچھ جواب نہ دیا اور گویا سُنا ہی نہیں کہ یوں

کھڑا ہوا کوئی شخص کیا کہہ رہا ہے۔ آخر کعبؓ نے دوبارہ یہی سوال کیا اور پھر جواب نہ پایا تو سہ بارہ پوچھا اس پر قتادہؓ نے دوسری طرف منہ کئے ہوئے اتنا کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے؟

کعب بن مالک یہ سُنکر رو دیئے اور آخر ہزار حسرت و ندامت ایسی وقت کے ساتھ دیوار سے اُتر کر پاؤں رکھتے کہیں تھے اور پڑتا کہیں تھا۔ اور جب اس پر بھی قدرت نہ رہی تو ہاتھ چھوڑ کر دھم سے زمین پر آگرے۔

یہ واقعہ کہنے کے لئے ایک قصہ ہے مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ تعلیم وتربیت اور تزکیہ و تاثیر کا اندازہ کرنے کے لئے ایک ایسا شاہدِ عدل ہے کہ اگر ہزار برس کی کوشش سے کسی کا ایک معتقد بھی ایسا قوی العقیدت اور امتحانِ اطاعت میں پختہ تیار ہو جائے جیسے حضرتؐ کے ہزاراں ہزار صحابہ میں چھوٹے سے چھوٹا صحابی تھا تو ہم اس کی ہمت پر آفریں اور کامیابی پر مبارکباد دیں مگر کیا کریں کہ حضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کی نظیر ہم کو کسی تاریخی کتاب میں بھی نہیں ملتی اور ہم یہ دیکھ کر کہ منافقوں کے موجود ہوتے ہوئے مخلصین کا یہ ثباتِ قدم کہ ایسے سخت امتحان پر بھی ان کو مذہب سے پھر جانے کا وسوسہ نہیں ہوا حیران ہوتے جاتے ہیں کہ آخر وہ کیا حلاوت تھی جس کے سبب یہ ساری مصیبتیں ان لوگوں کو شیریں معلوم ہوتی تھیں اور حضرتؐ کی محبت میں بجائے کمی کے دن بدن ترقی ہوتی جاتی تھی۔

اِس پر بھی کعب بن مالک کی آزمائش کا خاتمہ نہیں ہوا اور ایک گھاٹی اور پیش آئی جس کو قطع کرنے سے ثابت ہوا کہ اِس سزا کو کسی دباؤ یا مجبوری کے سبب انھوں نے برداشت نہیں کیا بلکہ حُبِّ خدا و رسول کا وہ لاسہ جس نے اُن کے دلوں کو جکڑ لیا تھا تہہ بہ تہہ مصیبتوں کا تختۂ مشق بننے پر اُن کو اپنے جال سے باہر نکلنے نہ دیتا تھا۔ حضرت کعبؓ بازار میں جارہے تھے کہ شامی سوداگروں میں جو غلّہ لیکر مدینہ میں فروخت کرنے آئے تھے ایک نبطی کو یہ کہتے سُنا کہ "لوگو! کعب بن مالک کا مجھے پتہ بتادو" یہ آواز سُنکر حضرت کعب ٹھٹکے، اور جب لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کرکے نبطی کو اطلاع دی کہ یہی کعب ہیں تو وہ شخص ان کی طرف بڑھا اور ایک خط اُن کے حوالہ کرکے جواب کے انتظار میں پاس کھڑا ہو گیا۔ حضرت کعبؓ نے خط کھولا اور دیکھا تو شاہ غسان کا تھا اور اس کا یہ مضمون تھا کہ ہمیں اطلاع پہنچی ہے کہ تمہارے دوست نے تم پر بہت ظلم کیا ہے اور چونکہ تم ذلیل و خوار نہیں ہو اس لئے ہمارے پاس چلے آؤ ہم تمہاری قدردانی اور ہر قسم کی غمخواری کے لئے موجود ہیں۔ یہ مضمون دیکھ کر حضرت کعبؓ کانپ اُٹھے۔ ہاتھوں میں رعشہ پڑ گیا، دل ٹوٹ گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے کہ اللہ اکبر میری بدحالی اس درجہ پہنچ گئی کہ کافر نصرانی کو میرے پھسلانے کی گنجائش ملی اور اس کو توقع ہوئی کہ میں اِس مذہبِ اسلام کو سلام کر بیٹھوں گا جس پر جان دینے کی مجھ کو

تمنا ہے۔ اس حزن و غم میں بھرے ہوئے خط کو لئے ہوئے آگے بڑھے اور ایک طباخ کی دکان پر جو تپ
رہی تھی چڑھا کر وہ خط اس کے شعلوں سے بھڑکتے ہوئے تنور میں جھونک کر قاصد سے کہا کہ "یہ ہے جواب
اُس خط کا جس کو تو لے کر آیا ہے"۔ اس کے بعد روتے ہوئے اپنے گھر پہنچے اور پریشان و مغموم لیٹ رہے۔
آخر پورے پچاس۵۰ دن اسی حالت پر گزر گئے اور ہر قسم کا امتحان پورا ہو لیا۔ طرح طرح سے
جھڑ جھڑ لئے گئے اور جب ثابت قدمی عالم آشکارا ہو چکی تو رحمتِ خداوندی کے دریا میں جوش آیا
اور سچ کا تخم جس کو لگائے ہوئے دس دن کم دو ماہ ہوئے تھے بار آور ہوا۔ وحی نازل ہوئی اور عین اس
وقت جب کہ حضرت کعبؓ اپنے مکان کی چھت پر فجر کی نماز ادا کر کے رنج کے مارے سر جھکائے بیٹھے تھے،
سلع پہاڑ کی چوٹی سے چیخنے والے شخص کی یہ آواز سنائی دی کہ "اے کعب بن مالک مژدہ باد"۔ کعبؓ کے کان
میں اس آواز کا پڑنا تھا کہ رنج کی گھنگھور گھٹا کے بادل پھٹ گئے اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے قریب
تھا کہ شادی مرگ ہو جائے، مگر جس خدائے برتر نے ان کو قبولیتِ توبہ کی بشارت دی تھی اسی نے ان
کی زندگی کو قائم رکھا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کا ایک دوست گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو تیز دوڑاتا
ہوا یہ مژدہ لایا کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر تمہاری توبہ کی قبولیت نازل فرمائی اور حضرت نے نمازِ فجر
کے بعد ہم کو اس کی اطلاع دی تو میں ادھر لپکا اور دوسرے صحابہؓ اپنے اپنے دوستوں ہلالؓ بن امیہ
اور مرارہؓ بن ربیع کو مژدہ پہنچانے روانہ ہوئے اگرچہ پہاڑ پر چڑھ کر اطلاع دینے والے کی آواز گھوڑے
سوار کے مژدہ سے پہلے پہنچ چکی تھی۔ مگر اس پر بھی حضرت کعبؓ نے اپنے بدن کے دونوں کپڑے جو پہنے
بیٹھے تھے اُتار کر مبشر کے حوالے کر دیئے اور منگے ہوئے کپڑے پہن کر اسی وقت دربارِ رسالت میں حاضر
ہوئے۔ راستہ میں چار طرف سے مبارکباد کے تحائف ان کی نذر ہوتے اور بشارت و مژدہ رسانی کے
کلمات کانوں میں پڑتے جاتے تھے اور یہ مسرور و شاداں اپنے خدا کے شکر گزار بنے ہوئے پیارے پیغمبر
کی آستانہ بوسی کے لئے مسجدِ نبوی کی طرف لپکے جا رہے تھے یہاں تک کہ حضرتؐ کے حضور میں پہنچے اور
دیکھا کہ حضرتؐ کا چہرہ خوشی کے مارے چاند کے ٹکڑے کی طرح دمک رہا ہے سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے
اُٹھ کر مبارک باد دیتے ہوئے مصافحہ کیا اور حضرتؐ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ "بشارت ہو اے کعب تمہاری
راست گوئی پھل لائی اور وہ دن تم کو دیکھنا نصیب ہوا جس کو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن
سے آج تک مدت العمر میں سارے ایام سے بہتر کہنا زیبا ہے"۔ اس کے بعد حضرت کعب نے عرض کیا
کہ یا رسول اللہ مال کی محبت اور باغات و زمین کی رغبت نے حضرتؐ کی معیت سے محروم رکھا اور پچاس۵۰
دن تک اس مصیبت میں ڈالا ہے۔ اس لئے میں ان کو پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ مگر جب حضرتؐ نے

یوں فرمایا کہ کچھ اپنے لئے ضرور روکنا چاہیئے کہ تنگی لاحق نہ ہو تو انھوں نے صرف خیبر کا حصّہ رکھ لیا اور باقی سارا مال مساکین پر تقسیم کرکے آزاد ہو بیٹھے۔

اصحاب ثلٰثہ کی قبولیتِ توبہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت و شادمانی جو شاید اصحاب ثلٰثہ کی مسرت سے بڑھی ہوئی تھی، نمونہ ہے آپ کی اُس شفقت کا جو اپنی امت کے ساتھ آپ کو فطری طور پر قائم تھی اور دیگر صحابہ کی مسرت علامت ہے اس اخوت اور ہمدردی کی جو حضرت کی برکت سے ان کے دلوں میں پیدا ہوگئی تھی اور یہی صحابہ کی کمالِ اطاعت کا ثبوت ہے کہ اس درجہ محبت رکھنے والی جماعت نے حضرت کا اشارہ پاتے ہی اپنے بھائیوں سے بات تک کرنی چھوڑ دی اور پچاس دن میں کسی ایک ساعت کے لئے بھی اس کا وسوسہ نہ آیا کہ لاؤ حضرت سے پوچھ تو لیں کہ اس معصیت کا خاتمہ زندگی میں ہوگا یا نہیں؟

باب ۷۴ — ۹ ھ

وفود اور فرضیّت حج

اہلِ عرب چونکہ ساٹھ برس پہلے ابرہہ حاکمِ یمن کی مکّہ پر فوج کشی اور بہزار ذلت و خواری و ناکام واپسی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور بارہا تجربہ کرچکے تھے کہ مکہ پر جابر اور ظالم شخص کا قبضہ نہیں ہوسکتا اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ فتح کرنے سے ان کی آنکھیں کھل چکی اور قریش کے مغلوب و زیر ہوجانے سے اُن کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں اس لئے کہ وہ متولیانِ بیت ہونے کے سبب ذی اہمیت سمجھے مخدوم اور اولادِ اسمٰعیل ہونے کی وجہ سے نبی زادے اور ملک کے بادشاہ و شاہزادے بنے ہوئے تھے اُدھر اپنی خفیہ اور علانیہ مختلف تدبیروں میں وہ خود بار بار ناکام رہ چکے تھے۔ لڑائیوں میں ہزیمت و شکستیں اُٹھا چکے تھے اور چاروں طرف نظر اُٹھا کر دیکھ رہے تھے کہ ملک ان کے ہاتھ سے نکلتا اور مسلمانوں کے قبضہ میں داخل ہورہا ہے اس لئے ان کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت میں شبہ نہیں رہا ان کے شکوک مٹ گئے اور اُن کے دل آپ کی قوتِ قدسیہ کو جس نے خونخوار دشمنوں کے بھرے مجمع میں ایک آواز دے کر بیس برس کے اندر ہزاراں ہزار مخلوق کو اپنا طرف دار ہی نہیں بلکہ شیدا و جان نثار بنالیا تھا مان چکے تھے اس لئے اب اُن کو آپ کا دامن پکڑنے میں تامل نہ رہا اور ہر چار طرف سے قبائل کے منتخب سردار اپنی قوم کے وکیل بن بن کر آنے شروع ہوگئے جن کو وفود کہا جاتا ہے۔

چونکہ وفودِ عرب کی آمد سنہ ۹ ھ میں بہت زیادہ ہوئی اس لئے اس سال کو سنۃ الوفود کہا جاتا ہے یہ لوگ آتے، مسلمان ہوکر بقدر ضرورتِ مذہبی تعلیم حاصل کرتے، فیضانِ نبوت سے جس کا ایک لحظہ بھی اُن کو

ولی کامل بنانے کے لئے کافی تھا مستفید ہوتے اور رخصت ہو ہو کر اپنی قوم میں احکام شرعیہ کو رواج دیتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں کو عزت کے ساتھ لیتے، احترام فرماتے، ان خیموں میں جو مسجد وحوالی مسجد میں ان کے لئے نصب کرا دیئے گئے تھے مہمان بنا کر ٹھیراتے، تعلیم و تزکیہ سے مالا مال بناتے اور صلات و خلعت سے نواز کر رخصت فرماتے تھے۔ چنانچہ تبوک سے واپسی پر تو وفود کی آمد کا تار بندھ گیا اور بقیہ رمضان و شوال و ذی قعدہ میں آپ کو مہمان نوازی سے فرصت ہی نہ ملی۔ ہم چاہتے ہیں کہ وفود کی مختصر فہرست درج کردیں تاکہ ناظرین کو فی الجملہ اس سے آگاہی ہو جائے۔

غزوۂ تبوک سے واپسی پر بماہِ رمضان سب سے پہلے بنی ثقیف[1] کا وفد آیا جن کا ذکر غزوۂ طائف میں ہو چکا ہے کہ وہ لوگ انجام کار خود بخود مسلمان ہو گئے۔ وفدِ بنی تمیم[2] جن کا تذکرہ بابِ گذشتہ میں ہو چکا ہے کہ اقرع ابن حابس وغیرہ نے حاضر ہو کر نظم و نثر میں مباحثہ کیا۔ وفد طے[3] بیان ہو چکا ہے کہ عدی بن حاتم نے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ وفد عبد القیس[4]۔ انہی میں وہ اشج عبد القیس تھے جن کی حضرت نے تعریف فرمائی تھی کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جو حق تعالےٰ کو محبوب ہیں ایک حلم اور دوسرے سوچ سمجھ کر کام کرنا اور ان ہی میں جارود بن علا[4] تھے جنھوں نے نصرانیت سے توبہ کر کے حضرت سے یوں عرض کیا تھا کہ میں اپنا دین آپ کے دین کی خاطر چھوڑتا ہوں پس آپ میرے دین کی ساری خوبیوں کے ذمہ دار ہو جایئے چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ ہاں میں ضامن ہوں اور جو دین تم اختیار کر رہے ہو وہ اس دین سے کہیں بہتر ہے جس پر تم تھے۔ وفد بنی حنیفہ[5] جو ۹ھ کے آخر میں آیا انہی میں مسیلمہ کذاب بھی آیا تھا جو وطن پہنچکر مرتد ہو گیا اور نبوت کا مدعی بن کر قرآن مجید کے معارضہ میں واہی تباہی مسجع عبارتیں گھڑ کر لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ چنانچہ خلافت صدیقی میں حضرت وحشی رضؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ دوسرا وفد طے[1] جن میں حضرت زید خیل آئے تھے جن کا نام ان کے غلبہ صلاح کے سبب حضرت نے زید خیر رکھ دیا اور دو قطعہ زمین عطا فرما کر جاگیردار بنا کر وطن واپس کیا تھا۔ وفد کندہ[6] جن کی اسی نفر کی جماعت فاخرانہ لباس اور ریشمی پٹیاں ڈالے آئی تھی۔ انہی میں حضرت اشعث بن قیس رضؓ بھی تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ مسلمانوں کو ریشم کے لباس سے کیا نسبت؟ تو انھوں نے فوراً کپڑے پھاڑ دیئے اور ریشم کا حصہ قطع کر دیا تھا۔ وفد اشعرین[8] واہل یمن جن کے متعلق حضرت صلعم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اے اہل مدینہ تم سے زیادہ نرم دل لوگ آیا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اشعرین یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے کہ "ہم اپنے دوستوں یعنی محمد اور ان کی جماعت سے ملنے کو جا رہے ہیں" اور انھیں کے ساتھ اہل یمن آئے تو آپ نے فرمایا کہ ایمان بھی یمانی اور حکمت بھی یمانیہ۔ وفد ازد[9]۔ انہی میں صرد بن عبد اللہ تشریف لائے تھے جن کو حضرت نے حکم دیا تھا کہ اپنی قوم کے سپہ سالار بن کر آس پاس کے مشرکوں پر

یاد کرو۔ چنانچہ یہ جرش پر جو اس وقت ایک محفوظ شہر تھا حملہ آور ہوئے اور کامل ایک مہینہ محاصرہ کئے پڑے
رہے آخر جب اہلِ شہر یعنی قبائلِ یمن اور بنی خثعم نے جو مسلمانوں کو دیکھ کر یہیں پناہ گزیں ہو گئے تھے شہر کا
دروازہ نہ کھولا تو حضرت صرد رض وہاں سے اٹھ آئے لشکر پہاڑ تک پہنچے تھے کہ اہلِ شہر نے یوں سمجھ کر کہ ناکام
شکستہ خاطر لوٹ گئے ان کا تعاقب کیا آخر یہ بھی پلٹ پڑے اور خوب جنگ ہوئی۔ اس وقت حضرت نے
مدینہ میں صحابہ سے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ اس وقت لشکر پہاڑ پر اللہ کے پہلوانوں کا خون بہایا جا رہا ہے
وفد بنی الحارث[۹] جمادی الاول سنہ ھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کو بجانب
نجران بھیجا کہ جنگ سے پہلے بنی حارث بن کعب کو تین مرتبہ اسلام کی دعوت دیں چنانچہ حضرت خالد روانہ
ہوئے اور اپنے ماتحت سواروں کو چاروں طرف روانہ کر دیا کہ باآوازِ بلند پکار دیں کہ "اسلام لے آؤ سلامتی
پاؤ گے" چنانچہ وہ لوگ داخلِ اسلام ہوئے اور حضرت خالد نے اس کی اطلاع حضرت کو مدینہ لکھ بھیجی
تب حضرت نے جواب لکھوایا کہ "آؤ اور اپنے ہمراہ نومسلموں کا وفد لیتے آؤ" چنانچہ حضرت خالد کے ساتھ
وہ لوگ حاضر ہوئے اور ماہِ شوال میں حضرت کے وصال سے صرف چار ماہ قبل اپنے وطن کو واپس
ہوئے۔ وفد ہمدان[۱۰]۔ اِن باشندگانِ یمن کی جانب بھی حضرت خالد بھیجے گئے تھے کہ اسلام کی تبلیغ
کریں چنانچہ حضرت خالد اپنے لشکر سمیت پورے چھ مہینے ان دیار میں رہے مگر کوئی مسلمان نہ ہوا۔ آخر
حضرت علی بھیجے گئے اور انھوں نے نماز سے فارغ ہو کر مسلمانوں کی قطار باندھی اور آگے بڑھ کر حضرت[۲]
کا پیام اہلِ یمن کو سُنایا تو وہ لوگ جوق جوق داخلِ اسلام ہونے لگے جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس حضرت علی رض کا خط پہنچا اور قبیلۂ ہمدان کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے
اس کے بعد ان کا وفد حاضرِ خدمت ہوا اور شرائع اسلام سیکھ کر یمن کو واپس ہوا۔ وفد مزینہ[۱۱]۔ اس قبیلہ کے
چار سو نفر[۴] حاضرِ خدمت ہوئے اور جب رخصت ہو کر چلنے لگے تو حضرت عمر رض سے کہا کہ راستے کی خوراک آپ
دلوائیے۔ حضرت عمر رض نے فرمایا میرے پاس اس وقت بجز چھواروں کے کچھ نہیں اور وہ بھی اتنے قلیل کہ تمہاری
چار سو کی جماعت کو کفایت نہ کریں گے مگر جب انھوں نے پھر یہی سوال کیا تو حضرت عمر رض نے اپنے گھر لیجا کر ان کو
اس ٹانڈ پر چڑھا دیا جہاں چھوارے پڑے تھے۔ سیدنا حضرت عمر کی کرامت تھی کہ چار سو مہمانوں نے جتنا ان سے
لیا گیا اپنی حاجت کے موافق کھجوروں کو تھیلیوں میں بھر لیا۔ اور نعمان جو سب میں آخری شخص تھے جس
وقت بھرپور چھوارے لے کر اترے تو اس ڈھیر میں ایک چھوارے کی بھی کمی محسوس نہ ہوئی تھی۔ وفد دوس[۱۲]۔ حضرت
طفیل ابن عمرو دوسی جو اپنی قوم میں شریف اور مشہور شاعر تھے مکہ میں آئے تو قرآن سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے
تھے۔ اس کے بعد حضرت سے درخواست کی کہ دعا فرمائیے حق تعالیٰ مجھے کوئی کرامت عطا فرمائے جس کو میں

اپنی قوم میں اپنے مذہب کی صداقت پر دلیل لاسکوں۔ چنانچہ حضرتؐ نے دُعا فرمائی اور ان کو وطن واپس کیا جس وقت
یہ وطن کے قریب پہنچے تو ان کے چہرے پر ایک روشنی پیدا ہوگئی جو چراغ کا کام دیتی تھی۔ انھوں نے دعا کی کہ
یا اللہ چہرہ سے اُس کو جُدا کر دیجئے۔ مبادا لوگ اُس کو پُرانا مذہب چھوڑنے کی سزا سمجھیں تب وہ روشنی ان کے
چابک کے سرے پر جا لگی اور چراغ بن کر تاریکی میں دور تک نور پھیلانے لگی۔ الغرض انھوں نے اوّل اپنے باپ
اور بی بی سے دینِ محمدی اختیار کرنے کی اطلاع دی اور جب وہ دونوں بھی مسلمان ہوگئے تو قوم کو ترغیب دی
کہ اسلام لے آویں مگر ان کے کانوں پر جُوں نہیں رینگی۔ آخر جب حضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت طفیل نے
حاضر ہو کر قبیلۂ دوس پر بددُعا کرنے کی درخواست کی۔ مگر حضرتؐ نے یوں فرمایا کہ یا اللہ! دوس کو ہدایت دے اور
طفیل سے کہا کہ جاؤ نرمی کے ساتھ اپنا کام کئے جاؤ حق تعالےٰ انجام بخیر فرمائے گا چنانچہ یہ پھر اپنے وطن آئے
اور کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان میں اسلام کا چرچا پھیل گیا اور اس وقت جب کہ حضرتؐ جنگ خیبر میں
مشغول تھے وفد دوس مدینہ میں آیا اور وہاں سے خیبر جا کر حضرتؐ سے ملاقی ہوا۔ وفد نجران۔ یہ نصرانی المذہب
تھے اور ساٹھ آدمی جن میں ان کے مشاہیر علماء، دبشپ اور اساقفہ یعنی عبد المسیح ایہم اور ابوحارثہ بھی تھے عصر
کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اپنی نماز کا وقت آجانے کے سبب وہیں نماز کو کھڑے ہوگئے صحابہ نے
چاہا بھی کہ منع کریں مگر حضرت نے پسند نہ فرمایا اور نصاریٰ نے مشرق کی جانب مُنہ کرکے نماز ادا کی۔ اِس کے بعد
انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ دریافت کیا اور سورۂ آل عمران کی
شروع اسّی آیتیں نازل ہوئیں، اس پر بھی جب وہ اسلام نہ لائے تو مباہلہ کی آیت نازل ہوئی اور حضرتؐ نے یوں
فرمایا کہ آؤ مذہبی حقّانیت کا فیصلہ اس طرح کریں کہ ہر فریق اپنی اولاد یعنی ان متعلقین کو جن کی زندگانی طبعاً سب سے
زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے ساتھ لے کر کھلے میدان میں نکلے اور دُعا کرے کہ "ہم میں جو بر ناحق ہو اس پر خدا
کی پھٹکار نازل ہو جائے" چونکہ نصاریٰ دلوں میں آپؐ کی حقانیت مانے ہوئے تھے اس لئے عذابِ الٰہی
کی جرأت نہ کر سکے اور مباہلہ کے وقت معینہ پر حاضر نہ ہوئے۔ حضرت حسب وعدہ فاطمہؓ و علیؓ اور حسنؓ و حسینؓ
کو لے کر انھیں پر مباہلہ کا اثر مخالف کے نزدیک معتبر اور وثوق حقانیت کی دلیل تھا، میدان میں تشریف
لائے اور جب نصاریٰ کو نہ پایا تو یوں ارشاد فرمایا کہ "اگر آج یہاں آکر مباہلہ کرتے تو سطح زمین پر قیامت تک
کسی نصرانی کا وجود باقی نہ رہتا" الغرض ان میں اکثر اسلام نہیں لائے مگر مطیع و باجگذار ہوگئے۔ وفد
بنی سعد بن بکر یعنی ضمام بن ثعلبہ جنھوں نے حاضرِ خدمت ہو کر نہایت بیباکی سے سوال کیا کہ اے محمدؐ تم کو
قسم ہے اپنے معبود کی، اپنی اولاد کے معبود کی، اپنے سے پہلی مخلوق کے معبود کی اور اس مخلوق کے معبود
کی جو تمھارے بعد آنے والی ہے۔ سچ بتاؤ کیا تم کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اسلاف

دیوی دیوتاؤں کی پرستش چھوڑ دیں اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے پابند ہوں اور جب آپ نے ہر سوال کا جواب
ہاں" بیشک مجھے خدا ہی نے بھیجا اور فرائضِ اسلام کا امر فرمایا ہے" تو انھوں نے بیعت کی اور یہ کہہ کر فوراً
رخصت ہو گئے کہ میں اس میں کمی بیشی مطلق نہ کروں گا۔ قوم میں پہنچکر نہایت مستعدی سے اسلام کی تبلیغ
کی اور رات کی تاریکی چھانے سے قبل سارا قبیلہ نورِ اسلام سے منور ہو گیا۔ طارق بن عبداللہ مع قوم کے جو
ذل مکہ کے بازار ذوالمجاز میں حضرت کو دیکھ چکے تھے کہ آپ یوں فرماتے ہوئے جارہے ہیں کہ" لوگو!
اسلام لے آؤ فلاحیت پاؤ گے" اور آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص آپ پر پتھر پھینکتا اور یوں کہتا آرہا تھا کہ
لوگو! اس کا کہنا ہرگز مت ماننا یہ جھوٹا ہے۔ طارق نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں تو معلوم ہوا کہ آگے
جانے والے محمدؐ بن عبداللہ ہیں اور پچھلا شخص آپ کا چچا عبد العزیٰ یعنی ابولہب ہے۔ اس کے ایک زمانہ بعد
یہ لوگ چھوارے خریدنے کی غرض سے مدینہ آئے اور حضرت کو صدقہ کا ترغیبی خطبہ پڑھتے ہوئے سُنا تو ایمان لائے اور مشرف
باسلام ہوئے۔ وفدِ تجیب۔ تیرہ نفر اپنی زکوٰۃ و صدقات لے کر حاضرِ خدمت ہوئے جو شریعت نے ان پر مقرر کی تھی اور
جب حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس کو لے کر کیا کریں واپس لیجاؤ اور اپنے ہی فقراء قوم پر تقسیم کردو۔ تو انھوں نے عرض کیا
کہ ہاں سب کی حاجتیں پوری کردی گئیں اور یہ بچا ہوا مال حق اللہ کی تکمیل میں حاضرِ خدمت کیا گیا ہے۔ حضرت
اُن کی صلاح و سعادت پر بہت خوش ہوئے اور ان کو سب سے زیادہ عزت کے ساتھ ٹھہرایا۔ چند روز رہ کر انھوں نے
شرائع اسلام سیکھے اور صحبتِ نبوت سے مستفیض ہو کر رخصت چاہی۔ صحابہؓ نے کہا ابھی کہ ابھی جلدی کیا ہے۔ مگر
انھوں نے یہ کہہ کر کہ" حضرتؐ کی عنایات و تربیت کا اپنی قوم میں ذکر کرنے اور اثر پھیلانے کی عجلت ہے" حضرتؐ
سے رخصتی مصافحے کر لئے۔ جب یہ لوگ چلنے لگے تو حضرتؐ نے بلالؓ کے ہاتھ ان کے صلات و انعامات جو سب میں
بہتر تھے عطا فرمائے اور دریافت کیا کہ کوئی رہ تو نہیں گیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ سب کی حاجتیں پوری
ہو گئیں مگر ایک لڑکا باقی ہے جس کو خیموں میں حفاظت کی غرض سے چھوڑ آئے تھے۔ تب حضرتؐ نے ارشاد فرمایا
کہ جاؤ اس کو بھی بھیجدو چنانچہ انھوں نے قیام گاہ پر آکر بچہ سے کہا کہ سب مالامال ہو آئے ہیں اب تمہارا
نمبر ہے جاؤ تم بھی اپنا حصہ لے آؤ۔ یہ سُنکر بچہ بارگاہِ رسالت میں پہنچا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میری
حاجت بھی پوری کر دیجئے گروہ سرداران قوم کی سی حاجت نہیں ہے کہ کھجوریں یا کپڑے لے لوں۔ میری
حاجت تو یہ ہے کہ مجھ کو دُعا دیجئے اور حق تعالیٰ سے عرض کیجئے کہ میری مغفرت فرمائے، مجھ پر رحمت نازل
کرے اور میرے دل کو غنی بنادے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچہ کی ذکاوت و صلاحیت سے نہایت
مسرور ہوئے اور تینوں دُعائیں دے کر دوسروں کی برابر انعام و زادِ راہ سے بھی نوازا۔ وفدِ بنی سعد
یعنی قبیلہ قضاعہ کا خاندان ندیم اپنی قوم کے چند نفر کو ساتھ لے کر اس وقت مسجدِ نبوی میں پہنچا کہ حضرت

ایک جنازہ کی نماز پڑھا رہے تھے. یہ لوگ اگرچہ اسلام لاچکے تھے مگر یوں سمجھ کر کہ جب تک حضرت سے بیعت نہ کرلیں نمازِ جنازہ کی شرکت ہم کو جائز نہیں ہے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت اندر تشریف لائے اور مہمانوں سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی تم نے اسلام کا اقرار کرلیا بس تم مسلمان بن گئے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک بچہ کو پیش کیا جو سب میں چھوٹا اور سب کا خادم تھا۔ حضرت نے یہ فرما کر چھوٹے خدمت ہی کے لئے ہوتے ہیں اس کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ سب سے زیادہ قرآن بچہ ہی کو یاد ہوا اور وہ اسی مجلس میں اپنی قوم کے امام بنائے گئے کہ لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھایا کریں۔ وفد بنی فزارہ[۱۹]۔ خارجہ بن حصین وغیرہ بارہ تیرہ نفر مسلمان ہوکر حاضرِ خدمت ہوئے اور قحط سالی و تنگ حالی کی شکایت کرکے دعا چاہی تو آپ منبر پر کھڑے ہوگئے اور اونچے ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا مانگی کہ "یا اللہ اپنے شہروں اور چوپایوں کو پانی دے اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ ملک کو زندہ فرما۔ اے اللہ! ہم پر بارش برسا جو ضرورت پوری کرنے والی ہو، راحت دہندہ ہو، شاداب بنانے والی ہو، عام ہو، وسیع ہو، جلد ہو دیر نہ لگے، نفع رساں ہو، نقصان نہ پہنچائے۔ اے میرے اللہ! مہربانی کی بارش ہو عذاب کی نہ ہو، نہ مکانات گرانے یا ڈبونے والی ہو اور نہ ملیا میٹ کر دینے والی۔ یا اللہ ہم پر مینہ برسا دے اور ہم کو دشمنوں پر فتح نصیب فرما۔ وفد بنی اسد[۲۰]۔ والصبر بن معبد وغیرہ دس نفر حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ دیکھئے ہم آپ کی لشکر کشی کئے بدون مسلمان بن گئے اور آپ کو تکلیف پہنچائے بغیر اسلام لے آئے اس لئے ہم کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ دیجئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اُن کے اس احسان جتانے کا کچھ جواب نہیں دیا مگر قرآن نازل ہوا اور حق تعالے نے ادب سکھایا کہ ؎

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنم
منّت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

اس کے بعد کہانت و قیافہ اور رمل و نجوم کی ممانعت معلوم کرکے یہ لوگ واپس وطن ہوئے۔ وفد بہراء[۲۱] تیرہ مسلمان یمن کی طرف سے اپنی قوم کے وکیل بن کر آئے۔ جس وقت حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر پہنچے تو مقداد رضی اللہ عنہ نے جو بڑے مہمان نواز تھے مرحبا کہتے ہوئے ان کے اسباب گھر میں اُتروا لئے اور مالیدہ کا طباق سامنے لار کھا یہاں تک کہ سب سیر ہوگئے اور اس میں بچ رہا۔ اس کے بچے ہوئے کو ایک پیالہ میں کرکے مقداد کی بیوی ضباعہ بنتِ الزبیر نے اپنی لونڈی سدرہ کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجدیا۔ حضرت اس وقت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھے۔ آپ نے سدرہ کو دیکھا تو فرمایا کیا ضباعہ نے تحفہ بھیجا؟ یہ کہہ کر آپ نے پیالہ لے لیا اور سدرہ سمیت سارے گھر والوں نے کھایا۔ اس کے بعد بچا ہوا سدرہ ہی کے ہاتھ حضرت نے ضباعہ کو واپس کردیا

رہ تمہارے مہمانوں کے لئے ہے چنانچہ اسی کھانے کو حضرت مقداد اور ضباعہ بار بار مہمانوں کے سامنے رکھتے اور وہ سیر ہو ہو کر کھاتے رہے۔ آخر جب انھوں نے دیکھا کہ اس میں کمی نہیں آتی تو ضبط نہ کر سکے اور کہا کہ ایسا برکت گھر والو تمہاری خوراک تو سدِ رمق ہوتی ہے یہ کیا بات ہے کہ لذیذ کھانے سے ہم دونوں وقت شکم سیر کھاتے ہیں اور کھانے میں کمی نہیں آتی ؟ تب حضرت ضباعہ نے جواب دیا کہ اس میں سے حضرتؐ نے کھایا ہے اور تم جیسے ہزار بھی اگر بر سول مقیم رہیں تو ان کو تنگی لاحق نہ ہونے پائے گی۔ یہ معجزہ دیکھ کر وفد بہراء کی عقیدت اور محبتِ رسول میں ترقی ہوگئی اور وہ چند روز ٹھہر کر ضروریاتِ اسلام سیکھنے کے بعد واپس وطن ہوئے۔ وفد عذرہ۔[۲۲] بارہ نفر جن میں حمزہ بن نعمان بھی تھے سنہ ۹ھ میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضرتؐ نے ان کو بشارت سنائی کہ ملک شام اہلِ اسلام کے ہاتھوں فتح ہو گا اور ہرقل ایک محفوظ شہر میں پناہ لے گا۔ اس کے بعد کاہن و منجم سے پوچھنے کی ممانعت اور ان قربانیوں کا جو وہ برسم جاہلیت کیا کرتے تھے عدم جواز خصوصیت کے ساتھ تعلیم فرما کر انعامات کے ساتھ ان کو رخصت کیا۔ وفد بلی۔[۲۳] اپنے سردار ابو خبیب کے ہمراہ ربیع الاول سنہ ۹ھ میں مدینہ آئے۔ حضرت رویفع نے جو اُن کے ہم قوم تھے اپنے گھر ٹھہرایا اور خود لے کر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے چنانچہ یہ لوگ اسلام لائے اور تین دن قیام کر کر رخصت ہوئے۔ ان ایام قیام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں لے کر رویفع کے مکان پر خود تشریف لاتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ لو ان کو بھی مہمانوں کی ضیافت میں شامل کر لو۔ وفد ذی مرہ۔[۲۴] تیرہ نفر حاضر ہوئے جن کے سردار حارث ابن عوف تھے حضرتؐ نے اُن کے ملک کی حالت پوچھی تو انھوں نے قحط سالی اور بارش کے نہ ہونے سے بدحالی ظاہر کی۔ تب حضرتؐ نے دُعا فرمائی اور چند روز ٹھہرا کر سب کو دس دس اوقیہ اور سردار حارث بن عوف کو بارہ اوقیہ چاندی انعام دے کر رخصت فرمایا۔ یہ لوگ اپنے وطن پہنچے تو ملک کو شاداب پایا کہ بارش خوب برس چکی تھی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ بارش برسنے کا وُہی وقت تھا جس وقت حضرتؐ مدینہ میں دُعا فرما رہے تھے کہ یا اللہ ان لوگوں کو بارش سے سیراب کر دے۔ وفد خولان۔[۲۵] دس نفر ماہِ شعبان سنہ ۱۰ھ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہم اپنی پسماندہ جماعت کے وکیل ہیں۔ اللہ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی اور صرف آپؐ کی زیارت کے لئے دُور و دراز مسافت قطع کر کے حاضر ہوئے ہیں کہ اونٹوں کے جگر پھٹ گئے اور نرم و سخت پہاڑ و جنگل سب ہی کچھ قطع کر ڈالے تاہم احسان اللہ و رسول کا ہی ہے اور اسی کا شکر و امتنان ہے یہ سن کر حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ حاضری کی مشقت کا تو یہ نتیجہ ہے کہ تمہارے اونٹ جتنے قدم چلے ہیں ہر قدم پر ایک نیکی لکھی گئی ہے اور میری زیارت کے لئے آنے کا یہ ثمرہ ہے کہ میں اپنے زائر کی شفاعت کا ذمہ دار ہوں اور وہ میری پناہ و ذمہ داری میں آ جاتا ہے۔ اِس کے بعد آپؐ نے اُن کو ٹھہرایا اور اُن سے بت کا

جس کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اور جس کا نام عمِ انس تھا۔ حال پوچھا انھوں نے عرض کا کہ یا رسول اللہ ایک وہ وقت تھا کہ ہم اس کو حاجت روا سمجھتے تھے اپنی کھیتی اور مویشیوں میں سے اس کا حصہ مقرر کیا کرتے اور اس پر چڑھاوے چڑھا کر برکت و وسعت کی امید رکھا کرتے تھے۔ ہمیں خوب یاد ہے ایک مرتبہ ہماری بستی میں قحط پڑا اور ایسی سختی آئی کہ ہم مُردوں کی ہڈیاں کھانے لگے آخر ہم نے جو کچھ جمع پونجی تھی چندہ کرکے جمع کی اور اس کے سَو بیل خرید کر عمِ انس کے نام پر ذبح کیے چونکہ یہ اس دیوتا کی نذر تھی اس لئے ذبح کئے ہوئے بیل وہیں جنگل میں چھوڑ آئے کہ گدھ اور کرگس نوچتے اور جنگل کے درندے ان کو کھاتے تھے حالانکہ ہم اُس وقت درندوں سے زیادہ گوشت کے محتاج تھے مگر ہمارے عقیدہ اور رسم نے ہم کو فاقے کرائے اور مجبور کیا کہ مُردار خوار جانور ہماری قربانیوں سے منتفع ہوں اور ہمارے بلکتے ہوئے بچے اور سسکتے ہوئے بوڑھے کھڑے تکتے رہیں پھر یہ ایک فتنۂ عظیمہ تھا کہ ہماری اس حرکت کے بعد بارش ہو گئی اور ہم اس کو عمِ انس کا کارنامہ سمجھ کر اس کی عظمت و عبادت میں پختہ بن گئے مگر اب الحمد للہ آپ کی تعلیم سے مذہبِ حق کو عمِ انس کی محبت سے ہم نے بدل لیا اور بجز چند بوڑھوں اور بوڑھیوں کے گروہ ابتک پرانی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں باقی سب کے دلوں سے پتھر کی مورتوں کی عظمت نکل گئی اس کے بعد انھوں نے فرائضِ اسلام سیکھے اور وفاءِ عہد، ادا امانت، پڑوسی کے حق کی حفاظت اور کسی پر ظلم نہ کرنے کی نصیحت خصوصیت کے ساتھ حاصل کرکے باکرام و احترام رخصت ہوئے۔ وفد محارب۔ دس نفر اپنی جماعت کے نائب بنکر سال حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے۔ یہ قبیلہ عرب کے جملہ قبائل میں سخت تر تھا اور جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام میں اپنے نفس کو قبیلہ قبیلہ پر پیش کرتے پھرتے تھے کہ کوئی رحمدل آپ پر ترس کھا کر اس نعمت سے اپنے دامنوں کو بھرے اور آپ کو اپنی امان میں اپنے گھر ٹھہرا لے۔ تو سب سے زیادہ ترش اور درشت جواب اسی قبیلہ نے دیا تھا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے تو حضرت بلال صبح و شام دونوں وقت حضرت نبی کے دولت خانہ سے کھانا لے کر ان کو پہنچایا کرتے تھے آخر ایک دن ظہر کے بعد یہ لوگ حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو محاربی کی جانب حضرت نے ٹکٹکی باندھ کر دیر تک دیکھا اور فرمایا کہ شاید میں نے تم کو پہلے دیکھا ہے اس وقت محاربی نے عرض کیا کہ بیشک اٹھارہ برس ہوئے جب سوقِ عکاظ میں آپ اپنی جان کو قبائلِ عرب پر امان کی طلب میں پیش کرتے پھر رہے تھے تو اُس وقت میں نے آپ کو نہایت سخت جواب دیا تھا کہ یا رسول اللہ اُس روز آپ پر سختی کرنے والا اور اسلام سے دور بھاگنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہ تھا اللہ کا شکر ہے کہ مجھ کو ہدایت ہوئی سارے رفقاء جو اس دن زندہ اور میرے ہم کلام تھے اپنے دین پر مر گئے صرف میں بچا اور دولتِ اسلام سے مالامال ہوا ہوں۔ یا رسول اللہ مجھے اپنی سخت کلامی پر اب بہت ندامت ہے، اور میں درخواست کرتا ہوں کہ میری اس بدزبانی

معاف فرما کر حق تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کر دیجئے۔ حضرت یہ سنکر مسکرائے اور فرمایا کہ اسلام پہلی ساری خطاؤں
کی کفر و شرک تک کو قطع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان کو فرائض اسلام سکھلائے اور انعامات دے کر احترام
کے ساتھ رخصت فرمایا۔ وفد صداء۔ جعرانہ سے واپسی کے وقت ۸ھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت قیس بن سعد کو چار سو مسلمانوں کا حاکم بنا کر یمن کے اس ناحیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا جدھر قبیلہ
صداء آباد تھا۔ اتفاق سے ایک شخص اسی قبیلہ کے مدینہ سے آرہے تھے۔ جب ان کو لشکر کشی کی اطلاع ملی تو
حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اپنی قوم کے اسلام کا میں ذمہ دار ہوں آپ اپنا لشکر واپس بلا لیجئے
چنانچہ مقام صدا قناۃ سے اسلامی فوج واپس کر لی گئی اور صدائی مسلمانوں نے اپنی قوم میں جا کر تبلیغ
اسلام کی۔ چند روز بعد وہ پندرہ مسلمان لے کر آئے جنھوں نے حضرت سے بیعت کی اور واپس ہو کر قوم صداء میں
چہار طرف اسلام کو پھیلایا۔ وفد غسان۔ ان کے تین اشخاص رمضان ۱۰ھ میں حاضر خدمت ہو کر مسلمان
ہوئے اور واپس ہو کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کی مگر چونکہ وہ لوگ مال دنیا اور اپنے ملک کی حکومت کے
دلدادہ تھے اس لئے انھوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ آخر تینوں صحابہؓ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے گذر کرتے
رہے یہاں تک کہ دو کا انتقال اسی حالت پر ہو گیا۔ البتہ تیسرے صحابی نے حضرت فاروق رضؓ کا زمانہ پایا اور
جنگ یرموک میں شریک ہوئے۔ وفد سلامان۔ سات آدمی جن میں حبیب بن عمرو بھی تھے شوال ۱۰ھ میں حاضر
خدمت ہو کر اسلام لائے اور قحط سالی کی شکایت کی۔ چنانچہ حضرتؐ نے بارش کی دعا فرمائی اور تین دن مہمان
رکھ کر حضرت بلال کے ہاتھ ہر شخص کو پانچ اوقیہ چاندی انعام بھیجا اور بہ عذر کر کے کہ آج کل ہمارے پاس مال
نہیں ہے ورنہ بہت کچھ دیتے، بعزت و اکرام رخصت کیا۔ وفد بنی عبس۔ انھوں نے حاضر خدمت ہو کر کہا کہ یا
رسول اللہ! ہمارے علماء نے ہم سے آکر یوں کہا ہے کہ جو شخص ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں سو اگر ہم اپنے مویشی اور
جائداد کو جو ہماری گذران کا ذریعہ ہے بیچ کھوچ کر مدینہ میں آپڑیں تو بڑی دقت کا سامنا ہے۔ حضرتؐ نے ارشاد
فرمایا کہ ہجرت فرض نہیں ہے جہاں رہو اپنے خدا سے ڈرتے رہو وہ تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں کمی نہ فرمائے
گا۔ اس کے بعد آپ نے خالد بن سنان کا حال پوچھا کہ کوئی بال بچہ بھی چھوڑا؟ اور جب یہ سنا کہ کوئی نہیں صرف
ایک لڑکی تھی وہ بھی خدا کو پیاری ہوئی تو آپ نے تاسف کیا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ خالد گویا نبی تھا جس کو اس کی قوم
نے ہاتھوں سے کھویا۔ دوسرا وفد ازد۔ جن میں حضرت سوید بن حارث بھی آئے تھے۔ یہ سات اصحاب حاضر خدمت
ہوئے اور جب حضرتؐ نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ "مومن مسلمان" حضرتؐ اس
جواب پر متبسم ہوئے اور فرمایا کہ ہر کلام کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں
نے کہا کہ پندرہ باتیں ہیں۔ جن میں پانچ عقائد ہیں جن پر ایمان لانا آپ کے قاصدوں نے ضروری بتایا اور پانچ

اوامر ہیں جن کی تعمیل فرض کی گئی اور پانچ باتیں ہماری قدیمی ہیں جن پر ہم قائم ہیں۔ اب اگر آپؐ اُن میں سے کسی کی ممانعت فرما دیں گے تو بیشک چھوڑ دیں گے۔ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو گنواؤ۔ انھوں نے جواب دیا۔ عقائد تو یہ ہیں کہ ہم ایمان لائیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر۔ اور اوامر یہ ہیں کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہیں، پانچ نمازیں پڑھیں رمضان کے روزے رکھیں، مال کی زکوٰۃ دیں اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں۔ اور قدیمی نصائح جن کے زمانۂ جاہلیت سے خوگر ہیں یہ ہیں کہ راحت کے وقت شکر کریں، تنگی کے وقت صبر کریں، احکام قضا و قدر پر راضی رہیں، جنگ کے موقعوں پر سچے بنیں اور دشمنوں کی بدحالی دیکھ کر بھی خوش نہ ہوں۔ ان کی یہ تقریر سُنکر حضرت بہت خوش ہوئے اور یہ فرماکر "حکما ہیں علما ہیں قریب ہے کہ سلامتی فہم کی بدولت استعلا نبوت حاصل کریں" یوں کہا کہ پانچ خصلتیں ہم تعلیم کرتے ہیں ان کو ملا کر بیس کرلو کہ جو کھاؤ نہیں اس کو جمع نہ کرو جس میں رہو نہیں اس کی تعمیر مت کرو، جو شے کل کو ہاتھ سے نکلنے والی ہے اُس کی حرص نہ کرو جس خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اُس سے ڈرتے رہو اور جس عالم میں جانے اور ہمیشہ رہنے والے ہو اُس کی رغبت رکھو۔ وفد بنی منتفق۔ لقیط بن عامر اپنے رفیق نہیک بن عاصم کو لے کر حاضر خدمت ہوئے اور بہت کچھ باتیں حضرت سے دریافت کیں۔ پانچ باتیں جن کی خبر سوائے اللہ کے کسی کو نہیں، یعنی بارش کب ہوگی، ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ، موت کب اور کہاں آئے گی، کل کو کیا کرنا ہے اور قیامت کب واقع ہوگی؟ حضرت نے ان کو سُنائیں۔ عالم برزخ اور عالم آخرت کے پیش آئندہ حوادث بیان فرمائے۔ قیامت کے واقعات ذکر کئے اور فرائض اسلام کی پابندی پر ان کو بیعت فرماکر اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ وفد نخع یہ سب میں آخری وفد ہے جو نصف محرم ۱۱ھ میں حاضر خدمت ہوا۔ انھیں میں حضرت زرارہؓ ابن عمرو تھے جنھوں نے اپنے سفر کا خواب بیان کیا کہ میں نے اپنی گدھی کے جُھلسا ہوا گنجہ بچہ پیدا ہوتا دیکھا ہے۔ حضرت نے تعبیر دی کہ معلوم ہوتا ہے اپنی باندی کو حاملہ چھوڑ آئے تھے اس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ تمہارا بیٹا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ پھر گنجہ ہونے کی کیا وجہ؟ تب آپ نے اُن کو پاس بُلایا اور چُپکے سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے تمھیں برص کا مرض ہے اور اس کے سفید دھبے ایسی جگہ ہیں جس کو تم لوگوں پر ظاہر نہیں کرسکتے۔ یہ وفد دو سو نفر تھے جو حضرت معاذؓ کے ہاتھ پر اسلام لاچکے تھے اور اب مہمان خانہ نبوی میں مقیم رہ کر شرائع اسلام و فیضانہ قدسیہ سے مستفیض ہوئے اور حضرتؐ کے وصال سے دو ماہ قبل اپنے وطن کو واپس ہوئے +

باب ۷۵ — ۱۰ھ

حجۃ الوداع

ماہِ ذیقعدہ قریب الختم پہنچا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفود کی آمد اور ان نومسلموں کی تعلیم و ارشاد سے فرصت نہ ملی جو دُور دراز کا سفر کرکے اسی غرض سے مدینہ میں آتے تھے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو امیر الحاج مقرر فرماکر مکّہ کو روانہ کیا کہ لوگوں کو شرائع اسلام کے موافق حج کرائیں اور مشرکوں سے جو میدانِ عرفات میں جمع ہوں تعرض نہ کریں۔ چنانچہ حضرت صدیق نے مدینہ کے تین سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکّہ کا قصد کیا اور دس اونٹ جن کے گلوں میں پٹے ڈال کر اور نذر اللہ ہونے کی علامت میں اپنے ہاتھ سے اشعار یعنی کوہان میں نیزہ چھوا کر حرم میں اپنی طرف سے قربانی کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اور ان پر حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی کو نگراں مقرر فرمادیا تھا اپنے ذاتی پانچ اونٹوں کے ساتھ لے کر حج کے لئے روانہ ہوئے حضرت صدیق رضؓ مکّہ پہنچنے نہ پائے تھے کہ حضرت علی رضؓ بھی عضباء نامی ناقۂ نبوی پر سوار کر کے پیچھے پیچھے روانہ کئے گئے تاکہ سورۂ براءۃ جس میں مشرکین سے معاہدوں کے ٹوٹ جانے کا اظہار تھا عرفات یا منیٰ کے کھلے میدان میں عام مخلوق کو سُنادیں۔ اِس لئے کہ اہلِ عرب اپنی عادت کے موافق عہد کے متعلق صرف قریبی رشتہ داروں اور اقارب ہی کا پیغام قبول کیا کرتے تھے چنانچہ عرج یا ضجنان مقام پر دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی اور یہاں سے ساتھ ساتھ عرفات کو چلے۔

مجاہد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ ذاتی مصلحتوں کی بناء پر مہینوں میں تقدیم تاخیر کرلیتے اور ہنود کی طرح ہر تیسرے سال لَوند کا مہینہ بڑھا دیتے ہیں، قمری مہینوں کو سرکا لیا کرتے تھے اِس لئے اِس سال جب کہ حضرت صدیق بھیجے گئے ذیقعدہ کو ذی الحجہ بنا لیا گیا تھا اور حج گویا ایک مہینہ پہلے ہی کرلیا پس مشرکین کے اختیارات کا سلب کلّی کرنے اور اسلام کی تکمیل کے لئے بچے بچائے کافروں کے عباداتِ خداوندی میں تصرفات کو ملیا میٹ کرنے کے لئے اس مرتبہ حضرت صدیق رضؓ اور حضرت علی بھیج دیئے گئے اور آئندہ سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وقت پر حج فرض ادا کیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضۂ حج کے ادا کرنے میں بھی مطلق "تاخیر" نہیں فرمائی اور نہ وفود کی آمد یا اور کوئی دینی مصلحت اس فریضۂ خداوندی کے فوراً ادا کرنے سے مانع ہوسکی جو اسلام کا چوتھا رکن ہے اِس لئے کہ حج کو فریضہ بنانے والی آیت اِسی ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی تھی جو سنۃ الوفود کہلاتا ہے اور جس کے حج کو مشرکین نے ناوقت ماہِ ذیقعدہ میں قرار

میں لیا تھا اور چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت اور عادت و سیرت کے شایان یہی ہے اس لئے ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال حضرت صدیق نے امیر الحاج بن کر ان مسلمانوں کو جو ساتھ آئے تھے یا نواح و اطراف سے بغرض شرکت میدانِ عرفات میں جمع اور اسلامی نشان کے نیچے داخل ہو گئے تھے۔ اسلامی طریقہ پر حج کرایا، رسوماتِ مشرکانہ سے آگاہ کیا، طریقۂ جاہلیت سے خبردار بنایا اور وہ طرز عملی صورت میں لاکر تعلیم دیدیا جس طرز سے مسلمانوں کو ارکانِ حج پورے کرنے چاہئیں۔ اس کے بعد یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو جب کہ سارے حجاج منیٰ میں جمع تھے جمرہ کے قریب کھڑے ہو کر حضرت علیؓ نے سورۂ براءۃ کی وہ آیتیں پڑھیں جن میں کفار کے عہد و پیمان کا نقض کر دیا گیا اور ان کو عام اطلاع دی گئی کہ اللہ اور اس کا رسول چونکہ کافر و مشرک گروہ سے بیزار ہیں اس لئے نہ ان کا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ معتبر ہے نہ مسلمانوں کا ان سے۔ پس جس قبیلہ سے کسی مدتِ معینہ کے لئے خاص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امان و صلح کا کوئی اقرار فرمایا ہے وہ تو اپنی مدتِ مقررہ تک بحال سمجھا جائے گا۔ باقی تمام معاہدہ منسوخ ہوئے اور چار مہینہ کی مہلت ہے کہ اس میں یا اسلام قبول کریں ورنہ اگر ان کو تہہ تیغ کر دیا جائے تو کسی کو گرفت و الزام یا باز پرس کا استحقاق حاصل نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ جنت میں بجز مومن کے کوئی جانے نہ پائے گا۔ آج کے بعد بیت اللہ کا طواف کوئی شخص برہنہ کرنے نہ پائے گا۔ اس سال کے بعد مسجد الحرام میں کوئی کافر شخص مسلمان کے پاس بیٹھنے نہ پائے گا۔ اور کوئی مشرک حج کرنے کے لئے میدانِ عرفات یا منیٰ میں گھسنے نہ پائے گا۔ یہ پیام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مستقل معجزہ ہے کہ ایسا زبردست دعویٰ بالکل صحیح اترا۔

یہ وہ باعظمت حکم تھا جس نے حجازی خطہ کو شرک کی آلودگی سے پاک بنانے اور عرب کے وسیع ملک سے کفر کا تخم ہمیشہ کے لئے نکال پھینکنے کے لئے باضابطہ صور پھونکا اور ان بدوی قبائل میں تہلکہ ڈالا تھا جو ریگستانی جنگلوں یا پہاڑی دروں میں خال خال پڑے رہ گئے اور اس خیال میں تھے کہ بمقتضائے عیسیٰ بدینِ خود موسیٰ بدینِ خود ہم اپنے آبائی مذہب کی رسومات کو پورا کرتے رہیں گے۔ اور وہ مصالحت جس کی باہم قرارداد ہوتی رہا کرے گی ہمارے جان و مال کو محفوظ رکھے گی۔ ان کو خبر نہ تھی کہ اسلام کسی کا دبا ہوا غلام نہیں ہے کہ اپنی مخالفت و عناد کی صورتیں آنکھوں سے دیکھے اور برداشت کر جائے اور وحدانیت خداوندی ایسی ہمدم و انیس نہیں ہے کہ اغیار کو دیکھ کر رشک نہ لائے۔ ہاں بدعہدی ایک عیب ہے جس کے شائبہ سے اسلام کا دامن بالکل صاف ہے۔ پس چار مہینے قبل اطلاع دی جاتی ہے کہ جس کو اپنا حوصلہ نکالنے کا ارمان باقی ہو وہ اس کو نکال لے اور جس کو سوچنا سمجھنا ہو وہ سمجھ لے چنانچہ اس اعلان کے

بعد لوگوں میں ہل چل مچ گئی اور چونکہ آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ اسلام نے اپنی تنہائی و بیکسی کی نازک حالت میں بھی بڑے بڑے مشائخ و نبی زادوں کے لوٹنے کو نہیں مانا اور برہنہ تلواروں، چمکدار سنگینوں، جھلکتے ہوئے بھالوں اور چمکتے ہوئے نیزوں کے سامنے بھی گردن نہیں جھکائی تو اب جب کہ ہزاراں ہزار دشمن اس کے دوست اور جاں نثار شیدا بن چکے ہیں کسی کی کیا خاک ڈالے اس کے منہ پر کس طرح پڑ سکتی ہے اس لئے خود بخود ان کی گردنیں اطاعت کے لئے جھک گئیں اور جب دونوں حضرات اپنی خدمت انجام دے کر مدینہ پہنچ لئے تو اطراف و جوانب سے اسلام ہی اسلام کا شور سنائی دیا۔ پہاڑیاں وحدانیت و رسالت کے اقرار سے گونج اٹھیں اور ہر سمت آفتاب اسلام کی شاہانہ حکومت نے اپنا قبضہ و انتظام مستحکم بنالیا۔

سنہ ۱۰ ہجری میں آپ اس نومسلم جماعت کی تربیت و تزکیہ اور روحانی و جسمانی تعلیم میں بالکلیہ مصروف رہے جو مدینہ میں آپ کے آستانہ پر پڑی ہوئی تھی یا وقتاً فوقتاً آفاقِ ارض سے طے منازل کر کے حاضر ہوتی رہتی تھی یہاں تک کہ ماہِ ذیقعدہ کا چاند نظر آیا اور آپ نے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے عرفات کی حاضری کا سامان شروع کر دیا۔

یہ سفر حج ایسا نہ تھا کہ مسلمانوں میں کھلبلی نہ ڈال دیتا۔ مدینہ کی گلی گلی اور گھر گھر میں تہیہ سفر ہونے لگا اور عورت و مرد، بوڑھے اور بچے سب ہی حج کے لئے تیار ہو گئے۔ آخر ۲۵ ذیقعدہ کی صبح کو شنبہ کے دن آپ نے غسل فرمایا، سر دھویا، تیل ڈالا، خوشبو لگائی، قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے اور ابو دجانہ ساعدی کو مدینہ پر عامل بنا کر حرم میں قربانی ہونے والے ستر اونٹ بطور ہدی ساتھ لیکر مع ازواج مطہراتؓ اور خاندان کے باآوازِ بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ کو روانہ ہوئے اور صحابہؓ کا جم غفیر جس کی شمار نہ ہو سکتی تھی پیدل و سوار آپؐ کے ہم رکاب ہوا۔ سرف مقام پر پہنچکر آپ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ تمتع کریں اور جنہوں نے ہدی ساتھ نہ لی ہو وہ عمرہ کا احرام باندھ کر طواف و سعی کے بعد حلال ہو جاویں اور ازواج مطہرات کو بھی یہی ارشاد فرمایا کہ عمرہ پورا کر کے احرام کھول دیں اور جس کو حیض آجائے وہ طواف کے علاوہ باقی سارے ارکان پورے کرے اس کے بعد آپؐ آگے روانہ ہوئے اور مسجد ذوالحلیفہ سے آپ نے احرام باندھ لیا۔

حضرت علیؓ نے جو اس وقت ملکِ یمن کی جانب سپہ سالار بن کر نجران میں گئے ہوئے تھے حضرتؐ کے حج کی اطلاع پائی تو اسلامی لشکر پر ایک سپاہی کو اپنا قائم مقام بنا کر وہاں سے چل پڑے، اور راستہ ہی سے اس طرح احرام باندھ کر کہ یا اللہ میں بھی اسی قسم کا احرام باندھتا ہوں جیسا تیرے رسول، تیرے بندے اور تیرے نبی محمدؐ نے باندھا ہے، حضرتؐ سے مکہ میں آملے۔

ثنیہ مقام پر پہنچکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بیت اللہ پر پڑی تو آپ نے

ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہی اور کدا کے راستے اتوار کے دن صبح کے وقت مکّہ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے باب السلام کی طرف سے حرم شریف میں آئے اور اضطباع و رمل کے ساتھ طوافِ قدوم ادا کیا اس کے بعد اونٹنی پر سوار ہو کر صفا مروہ کے درمیان سعی کی پھر حکم دیا کہ جنہوں نے تمتع کا احرام باندھا تھا وہ حلق یا قصر کرا کے احرام کھول دیں ۸ ذی الحجہ کو جس کا نام یوم الترویہ ہے۔ آپ نے مناسکِ حج لوگوں کو تعلیم فرمائے اور منبر پر کھڑے ہو کر دل ہلا دینے والا خطبہ پڑھا جس میں اوّل حق تعالےٰ کی حمد وثنا کی اس کے بعد فرمایا کہ لوگو! میری بات توجہ کے ساتھ سُنو کیونکہ میں نہیں جان سکتا شاید اس سال کے بعد اس مقام پر مجھے کھڑا ہوا کبھی نہ پاؤ گے لوگو! تمھارے خون اور تمھارے اموال قیامت تک ایسے ہی محترم ہیں جیسے تمھارا آج کا دن اور تمھارا یہ مہینہ اور عنقریب تم کو اپنے رب سے ملنا ہے۔ پس وہ تم سے تمھارے اعمال کا سوال کرے گا۔ اور میں پہنچا چکا ہوں سو جس کے پاس کوئی امانت ہو اس کو چاہئے کہ حقدار کے حوالہ کر دے۔ سُود باطل قرار دے دیا گیا۔ البتہ راس المال تمھارے حق ہیں کہ نہ تم کسی پر زیادتی کرو اور نہ کوئی تم پر زیادتی کرے۔ اللہ نے طے فرما دیا کہ سُود کوئی حق نہیں اور میرے چچا عباس بن عبد المطلب کا سُود بھی معدوم ہوا۔ اور ہر خون جو زمانۂ جاہلیت میں واقع ہوا ناقابلِ معاوضہ بنا دیا گیا اور سب سے پہلے اپنے چچازاد بھائی ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون چھوڑتا ہوں جس کو بلا وجہ ہذیل نے قتل کیا تھا۔ اَمّابعد اے لوگو! شیطان واقعی اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمھاری اس زمین میں کبھی اس کی پرستش ہو۔ البتہ اس کے سوا ان گناہوں میں اس کا کہنا مانا جائے گا جس کو تم حقیر سمجھ کر کر بیٹھو گے سو تم اپنے دین پر شیطان سے ڈرتے رہنا۔ اے لوگو! مہینوں کا سرکا دینا کفر میں زیادتی ہے جس کے سبب کافر گمراہ ہوتے رہتے ہیں کہ ایک سال اس کو حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام۔ تاکہ خدا کے حرام بنائے ہوئے کی گنتی تو پوری کر دیں اور جو شے خدا نے حلال کی ہے اس کو حرام اور جو حرام کی ہے اس کو حلال بنالیں۔ یاد رکھو زمانہ اپنی اس پہلی حالت پر قائم ہو گیا جس پر آسمان وزمین کی پیدائش کے دن قائم ہوا تھا اور مہینوں کی تعداد خدا کے نزدیک بارہ [illegible] میں۔ تین تو متواتر (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم) اور ایک رجب جو جمادی

[illegible] کر سوا تیرہ سو برس ہوتے ہیں ہر شخص کر رہا ہے کہ دُنیا
شائبہ ہے اسلام [illegible]
نکالنے کا ارمان باقی ہو وہ اس [illegible]

امابعد۔ اے لوگو! تمھارے اپنی بیبیوں پر حقوق ہیں اور اُن کے کچھ حقوق تم پر ہیں، سو تمھارا بڑا حق اُن پر یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے کا قدم نہ پڑنے دیں جو تم کو ناگوار ہو۔ اور اُن پر یہ بھی لازم ہے کہ کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب نہ ہوں اور اگر ایسا کریں تو تم کو خدا نے اجازت دی ہے کہ ان سے خواب گاہوں میں علیحدگی اختیار کرلو اور ایسی مار دو جو شدید نہ ہو۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو وہ مناسب نفقہ اور لباس کی مستحق ہیں اور عورتوں کے متعلق حُسنِ معاشرت کی وصیت میری طرف سے قبول کرو کیونکہ وہ تمھاری پابند اور دست نگر ہیں کہ اپنے لئے کسی شے کی بھی مالک نہیں اور تم نے اُن کو اللہ کی امانت بنا کر لیا اور ان کی شرم گاہوں کو کلمات اللہ کے وسیلہ سے حلال بنایا ہے۔ پس اس کا خوب لحاظ رکھو۔ اے لوگو! میں تم کو تبلیغ کا حق ادا کرچکا اور اب تم میں ۲ دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن کو اگر تم نے مضبوط تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اس کے رسول کا طریقہ۔ اے لوگو! میری تقریر سُن لو اور اس کو خوب سمجھ لو، تم جانتے ہو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمانوں کی جماعت ایک برادری ہے پس کسی شخص کو اپنے بھائی کا مال حلال نہیں بجز اس مقدار کے جو برضاءِ نفس وہ خود دیدے پس تم اپنے نفسوں پر ظلم مت کرنا۔ یا اللہ! میں پہنچا چکا۔ اِس پر ہر چار طرف سے صدا بلند ہوئی کہ "بیشک بیشک" تو آپ نے فرمایا کہ یا اللہ گواہ رہیو۔

چونکہ اس خطبہ میں آپ نے رخصت کے کلمات ارشاد فرما کر گویا صحابہ کو بتادیا کہ یہ حج میرے لئے پہلا بھی ہے اور آخری بھی۔ اِس لئے اس کا نام حجۃ الوداع ہوا۔ اِس کے بعد آٹھویں کو یوم پنجشنبہ جحون پہاڑ کے راستہ سے منیٰ روانہ ہوئے اور ظہر و عصر و مغرب و عشاء ادا فرما کر وہیں رات گذاری اور نویں ذی الحجہ کو جمعہ کے دن اشراق کے وقت عرفات کی جانب روانہ ہوئے وہاں آپ نے نمرہ پر خیمہ کے اندر قیام فرمایا۔ ظہر و عصر کو جمع کیا اور ایک اذان دو تکبیروں سے دونوں نمازوں کو ظہر ہی کے وقت میں ادا فرما کر جبلِ رحمت پر تشریف لائے، اونٹنی پر سوار ہوئے اور اس بھرے مجمع میں جہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان حاضر تھے ربیعہ بن امیہ کو واسطہ بنا کر یہ الفاظ فرمائے کہ لوگوں سے کہو کہ رسول اللہ ؐ دریافت کرتے ہیں کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ اور جب چار طرف سے صدا بلند ہوئی کہ ماہِ حرام ہے تو آپ نے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ اللہ نے تم پر تمھارے خون اور اموال کو قیامت تک کے لئے ایسا ہی حرام بنادیا ہے جیسے یہ ماہ حرام (کہ اس میں قتل و قتال کو سب نے ہمیشہ حرام سمجھا)، اس کے بعد آپ نے ربیعہ سے فرمایا کہ لوگوں سے پوچھو کہ یہ کونسا شہر ہے؟ اور جب چار طرف سے آواز آئی کہ بلد الحرام (یعنی مکہ)، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر تمھارے

اور اموال کو قیامت تک کے لئے ایسا ہی محترم بنا دیا ہے جیسے یہ شہر محترم (کہ اس میں خلا وار کا قتل بھی تم نے ہمیشہ ممنوع سمجھا)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ان سے پوچھو آج کونسا دن ہے؟ اور جب چار طرف سے آواز آئی کہ یوم الحج الاکبر ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے خون اور اموال کو قیامت تک کے لئے تم پر ایسا ہی محترم بنا دیا ہے جیسے تمہارا آج کا دن۔ اس کے بعد آپ نے نہایت بلیغ خطبہ پڑھا اور منجملہ شرائع اسلام و ضروریاتِ دین کے یہ بھی فرمایا کہ بے شک اللہ نے ہر حقدار کا حق (میراث کے متعلق) ادا فرما دیا پس وارث کو وصیت جائز نہیں اور بچہ اسی کا سمجھا جائے گا جس کے نکاح میں اُس کی ماں ہوگی اور زانی کے لئے بجز پتھر کے (بچہ میں کوئی حق) نہیں اور جس نے اپنے آپ کو باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف نسبت کیا یا غلام نے اپنے آقا کے سوا دوسرے کا بتایا تو اُس پر پھٹکار اللہ کی اور فرشتوں کی، اور عام آدمیوں کی۔ اللہ نہ اس سے مال قبول کرے گا نہ عبادت۔ اس کے بعد تسبیح و تہلیل اور یادِ حق میں مشغول رہے اور آفتاب غروب ہوتے ہی عرفات سے چل دیئے۔ مزدلفہ میں پہنچکر عشاء کے وقت میں نمازِ مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھا اور صبح ہوتے وہاں سے روانہ ہو کر منیٰ میں صرف جمرۃ العقبہ کی رمی فرما کر اپنے ہاتھ سے ہدی کے اونٹ نحر کئے اور حلق کرا کے احرام کھول دیا۔

اسی دن یعنی دس ذی الحجہ کو جو عید الاضحی کہلاتا ہے منیٰ سے روانہ ہو کر مکہ میں طواف زیارت کیا۔ آپ زمزم سے سیر ہو کر پیا اور منیٰ لوٹ آئے۔ گیارہ بارہ تیرہ کو جو ایام تشریق کہلاتے ہیں تینوں جمروں کی سات سات کنکریوں سے رمی فرمائی اور بعد ظہر وہاں سے روانہ ہو کر محصب میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد براہ باب العلیا مکہ میں داخل ہوئے اور پھر طواف الوداع ادا کر کے مدینۂ منورہ مراجعت فرمائی۔

حضرت علی رضہ جس وقت یمن سے چلے تھے تو ان کے قائم مقام نے لشکر کے ہر سپاہی کو کتان کے وہ حُلّے پہنا دیئے تھے جو مالِ غنیمت میں حاصل ہوئے تھے تاکہ دشمن پر رعب پڑے اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھے جاویں۔ مگر حضرت علی رضہ نے یہ لباس دیکھا تو غضبناک ہوئے اور حکماً سب کے کپڑے اتروا کر مکہ چلے آئے۔ حضرت علی کی یہ سختی اسلامی لشکر کو گراں گذری اور انھوں نے حضرت علی کی شکایتیں کیں چنانچہ حج سے واپسی پر اس مقام پر جس کا نام غدیر خم ہے جب آپ ٹھہرے تو آپ نے خطبہ پڑھا جس میں حضرت علی کے ساتھ محبت رکھنے کی تاکید فرمائی اور یوں فرمایا کہ "اے لوگو! علی کی شکایتیں نہ کرو۔ واللہ وہ اللہ کی ذات اور اس کے راستہ میں بیشک سخت ہیں (کہ خلافِ حکمِ خدا ہوتا ہوا دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتے)" یہ کلمات فرمائے کہ جس کا مولیٰ میں ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں"۔ اس کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہوگئے اور مدینہ میں داخل ہو کر یادِ حق کی طرف زیادہ توجہ فرمائی +

باب ۷۶ — ۱۰ھ

مرض و وفات

محرم اور صفر کے دو مہینے آپ نے ہدایت وارشادِ خلق یعنی تعلیم وتزکیہ اصحاب اور عبادت خالق میں گذارے یہاں تک کہ آپ پر اس آیت کا نزول ہوا "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى" کہ (درحقیقت اب آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے) اور گویا تمام دنیا کو اطلاع دیدی گئی کہ حضرت کی رحلت کا وقت آگیا چنانچہ ۲۸[1] صفر کا دن گذار کر آپ بآرام سوئے اور نصف شب کو اپنے خادم و آزاد شدہ غلام ابومویہبہ کو جگا کر فرمایا کہ "مجھے حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع کے لئے وہاں جاکر دعاءِ مغفرت کروں پس اٹھو اور میرے ساتھ جنت البقیع میں چلو۔ چنانچہ ان کو ساتھ لے کر آپ قبرستانِ بقیع میں تشریف لائے اور یوں فرمایا کہ "اہلِ مقابر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ تم کو مبارک ہو کہ ان فتنوں کے دیکھے بغیر جن میں زندہ لوگ مبتلا ہیں اور جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ایسے آرہے ہیں کہ پچھلا فتنہ پہلے سے بھی بدتر ہے آرام کی نیند پڑ کر سو رہے ہو" پھر آپ نے خادم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ "اے ابومویہبہ! مجھ کو دنیا میں ہمیشہ رہنے اور اس کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئیں اور اختیار دیا گیا کہ یا اس کو پسند کروں یا جنت اور اپنے رب سے ملنے کو" ابومویہبہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان دوامِ حیات اور خزائنِ ارض کی کنجیاں بھی لے لیجئے اس کے بعد جنت بھی۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں قسم ہے خدا کی اے ابومویہبہ میں نے تو جنت اور اپنے رب سے ملنے ہی کو پسند کیا۔ اس کے بعد آپ نے ان اصحاب کے لئے جو بقیع میں مدفون تھے دیر تک استغفار کیا اور حجرۂ عائشہ رضؓ میں تشریف لے آئے یہاں پہنچ کر آپ کے سر میں درد شروع ہوگیا اور اس مرض[2] کی ابتدا ہوئی جس میں آپ نے وصال فرمایا۔

جس وقت آپ بقیع سے واپس ہوکر حضرت عائشہ رضؓ کے پاس پہنچے تو حضرت عائشہ رضؓ کے سر میں درد تھا اور وہ سر کو پکڑے ہوئے کراہ رہی تھیں کہ وا راساہ چونکہ آپ کے سر میں بھی درد ہونے لگا تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ بلکہ میں وا راساہ اے عائشہ اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اگر تمہارا انتقال میرے سامنے ہوگیا تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے کفناؤں گا، کھڑا ہوکر نماز پڑھوں گا اور اپنے ہاتھوں تم کو دفناؤں گا حضرت عائشہ رضؓ نے جن کو اپنے شوہر کی محبت پر ناز تھا اور اس وقت تکلیف میں مبتلا تھیں، جواب دیا کہ جی ہاں ایسا

---

[1] بعض روایات کے موافق مرض کی ابتدا پیر کے دن ہوئی اور بروایتے ہفتہ کے دن مگر ممکن ہے یہ اختلاف اس بنا پر ہو کہ مرض کی بالکل ابتدائی حالت کو بعض اہلِ سیر نے خفیف سمجھ کر شمار نہ کیا ہو۔ ۱۲ منہ

[2] بروایتے ابتدائے مرض کے دن حضرت میمونہ رضؓ کے گھر تھے اور بروایتے حضرت زینب رضؓ بنت جحش کے گھر اور بروایتے حضرت ریحانہ رضؓ کے پاس جو آپ کی کنیزک تھیں۔ ۱۲ منہ

ہزاروں آپؐ کا کیا نقصان ہوگا دوسری بی بی کو میرے بستر پر سُلا لیجئے گا۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو رہے۔
چونکہ دردِ سر کی تکلیف بڑھتی جاتی تھی اور حرارت ہوگئی تھی اِس لئے آپ کا بدن گرنے لگا مگر آپؐ تکلیف کو خیال میں نہ لائے اور اِس حالت میں بھی ازواج میں عدل و مساوات کو ملحوظ رکھ کر باری تقسیم فرماتے رہے یہاں تک کہ مرض میں اشتداد ہوگیا اور اُس دن جب کہ آپ حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں تھے آپؐ نے بار بار دریافت فرمایا کہ کل کو کیا دن ہے اور پرسوں کس کی باری ہے؟ ازواجِ مطہرات سمجھ گئیں کہ حضرتؐ کو عائشہ رضؓ کی باری کا انتظار ہے اور آپ کو چونکہ اُن کے ساتھ اُنس زیادہ ہے اس لئے وہاں سکون و آرام زیادہ ملتا ہے اِس لئے سب نے جمع ہو کر اپنی باریاں معاف کیں اور عرض کیا کہ ہم سب بخوشی راضی ہیں کہ آپؐ ایامِ مرض بنتِ صدیق کے گھر میں گذاریں۔ یہ سُن کر آپ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اور آپ فضل بن عباسؓ اور حضرت علی رضؓ کے کاندھوں پر سہارا دے کر آہستہ آہستہ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔

یہاں پہنچ کر آپؐ کو سخت بخار چڑھ آیا اور مرض میں ساعت بساعت اشتداد ہونے لگا آخر جمعرات کے دن آپؐ نے آنکھیں کھولیں اور ارشاد فرمایا کہ قلم دوات لاؤ، کچھ لکھوا دوں کہ آئندہ کبھی جھگڑا نہ پڑے" اس وقت گھر کے اندر چند صحابہ رضؓ موجود تھے اُن میں اختلاف ہونے لگا کسی نے کہا قلم دوات لادو اور کسی نے کہا کہ حضرتؐ کی تکلیف کا وقت ہے ہماری ہدایت کے لئے قرآن اور سنّتِ محمدیہ کافی ہے پھر کسی وقت دیکھا جائے گا اور کوئی ضروری امر اگر لکھوانا ہوگا تو حضرت دوبارہ حکم دیں گے۔ اِس اختلاف کی آواز حضرتؐ کے کان میں پڑی تو آپ کو گراں گذرا اور غصہ کے ساتھ فرمایا میرے پاس سے سب چلے جائیں۔ اِس کے بعد آپ یادِ حق میں مشغول ہوئے اور مرض کی تکلیف بڑھنے لگی۔
آخر دوبارہ آپؐ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ سات مختلف کنوؤں کا پانی میرے اوپر ڈالو تا کہ بُخار کی شدت میں کمی آئے اور میں اپنے اصحاب کو عہد و وصیت سُنا سکوں چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور جب ذرا افاقہ ہوا تو آپؐ سر کو پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لا کر منبر پر بیٹھ گئے۔ مسلمان جن کے دلوں پر حضرتؐ کی تکلیف و مرض کا بیحد صدمہ تھا اس قدر خفّت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور سراپا انتظار بن کر ارشادِ نبوی سُننے کے لئے بیٹھ گئے۔ سب سے اوّل آپؐ نے شہداءِ اُحد کے لئے استغفار کیا اور ان پر نزولِ رحمت کی دیر تک دُعا مانگی۔ اِس کے بعد سب سے پہلی بات جو لبِ مبارک سے نکلی وہ یہ تھی کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ یا دُنیا پسند کرے یا اپنے قرب کی نعمت، سو اُس نے وہی چیز پسند کی جو خدا کے پاس ہے۔ اتنا فرمانا تھا کہ حضرت ابوبکر رضؓ رو دیئے اور بے اختیار اُن کی زبان سے نکلا بلکہ ہم اپنی جانوں

ور اپنے بچوں کو آپ پر قربان کر دیں گے۔" حضرتؐ تو اتنا فرما کر کہ "خاموش اپنی جگہ بیٹھے رہو" دوسری تقریر میں مشغول ہو گئے اور صحابہؓ نے حضرت صدیق رضؓ کے رونے پر تعجب کیا کہ ان بڑے میاں کو دیکھئے کہ حضرتؐ تو ایک بندہ کے اختیار کا قصّہ بیان فرماتے ہیں اور یہ آنسو بہاتے ہیں مگر جب چند روز بعد معلوم ہوا کہ اس بندہ سے مُراد ذات تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی' سفرِ آخرت پسند فرمایا تو سب نے اقرار کیا کہ ابوبکر افضل النّاس ہیں۔

اِس کے بعد حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ دروازے جو مسجد کی طرف کُھلے ہوئے ہیں سب بند کر دیئے جائیں بجز ابوبکر کے کہ میرے علم میں ان سے افضل رفیق جس کے مجھ پر ایسے احسان ہوں جن کا بدلہ میں نہیں دے سکا کوئی نہیں ہے اور اگر میں اللہ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن صحبت اور اخوّت ہے یہاں تک کہ اللہ ہم دونوں کو اپنے پاس جمع فرما دے۔ الحمدُللہ دنیا میں جس کسی نے میرے ساتھ سلوک کیا میں اس کا بدلہ اس کو پورا دے چکا بجز ابوبکر کے کہ انھوں نے مال اور جان مجھ پر اتنی قربان کی کہ اس کی مکافات مجھ سے نہ ہو سکی سو اُس کو خدا کے حوالہ کرتا ہوں کہ اس کا بدلہ عطا فرما دے اور اتنا دے کہ وہ راضی ہو جاویں۔ اِس کے بعد آپؐ نے انصار کی فضیلت ظاہر کی اور وصیّت فرمائی کہ اے لوگو انصار کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا کہ یہ میرے خواص ہیں جن میں مجھ کو پناہ اور ٹھکانا نصیب ہوا۔ پس نیکوکار کے ساتھ احسان کیجو اور خطاوار سے درگذر۔

ہر چند کہ دنیا سے روانگی کا وقت قریب آ گیا تھا مگر آپ اپنے کام سے غافل نہ تھے چنانچہ اسی حالت میں مہاجرین و انصار کا ایک لشکر جس میں اجلّہ صحابہ شامل تھے مرتب فرما کر حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی ماتحتی میں دیا اور حکم فرمایا کہ فلسطین میں پہنچ کر بلقاء و داروم کی زمین کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیں مگر چونکہ آپؐ کے مرض میں اشتداد ہو گیا اِس لئے حضرت اُسامہؓ رک گئے اور بعض لوگوں کو یہ بھی کہنے کا موقع ملا کہ اجلّہ و اکابر صحابہ پر ایک نوجوان ناتجربہ کار لڑکے کو سپہ سالار بنا دیا گیا اِس لئے اِسی وعظ میں آپؐ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور کہا کہ اے لوگو! اُسامہ کے لشکر کو اپنی خدمت کے انجام دینے سے مت روکو اور قسم ہے اپنی حیات کی اگر تم کو اُسامہ کی افسری پر اعتراض ہو تو کیا تعجب ہے جب کہ ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کر چکے ہو حالانکہ اُسامہؓ بھی سرداری کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کے والد زید بن حارثہ میں بھی اِس کی قابلیت پوری موجود تھی اِس کے بعد آپ منبر سے اُتر کر حجرہ میں تشریف لے آئے اور صحابہؓ نے لشکرِ اُسامہ کی روانگی کا سامان شروع کر دیا۔

حضرت اُسامہؓ اپنے لشکر کو لیکر مدینہ سے باہر نکلے اور ایک فرسخ پر جرف مقام میں ٹھہر گئے تا کہ اہلِ لشکر اپنی بُھولی بسری چیز فراہم کر کے آگے روانگی کا انتظام کامل کر لیں۔ اتنے میں حضرتؐ کے اشتدادِ مرض کی خبر

پھر گرم ہوئی اور لشکر کی ہمت نہ ہوئی کہ اپنے دینی و دنیوی سردار کو تکلیف کی اس حالت میں چھوڑ کر فلسطین کا سفر کریں۔ حضرت اسامہؓ شہر میں آئے اور منجملہ دیگر صحابہ کے عیادت کی غرض سے حاضر آستانہ ہوتے تو دیکھا کہ عائشہ کا حجرہ مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا ہے اور حضرت پر غشی طاری ہے کہ زبان سے کلام نہیں فرماتے۔

چونکہ آپ کے اعصاب اور پٹھوں پر اس زہر کا اثر ظاہر ہو چلا تھا جو بکری کے گوشت میں ملا کر جنگ خیبر کے وقت ایک یہودی عورت نے آپ کو دیا تھا اور اس کی وجہ سے آپ کے پہلو اور پسلیوں میں درد ہوتا تھا اس لئے بعض اہل بیت کو ذات الجنب کا دھوکا ہوا اور یوں رائے ہوئی کہ اس دوا کا لیپ کر دیا جائے جو حبش کی طرف سے عورتیں لاتی اور اسی مرض کا فوری علاج کیا کرتی ہیں۔ چنانچہ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے جب دیکھا کہ پیغمبرؐ پر دوا کا استعمال کرنے کی جرأت کسی میں نہیں تو خود آگے بڑھے اور آپ کے پہلو پر دوا کا لدود کر دیا۔ دوا لگتے ہی حضرتؐ نے فوراً آنکھیں کھول دیں اور نہایت کراہت کے ساتھ فرمایا کہ لدود کس نے کیا؟ اور جب اطلاع ملی کہ سب گھر والوں کی رائے سے ہوا ہے تو آپؐ نے غصہ کے لہجے میں فرمایا کہ چچا کے علاوہ گھر والوں میں کوئی نہ بچے جس پر لدود نہ ہو۔ چنانچہ دوا تو فوراً پوچھ دی گئی اور حضرت کا قول آخر کار پورا ہوا کہ حاضرین بیت میں سے بجز حضرت عباسؓ کے ہر مرد و عورت کو اپنی زندگی میں لدود کی نوبت پیش آئی۔

حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود کی سخت دلی کا تذکرہ فرماتے ہوئے فَفَرِیقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیقًا تَقْتُلُونَ میں قتل انبیاء کی خطا کو مضارع کے صیغہ سے بیان فرمایا تھا جس میں عربی محاورہ کے موافق یوں ترجمہ ہو کہ "انبیاء کے ایک فریق کو تم نے جھٹلا دیا اور ایک فریق کو قتل کر رہے ہو" یہ اشارہ فرما دیا تھا کہ چونکہ یہود کا نبیوں کو قتل کرنا تمام نہیں ہوا بلکہ وہ سلسلہ اب بھی چل رہا ہے اس لئے یہاں اس بدنصیب قوم نے بزمان گذشتہ سیکڑوں پیغمبروں کو قتل و شہید کیا ہے وہیں سردار پیغمبران یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل بھی انہیں کے ہاتھوں صادر ہونے والا ہے۔ پس ادھر تو حضرت کو مراتب کمالیہ میں سب سے برتر بنانے کے لئے ضرورت تھی کہ شہادت ملے اور ادھر اس پیشین گوئی کے موافق آپ کے قتل کی سب سے بڑی معصیت بھی اس روسیاہ جماعت کے نامۂ اعمال میں لکھی جانی تھی جس نے خداوندی سفیروں کے خون میں اپنے دامن اور ہاتھوں کے رنگنے کو اپنی سرخروئی سمجھ رکھا تھا اس لئے چار سال کے بعد خیبر کی سمیت نے عود کیا اور بلغمی بخار سے ابتداً کر کے جگر اور کلیجہ کے ساتھ اندرونی احشاء و اعضاء پر پورا تسلط کر لیا کہ دماغی اعصاب پر اس کے اثر سے آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی۔ کبد و طحال پر اثر سے درد ہوتا اور زبان کے پٹھوں پر اثر سے بات کرنے میں یہاں تک تکلف ہوتا کہ گویا زبان بند ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک بار حضرت اسامہ اسی حالت میں عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے تو آپؐ نے اشارہ سے پاس بلا کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بار بار

آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور پھر حضرت اسامہ پر رکھ دیئے جس سے وہ سمجھ گئے کہ مجھ کو دعائیں دے رہے ہیں مگر آپ کی زبان نے یاری نہ دی اور زبان سے ایک کلمہ بھی ادا نہ فرما سکے۔

حج سے واپس ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر بن عبداللہ بجلی کو جو یمن کے باشندہ تھے اور غایتِ حسن کے سبب اس امت کے یوسف مشہور تھے یمن کی جانب ذوالکلاع حمیری پر فوج کشی کے لئے روانہ فرمایا تھا جو تبع کی اولاد میں تھا اور خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا کہ تین لاکھ آدمی اس کو پوجتے اور سجدہ کرتے تھے چنانچہ حضرت جریر رضؓ وہاں پہنچے مگر حضرت کے مرض کی اطلاع پاتے ہی لوٹ آئے۔ ذوالکلاع نے خلافتِ فاروقی میں اسلام قبول کیا اور اٹھارہ ہزار غلام آزاد کر کے سلطنت پر لات مار کر فقر و فاقہ کو اختیار کیا اور ہمیشہ ناز کرتے رہے کہ دنیا کے مال و عزت کے بدلے اسلام کی دولت میسر آئی۔

الغرض ساعت بساعت حضرت کو بخار بڑھتا گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس چادر سے جو آپؐ اوڑھے ہوتے تھے لپٹیں چھوٹ کر پاس والوں کو گرم بنا دیتی تھیں کہ وہ گھبرا جاتے تھے ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا پیالہ آپ نے سرہانے رکھوا لیا تھا۔ اُس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے کہ ٹھنڈک پہنچ کر سکون حاصل ہو۔ مگر زہر کی گرمی جو حوالیِ قلب پر مستولی ہو چکی تھی کسی پہلو قرار نہ لینے دیتی تھی۔ آپ پر بار بار غشی چھا جاتی اور جب ہوش آتا تو سب سے پہلی بات جو زبان سے نکلتی یہ ہوتی تھی کہ "اذان ہوگئی یا نہیں اور پانی لاؤ کہ وضو کروں" آخر کئی مرتبہ ایسا ہونے پر کہ پانی آیا اور آپ بیہوش ہوگئے جب آپ نے سمجھا کہ مسجد تک جانا اب طاقت سے باہر ہے تو ارشاد فرمایا "ابوبکر سے کہدو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔

مسجد میں صحابہ جماعت کے منتظر دیر سے بیٹھے ہوئے تھے نماز کا وقت تنگ ہو چلا تھا۔ اِدھر ابوبکر علاوہ اس کے کہ حضرتؐ کے عاشق و شیدا تھے فطری طور پر رقیق القلب پیدا ہوئے تھے اور ان کی بیٹی حضرت عائشہ رضؓ خوب جانتی تھیں کہ میرے باپ سے حضرتؐ کی جگہ خالی نہ دیکھی جائے گی اور وہ گریہ کے غلبہ سے نماز ہرگز نہ پڑھا سکیں گے۔ اِس لئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عمر بن الخطاب کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھاویں ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو اِس خیال سے کہ لوگ حضرت کی جگہ خالی اور اُس پر ابوبکر رضؓ کو کھڑا ہوا دیکھیں گے تو ہمیشہ کے نحوست کا دوسوسہ کریں گے۔ اپنے پدر بزرگوار کو تشاءم سے بھی بچانا چاہا ہو۔ مگر حضرت نے تین مرتبہ یہی فرمایا کہ "ابوبکر سے کہو کہ امام بن کر نماز پڑھائیں۔ تم عورتیں تو یوسفؑ کی قصہ والی عورتیں بنا چاہتی ہو۔ اللہ اور مسلمان نہیں مانتے مگر ابوبکر کو اور اللہ اور مسلمان نہیں مانتے مگر ابوبکر کو"۔ اِس کے بعد آپ پر پھر بیہوشی طاری ہوگئی۔

اس کے بعد جب بلالؓ نے نماز کا وقت ہونے کی حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر حضرتؐ کو اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا کہ دوسرے سے نماز پڑھواؤ۔ چنانچہ حضرت بلال آئے اور حضرت ابوبکرؓ کو موجود نہ پا کر حضرت عمرؓ کو آگے بڑھایا کہ نماز مغرب پڑھائیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ کی آواز بلند تھی اس لئے قرأت کی آواز حضرتؐ کے کان میں پڑی تو آپؐ نے آنکھیں کھولدیں اور فرمایا کہ ابوبکر کہاں ہیں؟ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ میرے امام بننے کا حکم حضرتؐ کی زبان سے نہ نکلا تھا تو بہت نادم ہوئے اور حضرت بلالؓ سے شکایت کی کہ تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس کے بعد دوسری نماز یعنی عشاء میں حضرت ابوبکر امام بنائے گئے اور حضرت اس حالت کو دیکھ کر مطمئن و مسرور ہو گئے۔

درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیحد محبت تھی اور ظاہر ہے کہ اس نازک وقت سے جب کہ آپ کی پاک صدا پر کان دھرنے والا سنگستانِ عرب میں ایک بھی نہ تھا۔ آج تیئیس ۲۳ برس تک کسی موسم، کسی حالت، کسی وقت اور کسی سفر و حضر میں ساتھ نہ چھوڑنے والا شخص جتنا بھی آپ کا شیدا ہوگا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تن من دھن سب کچھ حضرتؐ پر نثار کر دیا اور کبھی زبان سے محبت کا دعویٰ نکالا نہیں۔ پس درحقیقت نبوت کی قوتِ قدسیہ سے بدرجہ اتم مستفیض ہو کر شانِ تکمیل میں سب سے بہتر ہونے کی وجہ سے حضرت کے لگائے ہوئے باغ کی حفاظت کے لئے ان سے بہتر باغبان دوسرا نہ تھا البتہ رقیق القلب اور عاشقِ رسول ہونے کی وجہ سے آپؐ کی خالی جگہ پر کھڑے ہونے کی چونکہ ان میں طاقت نہ تھی اس لئے تصرف و ہمت اور توجہ نبوت کی ضرورت تھی کہ اس مضمون میں استقلال ہاتھ سے نہ جانے پائے چنانچہ جب ابوبکرؓ نماز پڑھانے کو آگے بڑھے اور تکبیرِ تحریمہ کے بعد قرأت شروع کی تو گریہ کے سبب حلق پکڑا جانے لگا اور قریب تھا کہ چیخیں نکلیں اور نماز ٹوٹ جائے مگر حضرت کی روحانیت نے ان کو تھاما اور مرض میں خفت پا کر دو خادموں کے کاندھوں پر اس طرح ہاتھ رکھ کر کہ پائے مبارک کانپتے اور زمین پر گھسٹتے ہوئے آتے تھے آپ حجرہ سے باہر تشریف لے آئے اور صفوف کو قطع کرتے ہوئے ابوبکر کی بائیں جانب آبیٹھے۔ ابوبکر کی آواز میں یہ مسرت انگیز سماں دیکھ کر قوت آگئی اور امام رسل کو موجود پا کر پچھلے پاؤں سرکے کہ خود مقتدی بنیں اور حضرت امام۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارہ سے منع کیا کہ پیچھے نہ ہٹیں مگر ابوبکر کا ادب متحمل نہ ہو سکا اس لئے مکبّر بن کر کھڑے ہو گئے کہ حضرتؐ نے نماز پڑھائی اور انھوں نے بآوازِ بلند تکبیر کہی۔

اس پہلے مرحلے کو طے فرما کر حضرت حجرہ میں تشریف لے آئے اور وصیت کی کہ میری قبر کو عید نہ بنانا (کہ ہر سال مسرت کے ساتھ اجتماع ہو اور شادیانے بجیں) اور میری قبر کو بت نہ بنانا کہ پرستش کی جانے

لگے۔ خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر کہ اُنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو پُوجا اور مسجد بنا لیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ کو اہلِ بیت نہلاویں وُہی کفناویں اور وہی قبر میں اُتاریں۔ سب میں بہتر خوشبو عود کی ہے اور نبی کی رُوح وہیں قبض کی جاتی ہے جہاں اُس کا دفن ہونا خدا کو پسند آتا ہے۔ اِس کے بعد آپ پر پھر زیادتی ہو گئی اور درد و کرب نے چاروں طرف سے دبا لیا کہ اس مخطط چادر کو جسے اوڑھے ہوئے تھے کبھی چہرہ پر ڈالتے اور کبھی گھبرا کر مُنہ کھول دیتے تھے۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں دو مذہب نہ رہیں گے۔ حضرت فاطمہؓ باپ کی تکلیف دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائیں اور کہا "ہائے ابّا کی تکلیف" بیٹی کا یہ کلمہ سُن کر آپ نے آنکھیں کھول دیں اور شفقت کی نظر ڈال کر فرمایا کہ آج کے بعد تمھارے باپ پر کوئی تکلیف نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رونے لگیں اور جب حضرتؐ نے ان کی بیقراری دیکھی تو پاس بُلا کر کان میں کہا کہ "گھبراؤ نہیں وہ وقت بہت قریب ہے کہ بیٹی بھی اپنے باپ سے آ ملے گی" تو حضرت زہراؓ کو تسلی ہو گئی اور مطلع ہو کر کہ چند ماہ کے بعد میں بھی دُنیا چھوڑ دوں گی، ان کو قرار آ گیا۔

۱۱ ربیع الاوّل یعنی یکشنبہ کا دن آپؐ کو سخت تکلیف میں گذرا کہ رگوں میں دوڑنے والے خون کو تمپین نے گرم بنا لیا تھا۔ آپؐ بار بار پانی کے پیالہ میں ہاتھ ڈال کر مُنہ اور بدن پر پھیرتے اور یوں فرماتے تھے کہ یا اللہ موت کی سکرات سہل کر اور جان کنی کی تکلیف میں میری مدد فرما۔ آپ کی پیشانی پر بار بار پسینہ آتا اور رخساروں سے بہہ بہہ کر ٹپکتا تھا۔ اِدھر آپ کی بے چینی کی یہ حالت تھی اور اُدھر صحابہ کی بیتابی کا یہ عالم تھا کہ مسجد کے فرش اور حجرۂ مبارک کی دیوار کے پاس کھڑے ہو کر روتے اور بدحواس بنے پھرتے تھے کہ دیکھئے کیا ہونا ہے۔ آخر ایک بار کچھ افاقہ ہونے پر آپ نے پھر ہمت کی اور سر کو پٹی باندھے ہوئے دو صحابہ پر سہارا دیئے ہوئے آپ مسجد میں تشریف لے آئے۔ اب صحابہ کی مسرت کا کیا پوچھنا کہ حضرتؐ کے پاؤں کی آہٹ پا کر اُن کی کیا حالت ہوئی جوش مسرت سے اُن کے ہاتھ پاؤں بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ کر قدموں کو چُوم لیں مگر حضرتؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی حالتوں پر قائم رہو اِس لئے سب دَم بخود رہ گئے تاہم سمٹ سمٹ کر جگہ چھوڑ دی کہ حضرتؐ صفوف کو قطع فرما کر مصلّے پر تشریف لیجاویں۔ چنانچہ حضرتؐ صفِ اوّل سے آگے بڑھ کر ابوبکر کی داہنی جانب بیٹھ گئے اور نماز میں شرکت فرمائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے اور ایسی بلند آواز سے کہ مسجد سے باہر نکل گئی وعظ فرمایا جس میں صحابہ کو تسلّی دی صبر کے اجر بیان فرمائے اور کہا کہ "اے لوگو! دوزخ بھڑکائی اور دھونکی جانے لگی۔ فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آنے شروع ہو گئے اور میں نے اُسی کو حلال کہا ہے جسے قرآن نے حلال بتایا اور اسی کو حرام بتایا ہے جسے قرآن نے حرام کہا ہے" اِس کے بعد آپ صحابہ کو رخصت فرما کر حجرۂ عائشہؓ میں تشریف لے آئے اور یادِ حق میں مشغول ہو گئے اِس کے بعد آپ پر پھر کرب شروع ہوا۔ یہ حالت

تکلیف کے ساتھ گذری یہاں تک کہ عالم کو تاریک بنانے والی صبح آئی اور ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن نے طلوعِ فجر کے وقت سوئی ہوئی مخلوق کو جگا دیا۔ دفعۃً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون محسوس ہوا اور عین اس وقت جب کہ ابوبکر رضؓ کی آوازِ قرأت آپ کے کان میں پڑی تو آپ نے پردہ اٹھا کر صفوں پر نظر ڈالی اور جب دیکھا کہ نظام شرعی منتظم ہو گیا اور دینِ خداوندی کی محافظت کا بوجھ اپنے شاگردوں کو اٹھائے ہوئے الحمدللہ آنکھوں سے دیکھ لیا تو خوشی کے مارے آپ کا چہرہ چاند کی طرح دمکنے لگا۔ صحابہ رضؓ نے جب محسوس کیا کہ حضرت پردہ اٹھا کر دیکھ رہے ہیں، تو اُن کی ٹوٹی ہوئی کمریں مضبوط ہو گئیں اور شکستہ دل قابو میں آکر سنبھل گئے اور حضرت کو تندرست پایا تو مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

ابوبکر رضؓ نے کہ سترہ نمازیں پڑھا چکے تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آج الحمدللہ حضرت کا مزاج روبصحت ہے اس لئے اجازت ہو تو ذرا گھر ہو آؤں اور بنت خارجہ کے پاس جا کر جس کی آج باری کا دن ہے اس کا حق ادا کر آؤں۔ چنانچہ حضرت نے اجازت دی اور حضرت ابوبکر عوالی مدینہ میں بمقام سنح جہاں ان کی بی بی بنتِ خارجہ رہتی تھیں چلے گئے۔

کسی کو کیا خبر تھی کہ یہ افاقہ سنبھالا ہے اور حضرت کی یہ زیارت آخری اور رخصتی ہے چنانچہ چند ساعات گذری تھیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام اسمٰعیل فرشتہ کو ساتھ لئے ہوئے جو ایک لاکھ فرشتوں کے سردار ہیں حاضر ہوئے۔ اسمٰعیل علیہ السلام نے تو حق تعالے کا سلام پہنچا کر عیادت کی کہ طبعِ مبارک کا کیا حال ہے؟ اور عزرائیل علیہ السلام نے اجازت چاہی کہ اجازت ہو تو رفیقِ اعلیٰ پر پہنچانے کی خدمت انجام دوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا جواب دے کر کہ "الحمدللہ اچھا ہوں البتہ مرض کی تکلیف ہے" ملک الموت سے ارشاد فرمایا کہ "بہتر ہے اپنا کام کرو" ادھر حضرت عزرائیلؑ قبضِ روح میں مشغول ہوئے اور اُدھر حضرت کے جسم مبارک پر بےچینی و کرب کی یہ حالت پیدا ہوئی کہ کبھی رخسارۂ مبارک اِس پہلو رکھتے تھے اور کبھی اُس پہلو۔ بی بی عائشہ رضؓ نے حضرت کا کرب دیکھا تو سرہانے بیٹھ کر حضرت کو اٹھایا اور سر مبارک اپنے سینہ پر رکھ لیا کہ ذرا سکون ہو مگر یہ تکلیف تو نزع کی تکلیف تھی جس کا قوی جسم پر زبردست اثر ہونا لازمی تھا اس لئے روح کی بشاشت کا کچھ ہی حال ہو مگر بدن پر تکلیف کا یہ اثر تھا کہ آپ کو کسی پہلو چین نہ پڑتا تھا۔ اسی حالت میں ایک بچہ پر آپ کی نظر پڑی جو ہاتھ میں

---

۵۱ چونکہ حج کا دن یعنی ۹ ذی الحجہ جمعہ کو واقع ہوئی تھی اس لئے ربیع الاول کی بارھویں کو پیر کا دن کسی طرح صحیح نہیں ہوتا، پس یا تو تاریخ ۱۲ نہ ہوگی اور یا ممکن ہے کہ ذی الحجہ و محرم و صفر کے تینوں مہینے ۳۰ کے ہوں گے اور نیز اختلافِ مطالع کے سبب مدینہ میں مکہ کی رویت سے ایک دن بعد رویت ہو تو تاریخ اور دن مطابق ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ۔

مسواک لئے ہوئے تھا اور آپؐ نے اشارہ سے رغبت ظاہر فرمائی چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ نے مسواک لے کر آپؐ
کے ہاتھ میں دیدی۔ مگر جب آپؐ اُس کو مُنہ میں پھرانے پر قادر نہ ہوئے تو حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے مُنہ میں لے کر
اُس کو نرم بنادیا اور پھر حضرتؐ کو دیدیا کہ فرشتوں سے ہمکلامی کے لئے جس صفائیِ دہن کی ضرورت ہے، اُس کو
پورا فرمالیں۔ آخر آپؐ نے مسواک چند مرتبہ مُنہ میں پھیرا اور حضرت عائشہ رضؓ کو واپس دے کر چند بار آہستہ
آواز سے کہا کہ اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ۔ اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ۔ یا اللہ برتر جماعت کی رفاقت نصیب کر۔
یا اللہ عالی مرتبہ رفیق سے مِلا۔ اِس کے بعد آپؐ کی حرکت کم ہوتی گئی اور بدن بوجھل ہو چلا۔ اوّل تو بی بی
عائشہ رضؓ نے سمجھا کہ کچھ سکون ہوگیا ہے مگر جب بوجھ بڑھتا ہوا پایا تو چہرۂ مبارک پر نظر ڈالی۔ دیکھا تو آنکھوں
کی پُتلی چڑھ گئی، ناک کا بانسا پھر گیا، پیشانی پر موت کا ٹھنڈا پسینہ آگیا اور رُخساروں پر نور کی شعاعیں
پھیل چکی تھیں اِس لئے گھبرا گئیں، کلیجہ ہاتھوں اُچھلنے لگا، ہاتھ کانپنے لگے نظر کے سامنے اندھیرا چھا گیا
اور یہ معلوم کر کے کہ اعلیحضرت روحی فداہ اعلیٰ علیّین کو سدھارے آپؐ کا سرِ مبارک آہستہ سے تکیہ پر رکھدیا،
آنکھیں بند کردیں اور چادر سے جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے روئے مبارک کو ڈھانپ دیا۔

اِس سانحۂ عظیمہ کی اطلاع دفعۃً باہر پہنچی اور ہوا کی طرح مدینہ کی گلی اور کوچوں میں گشت لگا گئی تو
صحابہ کے اضطراب و بیکلی کی حد نہیں رہی، کیونکہ ابھی صبح کی نماز میں حضرت کی زیارت کی تھی اور ہشاش بشاش
دیکھ کر آئے تھے یا دو گھنٹے گذرنے پر اشراق کے وقت یہ صدا آنے لگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات ہوگئی اور آپؐ نے عالمِ آخرت کا سفر اختیار فرمایا۔ اس لئے بدحواس ہوگئے اور اکثروں کو یقین نہ آیا کہ
یہ خبر سچی ہے چنانچہ خود حضرت عمر رضؓ باایں کمال و عظمت ایسے مدہوش ہوئے کہ برہنہ تلوار لے کر دروازہ
مسجد پر کھڑے ہوگئے کہ حضرتؐ کا وصال نہیں ہوا اور نہ آپ دنیا سے رخصت ہوئے کیونکہ آپؐ کو ابھی بہت
کچھ کرنا اور منافقین کا تخم سرزمینِ مدینہ سے نکالنا ہے۔ یقیناً آپ اپنے خدا سے ملنے گئے ہیں جیسے موسیٰ بن
عمران کوہِ طور پر گئے تھے اور لوگوں نے مشہور کردیا تھا کہ موسیٰ کا انتقال ہوگیا پس یہ خبر منافقوں نے اُڑائی ہے
کہ اس سے منتفع ہوں۔ سو اگر میں نے کسی کو یہ لفظ کہتے سُنا کہ حضرت کو وفات ہوگئی تو قسم ہے اُس ذات
کی جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے کہ بے تامل گردن اُڑادوں گا۔ یہاں تک کہ جس وقت عوالیِ مدینہ میں
یہ خبر پہنچی تو حضرت ابوبکر رضؓ بھی گھبرائے ہوئے لپکے اور سیدھے بی بی عائشہ رضؓ کے حجرہ میں داخل ہوتے حضرتؐ
کے پاس پہنچکر چادر اُٹھائی، چہرۂ مبارک پر نظر ڈالی، پیشانی پر بوسہ دیا، آنکھوں سے آنسو بہائے اور بعد حزن و
غم عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان بیشک جس موت کا ذائقہ چکھنا آپکے لئے خدا نے لازمی
کیا تھا اُس کو تو آپ چکھ چکے اب آپ پر دو موتیں ہرگز جمع نہ ہوں گی۔ اِس کے بعد ابوبکر رضؓ چادر سے مُنہ ڈھ

مبارک کو ڈھانپ کر باہر نکل آئے اور کہا کہ درحقیقت آقائے نامدار آخرت کو سدھارے۔ شاہِ دین و دنیا نے دُنیا سے مُنہ موڑا، جان سے زیادہ پیارا محبوب رخصت ہوا۔ ہم کو سب کچھ پڑھا لکھا کر، بتا کر، سکھا کر اور اللہ والا بنا کر ہمارے پیغمبر نے لِقاءِ رب کو اختیار فرمایا۔ اس کے بعد آپ منبر پر چڑھ گئے اور قرآن کی یہ آیت پڑھ کر وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ (کہ محمدؐ بھی تو ایک پیغمبر ہی ہیں جن سے پہلے بہتیرے پیغمبر گذر لئے ہیں، سو اگر اُن کا انتقال ہو جائے یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے اپنے ایڑیوں پر لَوٹ جاؤگے اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر لَوٹ جائے گا وہ اللہ کا ہرگز کچھ بھی نقصان نہ کر سکے گا۔) یوں فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے تو حضرتؐ کا تو واقعی انتقال ہو لیا اور اگر عبادت واقع میں اللہ جلّ شانہٗ کی تھی (اور محمد اس کی تعلیم کا وسیلہ تھے) تو اللہ حیّ و قیّوم ہے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ سنبھلو اور کوئی حرکت ایسی نہ کرو جو حضرتؐ کی تعلیم اور حق تعالےٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ اِن کلمات کا صحابہ کے کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا ڈوبتی ہوئی کشتیاں کنارے آلگیں۔ گئے ہوئے ہوش و حواس لَوٹ آئے۔ بے قابو ہو جانے والے دِلوں کو قرار آگیا اور زائل ہو جانے والی عقلیں اپنے ٹھکانے آگئیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ خود فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ کا وعظ سُننے پر مجھے تنبّہ ہوا کہ ہاں یہ آیت بھی قرآن میں موجود ہے جس میں رسول کی وفات کا اشارہ اور اس نازک وقت میں مسلمانوں کو سنبھلے رہنے کی نصیحت کی گئی ہے چنانچہ میں نے تلوار کو نیام میں بند کر لیا اور وفاتِ محمدی پر ابوبکرؓ سے متفق الرائے بن کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔

یہ وہ نازک وقت تھا جس نے اُن صاحبِ استقامت صحابہ کو لڑکھڑا دیا تھا جن کے پہاڑ سے زیادہ اٹل استقلال نے اُس وقت بھی ازجا رفتہ نہ ہونے دیا تھا جب کہ خونی ملک کے پہاڑ ان کی عداوت کی صداؤں سے گونج رہے تھے اور ریگستانِ عرب کا ذرّہ ذرّہ گویا ان کے خون کا پیاسا تھا۔ انھوں نے وحشت خیز زمانہ میں جنگ کے ہولناک منظروں کو راحت و آرام کا گہوارہ سمجھا۔ تلوار و نیزہ کی دھاروں اور تیروں کی بوچھاروں کو نرم گدّہ تصوّر کیا۔ فاقوں کی مصیبت اور موت کی جانکنی کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھا۔ وطن کی مفارقت کو عزیز جانا اور ہر قسم کی تکلیفوں کو مایۂ ناز سمجھ کر برضا و رغبت برداشت کیا مگر آج جب کہ وہ دل لبھانے والی آواز جس کی بدولت سب کچھ جھیلا تھا بند ہو گئی تو اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے اپنی جانیں اوپری معلوم ہونے لگیں اور گویا اپنی زندگی بیکار نظر آنے لگی۔ یہ حضرت صدّیق رضؓ ہی کا دم تھا کہ ایسے کاملین کو جن سے آئندہ دنیا کی ظلمتیں کافور ہونے والی تھیں سنبھال لیا اور منجدھار میں ڈبکیاں لینے والے جنگی جہاز کو کمر پر لا دلیا کہ طوفانی موجوں کے تھپیڑوں سے غرق نہ ہو جائے۔ اُمّتِ محمدیہ اِس احسانِ صدّیقی کو عمر بھر نہیں بھول

سکتی۔ اور درحقیقت یہ طاقت تھی رُوحانیتِ محمدیہ کی جس نے ابوبکر رضؓ کی ذات کو اپنا جامہ اور قالب بنا کر اپنے لگائے ہوئے باغ کی حفاظت کا مشکل کام انجام دیا ورنہ وہ ابوبکر رضؓ جن کو حضرت کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کی طاقت نہ تھی اس زمین کو ہلا دینے والے سانحہ کی خود ہی برداشت نہ کر سکتے تھے بھلا دوسروں کو تو کیا تھامتے۔

اگر ماہِ محرم سے سال شروع ہو جیسا کہ سہولت کی غرض سے آئندہ ہجری سنہ کا حساب مقرر کیا گیا تو ۱۱ھ میں ورنہ ۱۰ھ کے آخری دن۔ ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ چاشت کے وقت پورے ترسٹھ سال کی عمر میں کُل تیرہ دن بیمار رہ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے حجرہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ ان تینوں باتوں پر فخر کیا کرتی تھیں کہ مسواک کی بدولت آخر وقت میں حق تعالیٰ نے میرے لعاب اور حضرت کے لعاب مبارک کو جمع کیا۔ حضرتؐ کا میرے سینہ پر انتقال ہوا اور میری باری کے اس دن وفات ہوئی جو بیبیوں میں باری قائم رکھنے کے حساب سے بھی میرے ہی حصہ میں آتا تھا۔

رسولِ خدا بالائے عرش و زیرِ زمین تشریف لے گئے۔ جبرئیل امین کی آمد بند ہو گئی وحیِ آسمانی کا سلسلہ ختم ہوا اور وہ انوار و تجلیات جن کی جھڑی موسلا دھار مینہ بن کر ہر وقت لگی رہتی تھی ختم ہو گئی یہی ہے خدائے واحد کی ذات کے سوا کسی کو بقا نہیں اور موت کا ناطق حکم تمام مخلوق کے لئے ایسا عام ہے کہ کسی سے ٹلنے والا نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

باب نمبر ۷

تدفین و خاتمہ

حضرت ابوبکر رضؓ کے وعظ سے جب صحابہ رضؓ کی حالتیں سنبھلیں تو اسلام کی آئندہ حفاظت کا فکر لاحق ہوا عرب کے تمدن پر اگر نظر کی جائے کہ "چند ساربان کوئی مختصر سا سفر بھی کریں گے تو اپنے مجمع میں سے کسی ایک شخص کو امیرِ قافلہ ضرور بنا لیں گے" یہ بات طرزِ معیشت سے ثابت ہوتی ہے کہ دنیا کے ذرا سے کام میں بھی اختلافِ رائے سے بچنے کے لئے سرداری کی حاجت ہے چہ جائیکہ دین اور دین کا بھی وہ نازک وقت جس نے سردارِ دین و دُنیا کے وصال سے دُنیا کو دفعتہً نظروں میں تاریک بنا دیا تھا خصوصاً جب کہ خود سرورِ عالم کے غسل و کفن اور دفن کے متعلق طرز و طریقہ بھی مخفی تھا کہ نہ کسی نے حضرت سے بحالتِ حیات اس کو پوچھا تھا اور نہ ان کی محبت اس سوال کی جرأت بلکہ خیال دلا سکتی تھی اس لئے لازمی تھا کہ سب سے پہلے مذہب اسلام کا حامی اور مسلمین صحابہ کرام کا امیر کوئی شخص مقرر ہو جائے کہ اس کے ماتحت بن کر ان ضروریات کو انجام دیں جن میں حضرت کو خصوصیت کے عالم اجلال کی وجہ سے دوسرے اموات پر قیاس نہیں کر سکتے تھے

ادھر انصار جو مدینہ کے اصل باشندے تھے چاہتے تھے کہ حضرتؐ کا غلام بننا چونکہ بوجہ نبوت تھا اس لئے اس کے تمام ہوئے پیچھے اپنے اختیارات کی باگ دوسروں کے ہاتھ میں نہ جائے اور ادھر مہاجرین کو جنھیں اپنا پرسی ہونا حضرت کے ظلّ حیات دنیوی کے اُٹھ جانے سے محسوس ہو رہا تھا۔ تمنا تھی کہ نظام حکومت قائم رہے اور دونوں قومیں شیر و شکر بن کر اسی اتفاق و یک جہتی کے ساتھ دین کی خدمتوں کو انجام دیں جس طرح اب تک حضرت کے ماتحت بن کر دیتی رہیں۔ چنانچہ حضرت علی و عباس وغیرہ تو حضرت زہراؑ کے مکان میں خاموش جا بیٹھے اور حضرات مہاجرین مسجدِ نبوی میں حضرت ابوبکر رضؓ کے پاس آآ کر بیٹھنے لگے۔ دفعتہً ایک شخص آیا اور کہا کہ اے گروہِ مہاجرین بنی ساعدہ کے سقیفہ میں انصار کا مجمع ہو رہا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ کو اپنا امیر بنا دیں، پس اگر انتظامِ دین کو منضبط رکھنے کے قدر دان ہو تو فکر کرو کہ تفریق سے پہلے اجتماع کا سامان مہیا ہو جائے ورنہ گیا وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا اور امتِ محمدیہ کے دو حصے ہو کر اختلالِ عظیم واقع ہوگا جس کی سنبھال قبضہ سے باہر ہو جائے گی۔

یہ سُن کر حضرت صدیق و فاروق وہاں سے اُٹھے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے کہ مشورہ میں شریک ہوں اور ہر چند کہ راستہ میں حضرت عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی نے ان حضرات کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہا بھی کہ انصار کے معاملہ میں دخل دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ بظاہر وہ ماننے والے نہیں ہیں مگر حضرت صدیقؓ نے پروا نہ کی اور یہ فرما کر کہ "کیا مضائقہ ہے حق بات ہوگی تو ہم سر جھکا لیں گے اور ناحق ہوگی تو امر بالمعروف کا فرض ادا کریں گے" اس مجمع میں جا پہنچے جہاں حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہونے کے سبب کمل سے منہ ڈھانپے بیچ میں بیٹھے تھے اور چاروں طرف سے انصار کا جمِ غفیر اُن کو گھیرے ہوئے تھا۔

جب اجلّہ مہاجرین کو بیٹھے ہوئے انصار نے دیکھا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے خطبۂ حمد و ثنا پڑھ کر کہا کہ "چونکہ ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکرِ جرار ہیں اور تم اے مہاجرین، ہم ہی میں کی ایک جماعت ہو اس لئے مناسب ہے کہ امیر المسلمین کوئی شخص ہم میں سے قرار دیا جائے۔ حضرت فاروق رضؓ چاہتے تھے کہ جواب دیں مگر حضرت صدیق رضؓ نے تقدیم کی اور فرمایا کہ برادرانِ اسلام جو فضیلت تم نے اپنی بیان کی وہ ہم کو بھی تسلیم ہے مگر حکومت قبیلۂ قریش ہی کو شایان ہے جو عرب میں نسب اور وطن دونوں کے اعتبار سے بہتر ہیں اس کے بعد حضرت عمر رضؓ و ابو عبیدہؓ کا جو مجمع میں موجود تھے، ہاتھ پکڑا اور فرمایا میرے نزدیک مناسب ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو پسند کرو اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔

ہر کام کے لئے ایک سلیقہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ حکومت کے لئے قدرت نے قریش ہی کی فطرت میں وہ مادہ رکھا تھا جس نے زمانۂ جاہلیت میں بھی ان کو سارے ملکِ عرب کا ایسا حاکمِ با اختیار بنائے رکھا کہ

کسی قبیلہ اور کسی قوم کو گردن اُٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اِس لئے اگر مہاجرین کو یہ فضیلت نہ بھی ہوتی کہ وہ کنبہ اور خاندان تھے سردار بنی آدم کے تب بھی سیاست کے درجہ میں ماننا پڑتا کہ انصار کیسے ہی صلحاء و کملاء کیوں نہ ہوں مگر عرب کی اقوامِ مختلفہ کو زیر رکھنے کی قابلیت سے خلقۃً محروم ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ کے نوخیز و ناز پرور دہ پودوں کی محافظت کے لئے قریشی الاصل باغبان کی ضرورت ہے۔ پس آفریں ہے حضرت صدیق کی حق گوئی اور ہمت پر کہ بھرے مجمع میں بھی ایسی بات کہنے سے نہ جھجکے جس میں اپنی بڑائی و اقتدار قائم کرنے کا وسوسہ پیدا کیا جا سکتا تھا اور انصار کو ناگوار گذرنے کے سبب خلاف کا احتمال پیدا تھا چنانچہ بعض انصار نے اِس کی تردید کی اور چار طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں، یہاں تک کہ ایک انصاری نے کہا کہ میں اس خلاف کا فیصلہ کئے دیتا ہوں ”بہتر ہے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے“ مگر یہ بھی چونکہ مناسب نہ تھا کیونکہ ہر امیر کی امارت اگر اپنی قوم پر قاصر رہے تو وہی تفریق و اختلالِ نظم ہے جس سے بچنے کی ضرورت ہے اور دونوں کی قوتِ اجتماعی جملہ مسلمانوں کا حاکم قرار پائے تو اختلاف کی صورت میں سرپنچ کی ضرورت ہے جس کے متعلق پھر وہی گفتگو ہے کہ انصار میں سے ہو یا مہاجرین میں سے؟ اِس لئے پھر اختلاف ہوا اور ہر شخص اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگا۔

مہاجرین اور انصار کا یہ اختلاف جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا خود شہادت دے رہا ہے کہ عرب اپنے ہر قصّے قضیئے کو طے کرنے کے لئے امیر کے محتاج تھے کیونکہ ایسے حاکم کے نہ ہونے ہی سے جو دونوں پر قابو یافتہ ہونے کے سبب ایک حکم دے کر سب کی گردنیں جھکا دیتا اِس قدر شور و شغب کی نوبت پہنچی کہ، امیر المومنین کا انتخاب ایک بڑی مہم بن گئی۔ پھر کیا پوچھنا اس حالت کا جو دفن و کفن پیغمبر کے متعلق — فی الحال اور جملہ اُمورِ دینی و دنیوی کے متعلق آئندہ ہر لحظہ و ہر آن پیش آتی۔ اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انتظامِ شرعی کے بقا کے لئے امیر کی تجویز کرنا کتنا ضروری تھی اور سیدنا ابوبکر باغبانِ اسلام کے باغ کی حفاظت میں کس ہمدردی و ہمت کا برتاؤ کر رہے تھے۔

آخر جب آراءِ مختلفہ کا شور و شغب بڑھا تو حضرت فاروقؓ نے ضروری سمجھا کہ اختلاف کو جلد مٹائیں۔ پس فوراً اُٹھ کھڑے ہوگئے اور حضرت صدیق رضؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ لائیے ہاتھ پھیلائیے کہ آپ سے بیعت کریں اِس لئے کہ آپ سے بہتر اِس مجمع میں کوئی نہیں کہ اس منصب کے شایاں ہو۔

الغرض سب سے پہلے حضرت عمر رضؓ نے بیعت کی اور اُن کے بعد مہاجرین آگے بڑھے جو وہاں موجود تھے اور جب سلسلہ چل گیا تو انصار نے بیعت شروع کردی یہاں تک کہ سارا مجمع جو سقیفہ بنی ساعدہ میں موجود

تھا حضرت صدیق رض کو امیر المومنین اور خلیفۂ رسولِ ربّ العلمین تسلیم کرکے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اِس طرح یہ پہلا مرحلہ جو سب میں عظیم الشان تھا طے ہولیا اور انصار و مہاجرین اپنی اپنی جگہ لوٹ آئے۔

اگلا دِن منگل کا آیا اور صحابہ نماز کے لئے مسجد میں جمع ہوئے تو سیّدنا ابوبکر رض منبر پر چڑھے کہ امورِ ضروریہ کا اعلان کریں مگر اس سے قبل کہ حضرت صدیق رض کچھ فرمائیں حضرت فاروق رض کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے مسلمانو! کل سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا وہ تم کو معلوم ہے۔ میں نے جو کچھ کیا اور کہا وہ کوئی آیت قرآنی نہ تھی کہ حق تعالےٰ نے اُس کا حکم دیا ہو۔ اور نہ کوئی وصیت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ میں نے اُس کو پورا کیا ہو۔ میرا خیال یہ تھا کہ حضرت اپنا جانشین ضرور تجویز فرمائیں گے جو ہمارے معاملات دین و دُنیا کا امیر اور مدبّر حاکم بنے گا مگر جناب رسالتمآب اپنی کتاب و سنّت تم میں چھوڑ گئے ہیں جس کو اگر تم مضبوطی کے ساتھ تھامے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور الحمدللہ کہ (اس کو تھامے رہنے کے لئے جس انتظام کی ضرورت تھی کہ کوئی امیر و حاکم ہو جو مقدمات فیصل اور انتظامِ دین و دنیا قائم رکھے اس کے لئے غیب سے سامان ہوگیا کہ حق تعالےٰ نے تم کو مجتمع رکھا اور تمھارے معاملات و دیانات کی باگ ایسے شخص کے ہاتھ میں دیدی جو تم میں سب سے بہتر و برتر ہے یعنی صاحب رسول اللہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ۔ پس شکر کرو اس احسان کا اور قدر کرو اس نعمت کی۔ کھڑے ہو اور بیعت کرو سیّدنا صدیق کے ہاتھ پر۔

حضرت عمر رض کی یہ تقریر سُن کر لوگ کھڑے ہوئے اور وہ انصار و مہاجرین جو سقیفہ میں موجود نہ بھی تھے یکے بعد دیگرے سب بیعت ہوئے۔ اِس طرح پر حضرت صدّیق رض کی خلافت عوام و خواص کے نزدیک مسلّم ہوئی اور سقیفہ کی بیعت خاصہ کے بعد مسجدِ نبوی میں علی الاعلان وہ بیعتِ عامّہ صادر ہوئی جس سے انحراف کا پھر کسی کو وسوسہ بھی نہ گذرا۔ اِس کے بعد حضرت صدّیق کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو! میں تمھارا والی و سرپرست قرار دیا گیا ہوں اور میں تم میں بہتر نہیں ہوں۔ پس اگر سیدھا چلوں تو میری مدد کیجو اور ٹیڑھا چلوں تو مجھ کو سیدھا کر دیجو۔ سچائی امانت ہے (جس لئے اس کا پابند رہنا پڑے گا کہ وہی اس کا حق ادا کرتا ہے) اور جھوٹ خیانت ہے (کہ اس سے بچنا ضروری ہے) تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اُس کو واپس دلادوں بشرطیکہ خدا چاہے اور جو تم میں زور آور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں مظلوم کا انتقام اُس سے لوں بشرطیکہ خدا چاہے اور جو قوم جہاد کو ترک کرتی ہے خدا اُس کو ذلیل و رُسوا بنا دیتا ہے اور جس گروہ میں بدکاری پھیل جاتی ہے اس پر آسمان سے بلاءِ عام نازل ہوتی ہے۔ صاحبو امیری اطاعت کیجو جب تک میں اللہ اور اُس کے رسول کا مطیع رہوں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان بنوں تو نہ اطاعت ہے نہ فرماں برداری۔ اُٹھو اور نماز پڑھو خدا تم سب پر رحم فرمائے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور آپ کے پھیلائے ہوئے اسلام کی محافظت کے لئے ظاہر ہے کہ جتنی صلاحِ عملیہ و فضیلتِ علمیہ کی حاجت تھی اسی قدر قوتِ انتظامیہ و ملکۂ حُسنِ تدبر کی ضرورت تھی، کیونکہ آپ دُنیا کے ہر طبقہ کو دین اور دُنیا دونوں کی گذران کا بہترین طریقہ سکھانے کو تشریف لائے تھے پس ایسا جامع شخص جس میں دونوں قسم کی استعداد اتنی تام و کامل ہو کہ نیابتِ محمدیہ کا بوجھ اُٹھالے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں بجز ابوبکر کے درحقیقت دوسرا نہ تھا اس لئے کہ جہاں سب سے پہلے اسلام لانے تیئیس ۲۳ سال کامل عبادتِ حقہ و اطاعتِ خدا و رسول میں گذارنے کسی سفر و حضر میں مرافقت و معیتِ نبویہ کے نہ چھوڑنے اور تن مَن دھن سب کو مذہبِ اسلام پر نثار کر دینے سے اُس کا ثبوت مِل رہا ہے کہ یہ تمام صحابہ میں افضل تھے، وہیں حدیبیہ میں دَب کر صلح کرنے میں کہ بجز ابوبکر کے دوسرا شخص بطیبِ خاطر اِس مضمون کو جس میں صورۃً عار و کمزوری معلوم ہو رہی تھی گوارا نہ کر سکا۔ اس کا پتہ چل رہا ہے کہ ان کی طبیعت کو فطری طور پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سے مناسبت تھی کہ جو بات آپ کو طبعاً پسند آتی تھی وُہی بِلا چون چرا اور بغیر کنج و کاؤ کے حضرت صدیق رض کو بھی طبعاً پسند آتی تھی چنانچہ قیدیانِ بدر کے قصہ میں جس طرح حضرت ۲ کی رائے تھی کہ ان کا چھوڑنا بہتر ہے اِسی طرح ابوبکر رض کی بھی یہی رائے ذاتی تھی اور گو منشاءِ خداوندی کے خلاف تھی کہ عتاب بھی نازل ہوا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت گویا ابوبکر رض کی طبیعتِ ثانیہ تھی کہ خطاء و ثواب میں کسی طرح جُدا نہ ہو سکتی تھی۔ اِسی طرح حضرت عائشہ رض پر بہتان بندی کے قصہ میں کہ باوجود بیٹی ہونے کے ابوبکر سے موافقت نہ ہو سکی اور جو اثر اس غلط افواہ کے چرچا ہونے سے حضرت کے قلب مبارک پر ہوا وُہی ابوبکر رض کے قلب پر وارد ہوا۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت نے اُنھوں نے حضرت صدیق کا قلب ہی ایسا بنایا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب سے بہت کچھ مشابہت لئے ہوئے تھا اور یہی وجہ تھی کہ حضرت کی دعوت اسلام کے ابتدا میں جب کہ آپ نے مدعیٔ نبوت بن کر توحید کا صور پھونکا تو حضرت صدیق نے سب سے پہلے بیعت کی اور کسی معجزہ کا سوال کئے بغیر صرف اِتنا پوچھ کر کہ آپ کس کام سے منع کرتے اور کس قسم کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے اور مجھے غلامی میں داخل کیجئے۔ صاحب بصیرت اور گہری نظر سے کام لینے والے شخص کو اس سے پتہ چل جائے گا کہ ابوبکر رض کا قلب جس میں نورِ نبوت سے چمک اُٹھنے کی صلاحیت گویا پہلے ہی سے موجود تھی صرف وحدانیت خداوندی کا دعویٰ سُننے کا منتظر تھا کہ اِدھر کان میں پڑا اور اُدھر قلب نے ہمجنس پا کر اُس کو فوراً جگہ دیدی کہ احترام کے ساتھ ٹھہرے اور اپنا گھر سمجھ کر متمکن ہو۔

اِن واقعات سے ذرا سی توجہ پر بھی ہر وہ شخص جس کو ضد و عناد سے بحث نہ ہو اس کو تسلیم کرلے گا کہ گو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئیس ۲۳ سالہ کارنامہ کو سنبھالنے کی خدمت صرف وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو تیئیس سالہ خدمت و اطاعت میں پورا تجربہ کار بننے اور مالی و بدنی ہر قسم کے امتحان میں کامیاب اُترنے کے علاوہ طبعی و قلبی اعتبار سے بھی آپ کی مجانست و موافقت لے کر پیدا ہوا ہو اور ایسا شخص ابوبکرؓ کے علاوہ دوسرا نہ تھا اس لئے ضرورت نہ تھی کہ حضرتؐ اپنی جانشینی کے لئے ان کو نامزد فرماتے اور صاف الفاظ میں اطلاع دیتے کہ "میرے بعد ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کو خلیفہ بلا فصل سمجھنا" اور گو حجۃ الوداع سے پہلے سال ان کو امیر الحاج بنا کر عرفات روانہ فرمانے اور خاص مرضِ وصال میں نماز کی امامت اُن کے حوالہ فرما کر ستّرہ نمازوں میں مقتدا بنا ہوا دیکھ کر مسرور و مطمئن ہونے سے یہ بات بھی کھل گئی تھی کہ امارت و امامت کے شایاں ابوبکرؓ ہی ہیں۔ تاہم امامت کے متعلق یہ الفاظ فرمانے کہ "نہیں گوارا کرتا اللہ اور آپ مگر ابوبکر کو" اور دوسرے مضامینِ خفیہ سے جن میں جلی اشاروں سے بصورتِ پیشین گوئی خلافتِ صدّیقی کا وقوع ظاہر ہو رہا ہے۔ اس بحث میں بہت کچھ روشنی پڑ رہی ہے مگر ہم مورّخ ہونے کی حیثیت سے بشہادتِ واقعات دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سخت ترین خدمت کے انجام دینے کے لئے علمی و عملی فضیلت اور انتظامی و سیاسی قابلیت میں ابوبکر سے بہتر کوئی شخص چونکہ دوسرے کو ثابت نہیں کر سکتا اس لئے جس طرح مخلوق کی بدحالی دیکھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبی و رسول اور مصلح و ہادی ہونے کے دعوی کو بیکار آوردہ وسوسہ اس اعلان کے لئے مزاحم نہ ہوا کہ لوگ متکبر و طالبِ حکومت بتائیں گے اور آوازے کسیں گے کہ لیجئے عبداللہ کے یتیم صاحبزادے نبی ہو گئے۔ اسی طرح پر حضرتؐ کے وصال پر صحابہ میں جو زلزلہ واقع ہوا تھا اس نازک موقع کی سنبھال کے لئے اگر حضرت صدّیقؓ مدعیِ خلافت بن کر اپنی زبان سے بھی کہتے کہ میرے ہاتھ پر بیعت کرو تو بیجا نہ تھا بلکہ امتِ محمدیہ پر شفقت اور گلستانِ احمدی کے ساتھ عین ہمدردی تھی کہ مخلوق چاہے طالبِ جاہ و مال بتائے یا خواہانِ حکومت و ریاست مگر کام کسی طرح سنبھلا رہے مگر مسبّب الاسباب خدا نے اس کا موقع نہ دیا اور اس سے پہلے کہ ابوبکرؓ پیش قدمی کریں اسی پر اکتفا فرمایا کہ حضرت فاروقؓ کی درخواست پر ہاتھ پھیلا دیں اور بیعت لینے میں انکار نہ کریں چنانچہ وہ باحسن وجوہ پورا ہوا پہلے ہی خطبہ میں اس منصب کی صلاحیت و اہلیت کا لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ابوبکرؓ نہ اپنے کو دوسروں سے بہتر سمجھتے ہیں نہ حکومت کے شائق ہیں اور جب بضرورت سر پر پڑ گئی تو سب سے زیادہ اہم فریضہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ رعایا کے پاسبان بن کر قوی و ضعیف کو ایک نظر سے دیکھیں، ظالم کو دبانے اور مظلوم کی دادرسی میں نہ ڈریں اور نہ کوتاہی کریں، ترقیِ اسلام کو ملحوظ رکھیں، جہاد کو ضروری اور مذہب پر جان نثاری و شہادت کو عزّتِ دین و دنیا کا وسیلہ سمجھیں، زنا و بدکاری کو دنیوی وبال کا بھی بڑا ذریعہ جانیں، طاعتِ خدا اور رسول

کو مطمح نظر رکھ کر اعلان کر دیں کہ میری اطاعت چونکہ محض دین کی خاطر ہے اس لئے اسی وقت تک ضروری ہے جب تک میں دیندار بنا رہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی استقامت پر مغرور و نازاں نہ ہوں بلکہ عام مخلوق سے خواہشمند بنیں کہ غلطی پر چلنا پائیں تو فوراً متنبہ کر دیں کہ ہر مسلمان بھائی پر حق ہے۔

الغرض نظام شرعی کے مستحکم ہونے کے بعد بیوم سہ شنبہ تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے اور تحریر ہوا کہ حضرتؐ کو غسل دیا جائے یا نہ دیا جائے اور دیا جائے تو بدن مبارک سے کپڑے اُتارے جائیں یا نہ اُتارے جائیں آخر اختلاف کا فیصلہ اس طرح ہوا کہ حق تعالےٰ نے سب پر نیند کو مسلط کیا کہ دفعۃً اُونگھ آکر سب کے سر نیچے جھک گئے اور اسی حالت میں گھر کے گوشے سے ایک غیبی ندا آئی کہ مع کپڑوں کے غسل دو۔ چنانچہ حضرت علی رضؓ نے جسم مبارک کو اُٹھا کر اپنے سینے کے سہارے لگایا حضرت عباس و فضل اور قثم نے رُخ بدلنے اور کروٹ لوانے میں مدد دی اور اُسامہ بن زید رضؓ و شقران رضؓ نے جو حضرتؐ کے آزاد شدہ غلام تھے پانی ڈالنا شروع کیا۔ اس وقت ایک تیز خوشبودار ہوا اُٹھی جس سے حضرت عائشہ رضؓ کا حجرہ مہک گیا اور جس کا سونگھنا اس سے پہلے اور پیچھے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ حضرت علی رضؓ بدنِ مقدس کو کرتہ کے اوپر سے ملتے جاتے اور خوشبو سے متمتع ہو کر عرض کرتے جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ بحالت حیات و ممات کس قدر معطر ہیں۔ اس کے بعد آپ کا کرتہ نچوڑ دیا گیا اور تین سفید یمانی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں قمیص و عمامہ نہ تھا اس لئے کہ قمیص جو غسل کے سبب بھیگ چکا تھا کفن سے بدن مستور ہو جانے کے سبب نکال لیا گیا تھا کہ دوسرے کپڑوں کو تر بنا کر خراب نہ کرے۔ اس کے بعد جنازہ گھر میں رکھ دیا گیا کہ نماز پڑھی جائے۔ چنانچہ اوّل مردوں نے گروہ گروہ ہو کر نماز پڑھی پھر عورتیں آئیں اور انھوں نے نماز پڑھی اُن کے بچے آئے اور اس شرف سے مشرّف ہوئے۔ چونکہ ہر مرد و زن اور بچہ و بوڑھا متمنی تھا کہ شرفیاب ہو اس لئے جماعت نہ ہو سکی اور بشر کی مختلف جماعتیں تو نماز پڑھتی ہوئی نظر بھی آگئیں باقی فرشتوں کی خبر نہیں کہ کس تعداد کی جماعت نے نماز ادا کی۔ اس اہتمام میں منگل کا دن ختم ہو لیا اور اب قبر کے متعلق فکر لاحق ہوئی کہ کہاں کھُدوائی جائے اور لحد ہو یا شق؟ مگر چونکہ حضرتؐ فرما چکے تھے کہ انبیاء کی روح وہیں قبض کی جاتی ہے جہاں وہ اپنا مدفون ہونا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے ابوبکر رضؓ نے اس حدیث کو سُنایا اور فرمایا کہ آپ کو وہیں دفن کرو جہاں آپؐ کا بستر تھا اور ایک شخص کو حضرت ابو طلحہ رضؓ کے پاس بھیجا جائے جو اہلِ مدینہ کی طرح لحد کھودتے ہیں اور دوسرا شخص حضرت ابو عبیدہ رضؓ کے بلانے کو روانہ کیا جائے جو اہلِ مکہ کی طرح شق کھودتے ہیں پس حق تعالےٰ اپنے محبوب کے لئے جو بات پسند فرمائے گا وہ واقع فرما دے گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور جب حضرت ابو طلحہ رضؓ پہلے آپہنچے تو معلوم ہو گیا کہ لحد ہی کے کھودنے کو حق تعالےٰ

نے انتخاب فرمایا ہے۔ جب ابو طلحہ قبر کنی سے فارغ ہو چکے تو ماہتاب اسلام کو زیر زمین پہنچانے کا تہیہ ہوا اور یہ وہ وقت تھا کہ اگر روحانیتِ محمدیہ پُشت پناہ نہ ہوتی تو صحابہ رضؓ کی ہمت نہ تھی کہ اس خدمت کو انجام دے سکتے چنانچہ حضرت علی و عباس اور حضرت عباس کے دو صاحبزادے قثم اور فضل یعنی ایک چچا اور تین چچا زاد بھائی کُل ان چار حضرات نے شبِ چہار شنبہ میں جب کہ نصف رات گذر چکی تھی آپؐ کو قبر شریف میں اتارا اور آپؐ کی لحد پر نو کچی اینٹیں پاٹ کر اس کا مُنہ بند کر دیا اس کے بعد مٹی بھر دی گئی جس میں تمام صحابہؓ شریک ہوئے اور قبر مبارک کو کوہان نما بنا کر حضرت بلالؓ نے ایک مشکیزہ پانی کا چھڑک دیا کہ مٹی بیٹھ جائے۔

حضرت شقران نے نجران کا بُنا ہوا کھیس جس کو حضرت اوڑھا کرتے تھے اِس خیال سے کہ آپ کے ملبوس کا استعمال دوسرے شخص کے لئے خلافِ ادب ہے۔ اپنی رائے سے قبر شریف میں بچھا دیا تھا گر بعد میں وہ نکال لیا گیا اور کفن سے زائد کوئی کپڑا لحد مبارک کے اندر نہیں رکھا گیا۔ اِس سے فارغ ہو کر صحابہ رضؓ حضرت زہرا کے پاس آئے تو وہ بے اختیار رو پڑیں اور فرمایا کہ "اے لوگو! تمہارے دلوں نے کس طرح گوارا کیا کہ ابا جان کو قبر میں دفنا کر زیرِ زمین سُلا آئے"۔ اِن کلمات نے صحابہؓ کے زخمی دلوں پر تیر کا کام دیا اور عام گریہ وزاری سے کہرام مچ گیا۔ اِس میں شک نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کی شان ایسی مطلق ہے کہ آپ کی وفات بھی مظہرِ رحمتِ الٰہیہ ہے چنانچہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۔ کہ آخرت تمہارے لئے دُنیا سے بہتر ہے اور آپ کے اِس ارشاد سے کہ "اللہ نے اپنے بندہ کو دنیا و آخرت میں اختیار دیا کہ جس کو چاہے پسند کرے چنانچہ اس نے آخرت ہی کو پسند کیا" ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ کی شان کمالِ قربِ خداوندی و علوِ مرتبت کے لئے سفرِ آخرت کو مقتضی تھی اور اِس ارشاد سے کہ حق تعالےٰ جب کسی امت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس اُمت کے پیغمبر کو امت سے پہلے وفات دیتا ہے اور نیز آپ کے یوں فرمانے سے کہ "اپنی اُمت کے لئے میر ساماں بن کر میں آگے جاتا ہوں کیونکہ میری وفات کی برابر اُن پر کوئی مصیبت نہ ہو گی" یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آپؐ کی حیات ایک قسم کی نعمت تھی تو وفات تمام مسلمانوں کے لئے دوسرے قسم کی رحمت ہے مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ آپؐ کی وفات کا سانحہ طبعاً اور فطرۃً ایسا روح فرسا اور ہوش رُبا ہے کہ اس کی نظیر نہ دوسرا ہوا اور نہ قیامت تک ہو۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ ۔

(مطبوعہ مشہور پریس۔ میکلوڈ روڈ کراچی)

اسلام مکمل

اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مستند اور نہایت جامع و پاکیزہ حالات اور بہترین معلومات پر مشتمل مکمل ترین کتاب

تالیف

مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی رح

ناشر

دینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل میکلوڈ روڈ کراچی

(مشہور پریس کراچی) (کتبہ نبی احمد خاں)